قرآن خود کیا ہے؟

الحمد للہ وکفی وسلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفی o

امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرّجیم o

بسم اللہ الرّحمن الرّحیم o

"انّ ھذا القرآن یھدی للّتی ھی اقوم" o

خواتین وحضرات! آج کی اس مقدس محفل میں علوم قرآنیہ کے سلسلے میں سب سے پہلی بات قرآن حکیم سے متعلق ہوگی۔ بحیثیت کتاب قرآن پاک کیا ہے؟ میں نے پندرھویں پارے کی ایک آیت کریمہ کی تلاوت کرنے کا آپ کے سامنے شرف حاصل کیا ہے۔ اس آیہ شریفہ میں قرآن پاک نے اپنا سب سے بڑا مقصد بیان کیا ہے۔ وہ مقصد یہ ہے کہ یہ قرآن اس راستے کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ دیرپا اور سب سے زیادہ قائم رہنے والا ہے۔ اس آیت مقدسہ نے قرآن پاک کے ایک بڑے مقصد کو ہمارے سامنے واضح کیا ہے وہ مقصد یہ ہے کہ نظریات سے بھرپور کتابیں کائنات میں موجود ہیں۔ لیکن وہ نظریات دیرپا نہیں ہیں۔ وہ نظریے انسانوں کا ساتھ زیادہ دیر تک نہیں دیتے۔ قرآن وہ نظریہ، وہ حقیقت اور وہ طرز عمل عطا فرماتا ہے۔ جس پر دوام اور ہمیشہ کے قیام کی مہر ہے۔ اس دعوے کو جب ہم کتابیں سامنے رکھ کر جانچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمارے سامنے وہ کتابیں جو بڑی دیر سے انسانوں کے قلوب واذہان پر چھائی ہوئی ہیں۔ وہ آتی ہیں، ان میں سے قرآن پاک کے علاوہ تین کتابیں تو آسمانی ہیں تورات، زبور، اور انجیل۔ سات کتابیں وہ ہیں جن کے متعلق مسلمانوں کا یہ نظریہ ہے کہ وہ آسمانی نہیں لیکن پرحکمت کتابیں ہیں۔ ان سات میں سے تین تو وہ ہیں جن کا تعلق قدیم ایران کے ساتھ ہے۔ ژند، پاژند اور اوستا، چار وہ ہیں جن کا تعلق قدیم ہندوستان سے ہے۔ رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھرو وید۔ یہ سات زمینی کتابیں اور یہ باقی تین آسمانی کتابیں مل کر دس کتابیں بن گئیں۔

کھلے ذہن سے ان کتابوں کو سامنے رکھ لیا جائے تو جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں لانے والا انہیں لکھنے والا کوئی بھی اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ ساری کائنات کے لیے ہیں۔ یہ ایک محدود دور کے لیے ضرور ہو سکتی ہیں۔ مثلاً انجیل میں ہمیں یہ فقرہ تو ملتا ہے کہ میں اسرائیل کی گم گشتہ بھیڑوں کی تلاش میں نکلا ہوں یا عربی کی تورات میں یہ فقرہ تو ہمیں ملتا ہے

Marfat.com

کے ساتھ میں اشارات کے ذریعے آگے بڑھ رہا ہوں، لہذا آسمانوں کا لفظ جمع آیا ہے، زمین کا لفظ واحد ہے) فرمایا ان کو بھی اور اس سب کچھ کو جو ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا کیا ہے۔ وہ چھ دن کیا ہیں۔ اس پر بھی جدید اور قدیم سائنس کے بے شمار نظریات ہیں۔ اور اس حقیر فقیر کی نگاہوں میں وہ سارے نظریات سمائے ہوئے ہیں۔ ایک ایک کا ہم تجزیہ کریں گے۔ لیکن آج کے خطاب میں نہیں۔ آج ہم نے صرف یہ کہنا ہے کہ شرک کی یہ کون سی قسم تھی جس میں وہ لوگ مبتلا تھے۔ تو ارشاد ہوا کہ اللہ نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے چھ دنوں میں پیدا فرما دیا ہے۔ اب یہ کہ خدا تھک گیا ہے تو اس کی تردید فرمائی۔

"ومامسنا من لغوب"o (ہمیں تو تھکن نے چھوا تک نہیں ہے)

اس لیے کہ تھکن عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے منزہ ہیں، مقدس ہیں وہاں عیب کی رسائی نہیں ہوتی لہذا وہاں تھکن نہیں ہے لیکن ایک اور جگہ پر بڑے بلیغ انداز سے اس بات کو ایک اور انداز میں رب نے بیان فرمایا۔ کافروں کو کہا!

"افعیینا بالخلق الاول "o (یہ تو تخلیق اول ہے)

''کیا اس تخلیق اول میں ہی ہم تھک گئے ہیں۔'' ہم نے تو ابھی پھر اس کو دہرانا ہے۔ قیامت قائم ہونی ہے۔ تو ہم پہلی دفعہ ہی تھک جائیں تو قیامت قائم کرنے کے لیے ایک اور خدا بنانا پڑے گا۔ لہذا یہ تھکن والا تمہارا فلسفہ بالکل بے ہودہ فلسفہ ہے۔ اور یہ بالکل غلط فلسفہ ہے لہذا یہ شرک کی جو قسم ہے کہ خدا تھک گیا ہے۔ یہ بات نہیں اور کوئی بندے ہوں گے تو کام چلائیں گے، یہ بات نہیں ہے یہ بھی شرک ہے۔

پانچویں قسم جو شرک کی، قرآن نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ خالق تو اللہ ہے۔ مگر کام بہت زیادہ بن گیا ہے ایک ذہن اتنے کام کو چلا نہیں سکتا۔ یہاں ٹھوکر کہاں لگی؟ کہ اللہ کریم کی قوت تخلیق کو اپنے ذہن پر قیاس کر لیا ہے۔ جو بالکل محدود تھا۔ وہ کام چلا نہیں سکتا، مجبور ہو کر اپنے مددگار طلب کر لیے ہیں، مولانا ہمارے اسلامی لیڑیچر میں بھی کچھ ایسی غلط باتیں ادھر سے روایت ہو کر آ گئی ہیں۔ قرآنی آیات نے اس کی تردید کی اب آپ کو لطیفے کے طور پر ایک روایت سنائیں گے۔ تردیدی آیات کا انداز یہ ہے۔

"ولئن سئلتهم من خلق السمٰوٰت والارض"o

(اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے)

"وسخر الشّمس والقمر"o

(اس سورج اور چاند کو کس نے مسخر کر دیا ہے)

"لیقولنّ اللہ"o

(وہ کہیں گے کہ یقیناً یہ اللہ کا کرم ہے کہ ایسا ہوا ہے)

جب اللہ نے یہ سارا کچھ کیا ہے۔

"فانیٰ یوفکون"o

پھر تم کس جھمیلے میں پڑے ہوئے ہو کہ اب اس سے کام چل نہیں سکتا۔ یہ بات بھی تمہاری بالکل غلط ہے تو یہ پانچویں بات تھی۔

ان پانچ باتوں میں بھی آپ ایک بنیادی نکتہ دیکھیں گے جو میں نے ابتداء میں عرض کیا ہے۔ کہ کسی انداز سے کسی دوسرے کو رب کے ساتھ بطور مساوی قرار دے دیا گیا ہو۔ اور یہ مساوات شرک ہے۔ لہذا جہاں بھی مساوات بطور برابری کے آئے گی، وہ شرک ہوگا۔ امت ساری ان پانچ شرکوں کو قرآن سے تلاش کرتی رہی ہے۔ ہماری بدقسمتی تھی کہ جس طرح فلاسفر بے شمار معاملات میں پھسلے اور کسی ایک بات کو عقیدہ بنالیا۔ اسی طریقے سے ہمارے کچھ علماء بھی پھسلے اور انہوں نے بڑی محدودیت کا ثبوت دیا۔ ایک تو وہی جو میں آپ کو علمی لطیفہ کہہ رہا ہوں۔ واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے ایک مشہور مفکر نے بڑی غیر فطری بات کہی۔ وہ غیر فطری بات یہ تھی کہ جب نبیؐ لامکاں میں پہنچے تو اللہ کریم کو اس نے بالکل مجسم شکل دے دی۔ حالانکہ اللہ کریم جسم سے پاک ہیں۔ تو اس نے لکھا کہ سرکارؐ نے جب اللہ کو دیکھا تو بال بھی سفید تھے، بھوئیں بھی سفید تھیں اور بڑھاپے کی وجہ سے بھوئیں آنکھوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ آپ بڑی دیر تک کھڑے رہے تو اللہ کو پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ پاس آگئے ہیں پھر اللہ نے وہ بھوئیں اوپر اٹھائیں تو پوچھا۔

"ھل انت محمّد"o

(کیا آپ محمدؐ ہیں)

تو یہ وہ باتیں ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پاؤں۔ اب اسی ایک روایت میں خدا جانے کس طرح اسلام کا اس بندے نے بیڑا غرق کر دیا۔ تو ایسی باتیں نہیں ہوتیں۔ اللہ کریم کی ذات!

"لیس کمثلہ شیئی"o

(اس جیسی تو کوئی شے ہی نہیں)

کچھ مفکرین کو ایک عجیب بات سوجھی۔ وہ بات یہ سوجھی کہ وہ لوگ جنہوں نے ساری زندگی دین کے کام کیے تھے۔ صحابہ عالی مقام، خاندان نبوت ہے، اس امت کے مجتہدین ہیں، اس امت کے علماء ہیں، اس امت کے اولیاء ہیں۔ ان کے

اعمال کو شرک کے ترازو میں رکھ دیا گیا۔ یہ بات بالکل ہی غلط تھی۔ اس لیے کہ ان میں سے کسی کو بھی، مسلمانوں نے اللہ کریم کا شریک سہیم کبھی بھی نہیں سمجھا۔ اب سرکارؐ سے بڑھ کر اور کون ہوگا؟ کیا کوئی مسلمان سرکار کریمؐ کو اللہ کریم کا شریک کار قرار دے سکتا ہے۔ یہ اسلام کے نہ سمجھنے کی بات ہے۔ یہ تو تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ ہم تو ہر سال عید میلاد مناتے ہیں۔ مولانا جس کی پیدائش منائی جائے کیا وہ خدا ہو سکتا ہے؟ عید میلاد بذات خود شرک کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔ جب آپ یہ دن منائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سرکارؐ کی ولادت ہوئی تھی۔ تو جس کی ولادت ہوتی ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔ وہ خدا کا شریک اور ہم جنس بھی نہیں ہوتا۔ قبر پر جائیں تو شرک ہو جائے گا۔ یہ شرک نہیں ہے آپ کسی قبر والے کو اللہ کے مساوی قرار دیں۔ تو ایک لمحے کے بعد شرک ہو جائیگا۔ لیکن اللہ کے مساوی قرار نہیں دیں گے۔ تو شرک نہیں ہوگا۔ آئیے اب سرکارؐ سے پوچھتے ہیں ارشاد ہوا کہ

"کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور"o

ترجمہ (کیونکہ شرک کا دور قریب تھا اس لیے) میں تمہیں قبروں کی زیارت سے روکتا تھا۔

"وقد اذ ن لمحمد بزیارۃ قبر امہ فزو رو ھا فانھا تذ کر الاخرۃ"o

ترجمہ: ''اب مجھے اپنی والدہ مطہرہ کے مزار پر جانے کے لیے اجازت مل گئی ہے۔ تم بھی قبروں پر جایا کرو، یہ قبریں آخرت کو یاد دلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں''۔

سرکارؐ نے فرمایا اگر والدین ناراض ہو جائیں اور وہ اسی انداز سے وصال کر جائیں تو ہر جمعہ کو ان کی قبروں پر جایا کرو۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کرے ان کی روح تم سے راضی ہو جائے پھر ارشاد فرمایا جو تیئ جمعہ مسلسل والدین کی قبر پر جاتا ہے اسے اللہ بر لکھ دیتے ہیں یعنی نیک لکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ احادیث میں جگہ جگہ آتا ہے اب جس ہستی پر قرآن نازل ہوا ہے اس کا عمل قرآن کی تشریح ہے۔ سرکارؐ با قاعدگی کے ساتھ تشریف لے جایا کرتے تھے ان لوگوں کے مزارات پر، جو احد کے پہاڑ کے دامن میں شہید ہوئے تھے۔ ایک صاحب مجھے کہنے لگے کہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سامان باندھ کر سفر کریں تو شرک ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ شرک، حرام، مکروہ ان باتوں میں فرق کیا جائے۔ ہر بات شرک نہیں ہوتی کہ کسی اور مسجد کی طرف جائیں تو شرک ہوتا ہے میں نے کہا وہ تین مسجدیں کون سی ہیں کہنے لگا ایک کعبہ ہے، ایک مسجد نبوی ہے اور تیسری بیت المقدس ہے میں نے کہا اب بیت المقدس سے تو آپ محروم ہو گئے ہیں۔ دو مسجدوں کا ذکر کریں۔ تیسری مسجد کو تو آپ نے فی سبیل اللہ چھوڑ دیا ہے۔ اتنی بڑی قوم موجود ہے اور آپ کی تیسری مسجد جو اہم ترین مسجد ہے جو سرکارؐ کا قبلہ ہے وہ آپ کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ میں نے کہا ان کے علاوہ کسی اور کی طرف جائیں تو شرک ہوتا ہے؟ میں نے کہا بخاری سے لے کر مشکوۃ تک حدیث کی کوئی کتاب آپ لے لیں، سرکارؐ بڑے اہتمام سے مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور ہمیں ارشاد فرمایا کہ مسجد قبا میں مدینے سے تشریف لے

Marfat.com

جاؤ تو عمرے جتنا ثواب ہوتا ہے۔ اس چوتھی مسجد کو آپ نے کس حکمت کے تحت چھوڑا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ حدیث کا مطلب ہی نہیں ہے جو آپ نے لیا تھا۔ اگر وہ مطلب ہوتا تو پھر یہ چوتھی مسجد اس سے مستثنیٰ نہ ہوتی۔ تو یہ وہ باتیں ہیں جو بالکل سطحی باتیں ہیں۔

سارے خطاب کو سمیٹتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا۔ کہ شرک کے دو معنے تھے۔ ساجھی ہونا، جس کا ضمنی معنی تھا برابر ہونا، اور شرک کا دوسرا معنی کفر تھا۔ اب 'لاتشرک باللہ' جہاں قرآن نے کہا ہے وہاں اس سے مراد کفر ہے تا کہ عام معنی ہو سکے۔ جب کفر کہیں گے اس میں شرک بھی آجائے گا کفر بھی آجائیگا۔ لیکن جب آپ معنی شرک کریں گے تو شرک آئیگا کفر نہیں آسکے گا۔ تو جامع معنی ہمیشہ قرآن میں استعمال ہوتا ہے محدود معنی استعمال نہیں ہوتا۔ قرآن نے اس کی پانچ شکلیں بیان کی ہیں۔

پہلی کہ ہم جنسیت ہو،

دوسری کہ اللہ کریم کی طرح خالق مان کر اسے خالق شر قرار دے دیا جائے،

تیسری کہ زمانہ خود بخود خدا قرار پائے،

چوتھی کہ ہے تو اللہ خالق لیکن اب وہ تھک گیا ہے،

پانچویں کہ اللہ خالق تو ہے لیکن اکیلا کام چلا نہیں سکتا۔ اس نے اب مددگار رکھ لیے ہیں،

یہ پانچ شرک ہیں جو قرآن پاک میں موجود ہیں۔ چھٹا شرک اور کوئی نہیں ہے۔ جسے آپ قرآن سے ثابت کر سکیں۔ البتہ قرآن نے ایک بات نہیں کہی قرآن کو پتہ تھا کہ اب بتوں کا دور نہیں رہا۔ ملت اسلامیہ کبھی بھی بت بنا کر ان کی پوجا نہیں کرے گی۔ لہذا ایک بات کی طرف ہمیں توجہ دلائی قرآن نے، کہ کہیں اپنی خواہشات کو اپنا معبود نہ بنا لینا۔

"افرءیت من اتخذ الٰھہ ھواہ"٥

ترجمہ: "محبوب آپ نے اسے ملاحظہ فرمایا جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے"۔

سرکارؐ نے اس کی تشریح فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب! بڑی نفیس تشریح ہے ارشاد ہوا پچھلے دور میں ایسے لوگ ہوں گے جو اپنی خواہشات کے پیچھے یوں پھر رہے ہوں گے جس طرح کتا دم ہلاتا اپنے مالک کے پیچھے پھر رہا ہوتا ہے۔ یہ سرکارؐ کے الفاظ کا میں ترجمہ کر رہا ہوں۔ ہمیں جب بھی زندگی کے میدان سے گزرنا ہو تو اس میں کہیں تو رعنائیاں ہوتی ہیں، کہیں شہنائیاں بھی ہوتی ہیں۔ کہیں تنہائیاں بھی ہوتی ہیں لہذا یہ ضروری ہے کہ زندگی کے میدان سے گزرتے ہوئے اپنے نقوش پا پر چلنے کی کوشش نہ کیجئے نقوش پائے مصطفیٰؐ کو تلاش کیجئے۔ جب یہ بات ہوگی تو زندگی حقیقی زندگی بن جائے گی۔ اس میں توحید بھی آجائے گی۔ رسالت بھی آجائیگی۔ اتباع خداوندی بھی آجائے گی، زندگی کی کامیابی بھی آجائے گی۔

Marfat.com

اب انشاء اللہ اگلے خطاب میں مقام محمدیؐ کیا ہے۔ اصل مسئلہ تو رسالت کا لینا چاہیے لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ یہ سوچتے ہوں گے۔ خدا جانے علوم قرآنیہ پر کب تک بحث لمبی ہوتی رہے گی۔ اور اصلی Translation اور اس کے مفاہیم کب شروع ہوں گے۔ قرآن کو بیان کرتے ہوئے یہ سارے مسائل آئیں گے۔ مختلف مقامات پر بڑی تفصیل سے آئیں گے۔ میں نے توحید کو بیان کرتے ہوئے ذات کو بیان کیا ہے۔ صفات کو بیان نہیں کیا۔ پھر صفات کس میں ہیں؟ کیا وہ عین ذات ہیں؟ کیا غیر ذات ہیں؟ کیا وہ عین بھی نہیں اور غیر بھی نہیں ہیں، تو ان کا تعین کیا ہے؟ ہمارے علم کلام کے مسائل بھی ہیں ان پر بھی بات ہوگی۔ لیکن جو با خدا انسان ہے۔ اس کا بیان کرتے ہوئے اقبالؒ نے بڑی نفیس بات کہی ہے۔ بال جبریل کا پہلا شعر ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ توحید ذاتی کا انتہائی نکتہ عروج ہے جو اس انسان نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ۔

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں

جب میں شوق سے روتا ہوں تو صفات نہیں ذات تک وہ آواز جاتی ہے۔ اور وہ حریم ذات جہاں ذات تشریف فرما ہے وہ کیا ہے؟ اس شعر پر کم از کم گھنٹہ ڈیڑھ ہونا چاہیے بات تب بنتی ہے لیکن اختصار کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ کہ میری نوائے شوق سے جب اس کے لیے تڑپتا ہوں، بے قرار ہوتا ہوں تو ایک شور ہے جو حریم ذات سے بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور صفات کہاں رہ جاتی ہیں۔

غلغلہ ہائے الاماں بت کدہ صفات میں

یہ صفات تو بت کدہ ہے جو نیچے رہ جاتا ہے۔ اور الاماں والحفیظ، صفات کے اندر سے خود آواز آتی ہے تو یہ وہ مقام ہے جسے بیان کرتے ہوئے غالباً جوہر نے یہ بات کہی کہ

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے — یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

جب یہ مقام آتا ہے تو توحید کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اللہ کرے ہم اللہ کریم کے عظیم مرتبے کو سمجھتے ہوئے ان لوگوں کو شریک نہ قرار دیں جو شریک نہیں ہیں۔ اور خواہ مخواہ انہیں شریک قرار دیا جا رہا ہے۔ نہ سرکارؐ شریک ہیں نہ غوث اعظم شریک ہیں، جنہوں نے شریک سمجھا ہے انہوں نے لفظی پیچ میں آ کر غلط بات کہہ دی ہے۔ اور غلط بات کا ثبوت بارہویں صدی ہجری سے اوپر کہیں نہیں ملتا۔ میں منبر مصطفیٰؐ کا وارث ہوں، دعوے سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ بارہویں صدی سے اوپر اس نظریے کی کہیں دم بھی آپ کو نہیں ملے گی۔ اس کا سر پاؤں ہی نہیں ملے گا۔ یہ جو شرک شرک کے فتوے آج ہمارے سامنے ہیں۔ بارہویں صدی ہجری میں محمد بن عبد الوہاب نجدی سے پہلے ایک بندہ بھی امت میں سے دکھا دیں جس نے یہ نظریہ رکھا ہو۔ تو میں لیلیٰ نجد کا فرماں بردار نہیں ہوں۔ مدینے کے آقا کا غلام ہوں لہذا میرے نظریے محمد بن عبد الوہاب نجدی کے نہیں ہیں۔ میرے نظریے مصطفیٰؐ

Marfat.com

کے ہیں۔ جو قرآن وسنت پر مبنی ہیں۔ اور مسلمانوں کو مشرک کہنا بے حد ظلم ہے۔ آپ میں ہمت ہے تو کافروں کو مسلمان کریں، ہمارے پڑوس میں مشرک قوم رہتی ہے۔ ساری دنیا شرک چھوڑ گئی ہے۔ سوائے ہندو قوم کے لہذا ہندو قوم کو شرک سے نکالیں یہ بہت بڑا جہاد ہوگا۔ اور اسی جہاد کے پیش نظر سرکارؐ کی ایک حدیث سنا کر بات ختم کر رہا ہوں۔ محفل مصطفیؐ میں یہ سوال ہوا کہ حضورؐ ساری کائنات میں سب سے افضل مجاہد کون سے ہیں۔ سرکارؐ نے فرمایا میرے ساتھی۔ اور یہی بات تو یہی ہے میجر صاحب! جن کی قیادت سرکارؐ کے ہاتھ میں ہو ان سے افضل کون ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا حضورؐ پھر ان کے بعد کون ہوگا۔ تو سرکارؐ نے ارشاد فرمایا جو دور آخر میں میرے فرزند حضرت امام مہدی کے ساتھ باطل کے خلاف صف آرا ہوں گے۔ ان کا دوسرا نمبر ہے اب تیسرا نمبر کن کا ہے۔ تو سرکارؐ نے فرمایا جو ہندستان کے خلاف جہاد کریں گے۔ ان کا تیسرا نمبر ہے۔ اب آپ دنیا پر نگاہ ڈالیں تو مشرک قوم صرف ہندو ہے۔ لہذا جہاد بھی سب سے افضل ہندوستان کے خلاف ہے لیکن جو لوگ مسلمانوں کو مشرک آج کہتے ہیں، کل یہ کانگریس کے ساتھ تھے۔ گاندھی اور نہرو کو منبر پر اور مسجدوں میں یہ لوگ لے کر آئے اور آج مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں۔ یعنی جو مشرک تھا اسے تو منبر پر لا کر بٹھایا اور جو اللہ کا بندہ توحید کا داعی، ہے اس کا قائل ہے، اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ اور شرک کا فتویٰ لگا دیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہوگی۔ آیئے ہم پلٹ کر واپس ہٹیں اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ مسلمانوں سے تفرقوں کو مٹادیں انہیں ملت واحدہ بنائیں۔ ملت واحدہ بنانے کے لیے دانشوروں کی ضرورت ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ سب میرے سامنے دانشور بیٹھے ہیں ملت واحدہ بنانے کے لیے علماء کی ضرورت ہے، آپ دعا کریں کہ یہ اپنے جھگڑے چھوڑ کر ملت واحدہ بنائیں (آمین) اس کے لیے مشائخ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشائخ اپنے منبروں کو چھوڑ کر اپنے محرابوں کو چھوڑ کر اپنے گوشوں میں جا بیٹھے ہیں۔ رسم شبیری کون ادا کریگا۔ پھر ان لوگوں کی ضرورت ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پروفیسر ہیں اور وکلاء ہیں، اگر یہ اپنے پیٹ سے آگے نہیں سوچ سکے تو ملت واحدہ کا تصور ہمیں کون دے گا؟ اب اسی بات کو سوچتے ہوئے اقبالؒ کہا کرتے تھے!

آہ ان مالیوں نے باغ اجاڑا تیرا

اللہ کرے کہ یہ مالی سیدھے راستے پر چل پڑیں اور ملت کا کام بن جائے۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین)

مقام رسالت

(نمبر 1)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ٥

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

"وانّک لعلیٰ خلق عظیم" ٥

خواتین وحضرات! آج کا موضوع سخن مقام رسالت ہے۔ ہم عقلی ذرائع سے اللہ کریم کی ذات کو کما حقہ نہیں پا سکتے۔ لہذا ہماری اس بے مائیگی کے پیش نظر اللہ کریم نے ہدایت کے پیغام کے ساتھ اپنے مخصوص بندے اس کائنات میں بھیجے۔ جس کا آغاز سیدنا آدمؑ سے ہوا اور اختتام ہمارے آقا و مولا حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہوا۔ ہم ان سب کو نبی مانتے ہیں اور نبوت میں مساوات کے قائل ہیں۔ لیکن مقام و مرتبہ کے حساب سے جو حیثیت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، وہ کسی بھی اور نبی کی نہیں۔

لیکن ہم ایک اور انداز سے مکلف ہیں۔ مکلف کا مطلب ہوتا ہے کہ شریعت پر عمل کرنا ہمارے لیے اس حیثیت سے ضروری ہے کہ باقی انبیاء کو صرف ماننا ضروری ہے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ماننے کے ساتھ ساتھ آپ کی تعلیمات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے ان تعلیمات پر عمل کیے بغیر ہم سچے انسان اور مسلمان نہیں بن سکتے۔

جب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بے شمار خصوصیات ملتی ہیں۔ سرکارؐ کی ان خصوصیات کی اتباع اور پیروی ضروری ہے۔ اللہ کریم جل جلالہ نے بذات خود قرآن پاک میں سورۃ النساء کی آیت نمبر 79 میں ارشاد فرمایا!

"من یطع الرّسول فقد اطاع اللہ" ٥

ترجمہ: ''جس نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''۔

یہاں بھی واضح سی ایک بات ہمارے سامنے آتی ہے۔ ''جس کی اطاعت کرنی ہو اسے دیکھنا ضروری ہے''۔ اس کے

Marfat.com

اعمال کا مشاہدہ کرنا ضروری ہوگا۔ اللہ کو نہ ہم دیکھ سکتے ہیں۔ نہ اللہ کریم کے اعمال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ہماری اس مجبوری کے پیش نظر اللہ کریم نے اس ہستی اقدس کو منتخب کیا کہ ان کی اطاعت کو اللہ نے اپنی اطاعت کہا۔ تم چونکہ مجبور ہو، مجھے دیکھ نہیں سکتے، میری براہ راست اطاعت نہیں کر سکتے۔ لہذا جس کو میں تمہارا مطاع قرار دے رہا ہوں (مطاع کا مطلب جس کی اطاعت کی جائے) اس کے پیچھے چلو گے تو یہ سمجھ لو کہ تم میری پیروی کر رہے ہو۔ میری اطاعت کر رہے ہو، قرآن نے اسی مضمون کو اتباع کے لفظ سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ اطاعت کا ہم معنی کرتے ہیں فرمانبرداری، جس طرح سے کوئی کہے کہ اس طرح سے کام کر دینا، اطاعت ہے۔ جبکہ کسی طرح کوئی کر رہا ہے۔ تو اس کی نقل کرتے ہوئے ایسا ہی کر دینا یہ اتباع ہے اطاعت کے لیے یہ ارشاد فرمایا!

"من یطع الرّسول فقد اطاع اللہ "o

دوسرے مقام پر فرمایا!

"وماارسلنا من رّسول الالیطاع باذ ن اللہ "o

ترجمہ: ''ہم نے کوئی بھی رسول نہیں بھیجا جو اذن الٰہی سے اطاعت کے قابل نہ ہوا ہو۔ اور اس کی اطاعت ضروری نہ ہو''۔

قرآن کی دو جگہ سے میں نے احکام آپ کے سامنے پیش کیے ورنہ قرآن میں درجنوں جگہ یہ بات مختلف اندازوں میں بیان ہوئی ہے کہ رسول کی اطاعت بے حد ضروری ہے اور اس اطاعت کے ساتھ بے شمار فضائل و برکات ہیں۔ اس اطاعت کے ساتھ انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔

(میں قرآنی مفاہیم کو عرض کر رہا ہوں کیونکہ ساری آیات کے پڑھنے کے لیے وقت کی قلت ہے) جب اطاعت ہوتی ہے تو پھر بندہ فضل ربانی حاصل کرتا ہے۔ جب یہ اطاعت ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں نور و سرور کا دخل ہوتا ہے۔ جب یہ اطاعت ہوتی ہے تو دنیا کی کامرانیوں کے ساتھ آخرت کی کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ یہ سادہ سی چند باتیں ہیں قرآن حکیم نے نبیوں کی اطاعت کے ساتھ عموماً اور سیدنا دانائے سبل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کے ذریعے خصوصاً کہی ہیں۔

اتباع کے لیے جو آیت ہے وہ بھی میں آپکے سامنے پڑھ دیتا ہوں، تیسرا پارہ آل عمران کی آیات نمبر 31 ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے!

"قل ان کنتم تحبون اللہ "o

ترجمہ: ''محبوب! آپ ان لوگوں کو فرما دیں اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے''۔

اس محبت کی بے شمار وجوہات ہیں۔ جو روزمرہ میں ہمارے مشاہدے میں آتی رہتی ہیں۔ اللہ سے محبت کیوں ہونی

Marfat.com

چاہیے، اس کیوں کو زیادہ تفصیل سے اس لیے عرض نہیں کر سکتا کہ ہر انسان کا وہ خالق و مالک ہے اس کا اس کے ساتھ ایک خاص رابطہ ہے، ایک خاص تعلق ہے، اس تعلق کی وسعتیں بے حد ہیں اور یہ مشاہدہ ہر آدمی اپنے اپنے انداز سے کرتا ہے تو یہاں ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو۔

"فاتبعو نی" o (تم میری پیروی کرو)

جس طرح میں کر رہا ہوں اس طرح کرتے جاؤ۔ تو پھر کیا تم فلاح پا جاؤ گے؟ یہ تو ابتدائی مرحلہ ہے ارشاد ہوا!

"یحببکم اللہ" o (اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگ جائیگا)

اگر تم میرے پیچھے چل پڑو گے جس طرح میں کرتا ہوں اس طرح کرتے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمانے لگ جائے گا۔ مقام محبوبیت تمہیں عطا ہو جائیگا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اتباع رسول مقام محبوبیت عطا کرتی ہے اور اتباع رسول کے جو نرالے انداز ہیں وہ امت مرحومہ نے 14 سو سال کے کس کس انداز سے اس اتباع کو آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے، کس کس انداز سے اعمال کی دنیا میں اس اتباع کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ انداز ہے جس میں دنیا بھر کی اقوام میں مسلمان منفرد بھی ہیں، ممتاز بھی ہیں، اور اپنے رسول سے محبت و عشق کرنے میں اس انتہا تک پہنچے ہیں جس تک کوئی قوم بھی اپنے قائد کے متعلق نہیں پہنچی۔

جب رسول کو بھیج دیا ہے اور فرما دیا ہے کہ ان کی اتباع میری اتباع ہے اور ان کی اطاعت میری اطاعت ہے تو واضح بات ہے کہ اسوہ رسول پھر معیار ہوگا۔ جب بھی زندگی کی تنگنائیوں سے آپ گزریں گے۔ جب بھی حیات کی تاریکیاں آپ پر چھانے کی کوشش کریں گی۔ تو اس وقت آپ نے جس نور کی طرف لپکنا ہے وہ اسوۂ رسول ہے۔ اسے بھی قرآن حکیم نے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 21 میں یوں ارشاد فرمایا ہے!

"لقد کان لکم رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" o

ترجمہ: ''تمہارے لیے ذات رسول بہترین نمونہ ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ محدودسی زندگی جسے تم نے گزارنا ہے اسے تم تجربہ گاہ نہیں بنا سکتے۔ تمہارے پاس اتنا طویل وقت نہیں ہے کہ تجربات سے گزرتے ہوئے مختلف حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ بات ہو تو انسان 70,60 سال یا 80 سال کی زندگی میں چند حقائق سے آگے نہیں جا سکتا۔ زندگی ختم ہو جائیگی۔ اور بات ادھوری رہ جائیگی۔ لہذا ارشاد یہ ہوا کہ جب تم کمال کو چاہتے ہو اور تمہاری فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ تم کمال کی طرف بڑھو تو اس کمال کے لیے تمہیں 60,50 ہزار سال کی زندگی تو نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ تمہارے سامنے ایک نمونہ کامل پیش کیا جا سکتا ہے۔ تا کہ اس تھوڑی زندگی میں کمال کے جتنے مراحل

"حتیٰ یاتی الّذی له الکل و ایّا ہ تنتظر الامم" ٥

ترجمہ: ''جب پھر وہ آئے گا جس کے لیے کل ہے اور ساری قومیں اسی کا انتظار کر رہی ہیں''۔

باقی کتابوں کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں بھی وضاحت سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ ہم ساری کائنات کے لیے نہیں ہیں محدود قوم کے لیے ہیں، محدود وقت کے لیے ہیں، تو جو محدود قوم کے لیے ہوتا ہے، جو محدود وقت کے لیے ہوتا ہے اسکی فکر بھی محدود ہوتی ہے۔ اس کا عمل بھی محدود ہوتا ہے۔ جب اس قوم کا انداز ختم ہو جاتا ہے تو وہ افکار مٹ جاتے ہیں وہ اعمال بھی اس قوم کے مٹ جانے سے ختم ہو جایا کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے سب سے پہلی بات تو یہ کہی کہ وہ سب سے زیادہ قائم رہ جانے والی شے ہے جب آپ اسکا لفظی معنی بیان کرینگے تو شاید آپ کو الجھن پیش آجائے کہ سب سے زیادہ قائم رہنے والی شے، یہ کس کا ترجمہ ہے۔ الفاظ میں تو یہ بات نہیں ہے۔

کیونکہ آپ اصحاب علم و فکر ہیں آپ کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ اسم تفضیل کا لفظ جب عربی گرائمر میں استعمال ہوتا ہے تو اس کے بعد 'من' کو آنا چاہیے یا اسے 'الف لام' کے ساتھ آنا چاہیے، یا مضاف ہو کے استعمال ہونا چاہیے۔ یہ تین باتیں ہوتی ہیں۔ ان تین باتوں میں سے یہاں 'من' والی بات ہے جو محذوف ہے۔ عبارت اصل میں یوں ہوگی۔

''انّ ھذا القرآن یھدی للّتی ھی اقوم من کل شیئ ء'' ٥

جیسا کہ اللہ اکبر کا معنی ہے۔ **"اللّٰہ اکبر من کل شیءٍ"** ٥ (اللہ ہر شے سے بڑا ہے)

اسی طرح سے یہاں بھی متعلق لفظ جو ہے وہ محذوف ہے اور اس متعلق محذوف کو جب آپ نکالیں گے تو آیہ کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ سب سے زیادہ قائم رہنے والی شے ہے۔

قیام کے دو معنی ہوتے ہیں، ایک معنی تو کھڑا ہونا ہے اس سلسلے میں بھی قرآن نے قیام کے لفظ کو یہاں بھی استعمال کیا ہے۔ کعبہ مقدسہ کے لیے بھی لفظ قیام استعمال کیا ہے۔ لیکن قیام کا ایک معنی اور ہوتا ہے۔ اسے عربی میں کہا جاتا ہے۔

"مایقوم به الشیٔ ء" ٥ (جس کے ذریعے کوئی اور شے کھڑی ہو سکے)

کعبے کو قیام للناس کہا گیا ہے۔ آپ اگر اس لفظ پر غور فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ملت جب کبھی بھی بے استحکامی کا شکار ہوگی۔ بے اعتدالی کا شکار ہوگی۔ بے راہ رو ہو جائے گی۔ تو کعبہ اسکا ہاتھ پکڑ کر پھر کھڑا کرے گا۔ یہ وہ انداز ہے جو قرآن نے یہاں بھی اپنایا ہے۔ سرکارؐ نے اپنے ایک ارشاد سامی میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے کہ ''بے شمار قومیں ہیں جو قرآن کے ذریعے عظمت حاصل کریں گی اور بے شمار قومیں ہیں جو قرآن پاک پر عمل نہ کرتے ہوئے ذلت کی

Marfat.com

ہیں، جو تمہاری بساط میں ہیں جو تمہاری قوت میں ہیں انہیں سر کرنے کی کوشش کر سکو تو اس کے لیے طریقہ کار کیا ہوگا؟

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"O

ترجمہ: "تمہارے لیے حیات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسوہ کامل ہے"۔

جس طرح وہ کرتے جا رہے ہیں اس طرح تم کرتے جاؤ۔

اب عظمت رسول کی چند اور باتیں ہمارے سامنے بیان کیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مادی ذرائع سے مرعوب ہو کر علمی کتابوں کی چکا چوند سے ہماری آنکھیں چندھیا جائیں۔ تو ان کے سامنے سربسجود ہو کے ہم انہیں سب کچھ نہ سمجھ لیں۔ لہذا ساری کائنات سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ نے ممتاز کرنے کے لیے کچھ احکام ہمارے سامنے پیش فرمائے۔ پہلی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ اس بات کو نوٹ کر لو کہ ان کی زبان اپنی زبان نہیں ہے، ان کی زبان ہماری زبان ہے۔ لہذا!

" ومایںطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یو حیٰ"O

ترجمہ: "وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو وحی ہے جو ان کی طرف نازل کی جاتی ہے"۔

جب ہم اسے خطیبانہ انداز میں بیان کرنا چاہیں یا ادیبانہ انداز میں اسے سامنے لانا چاہیں تو اسکا ترجمہ یہ بنے گا۔ کہ زبان ایک ہے بولنے والے دو ہیں۔ کبھی اس زبان سے خدا بولتا ہے اور کبھی اسی زبان سے مصطفیٰ ﷺ بولتے ہیں۔ لہذا یہ اہمیت ہے جس اہمیت کے پیش نظر انہیں اسوہ حسنہ بھی قرار دینا ہے، ان کی اتباع بھی کرنی ہے ان کی اطاعت بھی کرنی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر ان کے مبارک ہاتھ ہیں۔ ان ہاتھوں کی طرف آئیں تو قرآن کریم نے یہ بات ارشاد فرمائی۔ یہ اوپر والی آیت سورۃ نجم کی آیت تھی۔ ابھی جو میں آپ کے سامنے پڑھ رہا ہوں۔ اس آیت میں اللہ کریم نے یہ ارشاد فرمایا!

"ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ"O

ترجمہ: "محبوب جب میدانِ جہاد میں آپ اپنے ہاتھ سے پھینک رہے تھے تو آپ نہیں پھینک رہے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ پھینک رہا تھا"۔

کیا پھینک رہے تھے؟ اس کی وضاحت قرآن نے نہیں کی بلکہ اسے عام ذہن پر چھوڑ دیا کہ میدان جنگ میں کیا پھینکا جاتا ہے؟ کیا وہ تیر تھا؟ حدیث نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ کیا وہ پتھر تھا؟ اسکا جواب بھی "نہیں" ہے۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی لی تھی۔ اور اس ایک مٹھی مٹی کو کافر فوج کی طرف پھینک کے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

"شاھت الوجوہ"O

یہ الفاظ امام بخاری نے، امام مسلم نے، صحاح ستہ کے مرتبین نے، حتیٰ کہ کوئی بھی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں کتاب

Marfat.com

المغازی ہواور یہ حدیث موجود نہ ہو۔ سرکارؐ نے وہ پھینک کر فرمایا!

"شاهت الوجوه"o (یہ چہرے بگڑ گئے)

قرآن نے ادھر اشارہ فرما کے کہا!

"ومارميت "o (آپ نے نہیں پھینکا تھا)

کتنا بلیغ انداز ہے کہ آپ نے نہیں پھینکا تھا، جب آپ نے پھینکا تھا۔ یعنی پھینکنے کی نسبت سرکارؐ کی طرف بھی ہے اور اسی نسبت کی نفی بھی ہے۔ یہ وہ لطافت ہے جو عربی بلاغت کی جان ہے۔

"ومارميت "o (آپ نے نہیں پھینکا)

"اذرميت"o (جب آپ نے پھینکا)

تو پھر آپ نے جب نہیں پھینکا تو کس نے پھینکا ہے؟ عربی جملے میں 'لکن' کے لفظ سے استدراک پیدا کیا!

"ولكنّ الله رمىٰ"o (وہ اللہ ہے جس نے پھینکا ہے)

آپ دیکھیں مقام مصطفیٰؐ کو آپ کے سامنے واضح کرنے کے لیے، تا کہ اطاعت کرتے ہوئے آپ کو کبھی واہمہ بھی نہ گزرے کہ میں کسی عام انسان کی بات مان رہا ہوں۔ عام سے سیاست دان کی بات مان رہا ہوں، کسی قانون ساز کی بات مان رہا ہوں، کسی جج کی بات مان رہا ہوں، یہ ساری باتیں آپ کے ذہن سے نکل جائیں۔ استدراک کر کے فرمایا!

"ولكن الله رمىٰ"o (وہ آپ پھینکنے والے نہیں تھے بلکہ اللہ کریم تھا جس نے وہ پھینکا ہے)

یہاں سرکارؐ کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دے دیا۔ تا کہ اطاعت کے جواز پر دلیل قائم ہو سکے، اتباع کے جواز پر دلیل قائم ہو سکے۔ اسی کو قرآن نے ایک اور جگہ یوں بیان کیا ہے۔

"انّ الذين يبايعونک انّما يبايعون الله يد الله فوق ايد يهم"o

ترجمہ: ''محبوب جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے، وہ تو اللہ سے بیعت کر رہے تھے''۔

"انّما يبايعون الله "o

اب اگر اس کا عربی گرائمر کے نکتہ نگاہ سے ترجمہ کیا جائے انما لفظ حصر ہے اسکا معنی یہ ہے کہ وہ صرف اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ تحقیقی معنی اسکا یہی ہے۔ یقیناً جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ وہ صرف اور صرف اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ وہ آپ کا ہاتھ نہیں تھا جو ان کے ہاتھ کے اوپر تھا۔ اس سے یہ بات بھی ضمناً پتہ چل گئی کہ بیعت کرتے وقت حضورؐ نیچے ہاتھ نہیں رکھتے تھے بلکہ اوپر ہاتھ رکھتے تھے۔

"یداللہ فوق ایدیھم"○ (محبوب ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ تھا)

صحابہ عالی مقام کے ہاتھوں پر سرکارؐ نے ہاتھ رکھا۔لیکن اللہ نے اس ہاتھ کی نسبت اپنی طرف کر دی۔تو اس ہاتھ کے فیضان کو آگے بڑھاتے ہوئے اقبالؒ نے ایک بڑی غضب کی بات کہی۔وہ فرماتے ہیں کہ سرکارؐ کی تو بات ہی الگ ہے۔

ھاتھ ھے اللہ کا بندہ مومن کاھاتھ

کہ جو بندہ مومن کا ہاتھ ہوتا ہے وہ بھی اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔کیونکہ وہ اللہ کا نمائندہ ہے۔آپ میں کچھ ادیب حضرات بھی بیٹھے ہیں۔تو اسی انداز سے چونکہ ہاتھ پر ہاتھ چلا آرہا ہے۔اور یہ سلسلہ بیعت روحانی انداز سے آج تک چلا آرہا ہے۔ تو حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غلام فخر الدین سیالوی نے یوں بات کی وہ کہتے ہیں!

دست بدست ازدور گرفتم صلی اللہ علیہ وسلم

کہ ہاتھ تو وہی ہے لیکن بے شمار ہاتھوں کے وسیلے سے میں نے اس ہاتھ کو پکڑا ہے۔یہ ذات اقدس وہ ہے۔جنہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتے ہیں۔

تو آپ اندازہ فرمایئے کہ ان کی زبان کو رب نے اپنی زبان قرار دیا،ان کے ہاتھ کو رب نے اپنا ہاتھ قرار دیا اور پھر ہمیں ایک اور نرالی بات ارشاد فرمائی۔لوگو!تم کسی سے بات کرتے ہو،دلائل کے ذریعے بات ماننے پر طبیعت آتی ہے تو بات مان لیتے ہو۔لیکن دلائل میں ذرا بھی کمی محسوس کرتے ہو تو بات چھوڑ دیتے ہو۔کیا مقام مصطفیٰؐ بھی یہی ہے؟اس کا جواب قرآن نے یہ ارشاد فرمایا!

"وماکان لمؤ من ولا مومنة اذاقضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم"○

ترجمہ: ''مومن مرد ہو،یا مومن عورت ہو،انکا یہ حق ہی نہیں ہے،کہ جب اللہ اور اللہ کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو ان کے فیصلے کے بعد ان کا اختیار باقی رہ جائے انہیں اختیار ہو کہ چاہیں تو مان لیں چاہیں تو نہ مانیں''۔

یہ اختیار نہیں ہے۔آپ اسے دوسری دنیا میں لے آئیں۔آپ کے سامنے تحصیل کی سطح کا ایک جج فیصلہ کرتا ہے تو آپ اس کے خلاف ڈسٹرکٹ کورٹ میں رٹ Writ کر دیتے ہیں۔اس کا مطلب ہوا کہ آپ کا دل مطمئن نہیں تھا۔وہاں سے آپ کے خلاف فیصلہ ہو جاتا ہے۔تو آپ ہائی کورٹ میں چلے جاتے ہیں۔وہاں سے آپ کے خلاف فیصلہ ہو جاتا ہے تو آپ سپریم کورٹ میں چلے جاتے ہیں۔لیکن یہ بات کبھی نہیں ہوئی کہ سپریم کورٹ فیصلہ کرے اور اس فیصلے میں یہ بھی درج ہو کہ آپ اپنے دل میں بھی اس فیصلے کے خلاف نفرت کا اظہار نہیں کر سکیں گے۔یا اپنی زبان پر اس فیصلے کے خلاف کوئی لفظ نہیں لا سکیں گے۔اگر بر سر عام لائے تو وہ کہہ سکیں گے کہ یہ ہتک عدالت ہے لہذا ایک نیا مقدمہ قائم ہو جائیگا۔لیکن آپ اپنے گھر بیٹھے ہیں اپنے جی

میں، اپنے گھر والوں کے ساتھ ہیں، آپ سپریم کورٹ کے فیصلے کو بری طرح سے جرح کا نشانہ بناتے ہیں تو کیا کوئی عدالت ہے جو جرح کے نشانے سے محفوظ رہ سکتی ہو؟

تو قرآن نے یہاں یہ فرمایا کہ ہر جگہ تمہیں آزادی افکار حاصل ہے۔ لیکن جب ذات مصطفیٰ ؐ کے سامنے آجاؤ گے تو آزادی افکار کی دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس وقت تم آگے بڑھ کر یہ نہیں کہہ سکتے، یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں آپ کی یہ بات پسند نہیں ہے۔ یہاں تو ایک نرالی بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ ایک بچی کے لیے کسی صاحب کا رشتہ سرکارؐ بھیج دیتے ہیں اور نوعیت یہ ہے کہ جن کا رشتہ گیا ہے وہ حبشی نژاد ہیں۔ جب والدین پر یہ بات واضح ہوتی ہے تو انکا ذہن یہ بنتا ہے کہ ایک تو یہ بے وطن ہے، دوسرا ہماری نسل سے نہیں، تیسرا اسکا رنگ عجیب سا ہے تو یہ ہماری بیٹی کے لیے ایک مذاق سی بات بن جائے گی۔ انہوں نے یہ بات سوچ کر ان صاحب کو یہ جواب دیا کہ ہم سوچ کر سرکارؐ کی خدمت میں جواب پیش کر دیں گے۔ وہ بچی اپنے آنگن میں جھاڑو پھیر رہی تھی۔ وہ کھڑی ہوگئی اس نے والدین سے کہا کہ میں انہیں نہیں جانتی۔ انکی زبان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حبشی ہیں۔ لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ انہیں کس نے بھیجا ہے؟ مجھے یہ رشتہ پسند ہے۔ آپ میرے رشتے کا اقرار کر دیں۔ جب سہیلیوں نے یہ بات کہی کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ تو اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ ایمان کی رفعتیں، اطاعت رسول میں انسان کو اٹھا کے کہاں لے جاتی ہیں۔ وہ کہنے لگی قیامت کے دن کوئی لڑکی کہے گی کہ میرے باپ نے میرا رشتہ کیا تھا۔ کوئی کہے گی کہ میرے بھائی نے کیا تھا، کوئی کہے گی کہ میرے ماموں نے کیا تھا، میرے چچا نے کیا تھا، میں واحد لڑکی ایسی ہونگی جو کہہ سکوں گی کہ میرا رشتہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ لہذا میں اس رشتے کو پسند کرتی ہوں جو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور پھر اس بچی نے یہی آیت پیش کی۔ کہ کسی مومن مرد کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اللہ کا رسول ؐ کوئی فیصلہ صادر فرما دیں تو اس فیصلے کے بعد انہیں اختیار بھی رہ جائے یہ بات نہیں ہوسکتی۔

آج کی محفل مقام رسولؐ کو واضح کرنے کے لیے جمی ہے۔ محفل میں باتیں ہو رہی ہیں اب ایک اونچی آواز سے بولتا ہے ایک دھیمی آواز سے بولتا ہے ایک نام لے کر پکارتا ہے۔ ایک کسی صفاتی نام سے بلاتا ہے ہماری تہذیب یہ ہے کہ صفاتی نام سے بلایا جائے۔ عربوں کی تہذیب یہ تھی کہ ذاتی نام سے بلاتے تھے۔ یہاں بھی اللہ کریم نے پابندی لگا دی ارشاد فرمایا!

"لا تجعلوا دعاء الرّسول بينكم كدعاء بعضكم بعضاً" ٥ ترجمہ: "خبردار! جس طرح محفلوں میں بیٹھ کے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ اس انداز سے ہمارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالکل نہیں بلانا ہے"۔ النور آیت ٦٣

اور یہ کیوں نہ ہو؟ یہ ہونا ضروری ہے کہ قرآن نے دوسرے مقام پر، مقام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو واضح کرتے ہوئے ایک بات ارشاد فرمائی ہے کہ! **"النبی اولیٰ بالمومنین من انفسهم و ازواجه امهاتهم" ٥**

Marfat.com

ترجمہ: ''نبی مومنوں کے لیے انکی جانوں سے زیادہ قریب ہے اور اسکی بیویاں انکی مائیں ہیں''۔

قربِ مصطفیٰ ﷺ کا یہ عالم ہے کہ وہ مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں یہ اولیٰ کے وہ معنی ہیں جو بانی دیوبند نے لکھے ہیں اس معنی کو ترجیح دے رہا ہوں۔ نبی زیادہ قریب ہے مومنوں کے پاس ان کی جانوں سے بھی۔ یہ قرب اس وقت ہو سکتا ہے جب نبی اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہو۔ اسی کو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں یوں ارشاد فرمایا!

''لا یومن احدکم حتیٰ اکون احبّ الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین ''O

ترجمہ: ''تم میں سے کوئی ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنے باپ، اپنے بیٹے اور ساری کائنات سے زیادہ محبوب نہ سمجھے''۔

ساری کائنات سے زیادہ محبوب سمجھنا ضروری ہے۔ اب رہی ان کی محبت کائنات کے ساتھ یا ان کی رحمت کائنات کے ساتھ تو مومنوں کی بات نہیں ہے، کافروں کی بات ہے جسے قرآن نے یہاں نقل کیا ہے، بڑی نفیس بات اپنے محبوب کو فرمائی!

''ولا تحزن علیھم''O (محبوب آپ کافروں کے لیے مغموم نہ ہوں)

''ولا تکن فی ضیق ممّا یمکرون''O (آپ پر انکی چالوں کی وجہ سے تنگی نہ گزرے، آپ ان پر بھی غم نہ کھائیں)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کافر جہنم میں جائے تب بھی مصطفیٰ ﷺ کو غم ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان تھا۔ دیکھا ہمارے محبوب کا کتنا عجیب اور کتنا اونچا مقام ہے کہ کافر جہنم میں جائے تب بھی سرکار حزن و ملال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن کو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کے لیے آپ غم میں مبتلا نہ ہوں یہ جدھر جاتے ہیں انہیں جانے دیں۔ ہمارے سامنے بہت ساری باتیں آگئیں کہ سرکارؐ کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔ سرکارؐ کی زبان کو اپنی زبان قرار دیا اور ایک مقام پر بڑی پیاری بات کہی!

''وقیلہ یا ربّ ان ھٰؤلآء قوم لا یومنون ''O

ترجمہ: ''اور ان کے اس کہنے کی قسم ہے یہ وہ قوم ہے جو مجھ پر ایمان نہیں لا رہی ہے''۔

سبحان ربی! سرکارؐ کے اس کہنے کی قسم ہے (اور جو سرکارؐ کا کہنا ہوتا ہے اسے حدیث کہتے ہیں) اب سرکارؐ کے ارشاد کی رب قسم کھائے اور ایک بندہ کھڑا ہو کر یہ کہے کہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہے۔ جو شخص قابل اعتبار نہیں ہے اس کی رب قسم کھا رہا ہے۔ آپ کے اس کہنے کی قسم یعنی آپ کی اس حدیث کی قسم۔ آپ کے اس قول کی قسم اللہ یہ وہ قوم ہے جو مجھ پر ایمان نہیں لا رہی ہے۔ آپ کے ارشاد کی قسم کھائی۔ آپ کی زبان کو اپنی زبان قرار دیا، آپ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آپ کی اطاعت کو لازم قرار دیا، آپ کی اتباع کو ضروری ٹھہرایا اور اس کے فوائد اور برکات قرآن پاک میں گنے اور گننے کے ساتھ ہی ساتھ ایک بات یہ ارشاد فرمائی۔ اس تمہید کے بعد میں اصل تقریر کی طرف اب بڑھ رہا ہوں۔ کہ چند باتیں آپ کے ذہن

میں بیٹھ گئی ہیں کہ مقام مصطفیٰ ﷺ قرآن کی روشنی میں کیا ہے؟ یہ ایک اختصار ہے اسے ہم نے ابھی اور آگے بڑھانا ہے لیکن اب یہ بات ارشاد فرمادی!

"وانک لعلیٰ خلق عظیم"ο

جب یہ ساری باتیں ہیں اور یہ باتیں وہ ہیں جو دعوت اتباع دیتی ہیں، یہ باتیں وہ ہیں جو سرکار ﷺ کی اطاعت کا موجب بنتی ہیں، اور اللہ کریم یہ چاہتا ہے کہ ساری اطاعتیں چھوڑ کر میرے محبوب کی اطاعت اس طریقے سے کی جائے کہ جس طریقے سے میں کہہ رہا ہوں۔ اور مجھے اس طریقے سے مانا جائے جس طریقے سے میرا محبوب کہہ رہا ہے۔ اسے بھی ہم قرآن سے دوسرے لفظوں میں ثابت کر سکتے ہیں کہ اللہ نے فرمایا!

"وکفیٰ باللہ شھیدا"ο (اللہ اس بات کا گواہ ہے)

کس بات کا اللہ گواہ ہے؟ کہ محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اب رسول رب کو منوا رہا ہے۔ اب آپ اس نکتے پر غور فرمائیں، رسول کون منوا رہا ہے؟ رب اور ساتھ کہتا کیا ہے؟

"قل ھو اللہ احد"ο (محبوب فرمادیجئے کہ اللہ ایک ہے)

یعنی میں تمہیں منوانے کے لیے لگا ہوا ہوں، تم مجھے منوا دو۔ اس بات کو قرآن پاک نے بھی ارشاد فرمادیا۔ اور اللہ کریم نے بھی جگہ جگہ ارشاد فرمایا کہ!

"یخرجھم من الظلمات الی النور"ο

ترجمہ: ''لوگوں کو اندھیروں سے اٹھا کے نور کی طرف لاتا ہے''۔

یعنی کائنات سے اٹھا کے رب کا بناتا ہے اور رب نے اپنے لیے یہ ارشاد فرمایا ہے میں بھی لوگوں کو اندھیروں سے اٹھا کے نور تک لے جاتا ہوں۔ اب یہاں وہ روشنی کون سی ہے جدھر اللہ لے جا رہا ہے؟ واضح بات ہے وہ سرکار ﷺ کی ذات ہے مطلب یہ ہوا کہ جو وہاں پہنچا وہ بھی روشنی میں پہنچ گیا اور جو یہاں پہنچا وہ بھی روشنی میں پہنچ گیا۔ تو ارشاد فرمایا کہ! ''محبوب آپ خلق عظیم پر ہیں''۔

خلق عادت کو کہتے ہیں، وہ عادت جو آپ کی طبیعت میں پختہ ہو جائے، علم اخلاق کی زبان میں اسے عادت راسخہ کہا جاتا ہے، یا خلق ثابتہ کہا جاتا ہے ایسا خلق جس نے ثابت رہنا ہے۔ ایسی عادت جس نے طبیعت میں پختہ رہنا ہے، علمائے اخلاق کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اچھی بات کو انسانی طبیعت میں پختہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اسے چھوڑ کر کہیں جا نہ سکیں۔ وہ عادت ثانیہ بن جائے۔ عام طور پر اسلامی تصوف کی زبان میں اسے عادت ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یعنی ایک وہ عادت ہے جو پیدائشی انسان کے ساتھ

Marfat.com

ہے۔ایک وہ عادت ہے جسے حاصل کر کے آپ نے اپنے وجود میں پختہ کرلیا ہے اسے علمائے تصوف عادت ثانیہ کہتے ہیں۔

آپ کا خلق عظیم ہے بہت ہی بڑا خلق ہے۔اس ساری دنیا کو جہاں قرآن نے ذکر کیا ہے،فرمایا!

"قل متاع الدنیا قلیل"o

ترجمہ: ''محبوب انہیں کہہ دیں سامان حیات (از ابتداء تا انتہا) سارے کا سارا قلیل ہے''۔

لیکن جب سرکارؑ کے خلق کی تعریف کی ہے تو ارشاد فرمایا وہ عظیم ہے،وہ قلیل نہیں ہے اب جو قلیل ہے وہ فانی ہے جب سے مادیت موجود ہے اور جب تک مادیت نے موجود رہنا ہے وہ قلیل ہے تو جو قلیل ہے اسے اس عرصے تک باقی رہنا ہے جو عظیم ہے اس کی بقا کی دنیا کیا ہوگی؟ یہ وہ بات ہے جسے ہم نے قرآن سے جانچنا ہے اور اس کی تفصیلات اور گہرائیوں میں اترنے کے لیے قرآن کا گہرا مطالعہ کرنا ہے۔

خلق عظیم ہوگا۔تو اتباع ہوگا۔خلق عظیم ہوگا تو اطاعت ہوگی۔خلق عظیم ہوگا تو وہ ہاتھ اللہ کا ہاتھ بنے گا،خلق عظیم ہوگا تو وہ زبان اللہ کی زبان بنے گی۔خلق عظیم ہوگا تو یہ عادت بنے گی۔کہ انسان کی فلاح کن باتوں میں مضمر ہے اور کیا غیر مسلم اور کافر بھی انسانیت کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ زمرے میں آتا ہے تو اس کے بچانے کی سبیل کیا ہوگی؟ ہم تو خود نہیں بچ رہے کسی کو بچانا کیا ہے یہ خلق جو سرکارؐ پیش کر رہے تھے۔اس کی وسعتیں کیا تھیں؟ آیئے ایک حدیث کو سامنے رکھ کے اس آیت کی مزید تشریح کرتے ہیں۔سرکارؐ نے فرمایا۔(یہ بخاری میں حدیث پاک موجود ہے)'' جتنے نبی آئے تھے وہ نبی تھے،ان کے پاس نفیس ترین تعلیمات تھیں لیکن کسی ایک خاص صفت میں وہ باقی سب انبیاء سے ممتاز تھے۔مثلاً صفت خلت میں جناب ابراہیمؑ ممتاز ہیں،قربانی کی صفت میں حضرت اسماعیلؑ بے حد ممتاز ہیں،صفت امتحان میں جناب ایوبؑ بے حد ممتاز ہیں۔راہ خدا میں جلال کی صفت میں سیدنا نوحؑ بے حد ممتاز ہیں۔یہ صرف نمونے کے لیے تین باتیں عرض کر رہا ہوں۔

سرکارؐ نے فرمایا جس طرح وہ کسی ایک صفت میں ممتاز تھے۔میں نے اپنے غلاموں کو صحابہ اور اہل بیت عظام کو عام اسلامی عقائد سکھانے کے بعد،اسلام سکھانے کے بعد،کسی ایک صفت میں ممتاز کر دیا ہے اور اتنی صفات میرے صحابہ میں آگئیں ہیں جتنی صفات میرے سارے انبیاء میں موجود تھیں۔انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔صحابہ کی تعداد بھی مسلمانوں کے نزدیک ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔البتہ ڈاکٹر Supringer نے،جو مشہور جرمن محقق ہیں انہوں نے یہ تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار بتائی ہے۔اب جو صفات صحابہ میں سرکارؐ نے تقسیم کی ہیں یا وہ اخلاق جو صحابہ کے اندر سرکارؐ نے بانٹے ہیں،ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔اور اگر Supringer کی بات ٹھیک ہے تو ان کی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار بن جائے گی۔اب ایک لاکھ چالیس ہزار اخلاق ہیں۔جو سرکارؐ نے اپنی مبارک مرحوم امت میں تقسیم کر دیئے تھے۔جس کے پاس اتنے سارے

اخلاق ہوں وہ یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں کائنات کا ھادی ہوں۔ جس کے پاس اتنے سارے اخلاق نہیں ہوں گے۔ وہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں ساری کائنات کا ھادی ہوں۔

صفات انسانیت کی عظمت ہے۔ بحیثیت انسان سارے انسان اس میں شریک ہیں۔ لیکن جب ایمان کی صفت آجاتی ہے تو ایک انسان دوسرے انسان سے ممتاز ہوجاتا ہے جب اس کے ساتھ تقویٰ کی صفت آجاتی ہے تو وہ انسان باقی انسانوں سے جو صاحب ایمان ہیں ممتاز ہوجاتا ہے۔ صفات کی وجہ سے انسانیت کی عظمت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ آپ ایک دوسرے انداز سے ملاحظہ فرمائیں کہ اس کائنات کے مصلحین، مختلف ادوار میں اصلاح کے لیے آتے رہے، ان کی اصلاح وقتی کیوں تھی؟ اس لیے کہ ان کے پاس خلق عظیم نہیں تھا۔ صرف خلق تھا۔ تو وہ خلق دوسو سال تک چل سکا، چار سو سال چل سکا، لیکن وہ خلق لامحدود دور تک نہیں چل سکا۔ اس لیے نہیں چل سکا کہ انہیں وہ تحفظات حاصل نہیں تھے جو مصطفیٰ ؐ کو حاصل ہیں۔ ان میں سے کسی کی زبان کو اللہ نے اپنی زبان نہیں کہا یہ بات صرف قرآن میں نہیں ہے بلکہ تورات میں بھی موجود ہے آپ تورات کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ غالباً امریکہ والوں نے جو تورات اردو میں چھاپی ہے اس کے 786 صفحے پر یہ بات آتی ہے کہ سرکارؐ کے متعلق لکھا ہے۔ (یہ بڑا ہی نفیس نکتہ ہے)

''آج میں آیا ہوں، تمہارے درمیان بول رہا ہوں، لیکن وہ بعد میں آئے گا جو اللہ کی زبان سے بولنے والا ہے''۔

اب وہ لفظ جو قرآن نے نقل کیے ہیں وہ تورات نے بھی ارشاد فرمادیئے لیکن برناباس نے اس سلسلے میں جو انجیل دی ہے۔ عیسائی دنیا نے صدیوں تک اس کتاب کو چھپانے کی کوشش کی کہ کسی طریقے سے اسے معتبر قرار نہ دے دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کلام اللہ میں سے آپ کسی ایک حصے کو غیر معتبر قرار دے دیں تو عقل کہتی ہے کہ یہ کتاب ساری غیر معتبر ہے۔ آپ کہہ دیں قرآن پاک میں سورۃ البقرہ نہیں ہے۔ تو قرآن کے معتبر ہونے کا آپ کے پاس کونسا ثبوت رہ جائے گا۔ اگر آپ انجیل کے چار حصے کردیتے ہیں اور انجیل برناباس کو ساقط الاعتبار کردیتے ہیں۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پھر انجیل کوئی بھی معتبر نہیں ہوگی۔ اگر باقی انجیل معتبر ہے تو برناباس اس لیے غیر معتبر نہیں قرار دی جاسکتی کہ وہ نعت مصطفیٰ ؐ پر مشتمل ہے۔ اب وہاں نعت مصطفیٰ ؐ کس انداز سے آتی ہے؟ یہی الفاظ جو میں نے ابھی آپ کے سامنے عرض کئے ہیں۔

''وہ میرے بعد آئیگا جس کی زبان سے خدا بولے گا، جس کی زبان خدا کی زبان ہوگی''۔

الفاظ کا انداز غور طلب ہے، نوعیت یہ ہے کہ ''اب جو آئے گا، وہ اللہ کی زبان سے بولے گا یا للہ اس کی زبان سے بولے گا''۔ ایک بات ہوئی، میں تمہارے پاس آکے جارہا ہوں وہ آنے والا ہمیشہ رہنے کے لیے آئیگا۔ اس نے واپس نہیں جانا ہے۔ کیا مطلب ہوا؟ یعنی اس کی ہدایت دائمی ہے اس کی نورانیت ابدی ہے وہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی کو اقبال نے ایک اور

انداز سے فلسفیانہ رنگ دے دیا ہے۔اقبالؒ بنیادی طور پر اسلامی صوفی ہیں آپ انہیں فلسفی کہتے رہیں یا فلسفی شاعر کہیں، یہ آپ کی اپنی مرضی ہے مجھے تو اقبالؒ رومی کی ایک اور کاپی نظر آتے ہیں۔ مجھے اقبال اس تصوف کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں اور جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اسلام کا حقیقی تصوف ہے اور جس کے دائرے حضور حیدر کرارؓ اور صدیق اکبرؓ سے ہوتے ہوئے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے جا ملتے ہیں۔ اقبالؒ نے یہ نکتے کی بات کہی

مصطفی با ابتداء بے انتہا است

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ابتدء تو ہے، لیکن ان کی انتہا نہیں ہے اس کے لیے دلیل لیا دیتے ہیں۔

مصطفی راصبح وشام ملکجا است

یہ ہماری صبح یہ ہماری شام مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کہاں ہے۔

دراصل وہ ایک حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ''مصنف'' نام کی کتاب ہے۔ عبدالرزاق مرحوم ومغفور نے نقل فرمائی ہے اور دور حاضر کے محققین میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب کی بالکل ابتداء میں نقل کی ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں۔ ''محفل مصطفیٰ جمی ہے ایک صحابی نے آپ سے پوچھ لیا، یارسول اللہ اول چیز کون سی تھی۔ جسے اللہ نے پیدا کیا''۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس صحابی کو فلسفے کا پتہ تھا قدیم فلسفیوں نے سب سے پہلی پیدا ہونے والی چیز کو عقل قرار دیا اور پھر یہاں فلسفے کے میدان میں عجیب عجیب انہوں نے لغزشیں کیں۔ جب ہم قرآن پاک کا بالاستیعاب ترجمہ کریں گے۔ تو مختلف مقامات پر جہاں انسانی افکار کی کجرویاں آئیں گی۔ انشاء اللہ وہاں یہ باتیں بھی آئیں گی۔ کہ فلسفی کہاں کہاں بھٹکے؟ اور کس کس مقام پر انہوں نے ایسی لغزشیں کیں کہ آج Common Sense بھی وہاں سے گزرتے ہوئے کھلکھلا کر ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔

انہوں نے کہا اول عقل پیدا ہوئی لیکن صحابی کو تو فلسفے کا پتہ نہیں تھا۔ وہ سادہ سی زندگی گزارتے تھے۔ عرب جو ناخواندہ لوگ تھے۔ ناخواندہ لوگوں میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ یہ بات انہیں پتہ نہیں تھی۔ کہ عقل انسانی جب تجسس کرتی ہے تو یہ خیال آتا ہے کہ یہ نظام جو میرے سامنے چل رہا ہے۔ کبھی اسکی ابتداء بھی تو ہوئی ہوگی۔ تو ابتداء کس نقطے سے ہوئی تھی۔ صحابی کا یہ ارشاد تھا جو گزارش کی شکل میں سرکارؐ کے سامنے پیش ہوگیا۔ ''حضورؐ سب سے پہلے کیا بنا تھا''؟ تو سرکارؐ نے جواباً ارشاد کیا!

"اوّل ماخلق اللہ نور نبیک یا جابر" ٥ (جابر! سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبیؐ کا نور پیدا کیا)

تو اقبالؒ نے کہا ابتداء ہوگئی ناں

مصطفی با ابتداء بے انتہا است

Marfat.com

لیکن آگے ان کی انتہا کہیں نہیں ہے انتہا کیوں نہیں؟ سابقہ کتابیں بھی یہی بات کہہ رہی ہیں۔ کہ پھر وہ آئے گا جس نے ہمیشہ کیلئے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔ جو ظاہری اور عقلی باتیں ہیں وہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی شریعت نہیں آئے گی جو شریعت مصطفیٰ ﷺ کی ناسخ ہو، کوئی دین نہیں آئے گا، جو دین مصطفیٰ ﷺ کا ناسخ ہو، کوئی ایسا نظریہ نہیں آئے گا۔ جو نظریہ مصطفیٰ ﷺ کا ناسخ ہو۔ یہ ظاہری علمی باتیں ہیں لیکن باطنی کیفیت کیا ہے اور اس کی نہریں اور اس کے دریا آج تک اس ظاہری دنیا میں کس طریقے سے موجزن ہیں۔ یہ لمبی داستان ہے کہ اس پر بیسیوں تقریریں کی جا سکتی ہیں۔ لیکن پھر خلاصہ وہی ہوگا۔ کہ اب دور ہے مصطفیٰ ﷺ کا، ان کی اتباع کے بغیر، ان کی اطاعت کے بغیر، بلاشک اپنے آپ کو ان کے حوالے کیے بغیر، ان کی بات مانے بغیر نہ ہدایت مل سکتی ہے، نہ روشنی مل سکتی ہے، نہ عقیدہ توحید سینے کے اندر راسخ ہو سکتا ہے، نہ حقیقت توحید کو پایا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ ذات ربانی کا تعلق عقلی مشاہدے سے باہر ہے تو جو عقلی مشاہدے سے باہر ہے، اسے عقل کے ترازو میں تولا نہیں جا سکتا۔ وہاں تک رسائی کا ایک ہی طریقہ ہے کہ جس طرح سرکار ﷺ اللہ کو منوانا چاہتے ہیں اس طریقے سے آپ اللہ کو مان لیں۔ انسان کے وجود کے اندر ذات ربانی کو ایسی قوت بنا دیا کہ وہ ہمیں شہ رگ سے قریب نظر آیا۔ اور کیفیت وہ کر دی کہ!

"انی ذاهب الیٰ ربی سیهد ین"o

ترجمہ: ''قرآن نے درس دے دیا کہ میں رب کے پاس جا رہا ہوں کائنات سے کٹ رہا ہوں''۔

قرآن نے دوسری جگہ کہا!

"وتبتل الیه تبتیلا" o (سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف ہو جاؤ)

تو یہ وہ مقام ہے جس مقام پر ہمیں عقل نے کھڑا نہیں کیا۔ ظاہری علوم نے کھڑا نہیں کیا، دنیاوی ترقی نے کھڑا نہیں کیا۔ اس مقام پر مصطفیٰ ﷺ نے کھڑا کیا۔ اگر ایک انسان میں چند صفات ہیں تو وہ انسان اپنے ماحول پر چھا جاتا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ اور جب ہم سراغ لگاتے ہیں، تو صفات اس سمندر سے جا ملتی ہیں جس کا نام محمد مصطفیٰ ﷺ ہے یہ ساری کی ساری صفات سمندر میں جا کر دریاؤں کی شکل میں، نہروں کی شکل میں، نالوں اور ندیوں کی شکل میں وہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی بات کی طرف ایک بڑے نفیس انداز سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشارہ کیا۔ وہ اشارہ یہ تھا۔ کہ سرکار ﷺ نے ایک دفعہ اللہ کے متعلق زبان پر یہ کلمہ لایا۔

"اللّٰهم ماعرفناک حق معرفتک"o

ترجمہ: ''اللہ ہم تجھے اس طرح نہیں پہچان سکے جس طرح تیرے پہچاننے کا حق ہے''۔

اور اسی فقرے سے نور حاصل کرتے ہوئے حیدر کرار ؓ نے ایک بڑی نفیس بات ارشاد فرمائی۔ انہوں نے کہا اللہ کو دیکھا

Marfat.com

نہیں ہے لیکن میں اسے مانتا ہوں۔ اس پر میرا یقین ہے۔ اگر اللہ پردے ہٹا کر میرے سامنے آجائے تو میرے یقین میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ یہ وہ مقام ایمان ہے جس مقام پر مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑا کر دیتے ہیں۔ کہ آج اگر پردے ہٹا کے اللہ سامنے بھی آجائے تو میں جس یقین وایمان کی دنیا میں کھڑا ہوں تو اس میں ذرا بھی اضافہ نہیں ہو سکے گا تو یہ فقرہ سن کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی نفیس بات کہہ دی۔ وہ کہنے لگے یارسول اللہ پھر آپ میری بات سنیں۔

"یارسول اللہ ماعرفنا ک حقّ معرفتک"O

ترجمہ: ''آقا جس طرح آپ کو پہچاننے کا حق ہے وہ ہم بھی نہیں پہچان سکے ہیں''۔

اورانہوں نے بالکل سچی بات کہی۔ صدیقؓ تو صحابہ عالی مقام میں سب سے عظیم المرتبت ہیں۔ لیکن آپ جناب خلیل علیہ الصلواۃ والسلام سے پوچھیں تو ان کی بھی بات یہی ہوگی۔

"یارسول اللہ ! ماعرفنا ک حقّ معرفتک"O

ترجمہ: ''جس طرح آپ کو پہچاننے کا حق ہے اس طریقے سے ہم آپ کو نہیں پہچان سکے''۔

یہ وہ بات تھی جو اللہ کریم تک پہنچانے کے لیے سرکارؐ نے امت کو سکھائی۔ ایک اور انداز سے اسی نکتے کو صدیق اکبرؓ نے یوں واضح کیا!

"العجز عن درک الادراک ادراک "O

اس میں علم کا سمندر ہے جو صدیق اکبرؓ نے بند کر دیا۔ آپ کسی شے کو پانا چاہتے ہیں سمجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ سمجھ نہیں سکتے اس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ اللہ کو ایک متشکل شکل میں سامنے رکھیں تو یہ بات ناممکن ہے۔ وہ جسمانیت سے پاک ہے۔ جب وہ جسم سے پاک ہے تو آپ اس کی توضیح کیسے کریں گے۔ آپ کے جسم میں روح ہے۔ آپ اس روح کی توضیح کر سکتے ہیں؟ نہیں کر سکتے۔ روح تب توضیح پائے گی۔ جب کسی جسم میں آجائیگی۔ اور جسم کے واسطے سے آپ اس کی زندگی کا اقرار کریں گے۔ لیکن اسی زندگی کا اقرار اللہ کریم اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق کس طرح ارشاد فرماتے ہیں۔

"یا ایھا الذین آمنو ااسعجیبو للّٰہ وللرسول اذا دعاکم "O

ترجمہ: ''ایمان دارو اللہ اور اللہ کے رسول جب بلائیں، تو اس بات کو قبول کرلیا کرو''۔

لیکن آگے بلانے کے لیے لفظ مفرد کر دیا۔ ''اذا دعاکم'' جب وہ تمہیں بلائے۔ اپنے آپ کو الگ کرلیا، الگ کیوں کر لیا؟ آپ اتنے بندے بیٹھے ہیں کیا کبھی اللہ نے بلایا اور آپ نے آواز سنی ہے؟ اللہ نے کہا کہ یہ میرا مقام تو نہیں کہ میں تمہیں بلانے لگ جاؤں یہ بات چھوڑ دو۔ تمہیں بلائے گا میرا محبوب اور جب میرا محبوب تمہیں بلائے تو جس بات کی طرف بلائے فوراً

ادھر لپکو۔ کیوں لپکو؟

"لما یحییکم"o (کہ میرا رسول تمہیں زندگی عطا کرتا ہے)

تمہارے اندر حیات کی حقیقی لہریں دوڑا دیا کرتا ہے، زندگی کی عظمتوں سے تمہارے وجود کو بھر دیا کرتا ہے، لہذا جب وہ بلائیں تو بغیر حیل وحجت کے فوراً دوڑ کر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو جاؤ۔

ایک صحابی نماز میں تھے، سرکار کریمؐ نے آواز دی، قرآن کے بعد سب سے صحیح کتاب بخاری میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔ آواز دی تو انہوں نے فوراً آواز پر لبیک نہیں کہی نماز توڑی نہیں ہے۔ نماز پڑھ کر آئے تو سرکارؐ نے پوچھا دیر کیوں کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نماز میں تھا۔ سرکارؐ نے فرمایا قرآن کبھی نہیں پڑھا۔ قرآن نے یہ تو نہیں کہا نماز میں ہو تو میرے رسول کے بلانے پر نہ آؤ۔ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ جب میرا محبوب تمہیں بلائے تو فوراً لبیک کر حاضری دے دو۔ جب دوسرے لفظوں میں ہم اسے سمجھانے کے انداز میں آئیں گے۔ تو اس کا انداز یہ بنے گا۔ کہ اگر میں نہ آتا تو نمازیں تم نے کب پڑھنی تھیں۔ یہ نماز میری ہی تو عطا کردہ ہے۔ جو میری عطا کردہ شے ہے اگر میرے تک آنے سے وہی روک دیتی ہے۔ تو پھر اس آنے میں لطف تو نہ رہا، لہذا قرآن نے کہا، کہ جب محبوب بلائیں تو ان کے بلانے پر بغیر وقفہ کیے نماز کو چھوڑ دیا جائے۔ جہاں ہے وہیں توڑ دی جائے۔

فقہاء نے یہاں ایک بڑی نفیس بات کہی ہے۔ ہم اکثر کہتے رہتے ہیں نا یہ بڑی دیر سے بحث چل رہی ہے کہ اسمبلی کو قرآن سمجھانے کا حق دے دیا جائے۔ یہ بڑی دیر سے بات چل رہی ہے لیکن جو قرآن سمجھنے والے تھے ان کا انداز کیا ہے ادھر بات سن کر واپس آئے تو کیا نئے سرے سے نماز کا آغاز کرے گا؟ یا جہاں چھوڑ کے گیا ہے وہاں سے شروع کرے گا؟ تو فقہاء نے یہ فتویٰ دیا کہ جہاں چھوڑ کے گیا تھا وہاں سے آغاز کرے گا۔ کہ یہاں بھی اطاعت رسول میں کھڑا تھا۔ وہاں گیا تو اطاعت رسول میں گیا۔ لہذا درمیان میں نماز کے توڑنے کا عمل کہیں نہیں ظہور پذیر ہوا۔ عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ: ب صفات ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور بڑا عقل مند دو چار درجن صفتیں لے کر آگے بڑھتا ہے تو اپنے طور پر چھا جاتا ہے۔ اب وہ صفات اگر ایسی ہیں۔ جو انسانی سوچ سے کسی انداز سے ہم نے قبول کیں ہیں۔ تو انسان ہر دور میں الگ انداز سے سوچتے ہیں۔ انسانی سوچ جو آج سے سو سال پہلے تھی، اب وہ نہیں ہے۔ اب اگر وہی ہے تو اس نکتے پر ہو گی جو سوچ مصطفیٰ علیہ السلام سے لی گئی ہے وہ سو سال پہلے تھی تو آج وہ ہو سکتی ہے۔ وہ تو آج سے تیرہ سو سال قبل تھی تو آج بھی وہی ہو گی۔ اس لیے کہ وہ حقیقت ہے اور حقائق مٹا نہیں کرتے اور ایک بات آپ کو واضح طور پر بتا دوں کہ جوں ہی آپ گہرا مطالعہ کریں گے۔ تو آپ کو تین ہی حقیقتیں ملیں گی۔ ایک رب کی ذات حقیقت ہے۔ ایک قرآن حقیقت ہے۔ ایک مصطفیٰؐ حقیقت ہے۔ باقی ساری حقیقتیں ان تین حقیقتوں سے پھوٹ رہی

Marfat.com

ہیں۔اگران سے کٹ جائیں تو وہ حقیقتیں مسخ ہو جاتی ہیں، وہ حقیقتیں ختم ہو جاتی ہیں۔آپ قرآن کا جتنا گہرا مطالعہ کرتے جائیں گے آپ اس بات کی تہہ تک پہنچتے جائیں گے۔کہ اصل حقائق صرف تین ہیں یا ذات خدا ہے، یا کلام خدا ہے۔یا محبوب خدا ہے۔ یہ تین حقیقتیں ہیں،جن حقیقتوں کی طرف ساری حقیقتیں پلٹتی ہیں تنہائی میں بیٹھ کے ساری حقیقتوں کو کھنگال لیجئے اور اگر کوئی ان تین سمندروں میں واپس جا کر نہ گرے۔تو پھر مجھے بتائیں میں اسکا سلسلہ نسب آپ کو بتادوں گا۔کہ یہ حقیقت فلاں مقام پر اصل حقیقت سے جا کر مل جائیگی۔

زندگی فانی ہےاور مختصر سی ہے۔ہم عادات خود بنائیں ان پر چلیں تو اگلی نسل یہ کہے گی کہ وہ جو عادات بنا کر چلے گئے ان کا شعور جہاں تک تھا انہوں نے کام کیا۔ہم ان کے پیچھے کیوں چلیں؟ ہم شعور کو آگے بڑھائیں گے۔لیکن رب نے کہا پھر ایک وہ شعور ہے جو سب سے بڑا شعور ہے ضروری ہے کہ اس شعور کے اندر سارے شعور گم کردو۔میں سمجھتا ہوں جسے فلاسفر نے عقل اول کہا ہے۔وہی ذات مصطفیٰ ؐ ہے۔کیونکہ انہیں اس بات کا پتہ نہیں تھا لیکن حدیث نے آکے اسے واضح کر دیا۔جابرؓ! سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور بنایا تھا۔یہ ساری مخلوق بعد میں پیدا ہوئی ہے اور بعد میں پیدا ہوئی تو پھر سامنے پیدا ہوتی رہی نا۔ پھر مخلوق کا کوئی بندہ یہ نہیں کہہ سکتا۔کہ میں کسی نکتے میں مصطفیٰ ؐ سے آگے نکل گیا ہوں۔بھئی تو ان کے سامنے بنا ہے، تیری تخلیق ان کے سامنے ہے، تیرا علم ان کے سامنے ہے تو ایک ذرہ ہے تو سورج کو کیا بتائیگا۔کہ سورج کی ادائیں کیا ہوتی ہیں۔ذرا اپنے آپ کو سنبھال لیں لیکن وہ سورج ہے جس نے سب ذروں کو اپنی محبت سے قائم رکھا ہوا ہے۔اور اس کو اقبال نے بڑے پیارے انداز سے کہا!

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اسے ایک حدیث سے ملالیں تو بات بڑی واضح ہو جائے گی۔کہ ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے وہ رحمت اور رؤف الرحیم بنایا ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں بھی میرے امتی کو اذیت پہنچے تو اس اذیت سے میرے دل کو دکھ ہوا کرتا ہے اب آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ!

لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔جس کی طرف علامہ مرحوم اشارہ فرمارہے ہیں۔

اگر انسان فانی ہے اور اس کی صفات دائمی نہیں ہیں، وہ بھی فانی ہیں۔تو ایسی صفات کہاں سے آئیں جنہیں بقا ہو۔اللہ پھر تو ہے ہی، ارشاد فرمایا میں تو بتارہا ہوں کہ اطاعت فلاں کی کرنی ہے۔اتباع ان کی کرنی ہے ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے، ان کی زبان میری زبان ہے ان کا عمل میرا عمل ہے لہذا وہی لافانی ہے۔جو عمل مصطفیٰ ؐ ہے اگر عمل مصطفیٰ ؐ کے پیچھے چل پڑو گے تو تمہیں

بھی بقاء مل جائیگی۔اسی کو اقبالؒ نے یوں بیان کیا!

اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ھے　　　رومی فنا ھوا حبشی کو دوام ھے

یہ دوام اس لیے ہے کہ غیر فانی صفات کو اس نے اپنے اندر بھرلیا ہے۔اس سارے درس کا خلاصہ یہ ہوا کہ محور اتباع ،مرکز اطاعت،منبع اخلاق اور انسانی عظمتوں کی امین،صرف اور صرف کائنات میں ذات مصطفیٰ ﷺ ہے۔لہذا جس کسی نے روشنی حاصل کرنی ہے،جلا پانی ہے،عظمتیں لینی ہیں،انسانیت کی معراج کا تاج سر پر رکھنا ہے۔جس نے اپنے آپ کو انسان کامل بنانا ہے وہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ،جو عظیم ہیں ان کے پیچھے چل پڑے گا،تو کمال تک پہنچے گا۔آج کی محفل ختم ہوئی۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین)

مقام رسالت

محفل نمبر 2

الحمد للہ وکفی والصلوۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواتین و حضرات! گزشتہ محفل میں میں نے یہ بات عرض کی تھی کہ [illegible]

بات کو ابھی یہیں تک پہنچا اور ابھی ہم نے چند [illegible] ہوگا۔ آیت زیر بحث یہ ہے۔

"وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"O

اس کا سادہ سا ترجمہ یہ ہے۔ "و" کا معنی ہے "اور"۔ "ارسلنا" یہ [illegible]

[illegible] آپ کو۔ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا۔ "الا" مگر۔ "**رحمۃ للعالمین**" سب زمانوں کے لیے رحمت بنا کر۔

تین چار باتیں قابل غور ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان مقدس لفظوں نے [illegible] یہ بتایا کہ سرکار کا مقام [illegible] کو رسالت ہے۔ کیونکہ لفظ ارسلنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عربی کے عام [illegible] کو چھوڑ کر ایک [illegible] اسلوب Style کو یہاں اپنایا گیا ہے۔ سادہ لفظوں میں یہ بات کہنی ہو کہ ہم نے آپ کو سب زمانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تو فقرہ یوں بنے گا۔ "ارسلناک رحمۃ للعالمین"۔ یہاں پہلے "ما" اور اس کے بعد "الا" آگیا ہے۔ [illegible] کردی ہے۔ "الا" نے اسے ثابت کیا ہے۔ تو جب ایسی بات ہو تو اسے عربی میں "حصر" کہتے ہیں۔ حصر کا لفظی معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی بات کو ایک حد کے اندر بند کر دینا، محدود کر دینا، لہٰذا اس کا ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ ہم نے صرف اور صرف آپ کو سب زمانوں [illegible] رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ اس معنی کو پیدا کرنے کے لیے وہ جو عام عربی کا انداز تھا۔ اسے چھوڑ دیا گیا [illegible] کے اندر لطافتوں کے ساتھ یہ معنی آسکے۔

رحمت ہوتی کیا ہے۔ اور عالمین کیا ہے؟ یہ خصوصی طور پر زیر بحث لانا ہوتا ہے۔ اصل میں [illegible] بھی عربی زبان میں مل جاتے ہیں ان کا مفہوم کسی قلبی لگاؤ کا ہونا کسی کی بہتری کے لیے۔ یہ رحمت کا اصل معنی ہے۔ کسی کے دل میں ایسی بات ڈال دینا کہ اس کا دل لگاؤ کسی اور کے ساتھ ہو جائے۔ تاکہ اس میں اس کی بہتری ہو سکے۔

Marfat.com

سرکارؐ رحمت ہیں، کس کے لیے؟ مومنین کے لیے رب نے نہیں فرمایا، عربوں کے لیے نہیں فرمایا، ایک نسل کے لیے نہیں فرمایا، بلکہ ارشاد فرمایا کہ وہ جتنی بھی دنیائیں ہیں۔ (میں اس تقریر کو دھرانا نہیں چاہتا جو العالمین کے لفظ پر میں نے آپ کے سامنے پیش کی تھی۔ الحمد اللہ رب العالمین۔ وہ سارے عالمین ہیں، وہ اٹھارہ ہزار ہیں، وہ چوراسی ہزار ہیں۔ وہ چار لاکھ ہیں یا ان کی تعداد چار کروڑ تک پھیل جاتی ہے۔ جہاں تک بھی عالمین کی وسعت جاتی ہے وہ سارے کے سارے عالمین رحمت مصطفویؐ کے نیچے آجاتے ہیں) مسئلہ یہ ہے کہ اس رحمت کا اظہار کس طریقے سے ہوگا۔ تو سرکارؐ کا ایک اپنا ارشاد عالی، اس مسئلے کو آگے چلانے کے لیے میں آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ارشاد ہوا میں جہنم کے راستے پر کھڑا ہوں، تم خواہشات کے پیچھے پڑ کر پوری قوت سے سرپٹ گھوڑے کی طرح جہنم کی طرف دوڑے جارہے ہو۔ حدیث پاک کے یہ الفاظ ہیں!

"انّی آخذ بحجز تکم "٥ "وانتم تقحمون فیھا"٥

میں تمہیں حجزہ سے پکڑ کر پیچھے پھینک رہا ہوں۔ اور تم پوری قوت سے آگے گرنے کی کوشش کرتے ہو۔ یہ حدیث تقریباً حدیث کی ساری کتابوں میں موجود ہے اب میں نے یہ دیکھنا ہے کہ حجزہ کسے کہتے ہیں؟ جس سے پکڑ کر سرکارؐ جہنم میں گرنے والوں کو پیچھے پھینکنا چاہتے ہیں۔ آج تو اس بات کا رواج بہت کم ہے۔ لیکن نیچے والے پنجاب میں اب بھی رواج ہے کہ چھوٹے بچوں کو تہبند باندھ کر اس کی کمر کے پیچھے دونوں کناروں کو اکٹھا کر کے گانٹھ لگا دیتے ہیں۔ اس گانٹھ کو عربی زبان میں حجزہ کہتے ہیں۔ اب اگر آپ بچے کو پکڑنا چاہتے ہیں اس کے کندھے پر ہاتھ پڑتا ہے وہ ہاتھ سے نکل جائیگا۔ کسی اور جسم کے حصے پر ہاتھ پڑتا ہے تو شاید وہ نکل جائے۔ لیکن اگر وہ گانٹھ آپ کے ہاتھ آجائے تو پھر بچہ آپ سے آگے بھاگ نہیں سکتا۔ آپ اسے پکڑ لیں گے۔ پیچھے کھینچ لیں گے۔ رحمت عالمؐ نے اپنی رحمت کا اظہار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ تم تو پوری قوت سے جہنم میں گرنے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن میں حجزہ سے پکڑ پکڑ کر تمہیں جہنم سے باہر پھینک رہا ہوں۔ سرکارؐ کی رحمت مومنوں کے لیے بھی ہے، کافروں کے لیے بھی ہے کہ اس دنیا میں انہیں عذاب نہیں ملتا۔ اور پھر اسکے ساتھ ہی ساتھ اس رحمت کو اگر ہم پھیلتا دیکھیں تو ایک عجیب انداز ہے کہ سرکار کی ذات اقدس انبیاء عالی مقام کے لیے بھی رحمت ہے۔ اس لیے رحمت ہے کہ قران پاک نے تیسرے پارے کے آخری حصے میں بذات خود یہ بات ارشاد فرمائی کہ تمہیں کتاب وحکمت دے کر ہم بھیج رہے ہیں، پھر وہ عظیم المرتبت رسولؐ آئے گا جس پر تمہارا ایمان لانا ضروری ہے۔

" لتو منُنّ بہ و لتنصرنّہ "٥

Marfat.com

یہاں بڑی تاکید کے ساتھ لفظ کو استعمال کیا۔اب میں سوچتا ہوں کہ اردو کی بے مائیگی یہاں حائل ہو جاتی ہے۔اس تاکید کا اظہار کیسے کیا جائے۔

لتو منن کے لفظ میں تین تاکیدیں ہیں۔ایک زبر والا ''ل'' دونون جنہیں ملا کر ایک کر دیا گیا ہے۔اور عربی گرائمر نے اس کا نام نون ثقیلہ رکھا ہے۔اس کا معنی جب ہم اردو میں ڈھالیں گے تو کم از کم ہمیں دو دفعہ یہ کہنا پڑے گا کہ تم ضرور بہ ضرور ان پر ایمان لاؤ گے۔ ضرور بہ ضرور ان کے لیے تم نے امداد کا سامان مہیا کرنا ہوگا۔انبیاء نبی ہوتے ہوئے سرکارؐ پر ایمان لانے کے مکلف ہیں اور سرکارؐ ان سب انبیاء کے لیے قیامت کے دن شاہد ہیں، آپ نے شہادت دینی ہے کہ انہوں نے قوم کو بات پہنچائی تھی۔پھر قوم کے خلاف شہادت دینی ہے کہ ان لوگوں نے بات نہیں مانی تھی۔یہاں بے شمار علمی باتیں ذہن میں آتی ہیں۔لیکن میں ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ مقام نبوت پر اگر اس انداز سے میں گفتگو کرتا رہوں تو کم و بیش سو سوا سو تقریریں کرنا ضروری ہوں گی۔اور میں چاہتا ہوں کہ جلدی جلدی آگے بڑھ کر قرآن پاک کا ترجمہ شروع کیا جا سکے۔یہ وہ علوم ہیں جو آپ کے ذہن میں ہونے چاہئیں تا کہ قرآن پاک کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔تو اب سرکارؐ نبیوں کو بھی نہ جانتے ہوں اور ان کی امت کو بھی نہ جانتے ہوں تو یہ شہادت کس بات پر ہوگی۔شہادت تو تب ہی ہو سکتی ہے کہ ان کے اعمال و افعال سے واقفیت ہو۔اور اگر واقفیت نہیں تو شہادت علی الغیب ہے۔اور شہادت علی الغیب کو جسے دیکھا نہ گیا ہو دنیا کی کوئی بھی عدالت تسلیم نہیں کرتی۔اس لئے تسلیم نہیں کرتی کہ جب آپ موجود ہی نہیں تھے تو یہ شہادت کس انداز کی ہے۔لہذا شہادت کے لیے شہود ضروری ہوتا ہے۔امام راغب اصفہانی نے مفردات میں اسی لفظ شہود اور شہادت کے نیچے لکھا کہ اس کے لیے دو باتیں ضروری ہیں یا تو آنکھوں سے ملاحظہ کیا جائے یا بصیرت سے ملاحظہ کیا جائے۔یعنی بصارت کام آئے یا بصیرت کام آئے۔یہ دو باتیں نہ ہوں تو شہادت نہیں ہوتی۔سرکارؐ جب نبیوں کے حق میں شہادت دیں گے۔تو یہ ان کے لیے رحمت ہیں، پھر کعبہ مقدسہ جو بتوں سے بھر پور تھا اسے جب سرکارؐ بتوں سے پاک کرتے ہیں، واپس مڑتے ہیں باہر نکلنے کے لیے تو کیا روح کعبہ نہیں کہہ رہی ہوگی۔کہ

"وما ارسلناک الا رحمة للعالمین"O

آپ ہی رحمت للعالمین ہیں جنہوں نے مجھے پاک کر دیا ہے۔سیدہ مریم پر طرح طرح کی الزام تراشی ہوتی ہے اور سرکارؐ اس الزام کو قرآن حکیم کے ذریعے آ کر ختم کر دیتے ہیں۔ارشاد خداوندی ہے۔

"ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم"O

ترجمہ: ''کہ عیسیٰ کی مثال رب کے ہاں اسی طرح ہے جس طرح آدم کی مثال ہے''۔

اگر آدم کی تخلیق ماں باپ کے بغیر ہے تو کیا عیسیٰ کی تخلیق باپ کے بغیر ممکن نہیں۔یعنی تخلیق کے تین مرحلے ہوئے۔میں

Marfat.com

کسی وقت اس موضوع پر ایک اور انداز سے گفتگو کروں گا۔ کہ انسانی تخلیق کے کتنے مراحل ہیں۔ اور انسان کن کن چیزوں سے بنا ہے۔ قرآن کہے گا کہ چار قسم کے بشر ہوتے ہیں۔ اس کی تفسیر کسی اور نشست کے لیے، کیونکہ اصل بات پھر رہ جاتی ہے۔

سرکارؐ کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر ہم دیکھتے ہیں تو ایک انسان وہ ہے جو ماں باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے، ایک انسان وہ ہے جو باپ کے بغیر پیدا ہوا ہے۔ اکثریت انسانوں کی وہ ہے جو ماں باپ کے ذریعے اس دنیا میں آتے ہیں۔ تو اب حضرت عیسیٰؑ کی والدہ مطہرہ ومعصومہ پر جو الزام لگا ہے اس الزام کو آکر مصطفیٰؐ نے دور فرمایا ہے۔ لہذا وہ بھی تو قبر کے کسی گوشے میں کہہ رہی ہوں گی کہ

"وما ارسلناک الا رحمة للعالمین"O

اب سرکارؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں، تو اس رحمت کے دامن میں انسانیت کا کوئی گوشہ نہیں جو رہ جاتا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سرکارؐ نے کچھ اور ارشاد فرمایا جس نے اس قرآنی آیت کو سمجھنے میں مزید مدد دی۔ ارشاد فرمایا مجھے اللہ کی ساری مخلوق پہچانتی ہے، سوائے سرکش جنوں اور سرکش انسانوں کے۔ یہ دو برادریاں ایسی ہیں جو مجھے نہیں پہچانتیں، ورنہ کائنات کی ہر شے مجھے پہچانتی ہے۔ اور اس پہچاننے کے لیے ایک نہیں لاتعداد شواہد اور دلائل موجود ہیں ایک بدوی کہہ رہا تھا۔ کہ حضورؐ میں آپ کو مان لیتا ہوں وہ گوہ اس بات کی شہادت دے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ سرکارؐ نے اس گوہ کو خطاب فرمایا!

الشفائی تعریف الحقوق المصطفیٰؐ میں یہ حدیث موجود ہے فرمایا!

"یا ضب من انا"O (اوگوہ بتا میں کون ہوں)

"فقامت علیٰ الرجلین و قالت انت رسول اللّٰہ و انت ختم النبین"O

"وہ اپنے پچھلے دونوں پاؤں پر کھڑی ہوگئی اور کھڑی ہو کر کہنے لگی آپ اللہ کے رسول ہیں اور سب سے آخری رسول ہیں"۔

اللہ کے رسول بھی ہیں اور سب سے آخری رسول بھی ہیں۔ رحمت للعالمین ہونے کے لیے آخری رسول ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ جو نعمتیں رب نے تقسیم فرمائی ہیں اگر رحمت للعالمین سے وہ بچالی جائیں کسی اور کے حوالے کردی جائیں تو وہ عالمین کے لیے پھر رحمت قرار نہیں پاتے۔ لہذا یہ ضروری ہے۔ عام سادی سی بات ہے کہ اگر ایک خاتون کے چار پانچ بچے ہیں ایک بالکل چھوٹا ہے تو باقیوں کو جو کچھ دینا ہے دے کر اس کو بھی حصہ دے گی۔ لیکن اس کے لیے پلو کے ساتھ تھوڑا سا الگ چھپا کر رکھ لے گی۔ کہ چھوٹا ہے تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر ضد کرنی ہے اس ضد کا حل یہی ہے کہ اس کے لیے تھوڑا سا الگ رکھ لیا جائے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جو آخری ہوتا ہے اس سے پھر کوئی شے بچائی نہیں جاتی۔ تو سرکارؐ کے لیے بھی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو پیچھے چھوڑ دی جاتی۔ پیچھے تو کسی نے آنا نہیں تھا۔ رحمت للعالمین کا پیغام آخری پیغام تھا۔ اگر اس میں العیاذ باللہ کسی مقام پر سقم رہ

جائے، کسی مقام میں ادھورا پن ہو جائے تو یہ ختم نبوت کے مفہوم کے خلاف ہے، اس کے مطلب کے خلاف ہے اور اسی بات کو قرآن نے جب بیان کیا بائیسویں پارے میں تو یہاں فرمایا کہ

"ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین" O

کہ مصطفیٰ ؐ کسی بالغ مرد کے باپ نہیں کیونکہ آپ کی نرینہ اولاد کا بچپن میں وصال ہو گیا تھا۔ اللہ کے وہ رسول ہیں اور سب سے آخری رسول ہیں۔ اس آخری کے معنے میں بے شمار لوگوں نے شبہات پیدا کیے۔ کہ آخری کس معنی میں ہے؟ لیکن ان معنوں کی تخلیق بہت بعد میں ہوئی ہے۔ جب قرآن نازل ہوا ہے۔ تو یہ ایک آیت ہی نہیں تھی۔ اس مفہوم کی وضاحت کے لیے، بے شمار آیتیں تھیں۔ یہی

"ومارسلناک الارحمۃ للعالمین" O

ختم نبوت کی دلیل ہے۔ کہ جب عالمین کے لیے وہ رحمت ہیں۔ عالمین میں اللہ کے بغیر سب کچھ آ گیا ہے۔ انسان آگئے ہیں، فرشتے آگئے ہیں، جن آگئے ہیں، جانور آگئے ہیں، حجر و شجر آگئے ہیں، زمین و آسمان آگئے ہیں، چاند اور سورج آ گیا ہے۔ یہ سارے کے سارے عالمین میں شامل ہیں۔ اب جب یہ عالمین میں ہیں اور وہ دعوت دیتے ہیں۔

"قولوا لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ تفلحوا" O (تم اس بات کی شہادت دے دو فلاح پا جاؤ گے)

سوال یہ ہے کہ کائنات کے جس فرد کے پاس جائیگا۔ وہ فرد کہے گا کہ میں تو پہلے بات مان چکا ہوں تو وہ کس کو دعوت دے گا۔ کوئی ایسی شے رہ گئی ہے جو سرکار ؐ کی رحمت سے باہر ہو۔ جسے اس نے آکر پیغام توحید یا پیغام رسالت، یا پیغام نجات دینا ہے۔ وہ آکر کلمہ کس کو پڑھائے گا۔ اسے کائنات میں جہاں بھی گھومے گا وہاں تو مصطفیٰ ؐ کی ذات اقدس نظر آئیگی۔ اس مفہوم کو سرکار ؐ نے ایک حدیث میں بڑے نفیس انداز میں ارشاد فرمایا کہ تم جس کائنات میں بھی جاؤ گے۔ وہاں مثل مصطفیٰ ؐ پاؤ گے۔ مسئلہ یہ ہے۔ آپ میں اہل علم اور اہل فکر حضرات بیٹھے ہیں کہ سرکار ؐ کا مثل تو ممنوع ہے۔ تو یہاں مثل کس کو کہا گیا ہے؟ کیا سرکار ؐ کے بغیر کوئی اور ہے جو مثل مصطفیٰ ؐ ہے؟ یہ سمجھانے کا ایک انداز ہے، چونکہ انسان اس دور تک بڑا ہی محدود انسان تھا۔ اور آنے والے انسان نے جب آنا تھا۔ تو مختلف علوم و فنون کا لاؤ لشکر اس کے ساتھ ہونا تھا۔ وہ مثل کو سمجھ لے گا۔ لیکن انہیں مثل کو سمجھانا بڑا مشکل تھا۔ جو اس دور کے انسان تھے۔ لہذا ارشاد یہ ہوا کہ جب میرا مثل نہیں ہے اور جس دنیا میں جاؤ محمد ؐ ملیں گے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذات واحد ہے جو ہر طرف چھائی ہوئی ہے یہ وہ بات تھی جسے سرکار ؐ نے یہ پیرایہ بیان اختیار کرتے ہوئے قوم تک پہنچایا۔ سرکار ؐ عالمین کے لیے رحمت ہوں تو زندگی کو منقسم نہیں کیا جا سکے گا۔ ایک تو وہ سب سے آخری رسول ہوں گے۔ ان کے بعد کوئی اور پیغام لانے والا اللہ کی طرف سے نہیں آئیگا۔ دوسری بات یہ ہوگی کہ انکے مخاطب جو ہیں ان میں کافر بھی ہیں ان میں مسلمان

بھی ہیں۔ جو مسلمان ہیں وہ امت اجابت ہیں وہ امت جس نے مان لیا ہو، کافر امت ہے لیکن امت دعوت ہے جن تک سرکارؐ کی دعوت جارہی ہے۔ اور وہ قبول کررہے ہیں یا نہیں کررہے ہیں یہ ان کے اپنے اختیار کی بات ہے۔ اگر وہ مجبور ہو کر قبول کریں تو مجبور ایمان کو رب ایمان نہیں مانتے۔ خود مصطفیٰؐ جبری ایمان کو ایمان نہیں مانتے، اسلام کا اصول ہے کہ

"لا اکراہ فی الدین "O (دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں ہے)

جس نے ماننا ہے دل اور دماغ کے کھلے انداز سے اس نے اسے قبول کرنا ہے۔ جس نے چھوڑنا ہے اس نے کھلے انداز سے اسے چھوڑ دینا ہے۔ اب سرکارؐ عالمین کے لیے رحمت بنتے ہیں تو عالمین کے ہادی ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ اسی کو دوسری جگہ قرآن نے بیان کیا۔ میں اسی لیے وضاحت کررہا ہوں کہ خاتم کے لفظ میں جو پیچ پیدا کرلیے ہیں اور ایک مصنوعی نبوت کو فروغ دینے کے لیے جتنے ہاتھ پاؤں مارے گئے ہیں ان کی وضاحت ہوسکے۔ قرآن نے کہا!

"تبارک الذی نزل القران علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیرا"O

ترجمہ: ''برکت والی ہے وہ ذات جس نے الفرقان اپنے بندے پر نازل فرمایا۔ بندہ خاص پر نازل فرمایا''۔

فرقان قرآن کا ایک نام ہے۔ فرقان کا مطلب ہوتا ہے وہ کتاب جس نے حق اور باطل میں فرق کردیا ہو۔ تو قرآن فرقان ہے۔ اپنے بندہ خاص پر فرقان نازل کیا۔ کیوں نازل کیا۔

"لیکون للعالمین نذیرا"O

تاکہ وہ سب دنیاؤں کے لیے نذیر بن جائے۔ اب جو سب دنیاؤں کے لیے ہے وہی تو خاتم الانبیاء ہے۔ جو سب عالمین کے لیے رحمت ہے وہی تو خاتم الانبیاء ہے اور جب یہ بات حقیقت ہے تو پھر اس کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی دقت نہیں ہونی چاہیے کہ جہاں خاتم الانبیاء کے یا خاتم النبیین کا لفظ آئے اس سے مراد یہی ہے کہ ان کا زمانہ سب سے آخری زمانہ ہوگا۔ اگر ان کے بعد کوئی اور نبی آتا ہے اور اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے تو اسکا مطلب ہے سرکارؐ کی نبوت العیاذ باللہ تمام نہیں تھی۔ ناقص تھی۔ ایک اور نبی کی ضرورت پیش آگئی ہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا کہ اب جب میں آیا ہوں ایک حدیث میں بڑی نفیس انداز میں سرکارؐ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ جب میں آیا ہوں تو نبی ختم نہیں ہوئے۔ یہ لفظ نہیں آیا۔ رسول ختم نہیں ہوئے، میرے آنے سے نبوت اور رسالت ختم ہوگئی ہے۔ دیکھیں ناں! جب مصدر کو ختم کردیا جائے تو مصدر کے مشتقات خود ختم ہوجاتے ہیں۔ اب مارنا کو ختم کردیا جائے تو مارنے والا تو خود ہی ختم ہوجائیگا۔ کھانے کو ختم کردیا جائے تو کھانے والا خود ہی ختم ہوجائیگا۔ لہذا جب نبوت کا دریا ہی خشک ہوجائے تو پھر نبی کیسے آئیگا۔ جب رسالت کا دریا ہی خشک ہوجائے تو پھر رسول کیسے آئیگا۔ لہذا سرکارؐ نے ارشاد فرمایا کہ میرے آنے سے نبوت اور رسالت ختم ہوگئی ہے۔ اس مضمون کو سرکارؐ نے خدا جانے کتنے اندازوں سے باندھا ہے اور

یہ ہوگا کہ قرآن سب دنیاؤں کے لیے حق و باطل میں تفریق کرنے والی کتاب ہے۔ اور اگر اس کا مرجع ذات رسالت ہو یعنی عبد کا لفظ ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ ہمارا مخصوص بندہ جو ہے وہ عالمین کے لئے نذیر بن کر آیا ہے۔

مجھے تھوڑی سی وضاحت لفظ نذیر کی یہاں کرنی ہوگی 'نذیر' کا لفظی معنی عموماً ڈرانے والا کیا جاتا ہے۔ ڈر کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں ایک ڈر خوف کی وجہ سے ہوتا ہے اور ایک ڈر محبت کی وجہ سے ہوتا ہے یہاں جب سرکارؐ کے لیے "نذیر" آیا تو اسے دوسرے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی وہ انسان کو اس مقام پر لا کھڑا کرتے ہیں کہ تقدس اس کی ذاتی صفت بن جاتی ہے۔ اور جب تقدس ذاتی صفت ہے تو وہ بدی کی طرف جاتے اس لیے ڈرتا ہے کہ محبت خداوندی راستے پر حائل ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ بدی کی طرف بڑھ نہیں سکتا جب بھی سرکارؐ کے لیے لفظ نذیر آتا ہے تو وہ اسی معنی میں آتا ہے۔

اب ایک اور انداز سے آپ اسی بات کو لیں کہ کتاب ہے عالمین کے لیے، نکتہ یہ عرض کر رہا تھا۔ اور کتاب ہے سب سے زیادہ قائم اور باقی رہنے والی۔ ان دو باتوں کو ذہن میں رکھنے کے بعد تیسری بات یہ ہوتی ہے کہ کیا دیر تک باقی رہنے کی وجہ سے جب انسانی ذہن تبدیل ہو جائیں تو اس کتاب میں کسی قسم کے شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔ اسکی قرآن پاک نے ابتداء میں ہی تردید کر دی ہے۔

"ذالک الکتاب لا ریب فیہ" ٥

ترجمہ: "یہ وہ کتاب ہے جو محل شک نہیں"۔

یہ میں معنی شک کے کیوں کر رہا ہوں کہ اس دور میں قرآن پر کچھ شکوک پیش کیے گئے تھے۔ اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو وہ شکوک بذات خود اڑ جایا کرتے ہیں۔ لہذا کتاب محل شک نہیں ہے لیکن اگر شک ہے تو اس کے لیے قرآن نے ایک حل پیش کیا ہے وہ حل یہ ہے کہ تم ایک ایسی کتاب جوابی طور پر لکھ کر لے آؤ۔

جن حضرات نے قدیم عربی ادب کا مطالعہ کیا ہے اس دور کے عربی ادب کا جب قرآن نازل ہو رہا تھا وہ عربی ادب کے انتہائی عروج کا دور تھا انہیں پتہ ہے کہ اس چیلنج کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سانس پھول گیا۔ یہ خاموش ہو گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے بطور تمسخر قرآن کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن وہ اس قابل نہیں ہے کہ میں ایک ایسی محفل میں جو کہ لکھے پڑھے لوگوں کی محفل ہے جس میں خواتین و حضرات کا اجتماع ہے۔ وہ فکریں سامنے رکھ کر ترجمہ کرنا بھی انسانیت کی توہین سمجھتا ہوں کہ بات سامنے لائی جائے البتہ اس دور کے جو مفکر قسم کے لوگ تھے ان میں حضرت لبید ہیں جو بعد میں اسلام لے آئے تھے۔ امرء القیس تھے جو عربی کا غالب ہے ان لوگوں نے ایک انداز سے سامنے آنے کی کوشش کی حضرت لبید سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ اب شاعری چھوڑ بیٹھے ہیں؟ ان کا جواب یہ تھا کہ شاعری ہوتی ہے عام اذہان سے اوپر اڑ جانے کیلئے اور جب قرآن

Marfat.com

کتنے اندازوں سے امت کو سمجھایا ہے۔ جب وہ عالمین کے لیے رحمت ہیں تو ہماری زندگی میں وحدت قائم کرنا ضروری ہوگی۔ تبھی میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ تین وحدتیں ہیں، جنہوں نے انسانی زندگی کو وحدت عطا کردی ہے۔ ایک وحدت توحید ہے ایک وحدت رسالت ہے اور ایک وحدت کتاب ہے۔ اللہ، اللہ کے محبوبؐ اور قرآن۔ آپ سوچیں گے کہ نبی تو پہلے بھی تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ان سب کو مانتے ہیں۔ لیکن کیا ان میں سے کسی نے عالمین کا نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ اگر نہیں کیا ہے تو پھر ایک امتیاز کی لکیر کھینچنی پڑے گی۔ سرکارؐ اور باقی انبیاء کے درمیان۔ اس موضوع کو لیتے ہوئے جو آپ میں سے صاحب مطالعہ لوگ ہیں ان کے لیے خصوصی عرض ہے کہ تفسیر کبیر کی تیسری جلد اور اگر تیسری جلد نہیں تو تیسرے پارے کی پہلی آیت

"تلک الرسل فضلنا بعضهم علىٰ بعض" ۝

اس کے نیچے عقلی اور نقلی دلائل کے انبار امام فخر الدین رازی نے لگا دیئے ہیں کہ سرکارؐ کی جامعیت اور فضیلت کے دلائل عقلی کیا ہیں؟ نقلی کیا ہیں؟ تو میں عرض کر رہا ہوں کہ نقلی سے مراد وہ نہیں جسے آپ جعلی تصور کرتے ہیں۔ نقل سے مراد ہوتا ہے قرآن وسنت میں کیا ہے اور عقل سے مراد ہوتا ہے کہ انسانی علوم جو آج تک اخذ کیے ہیں ان علوم نے اس کو کس انداز سے اور کس دلیل سے حل کیا ہے۔ تو علوم نقلی علوم اسلامیہ ہیں۔ عقلی علوم انسانیہ ہیں۔ جو قرآن وسنت کے تابع ہیں، یا تابع نہیں تو پھر قرآن و سنت کی تلاش میں سرگرداں ہیں یا حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

تو اب انسانی زندگی میں وحدت کی ضرورت ہوگی۔ اور اس وحدت کے لیے ایک ہی قائد ہوگا۔ جو اس وحدت کو سرانجام دے سکے۔ انبیاء میں سے کوئی بھی اس منصب پر فائز نہیں ہے۔ انبیاء کی سابقہ کتابیں آپ ملاحظہ فرمالیں، ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں عالمین کے لیے ہوں۔ جناب عیسیٰؑ تو بڑے واضح لفظوں میں فرماتے ہیں کہ میں اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں نکلا ہوں۔ وہ اسرائیل سے پرے اسماعیلیوں کو نہیں دیکھتے باقی کائنات تو دور کی بات ہے۔ جناب موسیٰؑ فرماتے ہیں کہ میں وہ نہیں ہوں وہ پیچھے آرہے ہیں جو سب کا بوجھ اٹھانے والے ہیں عربی تورات کے الفاظ یہ ہیں۔

"حتىٰ يأتى الذى له الكل واياه تنتظر الامم" ۝

ترجمہ: ''پھر وہ آئیں گے جن کے لیے کل ہے اور کائنات کو ان کا انتظار ہے''۔

میرا کسی کو انتظار نہیں، ان کا صرف انتظار ہے جو کائنات کے لیے ضروری ہے۔ اب سرکارؐ کی بعثت عامہ کل ہے، تامہ ہے، کاملہ ہے اور اس کامل بعثت کے لیے پھر قرآن پاک نے ایک خصوصی بات جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ محبوب آپ کے اعمال ختم نہیں ہوں گے۔ اعمال کیسے ختم نہیں ہوں گے؟ میں اخلاق کے موضوع پر جامع بات آپ حضرات کی خدمت میں سابقہ بحث میں عرض کر چکا ہوں اس بحث کے ختم نہ کرنے کے لیے یا ان حالات کو باقی رکھنے کے لیے صفات محمدیہؐ کو ہمیشہ دائم رکھنے

کی اللہ تعالیٰ نے سبیل عطا فرمائی۔اور وہ صفات کل بھی موجود تھیں، آج بھی موجود ہیں اور ہمیشہ کے لیے موجود رہیں گی۔اسی بات کو کہ آنے والا کتنا اہم ہے؟ سیدنا عیسیٰ ؑ نے یہ ارشاد فرمایا کہ

"یاتی من بعدی اسمہ احمد" ۝ (وہ میرے بعد آئیں گے ان کا نام اقدس **احمدؐ** ہے)

احمدؐ کے لیے اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ عربی اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔احمدؐ کا جب ہم معنی کریں گے تو ہوگا سب سے زیادہ اللہ کی تعریف کرنے والا۔یہ نام وہ ہے جو آسمان پر سرکارؐ کا نام ہے۔زمین پر آپ کا نام نامی **محمدؐ** ہے۔محمدؐ کا معنی یہ ہے جس کی تعریف کبھی ختم نہ ہو سکے۔اب انسان تعریف کرنا چھوڑ بھی دے تو ایک اور انداز سے یہ تعریف باقی رہے گی۔قرآن پاک نے سرکارؐ کے ایک مرتبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا کہ!

"انّ اللہ وملائکتہ یصلّون علی النّبی" ۝ (یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر صلوۃ بھیجتے ہیں)

اس صلوۃ کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اس پر ایک مستقل تقریر درکار ہے صرف اشارے سے بات عرض کر رہا ہوں کہ وہ صلوۃ بھیجتے ہیں۔کیا یہ ماضی کا لفظ ہے؟ جی نہیں، یہ مضارع ہے، عربی میں مضارع حال اور مستقبل دونوں کے لیے ہوتا ہے۔Future Tense اور Present Tense دونوں اس کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ایک تسلسل ہے جو ختم نہیں ہوتا۔اسے عربی زبان میں فعل مضارع کہتے ہیں۔یصلّون کا معنی یہ ہے کہ اب بھی درود بھیج رہے ہیں، صلوۃ بھیج رہے ہیں، اور آئندہ بھی بھیجتے رہیں گے۔اس تسلسل میں کبھی بھی اختتام نہیں ہوگا۔یہ تسلسل ٹوٹے گا نہیں۔پھر جب اللہ اور اس کے فرشتوں کا یہ فعل ہے تو!

"یا ایھا الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیماً" ۝

ترجمہ: ''ایماندارو! تم بھی ان پر صلوۃ بھیجو اور سلام بھی بھیجو''۔

ایمانداروں کے لیے صلوۃ کے ساتھ لفظ سلام بھی ہے ارشاد فرمایا کہ دو باتیں آپ نے کرنی ہیں صلوۃ وسلام بھیجنا ہے۔اب ہم اگر تھوڑا سا غور کر لیں تو صلوۃ وسلام کا اہتمام کس کس انداز سے امت نے کیا ہے تو سب سے چھوٹی صلوۃ جو ہے۔وہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اس سے آگے بڑھتے ہیں تو پھر آتا ہے۔

"اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وّ علیٰ آل سیّدنا ومولانا محمد" ۝

آگے بڑھتے ہیں تو ایک اور بات آتی ہے جسے آپ درود ابراہیمی کہتے ہیں۔وہ نماز میں ہے۔

"اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید ۝ اللّٰھم

بارك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كمابار كت علىٰ ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انك حميد مجيد"○

ایک اور درود ہے کہ جسے آپ براہ راست عرض کرتے ہیں۔

"الصّلوة والسلام عليک يا رسول الله "○

یہ چار پانچ قسمیں ہیں جو امت میں مروج ہیں۔ یہ بات کہ ان میں سے کون سا جائز ہے کون سا نا جائز ہے؟ چودہ سو سال سے امت جو کرتی آ رہی ہے اس میں آج کسی کو پابندی کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن علمی طور پر اس بحث کو جب ہم آگے بڑھاتے ہیں تو بات کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔

اے اللہ محمدؐ پر صلوۃ بھیج۔ تو آپ نے کیا کیا۔ آپ نے تو اللہ کو کہہ دیا ہے۔ آپ نے اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کہا۔ اب آپ نے وہ درود بھیجا جو نماز میں ہے تو اس میں بھی یہی ہے کہ

"اللهم صلى علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد "○

اللہ سرکارؐ اور ان کی آل پر تو درود بھیج، جیسا کہ تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد پر بھیجا تھا۔ تو آپ نے ایک ماضی کا واقعہ اپنے درود میں ذکر کر دیا جناب ابراہیم کا اور دوسرا سرکار پر درود بھیجنے کے لیے اللہ کو کہا ہے۔ لیکن یہ قرآنی درود نہیں ہے، یہ صلوۃ ابراہیمی ہے۔ اس نکتہ پر خاص طور پر غور فرمایا جائے۔ اس لیے قرآنی درود نہیں ہے کہ قرآن نے دو باتیں کہی ہیں ان پر صلوۃ بھی بھیجو اور سلام بھی بھیجو۔ اور نماز والا درود ہے اس میں صلوۃ ہے سلام سرے سے ہے ہی نہیں۔

"اللّٰهم صلّى علىٰ محمد و علىٰ آل محمد كما صلّيت على ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انّك حميد مجيد ○اللّٰهم بارك علىٰ محمد وعلىٰ آل محمد كمابار كت علىٰ ابراهيم وعلىٰ آل ابراهيم انّك حميد مجيد"○

کہیں سلام کا لفظ آیا ہے؟ کہیں بھی نہیں۔ تو یہ پھر قرآنی درود نہیں ہے۔ لہذا جو لوگ یہ سمجھ کر یہ درود پڑھتے ہیں کہ میں قرآنی درود پڑھ رہا ہوں، وہ قرآنی درود نہیں ہے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے شوکانی نے یہ بہت بڑے ایک محقق امت گزرے ہیں۔ انہوں نے نیل الاوطار حدیث کی شرح میں آٹھ جلدوں پر مشتمل لکھی ہے۔ وہ یمن کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے بڑی ہی پر لطف بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سارے ذخیرہ الفاظ لغت کو اے سے زیڈ تک پڑھ دیا۔ لیکن ہمیں کسی مقام پر ایسے الفاظ نہ مل سکے جو سوغات کے طور پر سرکار مصطفیٰؐ کے حضور پیش کر دیتے۔ لہذا ہم نے واپس اللہ کریم کے ہاں یہ عرض کر دی کہ اللہ وہ تیرے محبوب ہیں، جو ان کا مقام ہے وہ تو ہی جانتا ہے میں تو جانتا نہیں ہوں۔ لہذا جو ان کی شان کے مطابق درود ہے میری طرف سے بھی تو ہی پیش کر دے۔ لیکن اگر قرآنی درود پڑھنا ہے پھر اس کو وہی درود پڑھنا ہوگا۔ جو آپ براہ راست عرض کر رہے ہوں۔ سرکارؐ کی خدمت میں۔ اور براہ راست پیش کرنے کے ساتھ اس میں صلوۃ سلام کے دونوں الفاظ آتے

Marfat.com

ہوں۔تواب جب آپ کہیں گے۔"الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللّٰہ"تواس میں یہ دونوں لفظ آجاتے ہیں اور یہ براہ راست آپ کی طرف سے ہوگا۔کہ اللہ کے رسول آپ پر صلوۃ وسلام ہو۔تو قرآنی درود وہی ہوگا۔جو براہ راست سرکارؐ کی خدمت میں آپ خود عرض کررہے ہوں گے۔اوراس عرض کرنے کے اندر صلوۃ بھی ہوگی اور سلام بھی ہوگا جب تک یہ بات نہیں ہوگی۔تو قرآنی درود نہیں ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ جب آپ Direct کہتے ہیں تو سرکارؐ تک یہ پہنچتا ہے؟ تو میری جوابی گزارش صرف یہ ہے کہ اگر Direct الفاظ نہیں پہنچتے تو جو باقی درود آپ نے پڑھے ہیں وہ کس طریقے سے پہنچے ہیں۔میرے بھائیو! جس طریقے سے وہ پہنچ جاتے ہیں اسی طریقے سے یہ بھی پہنچ جاتا ہے،امت کو الجھاؤ نہیں۔امت جو کررہی ہے صدیوں سے اسے کرنے دیجئے۔اس لیے کہ امت کا جو معمول ہوتا ہے۔یا تو وہ قرآن کی کوئی آیت ہوتی ہے یا کوئی حدیث ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ امت کے دور حاضر کے عوام کو اس حدیث کا ماخذ پتہ نہ ہو۔

میں مکہ مکرمہ میں بیٹھا تھا کعبہ مشرفہ کے سامنے اور کچھ لوگ پیچھے بیٹھے تھے۔تین دن مسلسل چیخ چیخ کر وہ یہ بحث کررہے تھے ظہر سے عصر تک کہ سرکارؐ نے جو آخری نماز پڑھی ہے اس میں رفع یدین فرمائی تھی۔پانچ سات ایک طرف تھے۔ایک ہی بندہ دوسری طرف تھا۔تیسرے دن میں نے سوچا کہ ان کی بحث ختم بھی تو کرائی جائے۔میں قریب گیا،میں نے کہا بھائی آپ کی آواز وہاں تک پہنچ رہی ہے اور آپ بار بار کہتے ہیں کہ بخاری میں یہ حدیث ہے کہ سرکارؐ نے جو آخری نماز پڑھی ہے اس میں رفع یدین فرمایا تھی۔میں حنفی مسلک کا آدمی ہوں میں ایک ہی دفع ہاتھ اٹھاتا ہوں ابتداء میں بعد میں کبھی نہیں اٹھائے۔میرے مسلک میں نہیں ہے۔لیکن آپ بخاری لے آئیں اس کا حل تو بڑا قریب ہے۔بخاری لے آئیں یہ حدیث مجھے دکھائیں اگلی نماز میں رفع یدین کرکے پڑھوں گا۔اچھا یہ بڑی اچھی بات ہے ہم بخاری لے آئیں گے۔میں نے کہا میری بات سن بھی لو میں بوڑھا ہوگیا ہوں بخاری پڑھاتے ہوئے۔اس بخاری میں میں نے یہ حدیث کہیں نہیں دیکھی جس پر آپ اتنی لے دے کررہے ہیں۔یہ بخاری میں سرے سے ہے ہی نہیں۔اگر یہ حدیث آپ بخاری سے دکھادیں تو آپ کا مجھ پر بے حد احسان ہوگا۔اور میرا خیال ہے انشاءاللہ آپ کل سے یہاں تشریف نہیں رکھتے ہوں گے۔کسی اور جگہ بیٹھیں گے۔نہ بخاری سے یہ حدیث نکلے نہ آپ کا کام بن سکے۔وہ جس کو گھیر کر تنگ کررہے تھے۔وہ دس بارہ دنوں بعد مدینہ منورہ میں باب جبرائیل کے سامنے مجھے ملا۔تو بڑے تپاک سے ملا مجھے تو یاد بھی نہیں تھا۔کہ یہ کون آدمی ہے میں نے کہا کہ آپ کدھر کے ہیں کہنے لگا فیصل آباد کا ہوں اس دن آپ نے مکہ میں میری جان چھڑائی تھی۔تو آپ کو ملا ہوں تو اس لیے عرض کررہا ہوں کہ آپ اس دن نہ ہوتے تو کتنے قریب کی بات تھی مجھے یہ بالکل خیال نہیں آیا تو ہم نے کبھی بخاری ایک دفعہ دوڑ دھوپ کرکے پڑھی تھی۔سرسری سے گزرے تھے۔کہ اب یہ تو نہیں پتہ تھا

کہ حدیث شاید اس سے نکل ہی آئے۔لیکن آپ کے بعد تو پھر وہ کبھی آدمی ملے ہی نہیں۔تو امت کا ایک انداز ہے اس پر امت چل رہی ہے۔اس انداز سے ایسی تحقیق جو خود محدود سے ایریے تک پھیلی ہوئی ہے پہلے تو اسے چودہ سو سال تک پھیلائیں۔امت کا جو علمی عروج ہے اس سارے عروج پر نگاہ ڈالیں اگر پھر آپ کوئی ایسی بات کا ذکر فرما سکتے ہیں جو چودہ سو سال کے ذہنوں کو پیچھے چھوڑ سکتی ہے تو

چشم ماروشن دل ماشاد

آپ آگے بڑھیں لیکن اگر آپ امت کو تقسیم کر دیتے ہیں تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ہمارا یہ بھی ایک مرض ہے کہ جونئی جماعت اصلاح کے لیے اٹھتی ہے چند دنوں کے بعد پتہ چلتا ہے کہ امت میں ایک نئی جماعت پیدا ہوگئی ہے۔امت کو اکٹھا کرنے کی بجائے امت میں ایک نیا فتنہ کھڑا ہو جاتا ہے۔کوئی ایسی صورت نہ پیدا کی جائے جس سے یہ امت مرحومہ تقسیم ہو جائے۔تقسیم در تقسیم کے فلسفے نے ہمیں تباہ کر دیا ہے۔تو عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر سرکارؐ رحمت للعالمین ہیں، آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ کا اجر غیر ممنون ہے۔یعنی وہ اجر جس نے کسی مرحلے پر ختم نہیں ہونا۔اس فقرے پر آپ غور کریں،اس فقرے کو کہہ کر قرآن پاک نے آگے کہا!

"انک لعلیٰ خلق عظیم"O

کہ یہ خلق عظیم ہے لہذا اس کا کہیں اختتام نہیں ہوگا۔اس نے ختم نہیں ہونا ہے۔آپ ساری کائنات پر نگاہ ڈال لیں۔تو اخلاق حسنہ سارے کے سارے سرکارؐ کے صدقے میں اس کائنات کو ملے ہیں۔چونکہ جامعیت صرف سرکارؐ کی ذات میں ہے، کسی اور مقام پر ہمیں جامعیت نظر نہیں آتی۔دوسری بات یہ ہے کہ زندگی کو ایک وحدت رکھ کر سرکار کریمؐ نے اس کے لیے اللہ کے حکم سے قانون سازی کی ہے۔آئین دیا ہے جو قرآن و سنت کی شکل میں محفوظ ہے۔اور پھر یہ نہیں کہ یہ ایک Written آئین ہے یا قانون ہے اس پر کبھی عمل ہوا۔اسلام کے قانون کی خصوصیت ہی یہ ہے، کہ اس پر ابتداء سے لے کر آج تک مسلسل عمل ہوا ہے۔اگر اسلامی حکومتیں آئی ہیں تو انہوں نے اپنے انداز سے عمل کیا ہے۔لیکن اسلامی حکومتوں کا عمل ہماری ساری تاریخ میں ایک سو سال تک پھیلا ہوا نظر نہیں آتا۔سرکارؐ کا اپنا دور اقدس، خلفاء راشدین کا دور اقدس اس کے بعد وقتاً فوقتاً حکام بلٹے۔کوئی چار سال آیا کوئی پانچ سال آیا تو اس کی بساط لپیٹ دی گئی۔پھر اقتدار نے اللہ کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے ہر دور میں انکار کیا ہے۔یہ عجیب سی مصیبت ہے کہ خود تو مقتدر رہنا چاہتا ہے لیکن کسی اور کا اقتدار خواہ اس کا خالق ہی کیوں نہ ہو اسے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔اگر ہماری تاریخ حکام کو سامنے رکھ کر مرتب کی جائے تو اس تاریخ میں جو حکام کی مساعی ہیں بحیثیت اجتماعی اسلام لانے کی۔وہ سو سال سے آپ آگے نہیں پھیلا سکتے۔تو یہ جو چودہ سو سوا چودہ سو سال گزر چکے ہیں ان سوا چودہ سو

سال میں اسلامی قانون، اسلامی افکار، اسلامی اخلاق، اسلامی تمدن، اسلامی کلچر، اسلامی تہذیب، اسلامی سیاحت اور اسلامی علوم وفنون کن لوگوں نے آگے بڑھائے ہیں۔ یہ وہی لوگ تھے جو سرکار ؐ سے غیر مشروط محبت کرتے تھے۔ ان سے انہیں عشق تھا اور وہ سرکار ؐ کی تعلیمات کو کائنات کی سب سے بہتر تعلیمات سمجھتے تھے۔ جن کے اوپر اللہ کریم کی رضا کی مہر لگی ہوئی تھی۔ لہذا نسل در نسل علم منتقل ہوتا چلا گیا۔ اور اس انداز سے منتقل ہوا میں ایک دو مثالیں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔

سلطان محمود غزنوی سویرے باہر نکلے، ابھی انہوں نے وضو کرنا تھا۔ راستے پر انہیں ایاز کا بیٹا ملا، تو انہوں نے اس کا نام نہ لیا، نام لینے کی بجائے انہوں نے کہا کہ اولڑ کے میری بات سن۔ یہ لڑکا بڑا پریشان ہوا کہ یہ میرا نام بڑے ادب سے لیتے تھے۔ جناب محمد صاحب آپ کا کیا حال ہے؟ اس کا نام محمد تھا۔ تو آج انہوں نے کہا ہے اولڑکے میری بات سنو۔ یہ کیا بات ہوئی۔ اس نے اپنے والد سے ذکر کیا اور ایاز نے دن کو کسی وقت بادشاہ کا موڈ دیکھ کر یہ بات عرض کی کہ غلام زادے سے کیا قصور ہوا ہے کہ آپ نے اسے اولڑکے کہہ کر بلایا ہے؟ مجھے ذرا آپ ارشاد فرمادیں کوئی غلطی ہوگئی ہے تو اس غلطی کو ہم دور کر دیں۔ محمود کا جواب ملاحظہ ہو جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس نے کہا کہ تو نے اپنے بیٹے کا نام میرے آقا کے نام پر رکھا ہے میں باوضو نہیں تھا۔ میں اس بچے کا نام اپنی زبان پر نہیں لا سکتا تھا۔ مجھے پتہ ہے وہ نام اس کا تھا لیکن میری زبان پر آئے میں گوارہ نہیں کر سکتا۔ غیرت ایمانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کہ میں اپنے آقا کا نام وضو کے بغیر لے سکوں۔ یہ وہ محبت تھی جو پھیلتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی۔ یہی جب محبت پیدا ہوتی ہے۔ تو انداز یہ ہے۔ کہ

عبداللہ بن مبارک گھر سے نکلتے ہیں۔ پڑھنے کے لیے چلے گئے۔ ساری زندگی تعلیم حاصل کرتے رہے کہیں 35، 40 سال کی عمر تھی تو واپس آئے، بچہ گیا ہے سات آٹھ سال کا 35، 40 سال کے بعد پلٹا گلیاں یاد تھیں۔ اپنے گھر کی طرف نکلے تو عصر کی نماز کے بعد کہیں گھر کے دروازے پر جا کر دستک دی۔ پیچھے سے والد صاحب آئے جن کا نام مبارک ہے۔ وہ کہنے لگے بھئی آپ بھول گئے ہیں یہ ہمارا گھر ہے آپ کا گھر نہیں ہے۔ انہوں نے کہا جی میں بھولا نہیں ہوں دروازہ کھلوائیں پھر میں آپ کو بتاتا ہوں۔ انہوں نے اندر فوراً پردہ کروا کر دروازہ کھلوایا۔ جب اندر پہنچے تو کہنے لگے کہ میری امی کہاں ہے۔ میں عبداللہ بن مبارک ہوں آپ کا بیٹا۔ انہوں نے گلے لگایا۔ فرمایا بیٹا اتنی دیر کے بعد آئے ہو۔ فرمایا جب آپ نے مصطفیؐ کے حوالے کر دیا تھا۔ تو میں وہ سارے علوم پڑھ کر واپس پلٹا ہوں، جو مسلمان کے لیے ضروری ہیں۔ اور جن پر دارومدار ہوتا ہے علم وحکمت کا۔ اب آپ اندازہ لگائیں کہ جن لوگوں نے یہ انداز اپنایا وہ انداز آگے بڑھا۔ شافعیؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں کہ اجماع امت حجت ہے قرآن وسنت کے بعد تو قرآن سے اس کی دلیل پیش کریں۔ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے میں نے سارے قرآن کو تین سو دفعہ پڑھا ہے اور پھر یہ آیت پیش فرمائی!

Marfat.com

"ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین له الهدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین"O

اس لفظ سے انہوں نے استشہاد کیا، دلیل دی، کہ جو مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور طرف جاتا ہے وہ جہنم میں جاتا ہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر ساری امت کا عمل حجت نہیں ہے تو امت کے عمل کو چھوڑنے سے جہنم میں پھر کیوں چلا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ امت کا عمل حجت ہوتا ہے۔ یہ دلیل دی امام شافعیؒ نے اس آیت کریمہ کے اس مقدس فقرے سے۔ اب ہمارے سامنے خلاصہ یہ آتا ہے کہ سرکارؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں، سرکارؐ عالمین کے لیے ھادی ہیں، سرکارؐ عالمین کے لیے رسول ہیں، سرکارؐ کا عمل اقدس کہیں ختم ہونے والا نہیں ہے۔ اور اسے ختم نہ ہونے کے لیے اللہ نے ذرائع پیدا کر دیے ہیں۔ یعنی ایک نسل اگلی نسل تک اسے منتقل کرتی جا رہی ہے۔ اگلی نسل اگلی نسل تک منتقل کرتی جا رہی ہے۔ اس انتقال علمی کے تین گروپ بن جاتے ہیں امت میں موٹے موٹے گروپ، ایک وہ لوگ ہیں جو صرف الفاظ کے امین ہیں، جنہیں آپ حفاظ کہتے ہیں۔ دیکھیں کائنات کی کوئی کتاب زبانی یاد نہیں رہتی۔ یاد رہتی ہے تو امتحان کے پرچے والے دن تک یاد رہتی ہے۔ پرچہ گیا تو یاداشت گئی۔ معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ ایک ہی کتاب ہے جو ہمیشہ یاد ہوتی رہی ہے، یاد ہوتی رہے گی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا بڑا مشہور قول ہے کہ مسلمان قرآن کے شہد پر یوں بھنبھنا رہے ہیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتے پر بھنبھنایا کرتی ہیں۔ اور اس بھنبھناہٹ کو کسی صورت ختم نہیں ہونا چاہیے صحابہ عالی مقام مسجد نبوی میں سحری کے بعد، سحری سے پہلے، قرآن اس انداز سے پڑھتے کہ لفظ سمجھ نہ آئیں تا کہ وہ حکم نہ سامنے آجائے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموش ہو جاؤ۔ اس انداز سے پڑھنے کو جب لفظ سمجھ میں نہ آ رہے ہوں۔ امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تشبیہ دی ہے۔ کہ وہ بھی آواز تو ہوتی ہے لیکن اس آواز کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ یہاں بھی آواز تو ہے لیکن اسے سمجھا نہیں جا رہا۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ جب تک یہ بھنبھناہٹ سحری کی باقی ہے، جب تک آپ کے مختلف گھروں سے اس بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دے رہی ہے تمہاری عظمتیں کبھی روبہ زوال نہیں ہوں گی۔ اس حکیمانہ فقرے پر آپ غور فرمائیں تو بہت ساری باتیں آپ کو سمجھ آجائیں گی۔ اب آپ آگے بڑھیں یعنی الفاظ کے امین تھے معانی کے امین وہ لوگ ہیں جو اصحاب علم ہیں۔ اس علم کی حدیں کیا ہیں؟ میں نے چھوٹے لفظوں میں دو لفظوں کے اندر اسے بند کر دیا ہے۔ علوم منقول، علوم معقول، نقلی علوم اور عقلی علوم۔ عقلی علوم میں انسان کے سارے علوم شامل ہیں۔ جو قیامت تک تحقیق پرکھ کے بعد صحیح ثابت ہوتے چلے جائیں گے لیکن قربان جاؤں عظمت رسولؐ کے لوگوں نے محض انسانیت کی بہتری کے لیے، فلاح بہبود کے لیے علم کو سوچا، سوچتے ہی آپ غلط نتیجے پر پہنچ گئے۔ تو سرکارؐ نے فرمایا آپ ثواب سے محروم نہیں رہیں گے۔ اس لیے ثواب سے محروم نہیں رہیں گے۔ آپ نے تو بہترین صلاحیتیں صرف کر دیں ہیں۔ جب آپ کو غلطی کا احساس ہوگا تو آپ پیچھے پلٹیں گے۔ جہاں اینٹ ٹیڑھی ہوگئی تھی۔ آپ اسے سیدھا کر لیں گے۔ اسی لیے کہا کہ!

"المجتهد اذا اخطأ فله اجر واحد" ۵

کہ جدوجہد کرنے والا علم کی دنیا میں جب خطا کر جاتا ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور جب درستگی کے نتائج تک پہنچ جاتا ہے تو اسے دہرے اجر ملتے ہیں۔

اس نے کس کس انداز کو اسلام میں شامل کیا۔ ہر وہ علم جو انسانیت کی بہتری کے لیے ہے اسے پڑھنا فرض ہے۔ اب اسے علماء نے فرض عین اور فرض کفایہ کی حدوں میں تقسیم کیا۔ لیکن کیا اس سے آپ انکار کر سکتے ہیں کہ وہ علم اگر ایسا نہ بھی ہو تب بھی کسی علم کو پڑھنے سے علم بحیثیت علم تو نہ چھوڑیں۔ اسلام نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ علم بطور علم اگر آپ جادو پڑھنا چاہیں تو اسے پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس پر عمل نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ وہ انسانیت کی بہتری کے لیے نہیں ہے۔ جب آپ عمل کریں گے تو پھر بات بگڑ جائے گی۔ انسان کی بہتری نہ ہوتی ہو تو امام جعفر صادق ؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ رحمان اور رحیم کا لفظ پڑھنا بھی حرام ہے۔ اس لیے کہ اگر رحمان پڑھ کر آپ کسی کی ذلت چاہتے ہیں تو یہ اس کا مصرف نہیں ہے۔ آپ نے اسے غلط مقام پر استعمال کیا ہے اور جعفر صادق ؓ کی ایک نفیس بات ملا کر ذرا دیکھیں جناب محمود غزنوی کی بات سے کہ امام جعفر صادق ؓ نے فرمایا حوالے کے لیے الشفاء فی تعریف حقوق مصطفیٰ ﷺ ملاحظہ فرمائیں۔ غالباً ابن جوزی نے بھی اس واقعہ کو لیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن جس کا نام بھی محمد ہوگا۔ اللہ ان لوگوں کو حساب کے بغیر بخش دے گا۔ کہ یہ اس کے محبوب ﷺ کا نام ہے، یہ حضرت جعفر صادق ؓ کا ارشاد ہے۔ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ عظمت مصطفوی ﷺ کو آگے پھیلانے کے لیے ہم نے چودہ سو سال ساڑھے چودہ سو سال تک کوشش کی ہے۔ آپ کے اس خادم کے سامنے وہ سارے علوم بکھرے پڑے ہیں۔ قرآن وسنت سے لے کر جدید سائنس تک۔ لیکن کیا مقام مصطفیٰ ﷺ متعین ہو گیا ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ عربی زبان میں تو مفتی صاحب لطف اندوز ہوں گے کہ ہم تشبیب سے آگے نہیں نکلے ہیں۔ ابھی مولانا تشبیب سے ہم آگے نہیں نکلے۔ اصل قصیدہ تو بعد میں آئے گا ابھی ابتداء ہے، انتہا کہاں ہوگی؟ بھئی انتہا تو کہیں نہیں ہوگی۔ کہ عظمت مصطفیٰ ﷺ کی کہیں انتہا نہیں ہوتی۔ اگر ان کی کہیں انتہا ہوتی تو یہ انتہا بھی ہو جاتی۔ اب ایک اور تقریر انشاء اللہ اگلے ہفتے میں ہوگی۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

انا ارسلناک شاھدا

مقام رسالت (نمبر 3)

الحمد للہ وکفٰی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی ۝

امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝

"یا ایّھا النّبی انّا ارسلناک شاھداً" ۝

خواتین وحضرات! میں تو کوشش کر رہا تھا لیکن کافی دوستوں کی خواہش ہے کہ مقام نبوت پر چند تقریریں مزید ہونی چاہیں ۔اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں چاہتا ہوں کہ وضاحت کے ساتھ چند ایسی باتیں آپ کے گوش گزار کرسکوں، جن باتوں پر گزشتہ چودہ سو سال سے امت متحد تھی۔ لیکن دور حاضر میں کچھ مفکرین کی سوچیں امت کی نہج سے ہٹ گئیں ہیں اور جب جدید تعلیم یافتہ طبقہ انکی کتابیں پڑھتا ہے تو ان کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ روایتی باتیں زیادہ درست ہیں یا یہ جدید باتیں، جو ایک انداز سے ہمارے سامنے آرہی ہیں۔ اس سلسلے میں جو ضروری بات آپ کے گوش گزار کرنی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام جو سرکار ؐ کے ذریعے کائنات میں پھیلا ہے۔ اسے اس دنیا میں آئے ہوئے ساڑھے چودہ سو سال کے لگ بھگ کا عرصہ گزر چکا ہے اس ساڑھے چودہ سو سال میں کوئی ایک لحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ اسلام کو سوچنے والے نہ رہے ہوں یا اسلام پر عمل کرنے والے ختم ہو گئے ہیں۔ لہذا جو باتیں ہم تک پہنچی ہیں وہ چودہ سو سال کی سوچوں کا خلاصہ ہے۔ ان سوچوں میں صحابہ ؓ بھی شامل ہیں اہل بیت نبوت بھی شامل ہیں۔ اولیاء امت بھی شامل ہیں، مجتہدین بھی شامل ہیں، مفسرین فقہا اور محدثین بھی شامل ہیں۔ یہ اجتماعی سوچ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مسئلے پر غور کرنے کے لیے اربوں کھربوں نہیں، بلکہ لاتعداد انسانوں نے اپنی توانائیاں صرف کی ہیں۔ اگر ایک آدمی اتنے سارے جم غفیر سے کٹتا ہے تو اسکے کٹنے کی وجوہات پر غور کرنا ہوگا۔ اگر وہ کوئی ایسی نئی بات کہتا ہے جو اتنے ذہنوں سے ہٹ کر آتی ہے اور قرب ربانی کا ذریعہ بنتی ہے اور قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوتی تو چشم ما روشن دل ماشاد تو ہمیں اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن اگر قرآن کا ایک ایسا مطلب لے لیا گیا ہے جو بذات خود ملت کے افکار سے متصادم ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ملت نے اتنے طویل عرصے میں اس آیت مبارکہ کو نہیں سمجھا اور ان صاحب نے قرآن کی تشریح کرتے ہوئے اگر احادیث مقدسہ کو بھی ایک طرف چھوڑ دیا ہے تو حامل قرآن ؐ کے افکار کی اس

Marfat.com

صورت میں تردید ہو جائیگی۔ جس کی اسلام کسی صورت بھی اجازت نہیں دیتا۔ ان مختصر سے چند تمہیدی فقروں کے بعد اب ہم اصل آیت کی طرف آتے ہیں یہ آیت مقدسہ سورۃ الاحزاب کی ہے۔ آیت نمبر 46 اور 47 زیر بحث لانا چاہتا ہوں۔ لیکن جس انداز سے اس کی تفصیل کرتے ہوئے افکار میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ شاید میں آج کی تقریر میں پہلے جملے سے آگے نہیں بڑھ سکوں گا۔ اللہ کریم کا ارشاد ہے اور براہ راست خطاب ہے سرکارؐ کی ذات اقدس کو۔ جملہ مبارکہ یہ ہے۔

"یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً" ٥ (اے نبیؐ یقیناً ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا ہے)

یہاں ایک بات ہمارے سامنے آئی کہ دو لفظ ہیں جن کی تشریح بے حد ضروری ہے۔ آپ سے پھر درخواست ہے کہ پوری توجہ میری طرف مبذول ہوگی تو یہ خیالات آپ کے ذہن میں اتر سکیں گے۔ اگر کسی مقام پر توجہ ہٹی، بات نہیں بن سکے گی۔ میں انتہائی علمی مسئلے کو انتہائی سادہ الفاظ میں آپ تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ نبی پر الف لام عہد خارجی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی اس سے مراد نہیں ہے، صرف وہ نبی مراد ہے جسے اللہ کریم خطاب فرما رہے ہیں۔ اور وہ ہمارے آقا اور مولاؐ ہیں۔ اب نبی لفظ ہے کیا؟ اس کا ہم نے تجزیہ کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس تجزیہ سے بہت سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ عربی گرائمر میں نبی صفت مشبہ کا لفظ ہے۔ اور اس کا Past Tense 'نباءَ' بنتا ہے۔ اس کا مصدر (نباءً ، نبوا) ہے۔ اب نبا ہو یا نبوا ہو مصدر ان دونوں کا معنی ہوتا ہے۔ غیب کی خبر دینا۔ وہ خبر دینا جو آپ کو معلوم نہیں ہے اور وہ خبر نبا بھی کہی جا سکتی ہے۔ اور وہ خبر نبواً کہی جا سکتی ہے۔ ایسی خبر دینے والے کو نبی کہتے ہیں۔ لیکن یہاں معنوی طور پر ایک لطافت ہے۔ اسم فاعل کا لفظ چھوڑ کر یہاں صفت مشبہ استعمال کیا گیا ہے۔ جو عربی سے تھوڑا سا بھی رابطہ رکھتے ہیں۔ وہ اس نکتے کو فوراً سمجھ لیں گے۔ اور اردو میں، میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کہ اسم فاعل میں وہ صفت وقتی ہوتی ہے۔ مثلاً مارنا مصدر سے مارنے والا اسم فاعل ہے تو وہ مارنے والا لمحات کے لیے مارے گا اس نے سدا مارتے نہیں رہنا ہے۔ لیکن جب عربی میں اس کو چھوڑ کر صفت مشبہ کا لفظ لے آئیں تو اس میں دوام پایا جاتا ہے۔ وہ بات لگاتار رہتی ہے ختم نہیں ہوتی۔ اللہ کے لیے عالم کا لفظ قرآن نے کم استعمال کیا ہے علیم کا لفظ زیادہ استعمال کیا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ علیم صفت مشبہ ہے اور اللہ کا علم اس کی انتہا نہیں ہے۔ لہذا وہاں علیم کا لفظ زیادہ بہتر ہے عالم کی نسبت۔ لیکن ہمارے علماء نے ایک بات کہی کہ جب عالم کا لفظ اللہ کے لیے استعمال ہو تو صفت مشبہ کے معنی میں ہوتا ہے۔ (یہ میں خاص طور پر مولانا کے لیے عرض کر رہا ہوں) کہ اسم فاعل جب اللہ کے لیے استعمال ہو تو اسے اسم فاعل کا معنی نہ دیا جائے۔ بلکہ صفت مشبہ کا معنی دیا جائے۔ اب نبی جب صفت مشبہ ہے تو اس کا معنی یہ بنے گا۔ کہ وہ نبی ایسا نہیں ہوتا جو ایک خبر دے کر بس کر جائے۔ دو خبریں دے کر یا چند خبریں دے کر بس کر جائے۔ بلکہ وہ خبریں تسلسل کے ساتھ رہتی ہیں۔ وہ ختم نہیں ہوتیں۔ نبوت بھی چلتی رہتی ہے۔ خبریں بھی چلتی رہتی ہیں ان خبروں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں کچھ خبریں وہ ہیں

گہرائیوں میں گر جائیں گی''۔اب یہاں اقوم کا معنیٰ ہے جو خود بھی قائم رہنے والا ہو اور جو باقیوں کو بھی قائم رکھنے والا ہو۔تو یہ دو معنی ہیں جو اس لفظ اقوم میں پوشیدہ ہیں۔تو قرآن کا اب یہ دعویٰ ہوا کہ اس نے خود بھی قائم رہنا ہے اور اس نے اپنے ماننے والوں کو بھی قائم رکھنا ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور بات اگر ذہن میں بٹھالی جائے تو مزید وضاحت ہو جائے گی۔آپ کو یہ تو پتہ ہے کہ اب کوئی آسمانی کتاب نازل نہیں ہوگی۔سرکارؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی نے قائم رہنا ہے جس انداز سے بھی لوگوں کو قائم رکھنا ہے۔انہیں بھی ساتھ قائم رکھنا ہے اور خود بھی قائم رہنا ہے۔(قیام کی صورتیں کتنی ساری ہو سکتی ہیں یہ ایک مستقل اور طویل موضوع ہے جس پر انشاءاللہ کسی اور وقت چند گزارشات پیش کروں گا۔

قرآن پاک نے اپنا تعارف قائم رہنے والے لفظ سے کرایا ہے۔تو کیا یہ بھی عربوں کے لیے تھا؟ کیونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔کسی مخصوص وقت کے لیے تھا کہ ایک وقت یہ نازل ہوا تھا، ایک ماحول تھا۔اس ماحول کے بدل جانے کے بعد یا قرآن کا ماحول بدل تو نہیں جائے گا؟ یہ ختم تو نہیں ہو جائے گا؟ تو اس سلسلے میں قرآن نے خود یہ بات دعویٰ سے کہی ہے کہ

"تبارک الّذی نزّل الفرقان علٰی عبدہ لیکون للعالمین نذیراً" ٥(پارہ 18 سورۃ الفرقان 1)

ترجمہ: ''بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے مخصوص بندے پر قرآن نازل فرمایا ہے''۔

آپ یہاں پھر یہ سوچیں گے کہ میں مخصوص کس لفظ کا ترجمہ کر رہا ہوں۔میں پھر گذارش کروں گا کہ قرآن فہمی کے لیے کچھ بنیادی علوم ہیں جب تک وہ نہیں آتے قرآن کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔''عبد'' لفظ اسم نکرہ ہے جس کا مطلب ہے بندہ۔کسی بندے کو بھی ہم بندہ کہہ سکتے ہیں اب جب اسکی اضافت 'ہ' کی طرف ہو جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ نکرہ خاص ہو گیا ہے۔نکرے کو مفرد کی طرف مضاف کر دیں تو نکرہ خاص ہو جاتا ہے اور عربی گرائمر میں یہ بات ہے کہ وہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔اب یہاں خاص بھی بن جائے گا۔اور معنی پھر یہ ہوگا کہ اپنے خاص بندے پر اس کا نزول ہوا ہے۔کیونکہ نزول ہوا تھا کہ عربوں کو اس سے فائدہ ہو اس دور کو فائدہ ہو پھر ارشاد فرمایا کہ

"لیکون للعالمین نذیراً" ٥

اس کا نزول اسی لیے ہے کہ عالمین کے لیے یہ نذیر بن جائے۔سب دنیاؤں کو دعوت الی اللہ دینے کے لئے، اس سے ڈرانے کے لئے یہ کتاب کفایت کرے تو اس نے خود دعویٰ کیا کہ وہ عالمین کے لئے ہے۔لیکن آپ میں سے کچھ حضرات عربی جانتے ہیں۔(خاص طور پر خان عبدالرؤف خان صاحب) 'لیکون' میں ھو ضمیر ہے اور یہاں ایک لطیف نکتہ یہ ہے کہ پیچھے دو چیزوں کا ذکر ہے ایک فرقان ہے اور دوسرا عبد ہے۔اسے دونوں کی طرف پلٹایا جا سکتا ہے۔اگر فرقان کی طرف ہو تو اس کا معنی

جہاں تک انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہوتی، جہاں انسانی فکر نہیں پہنچ سکتی۔ مثلاً ذات ربانی کے متعلق خبریں، قیامت کے متعلق خبریں، جنت کے متعلق خبریں، جہنم اور اس کے درجات کے متعلق خبریں، کسی مومن کے ایمان کی رفعت کے متعلق خبریں، یہ وہ باتیں ہیں جہاں انسانی ذہن نہیں پہنچتا۔ یہاں نبوت کا نور پہنچتا ہے۔ اور وہ اسے کھول کر رکھ دیتے ہیں، اپنے غلاموں کے سامنے، ایک تو یہ خبریں ہیں۔ دوسری وہ خبریں ہیں کہ انسانی ذہن وہاں تک پہنچ تو جاتا ہے لیکن اس کی درستی اور غلطی کے دوراہے پر انسانی ذہن کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اس میں سے صحیح بات کیا ہے۔ وہاں نبی اپنی انگلی اپنے غلام کو پکڑا دیتا ہے۔ اور کہتا ہے آئیے یہ معاشرتی مسئلہ ہے۔ یہ اقتصادی مسئلہ ہے، یہ سیاسی مسئلہ ہے، یہ عام دنیا کا مسئلہ ہے لیکن تو راہ صواب سے بھٹک گیا ہے میں تجھے راہ صواب پر لے چلتا ہوں۔ یہ دوسری نوعیت ہوگی۔ نبی کی خبروں کی۔ اب نبی نے جو خبریں دینی ہیں ان میں تسلسل رہے گا۔ آپ آقا اور مولاً کی حیات طیبہ کو جو آپ نے اپنے غلاموں میں اعلان نبوت کے بعد 23 سال تک گزاری ہے، اسے ملاحظہ فرمالیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس زبان سدا بہار سے اور اس زبان گوہر بار سے ہمیشہ غیب کی خبریں موتیوں کی صورت میں نکلتی رہیں۔ انہیں صدیق ؓ چنتے رہے، فاروق ؓ چنتے رہے۔ اور چن چن کرامت تک پہنچاتے رہے۔ لیکن یہاں کیفیت یہ ہوتی ہے ان کے جسمانی انداز کو پاکر، ان کے چہرے کو پاکر، اعلان نبوت سے پہلے بھی بہت سارے لوگوں نے انہیں پہچان لیا تھا۔

یہ واقعات تفاسیر میں بھرے پڑے ہیں کہ قریش حضرت ابو طالب کے پاس آئے، آکر عرض کرنے لگے کہ ابو طالب آپ دیکھتے ہیں بے حد قحط ہو گیا ہے اس قحط سے بچنے کا کوئی طریقہ ہمیں سجھائی نہیں دیتا۔ ہم اپنے طور پر جو کچھ کر سکتے تھے۔ وہ کر پائے ہیں لیکن بات نہیں بنی، کیا کوئی ایسا ذریعہ بھی ہے۔ کہ باران رحمت کا نزول ہو جائے؟ ابو طالب نے کہا کل انشاء اللہ بارش ضرور ہو جائے گی۔ صبح سویرے سرکارؐ کے بچپن سے تھوڑا اوپر کا عرصہ ہے۔ بس یہی سمجھیں وہ آٹھ دس سال ظاہری زندگی میں رہ رہے ہیں وہ کعبہ کے پاس لے جاتا ہے اور اپنی انگلی سے سرکارؐ کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے الہ العالمین! قوم بھوک سے مر رہی ہے، جانور پیاس سے مر رہے ہیں، یہ عظیم انسان جسے میں پہچانتا ہوں لیکن اس کے مقام رفیع کو جانتا نہیں ہوں۔ میں اس کے واسطے سے آپ کی سرکار سدا بہار میں بارش کا سوال لے کر آیا ہوں۔ یہ کہنے کی دیر تھی کہ خدا جانے بادل کہاں کہاں سے امڈ آئے اور پھر ان بادلوں کے برسنے کی کیفیت جناب ابو طالب نے ایک شاندار عربی قصیدے میں کہی اس کے ایک شعر کا ترجمہ میں پیش کر رہا ہوں۔

وہ گورے نکھرے رنگ والا، جس کا نام لے کر اللہ سے بارش مانگی جاتی ہے، ان کا بچپنا ہے اور ابو طالب کیا کہہ رہے ہیں، یہ یتیموں کے رکھوالے ہیں اور بیواؤں کے اجڑے سہاگ کا سہارا ہیں، یہ اس ایک شعر کا ترجمہ ہے جو ابو طالب نے اس موقع پر

کہا تھا۔اب نبی جو کچھ فرماتا ہے اگر وہ ایسی زندگی سے وابستہ ہے جس زندگی تک ہمارے ذہن نہیں جاتے تو وہ بھی غیب ہے اور اگر ظاہری دنیا کے متعلق ہے جس میں دوراستے جارہے تھے۔لیکن ہم راہ راست یا صراط مستقیم کا تعین کرنے سے عاجز آگئے تھے۔اس کے متعلق نبی فرماتا ہے تو وہ بھی غیب ہے۔لہذا نبی کی زندگی غیب بتاتے ہوئے گزرتی ہے۔اگر ایک آدمی یہ کہے کہ نبی غیب اللہ کے دیئے سے نہیں جانتا۔میں نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کررہا ہوں تو اس کا سادہ لفظوں میں ترجمہ ہوگا کہ غیب جاننے والا غیب نہیں جانتا۔نبی کے لفظ کا معنیٰ ہے ہی غیب جاننے والا۔تو ان لوگوں کو یہ فقرہ کہنے سے پہلے کم ازکم یہ تو سوچ لینا چاہیے کہ وہ کہیں تضاد کا شکار تو نہیں ہورہے کہ غیب جاننے والا غیب نہیں جانتا۔تو قرآن نے یہاں سرکارؐ کو خطاب کرتے ہوئے اللہ کی طرف سے یہ جملہ کہا کہ!"**یـا ایھـا النبی**"ہ اس سے ایک اور بات سمجھ لیں،میری ایک عزیزہ گزشتہ میرے خطبے کے بعد میں پوچھ رہی تھیں کہ کیا یا رسول اللہ کہنا جائز ہے؟ تو اس سلسلے میں میں آپ کی خدمت میں دوسری بات عرض کرنے والا ہوں کہ جب اللہ کہے "**یا ایھا النبی**"،دوسرے مقام پر کہے "**یا ایھا المزمّل**"،تیسرے مقام پر کہے "**یا ایھا الرّسول**"،چوتھے مقام پر کہے "**یـا ایھاالمدثّر**"تو جب ہم کہیں تو جو "**یـا ایھا المزمّل**"کا معنی ہے وہی یارسول اللہ کا معنی ہے جو "**یا ایھـا الـنبی**" کا معنی ہے وہی یا حبیب اللہ کا معنی ہے۔ہم جب یہ کہتے ہیں تو دوسرے لفظوں میں ہم اللہ کریم کی بات کو نقل کررہے ہیں۔کیا اللہ کی بات کو نقل کرنا بھی کسی انداز سے شرک قرار دیا جاسکتا ہے؟ یہ بالکل عام فہم بات ہے آپ جوں ہی اس کے قریب آئیں گے تو بات بالکل واضح ہوجائیگی۔لیکن آیئے ہم آگے بڑھتے ہیں کہ کیا سرکارؐ نے اس کی اجازت دی ہے۔تو صحاح ستہ کی شہرہ آفاق کتاب ترمذی شریف جو امام بخاری کے شاگرد ہیں اور انتخاب حدیث کا جو طریقہ ہے وہ سب صحاح ستہ سے ممتاز ترین ہے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک نابینا بندہ سرکارؐ کی خدمت میں آیا انہوں نے اعمٰی کا لفظ استعمال نہیں کیا،ضریر کا لفظ استعمال کیا ہے اس میں خاص حکمت ہے میں اس طرف چلا جاؤں تو میرا وقت حدیث میں ہی پورا ہوجائیگا۔لہذا میں اسکا معنی نابینا ہی کروں گا۔ایک نابینا آیا،سرکارؐ کی خدمت میں آکر ایک سوال کیا۔یارسول اللہ آپ مجھے بینا فرمادیں۔میری نظروں کا نور واپس آجائے۔سرکارؐ نے ایک نکتے کی بات ارشاد فرمائی۔ارشاد ہوا اگر تو اسی حالت میں رہے تو تیری آخرت کے لیے بڑے مدارج ہوں گے۔اس نے کہا یارسول اللہ آخرت کے مدارج بھی آپ کے طفیل اللہ دیگا۔اور بڑے ہوں گے۔یقیناً ہوں گے۔لیکن میں دنیا میں نگاہ سے دنیا کو دیکھنا بھی تو چاہتا ہوں۔کسی کا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے تھک گیا ہوں۔آپؐ کرم فرمائیں!سرکارؐ نے فرمایا یہ پڑھا کرو!

"اللّٰھم انی اسئلك و اتوجهه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة يا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه لتقضیٰ لی. اللهم فشفعه فی ترمذی 2/198 مشكوة 1/219

Marfat.com

اس قسم کے الفاظ آتے!

" او کماقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم"o

تو سرکارؐ نے اپنی زبان سے جو اسے وظیفہ سکھایا وہ یارسول اللہ کا لفظ ہے اگر یہ آگے چل کر شرک ہو جانا ہوتا تو سرکارؐ کبھی بھی یہ لفظ ارشاد نہ فرماتے۔اب آپ نماز کی طرف آیئے پہلے ایک چھوٹا سا عربی کا قاعدہ سمجھ لیں تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔یا کے بعد اگر مفرد لفظ (اکیلا لفظ) استعمال ہو تو اس پر اس لفظ کو معرفہ کرنے کے لیے عربی جو الف لام لگاتی ہے وہ نہیں لگایا جاتا۔آپ یا رجل کہیں گے یا الرجل نہیں کہہ سکتے۔صرف یا اللہ کا لفظ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے۔اب النبی کا لفظ ہے تو اس پر یا آپ نہیں لگا سکتے۔جب تک کوئی اور اضافہ نہ ہو تو عربی نے اس کو یوں حل کیا ہے کہ مذکر کے لیے یا کے بعد ایھا لگا دو اور مونث کے لئے یا کے بعد ایتھا لگا دو تو پھر پیچھے بے شک الف لام جو معرفہ ہونے کی نشانی ہے اور انگریزی میں اسکا متبادل لفظ The ہے،اسے لگا سکتے ہیں۔اب آپ یا النبی نہیں کہیں گے۔''**یا ایھا النبی** '' کہیں گے پھر نماز پڑھتے ہوئے آپ نے یہ لفظ کہا تو پھر عربوں نے کہا کہ یا اور ایھا دونوں اکٹھے کرنے کی ضرورت نہیں ہے یا کو ہٹا دو ایھا اس کا کام دیتا رہے گا۔آپ نماز میں بیٹھے ہیں تو آپ نے کہا السلام علیک آپ پر سلام ہو۔'' لکَ '' حاضر کا لفظ ہے یہ غائب کے لیے نہیں آتا۔یا تو غائب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے،حاضر کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو ذہن میں موجود ہو اس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور جو آپ کی سوچ میں موجود ہو اس کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اگر یہاں میں بلاغت اور نحو کی کتابوں کا حوالہ دینے لگوں تو پھر وہی بات ہے کہ آج کا خطاب یہاں ہی محدود ہو کر رہ جائیگا۔لیکن آپ کو اتنا میں ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ اگر یہ علوم گلزار ہیں تو میں گلزار کے ہر ہر بوٹے کے سایے میں بیٹھا ہوں اگر یہ خارزار ہیں تو ہر کانٹا بھی اس راہ کا میں نے برداشت کیا ہے اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے نماز میں ''ک'' خطاب کے لفظ سے سرکارؐ کے لیے استعمال کیا۔السلام علیک،آپ پر سلام ہو۔ایھا النبی،اے نبی یہاں بھی آپ یا کو لے آئے اور حاضر کے لفظ کو بھی لے آئے۔میں سوال یہ کرتا ہوں۔کہ جو بات نماز میں جائز ہے وہ باہر جا کر شرک کیسے ہوگئی ہے۔یہ وہ نکتہ ہے جو سمجھنے اور سمجھانے کا ہے۔لہذا جب قرآن نے کہا کہ ایھا النبی تو یہ سارے مسائل حل ہو گئے۔اب اس اختصار کی تشریح اور تفسیر کے بعد میں آگے بڑھتا ہوں۔تا کہ اگلے لفظ کی بھی وضاحت ہو سکے۔

"یا ایھا النبی انّا ارسلناک"o

'انا' کا لفظ عربی زبان میں وہاں آتا ہے جہاں بات کو بے حد پختہ کرنا ہو۔تو یہاں وہی بات انا کے لفظ سے اللہ کریم نے شروع فرمائی ہے۔**"انّا ارسلناک"o** (یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے)

یہاں ایک اور بات بھی اس بھیجا کے ترجمے میں میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے جب ترجمہ پڑھانا ہے تو اس ترجمے میں بھی یہ لطافتیں آئیں گی۔ میں نے رسالوں سے تو قرآن پڑھا نہیں ہے۔ قرآن کو پڑھنے کے لیے کم از کم چالیس پچاس علوم کو کھنگالا ہے۔ تب مسند پر آ کر بیٹھا ہوں۔ لہذا یہاں بے شمار لطافتیں ہیں بسا اوقات مجھے ایک ایک فقرے پر ہفتوں کے حساب سے ٹک جانا ہوگا۔ تو یہاں انا کا لفظ استعمال فرمایا کہ یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔ لیکن ارسلناک کا مصدر ارسال ہے۔ اسکا ثلاثی مجرد رسالہ ہے۔ اسکا صفت مشبہ رسول ہے۔ دیکھا قرآن کی لطافت؟ کہ ذکر نبی کا ہو رہا تھا تو ساتھ سرکارؐ کی رسالت کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ "انّا ارسلناک"o (ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے)

اگر اسکا معنی صرف یہ کریں کہ بھیجا ہے تو یہ معنی ٹھیک نہیں ہے۔ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ خطاب کیا ہے تو "یاایھا النّبی" کہا ہے اور وضاحت کی ہے تو رسول بنا کر بھیجا ہے اور رسول بھی کیسا بنا کر بھیجا ہے؟ شاہداً (آپ شاہد ہیں) اس شاہد کے لفظ کی اللہ کرے اس آج کی نشست میں پوری طرح وضاحت کر سکوں۔ شاہد کا مصدر شہادت ہے، شاہد کا مصدر شہود ہے۔ یہ دو مصدر ہیں اسکے، اسکا معنی ہوتا ہے حاضر ہونا تو شاہد کا معنی حاضر ہونے والا۔ آپ اگر حوالہ طلب فرماتے ہیں تو قرآن حکیم کی لغت جو سب سے معتبر ہے وہ مفردات امام راغب یہ وہ قرآن کے الفاظ کی لغت ہے، Dictionary ہے، جس پر امت کے سارے طبقات کا اتفاق ہے۔ سنی حوالہ دیگا تو مفرادات راغب کا حوالہ دے گا، شیعہ حوالہ دے گا تو مفرداتِ راغب کا حوالہ دے گا۔ اہل حدیث حوالہ دے گا تو مفردات راغب کا حوالہ دیگا۔ کوئی دیو بندی یا بریلوی حوالہ دے گا تو مفردات راغب کا حوالہ دے گا۔ میں مفردات کے مصنف سے پوچھتا ہوں کہ یہ بتائیں کہ یہ لفظ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا دونوں مصدر ذکر کیے ہیں۔ "**الشھود و الشھادۃ مصدر شھود**" مصدر شہود ہو یا شہادت ہو اسکا معنی ہے الحضور مع المشاہدہ۔ حاضر ہونا لیکن مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا۔ دیکھیں میں یہاں موجود بیٹھا ہوں۔ پیچھے والی سمت مجھے نظر نہیں آ رہی۔ لہذا حاضر ہوتے ہوئے بھی مشاہدہ نہیں ہے۔ اس نکتے کو سمجھیں۔ میں حاضر تو ہوں لیکن مشاہدہ نہیں ہے اور امام راغب کیا کہتے ہیں کہ حاضر بھی ہو اور ساتھ مشاہدہ بھی ہو تب وہ شاہد بنتا ہے جب تک یہ بات نہ ہو تو شاہد نہیں ہوتا۔ اب اس کی دو کیفیتیں ہیں۔ مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے بھی ہوتا ہے اور باطنی آنکھوں سے بھی ہوتا ہے۔ اب یہاں انہوں نے اس فرق کو واضح کیا۔

"**امابالبصر او بالبصیرۃ**"o

یہ جو آپ نے مشاہدہ کرنا ہے یا یہ آنکھوں سے کرنا ہے یا باطن کی آنکھوں سے کرنا ہے۔ ظاہر کی آنکھیں تو ہماری کھلی ہیں لیکن باطن کی آنکھیں دور حاضر میں ہم نے بند کر دی ہیں اقبال کو بھی اس بات کا بے حد دکھ تھا وہ فرماتے ہیں کہ!

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

یہ ظاہری آنکھوں سے تو دیکھتا ہے لیکن باطنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا اور دونوں کیفیتوں کے ساتھ مشاہدہ ہوتا ہے اب قرآن نے سرکارؐ کے لیے لفظ یہ ارشاد فرمایا ہے۔

"یا ایھا النبی انّا ارسلناک شاھداً"٥

اے نبی، اے غیب کی خبریں دینے والے، ہم نے آپ کو ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو مشاہدہ فرمانے والا ہے، اور مشاہدہ فرمانے کے بعد گواہ ہے۔ شاہد کا اکثر ہمارے مفسرین نے ترجمہ گواہ کے لفظ سے کیا ہے۔ اسکی بڑی وجہ یہ ہے یہ تو آپ وضاحت سے جانتے ہیں کہ گواہ نے اگر ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا تو اس کی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ عدالتیں دو انداز سے فیصلہ کرتی ہیں اور یہ صرف انگریزی عدالتوں میں نہیں ہے۔ اس کا آغاز سب سے پہلے اسلام نے کیا ہے، کہ ایک تو ہے آنکھوں دیکھی حالت کو بیان کرنا اور ایک آنکھوں دیکھی حالت نہیں ہوتی ارد گرد کے حالات ایسے ہوتے ہیں جو آپ کو ایک نتیجے پر پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن عدالت جب بھی فیصلہ کرنے بیٹھے گی تو فقہ اسلامی اسے یہ بات کہے گی کہ پہلی صورت میں جب عینی گواہ آنکھوں والا گواہ، آنکھوں سے دیکھ کر بیان کردے تو اس صورت میں آپ حد لگائیں گے۔ اور اگر واقعاتی شہادتیں ہیں تو پھر آپ حد نہیں لگائیں گے تعزیر ہوگی۔ اور یہی کچھ ہمارے اس قانون میں بھی ہے جو اس وقت دنیا کے مختلف حصوں میں چل رہا ہے آپ میں سے جن لوگوں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس نکتے کو آپ بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ عینی شہادت اور ہوتی ہے اور واقعاتی شہادت اور ہوتی ہے۔

سرکارؐ کے لیے جن لوگوں نے گواہ لکھا ہے اس انداز میں بھی مطلب وہی بنے گا کہ آپ گواہ ہیں اور آپ کی گواہی یا بصارت کی بنیاد پر ہے یا بصیرت کی بنیاد پر ہے۔ ہاں البتہ کائنات میں جب گواہوں کی فہرست آپ سامنے رکھیں گے تو آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک اپنی امت کی حد تک تو وہ شاہد ہیں، گواہی دیتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کا گواہ نہیں ہے۔ یہاں وہ آپ کو دعوت توحید تو دیتے ہیں لیکن جناب ابراہیمؑ سے پوچھیں کہ مشاہداتی انداز سے جسے عینی شہادت کہتے ہیں کیا اللہ کو آپ نے دیکھا ہے تو ابراہیمؑ کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ جناب موسیٰؑ سے پوچھیں تو زیادہ سے زیادہ تورات اور قرآن اتنی شہادت دیتے ہیں کہ

جلوہ گاہ ناز سے پردوں کا اٹھنا یاد ہے پھر ہوا کیا اور کیا دیکھا یہ کس کو یاد ہے

کچھ پرتو تھا لیکن ذات تھی اس کا جواب حضرت موسیٰؑ نفی میں دیتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے!

"لن ترانی"٥ (آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے)

اقبال نے غضب ڈھا دیا ایک اور انداز سے بات کردی

Marfat.com

اڑ بیٹھے کیا سمجھ کے بھلا طور پر کلیم　　　طاقت ہو دید کی تو تقاضا کرے کوئی

پہلے دیکھنے کی طاقت تو پیدا کیجئے جس نے دیکھنے کی طاقت پیدا کی ہے وہ لامکاں میں پہنچ گیا ہے اور جب لامکاں میں پہنچا ہے تو پردے سامنے سے ہٹ گئے ہیں۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' اب وہ شہادت جو اس کائنات کی جامع ترین شہادت ہے یعنی خدا کا بھی مشاہدہ ہو اور کائنات کا بھی مشاہدہ ہو۔ یہاں میرے محبوبؐ واحد لاشریک بن کر کھڑے ہیں، نہ ان کے ساتھ جناب موسیٰؑ شریک ہیں، نہ جناب عیسیٰؑ شریک ہیں، نہ جناب ابراہیمؑ شریک ہیں، نہ نوحؑ اور آدمؑ شریک ہیں۔ وہ سب کہتے ہیں کہ جبرائیل نے آ کر بتایا تھا کہ وہ واحد لاشریک ہے لیکن ہم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ اب اگر اس کائنات کے اندر سے ایک شاہد کو ہٹا دیا جائے تو اللہ کے وجود کا عینی شاہد آپ کے پاس کوئی نہیں ہے۔ اور اگر اس شاہد کو درمیان سے ہٹا دیا جائے تو اپنی امتوں کے شاہد تو موجود ہیں لیکن بحیثیت مجموعی ساری کائنات کا شاہد سرکارؐ کے بغیر کوئی نہیں ہے اب اس مقام رفیع کو اگر کوئی گھٹانا چاہتا ہے تو اسے میں یہ نصیحت کروں گا کہ

مٹ گئے، مٹتے ہیں، مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

یہ وہ مقام ہے جس پر حضورؐ واحد اور اکیلے ہیں جو ساری کائنات میں سے کھڑے ہیں۔ لیکن کیا یہ ان کا اپنا ذاتی مقام ہے؟ تو اس کا جواب ہے ہرگز نہیں یہ سب عظمتیں اللہ کی عطا فرمودہ ہیں اگر کوئی صاحب ایسا فرمادیں کہ ایسا نہ کہا جائے اس سے پہلے رک جائیں کہ میرے عقیدے پر زک پہنچتی ہے۔ بھئی یہاں قرآن وسنت کی بات ہے کسی کے عقیدے پر زک پہنچنے یا نہ پہنچنے کی بات نہیں ہے۔ آپ میرے دلائل کو رد کر دیں علم وحکمت سے جس طرح میں انہیں بیان کر رہا ہوں۔ تو اس محفل میں میں انہیں واپس لے لوں گا۔ اب آپ اندازہ فرمائیے کہ ایک طرف وہ اللہ کے گواہ ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے گواہ ہیں اسی کو اقبال نے ایک بڑے لطیف اور اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے کہ

محمد بھی تیرا، جبریل بھی، قرآن بھی تیرا　　　مگر یہ لفظ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

اللہ نے فرمایا کہ ان کا ہادی بن کر جا، میں نے کہا کہ میرا شفیع بن کر واپس تشریف لے جا۔ اب یہ بھی بتاتا چلوں کہ لفظ شیریں سے مراد لفظ محمدؐ ہے۔　اس ذات اقدس نے آپ کی ترجمانی کرنی ہے یا میری ترجمانی کرنی ہے۔ یہ وہ مقام رفیع ہے کہ وہ اوپر نگاہیں اٹھائیں تو رب کو دیکھتے ہیں، اس کے شاہد ہیں۔ نیچے نگاہیں کریں تو کائنات کو دیکھتے ہیں۔ اسکے شاہد ہیں آپ سوچیں گے کہ یہ صرف شائد خشک فلسفہ ہے، یہ امت کے نظریات نہیں ہیں۔ تو آپ کی طبیعت کو اجاگر کرنے کے لیے میں نے چند شہرہ آفاق تفسیروں کو بھی ساتھ شامل کر لیا ہے تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ اس سلسلے میں مفسرین کیا کہتے ہیں؟ تفسیر مظہری، جو

Marfat.com

برصغیر کی سب سے بنیادی اور عظیم تفسیر ہے، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی" بہت بڑے عالم گزرے ہیں، عربی زبان میں انہوں نے قرآن کی یہ تفسیر لکھی اور میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر میں یہ سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے بڑے جامع انداز سے عربی میں تفسیر مظہری لکھی۔ اس وقت تو اس کی چار جلدیں تھیں۔ اب اسکا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے اور اردو کا ترجمہ غالباً اٹھارہ یا بیس جلدوں پر مشتمل ہے کسی جلد میں دو پارے ہیں کسی میں ایک پارہ ہے۔ تو حضرت ارشاد فرماتے ہیں کہ

"شاھداً علی امتک "O (محبوب اپنی امت کے آپ گواہ ہیں)

ایک نکتہ جو اولیاء امت کی زبان سے چلتا آیا ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اولیاء امت باطن کے ماہر ہوتے ہیں۔ اندر کی نگاہوں سے دیکھا کرتے ہیں اقبال نے بھی ایک جگہ پر بڑی لطیف بات کہی ہے فارسی میں!

شنیدم ہر چہ از پاکان امت ترا با شوخئی رندانہ گفتم

کہ میں نے امت کے پاک لوگوں سے جو بات سنی ہے انہوں نے ادب سے کسی اور انداز سے بات کی ہے کیونکہ میں رند ہوں۔ میں نے شوخی کے ساتھ وہ بات کہہ دی ہے جو انہوں نے ادبی پردوں میں کہی ہے۔ تو پاکان امت جو بات کہتے آئے ہیں وہ اقبال بھی بیان کرتا رہا ہے، اور میں بھی بیان کرر ہا ہوں۔ اقبال نے ایک اور انداز سے بھی اس نکتے کو لیا، چونکہ وہ دور حاضر کے سب سے بڑے اسلامی مفکر ہیں، انہوں نے اپنا اور رومی کا موازنہ کرتے ہوئے یہ بات کہی!

اوز حق گوید و من از مردان حق

رومی تو خدا کی بات کرتا ہے میں خدا والوں کی بات کرتا ہوں۔ رومی اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ وہ خدا کی بات کرتا ہے اور میں خدا والوں کی بات کرتا ہوں۔

حضرت قاضی صاحب نے شرح کرتے ہوئے کہا!

"شاھداً علی امتک"O (آپ اپنی ساری امت کے گواہ ہیں)

مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ اسی کو انہوں نے ایک حدیث کے حوالے سے پھر نقل کیا ہے۔ میں تبرکا وہ حدیث کے الفاظ آپ کی اس مقدس محفل میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔

"اخرج ابن المبارک عن سعید ابن مسیب"O

حضرت سعید بن میتب سے روایت لی ہے یہ حدیث کی سند ہے کہ علامہ ابن مبارک نے سعید بن میتب سے لی ہے ہر جگہ دامن کو کوئی حسن پکڑ لیتا ہے۔ ابن مبارک کے متعلق ایک بات میں نے گزشتہ خطبے میں عرض کی تھی۔ کہ گھر واپس آئے تو باپ انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ اتنا طویل عرصہ گزرا۔ لیکن جس دن ان کی وفات ہوئی ہے اتفاق کی بات ہے کہ اس دن ہارون الرشید بغداد میں داخل ہو رہا تھا، کہیں

باہر سے۔خواتین چھتوں پر چڑھ کر بادشاہ کا وہ روپ دیکھ رہی تھیں کہ کس شان وشوکت سے وہ شہر میں آرہا ہے، زبیدہ جوملکہ تھیں ہارون الرشید کی، انہوں نے دیکھا کہ کچھ خواتین بھاگ بھاگ کر دوسری دیوار کی طرف جاتی ہیں الٹی سمت جدھر سے بادشاہ نہیں آرہا۔اس نے پوچھا کہ ادھر کیوں بار بار سیاں تڑاتڑا کر بھاگ رہی ہو۔پولیس والے روک رہے ہیں۔لیکن ساری مخلوق ادھر پلٹ رہی ہے۔انہوں نے کہا کہ آج ادھر سے حضرت عبداللہ ابن مبارک اس شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ہم بادشاہ کو دیکھنا نہیں چاہتے اس اللہ کے درویش کو دیکھنا چاہتے ہیں۔لہذا ہم ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر جا رہے ہیں۔جب ہارون الرشید آیا تو بیگم صاحبہ سے رات کو پوچھا کہ میرے شہر میں ورود کا منظر کیسا تھا؟ اس نے کہا بادشاہت کو جوتا مار دو وہ جس کی فوج بھی کوئی نہیں ہے، جس کے پاس پولیس بھی نہیں ہے، جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔وہ شہر کی دوسری سمت سے آرہا تھا۔اور تیری پولیس لوگوں پر ڈنڈے برسا رہی تھی۔کہ اُدھر نہ جاؤ یار ادھر سے بادشاہ آرہا ہے۔میں تو اسکو بادشاہ تسلیم کرتی ہوں جو لوگوں کے دلوں پر حکمران ہے۔تیری حکومت کیا ہوئی جو لوگوں کے سروں پر حکومت کر رہا ہے۔تو یہ عبداللہ ابن مبارک اس حدیث کے راوی ہیں۔حضرت سعید ابن میسّب سے۔اور سعید ابن میسّب کون ہیں۔جن کی باطن کی نگاہیں یوں کھلی تھیں کہ بڑھاپے میں یہ نابینا ہو گئے اور یزید نے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا، جسے واقعہ حرہ کہتے ہیں، لوگ تو ادھر ادھر بھاگ گئے۔مسجد نبوی اپنی تاریخ میں پہلی دفعہ خالی ہو گئی۔یہ نابینا تھے دیواریں ٹٹولتے روضہ رسول پر پہنچے، جو آج کی کیفیت میں نہیں تھا صرف وہ کمرہ تھا جو آج اندر تیسرے نمبر پر ہے۔کمرے میں جا داخل ہوئے اور بیٹھ گئے، کہتے ہیں جب نمازوں کا وقت ہوتا تھا تو میں وہ جانی پہچانی آواز سنتا تھا صدیق اکبرؓ کی کہ وہ تکبیر کہہ رہے ہیں اور سرکارؐ جماعت کرا رہے ہیں۔لوگوں کے لیے تو یزید کا حملہ جان لیوا ثابت ہوا لیکن میری ایمان کی رعنائیوں میں بہار آگئی کہ سرکارؐ نماز پڑھا رہے ہیں میں پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔جب شہر میں دوبارہ لوگ واپس آگئے تو پھر وہ کیفیت ختم ہو گی۔یہ سعید ابن میسّب اس حدیث کے راوی ہیں۔

"قال لیس من یوم "O (کوئی دن نہیں گزرتا)

"الا و یعرض علی النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم امتہ"O (مگر سرکارؐ کے سامنے آپ کی امت پیش ہوتی ہے)

دن میں ایک دفعہ پیش ہوتی ہے فرمایا۔نہیں

"غدوۃ و عشیہ"O (صبح بھی پیش ہوتی ہے شام کو بھی پیش ہوتی ہے)

"فیعرفھم بسیما ھم"O (سرکارؐ اپنی ساری امت کو پہچانتے ہیں)

امت کی نشانیاں ہیں پہچاننے کی۔وہ نشانیاں ہیں وضو کرنا، کلمہ طیبہ کا پڑھنا، اس قسم کی بہت سی نشانیاں ہیں۔تو فرماتے ہیں!

Marfat.com

"وکذلک یشھد علیھم"o

یہی وجہ ہے کہ سرکارؐ نے ان پر گواہی دینی ہے ان پر شاہد بننا ہے کہ یہ روزانہ مشاہدہ سرکارؐ فرماتے رہتے ہیں۔ یہ تفسیر مظہری میں بھی ہے، امام غزالی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اور بہت سے لوگ ہیں جنہوں نے اس بات کو نقل کیا۔ یہاں چند حوالہ جات اسی انداز سے اور بھی ہیں کہ شاہد کا معنی کرتے ہوئے ابن کثیر نے کیا لکھا ان کتابوں کے اردو میں ترجمے ہو گئے ہیں۔ اس آیت کے تحت جس کی طبیعت چاہے دیکھ لے۔ اگر مترجم نے بددیانتی نہیں کی۔ ابھی میں آتے ہوئے عزیزہ ڈاکٹر سلمٰی، اللہ انہیں سلامت رکھے۔ انہیں میں یہ بات کہہ رہا تھا کہ آج جب میں مختلف ترجمے دیکھ رہا تھا۔ تو ایک ترجمے پر میں بڑی دیر تک رک گیا۔ مترجم برصغیر کا ایک عظیم آدمی ہے لیکن برا ہو گروہ بندی کا کہ اس گروہ بندی کے تحت شاہد کا معنی بتانے والا لکھ گیا ہے۔ شاہد کا معنی کیا ہے؟ بتانے والا۔ اب اس کے اوپر شرح لکھی ہے علامہ عثانی نے۔ وہ بات چھپ نہ سکی اصل سرکارؐ کے نور کو سرکارؐ کی عظمت کو جتنا بھی چھپاؤ، عیسائی چھپا چھپا کر تھک گئے ہیں لیکن آج بھی تورات اور انجیل میں وہ باتیں چھپ نہیں سکیں ہمارے سامنے آگئیں ہیں۔ اسی طرح اسی آیت پر شرح لکھتے ہوئے علامہ عثانی نے یہ فقرہ لکھ دیا اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے۔ کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ اب جس نے جس قدر قبول کیا اس مقدار کو بقول علامہ شبیر احمد عثانی سرکارؐ جانتے ہیں۔ تو یہی بات تو مشاہدہ کی تھی۔ اسی بات کی شہادت تھی۔ پھر ترجمے میں بتانے والے کی ترمیم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو شے چھپ نہیں سکتی۔ کیا بناوٹ کبھی حقائق کو چھپا سکتی ہے؟ یہ بات نہیں ہوتی۔ لیکن آیئے ہم پلٹ کر ابن کثیر کی طرف جاتے ہیں۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے۔ فرمایا!

"شاھداً علی اللہ بالواحد انہ"o

وہی بات ہے کہ جو پاک لوگوں نے کہا میں آپ تک پہنچاتا جا رہا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ وہ شاہد ہیں اللہ کے کہ اللہ واحد لاشریک ہے۔ لیکن یہ بات مشاہدہ سے کہہ رہے ہیں۔ جبرائیل کے خبر دینے سے نہیں کہہ رہے۔

"باعمالھم و علی الناس باعمالھم یوم القیامہ"o

ترجمہ: ''اور لوگوں کے شاہد ہیں کہ قیامت کے دن انکے اعمال آپ ارشاد فرما دیں گے''۔

یہاں ایک نکتے کی بات عرض کرتا ہوں، آپ کے اور میرے ایمان کا گواہ سرکارؐ کے بغیر کوئی نہیں ہے اس لیے کہ ایمان کا مسئلہ دل سے متعلق ہے۔ میرا دل میری ماں نے چیر کر نہیں دیکھا، میرا دل میرے باپ نے چیر کر نہیں دیکھا، آپ میں سے کسی کے والدین نے آپ کے دل کو چیر کر کبھی نہیں دیکھا۔ لہذا وہ آپ کے ایمان کی شہادت نہیں دے سکتے۔ جسے شہادت عینی کہا جاتا ہے۔ تو قیامت کے دن اگر آپ کے ایمان کی شہادت سرکارؐ نہ دیں تو آپ کس کھاتے میں پڑیں گے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ آپ

Marfat.com

کے ایمان کی شہادت سرکارؐ دیں۔

اب ایمان کا تعلق دل کے حالات سے ہے اور دل مخفی شے ہے وہاں ہم میں سے کسی کی نگاہ نہیں پہنچتی کہ ہم کسی کے ایمان کی شہادت دے دیں تو یہ شہادت سرکارؐ نے دینی ہے اور یہی بات جو تفسیر ابن کثیر کا مصنف "قرآن کی شرح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لوگوں کے اعمال کی شہادت سرکارؐ دیں گے۔ اسے ایک چھوٹے سے ادبی فقرے میں سمونے کی کوشش کرتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں مومن ہوں۔ اگر مومن بہ یعنی جس پر میرا ایمان ہے وہ میرے ایمان کو نہیں جانتا تو میرے ایمان کا ثبوت کیا ہوگا۔ لہذا میرا عقیدہ یہ ہے کہ میرے ایمان کو میرے آقاؐ جانتے ہیں۔ اور یہ میرا عقیدہ نہیں ہے، یہ صدیق اکبرؓ کا عقیدہ ہے، یہ حیدر کرارؓ کا عقیدہ ہے، یہ اولیاء اربعہ کا عقیدہ ہے، یہ ائمہ اربعہ کا عقیدہ ہے، یہ مفسرین کا عقیدہ ہے۔ اور یہی بات یہاں ابن کثیر بیان فرمار ہے ہیں اور بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی دنیا کی چار ہی تفسیریں ہیں اور ان چار میں ایک یہی ہے ابن کثیر، یہ اس کے لیے مودودی صاحب کی شہادت ہے۔ اب دوسرے مقام پر روح المعانی دور حاضر کی متاخرین میں سب سے عظیم تفسیر ہے۔ یہ تیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے لیے دیوبند سے حضرت سید انور شاہؒ کی شہادت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے یہ تفسیر لکھ کر امت پر وہ احسان کیا ہے جسے قیامت تک اتارا نہیں جا سکتا۔ یہ شاہ صاحب کی شہادت ہے اور میرے شیخ الاسلام حضرت خواجہ خواجگان سیدی محمد قمر الدین سیالویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ صاحب دور حاضر کے بیہقی ہیں۔ تو دور حاضر کے بیہقی جس آدمی کی تفسیر کے متعلق رائے دیتے ہیں اس مفسر نے کہا!

"شاھداً علٰی من بعث الیھم"○

ترجمہ: ''سرکارؐ ان سب کے گواہ ہوں جن کی طرف آپ کو مبعوث کیا گیا ہے''۔

کس بات کی شہادت دیں گے۔

"تراقب احوالھم "○

ترجمہ: ''ان کے حالات جس طرح مسلسل آتے رہتے ہیں اس کی شہادت سرکارؐ نے دینی ہے''۔

"وتشاھد اعمالھم " ○

ترجمہ: ''ان کے اعمال کی شہادت سرکارؐ نے دینی ہے''۔ دوسری کب دینی ہے؟ یہاں لوگوں کے سامنے فرمایا! نہیں

"توء دیھا یوم القیامۃ اداءً مقبولاً فی مالھم وما علیھم "○(روح المعانی)

ترجمہ: ''یہ قیامت کے دن ادا ہوگی شہادت اور یہ شہادت رب کے ہاں مقبول ہے دو باتوں کے لیے ایک بات وہ جو ان لوگوں کے حق میں جاتی ہے دوسری بات وہ جو ان کے خلاف جاتی ہے۔''

Marfat.com

"فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھدائکم"O ''ایک سورۃ لے آؤ اور اپنے گواہوں کو بلالو''۔

یہاں بھی ایک علمی نکتہ عرض کرنے لگا ہوں جس کا تعلق عربی تاریخ کے ساتھ ہے جب وہ شعر نہیں کہہ سکتے تھے طبیعت رک جاتی تھی آمد نہیں ہوتی تھی تو جنگلوں میں نکل جایا کرتے تھے۔ وہاں بیٹھنا اور یہ خیال رکھنا کہ ہم پر ایک جن آتا ہے تو ہم شعر کہتے ہیں اس جن کو پھر پکارتے رہنا ایک دن اونٹ کی ٹانگ باندھ کر تو اس کے اوپر سر رکھ لینا اور پھر طرح طرح کے انداز سے اپنے جن کو بلانا یہ ایک کیفیت ہوتی تھی۔ اب اس کیفیت کو بھی انہوں نے قرآن کے مقابلے میں آزمایا لیکن جنگل میں ان کے جن نے بھی آ کر قرآن کے مقابلے میں کچھ نہ کہا تو قرآن نے یہ کہا کہ

"وادعوا شھدائکم"O

ترجمہ: ''وہ جو تمہارے گواہ ہیں (جو اس سلسلے میں تمہاری امداد کیا کرتے ہیں) انہیں بلالو'' پھر اس کا مقابلہ کرو۔ لیکن وہ نہیں آئیں گے۔

"من دون اللہ"O

ترجمہ: ''اللہ کے علاوہ جو بھی ہے اسے بلالو''۔

تاکہ قرآن کا جواب آسکے قرآن نے اس موضوع کو تین چار انداز سے مختلف آیات میں بیان کیا ہے۔ یہاں تو کہا کہ اپنے شھدا کو بلالو دوسرے مقام پر فرمایا کہ

"قل فاتوا بسورۃ من مثلہ"O

ترجمہ: ''اس جیسی ایک سورۃ بنالو''۔

"وادعوا من استطعتم من دون اللہ"O

ترجمہ: ''جنہیں بھی اکٹھا کر سکتے ہو اللہ کو چھوڑ کر اکٹھا کرلو''۔

لیکن اس کا جواب نہ بن سکا اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ چیلنج صرف ان عرب کے لوگوں کیلئے تھا جی نہیں وہ الفاظ کے شہسوار ضرور تھے۔ مگر علم کی گہرائی ان میں بہت ہی کم ملتی ہے گھوڑے کی وصف کرتے ہوئے زمین و آسمان کے قلابے امرءالقیس ملا دیتا ہے۔ مختلف شعرا ایک اونٹ کی تعریف کرتے ہوئے تخیلات کو نہ جانے کس کس سمندر میں اڑاتے رہے ہیں۔ مجھے بسا اوقات جدید عربی ادب کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ جزیات نگاری میں یہ لوگ کتنے آگے تھے۔ اب معنی کی گہرائی وہاں نہیں ہے الفاظ کی گہرائی بھی وہاں نہیں ہے لیکن جو ظاہری انداز ہے وہ بے مثال ہے الفاظ کے جوڑنے کی حد تک قرآن ان کے مقابلے میں صرف الفاظ تو نہیں جوڑ رہا قرآن کی وسعتیں تو بے حد دور تک پھیلی ہوئی ہیں اگر آپ تفاسیر کا ذخیرہ سامنے رکھ

Marfat.com

یہاں تو کئی مظالم ہمارے چھپ جاتے ہیں۔ وہاں سرکارؐ ان مظالم کی گواہی ہمارے خلاف دے دیں گے۔ اسے قرآن نے یوں ذکر کیا ہے

"یارب انّ قومی اتّخذوا ھذا القرآن مھجوراً "o (اللہ ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا)

یہ قرآن کہتا ہے کہ سرکارؐ قیامت کے دن کہہ دیں گے کہ اللہ! ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ میں ایک چھوٹا سا چبھتا سا سوال کرنا چاہتا ہوں۔ کہ کیا اب ہماری نجی زندگی میں قرآن ہے؟ کیا ہماری سیاسی زندگی میں قرآن ہے؟ کیا ہماری عدالتوں میں قرآن ہے؟ کیا ہمارے بازاروں میں قرآن ہے؟ کیا ہماری اجتماعی زندگی میں قرآن ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا قیامت کے دن ہم اس زمرے میں نہیں آئیں گے۔ کہ اللہ ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔ جب میں اس آیت کو پڑھتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور غالباً اقبال بھی ایسے ہی مقام پر کہہ رہا تھا۔

چومی گویم مسلمانم بلرزم

جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو کانپ جاتا ہوں

علامہ صاحب کیوں کانپتے ہیں؟ کیا اسلام کوئی ہوا ہے؟ تو اسکا جواب دیتے ہیں۔

که دانم مشکلات لااله را

لا الہ پڑھنے کی مشکلات کو میں جانتا ہوں

کہ پھر کربلا میں بچوں کو بھی ذبح کرانا پڑتا ہے۔ اسے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر لاگو کرنا پڑتا ہے۔ لہذا میں کانپ جاتا ہوں کہ یہ بات تو کہہ دی ہے آگے بات ہوگی کیا۔ تو اب ارشاد فرمائیں کہ یہاں روح المعانی والے نے، امام آلوسی نے تین باتیں کہہ دیں۔ کہ احوال کا یکے بعد دیگرے آنا، اس کی بھی شہادت سرکارؐ نے دینی ہے، اعمال کا بھی مشاہدہ کر کے شہادت دینی ہے، اور جو بات حق میں جاتی ہے اسکی بھی شہادت دینی ہے، اور جو بات خلاف جاتی ہے، اس کی بھی شہادت دینی ہے۔ اس کو انہوں نے اولیاء امت کی زبان سے علامہ آلوسی نے ہی ایک اور انداز سے بھی نقل کیا ہے۔ کہ

"انّ اللہ تعالیٰ قد اطلعه صلّی علیه وسلّم علیٰ اعمال العباد "o

ترجمہ: ''اللہ کریم نے سرکارؐ کو بندوں کے اعمال پر مطلع فرما دیا ہے''۔

"فنظر علیھا "o (پس ان اعمال کو دیکھا)

تو چونکہ دیکھ چکے ہیں لہذا

"اطلق علیه شاھداً "o (اس لیے ان پر شاہد کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے)

اب ہمیں پتہ چلا کہ شاہد وہ ہوتا ہے جو دیکھ کر شہادت دیتا ہو۔ یہ دیکھنا ظاہری نگاہوں سے بھی ہو سکتا ہے، باطنی نگاہوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اسے کائنات کے علوم کا عالم ہونا چاہیے۔ تب وہ شاہد بن سکتا ہے۔ اگر عالم نہیں ہے تو پھر شاہد نہیں بن سکتا۔ اسے چھوٹے سے ادبی فقرے میں یوں سموتا ہوں کہ میرے عزیز ترین دوست بھائی خان عبدالرؤف خان صاحب ایک بات کو جانتے ہوں اور وہ بات سرکارؐ نہ جانتے ہوں، برادر عزیز محترم جناب ڈاکٹر کفیل صاحب ایک بات جانتے ہوں اور سرکارؐ اس بات کو نہ جانتے ہوں، جناب پرویز صاحب جیسا عظیم مفکر، جناب پروفیسر صاحب جیسا عظیم مدبر ایک بات جانتا ہو اور سرکارؐ اس کو نہ جانتے ہوں، تو جاننے والا نہ جاننے والے سے اس بات میں افضل ہو جاتا ہے۔ اور جو افضل ہے اسے مفضول یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ پر ایمان لے آ۔ لہذا ایمانی قوت کی بنیاد پر یہ بات ضروری ہے کہ اگر ہم نے سرکارؐ پر ایمان لانا ہے تو ہر معاملے میں سرکارؐ کو اپنے سے ارفع اور اعلیٰ سمجھیں۔ نہیں تو آپ عالم و فاضل ہو جائیں گے۔ اور سرکار کا درجہ کم ہو جائے گا۔ پھر وہ کیسی بات ہو سکے گی؟ اسی بات کو اللہ نے منظور نہ فرمایا اور سرکارؐ کا کوئی دنیا کا استاد نہیں تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر وہ کسی کے پاس پڑھ کر جاتے۔ کل اس کو کہتے کہ مجھ پر ایمان لا، تو وہ کہتے کہ حساب تو کل میں نے پڑھایا تھا، سائنس میں نے آپ کو پڑھائی تھی، میں آپ پر کیسے ایمان لا سکتا ہوں؟ غلام احمد قادیانی کے لیے ہم یہی بات کہتے رہے کہ اپنے دور میں یہ پرائمری میں تین دفعہ فیل ہو گیا، پٹوار کے امتحان میں تین دفعہ فیل ہو گیا۔ اب اس کے استاد اگر یہ کہیں کہ تو پرلے درجے کا نالائق تھا، تو پرائمری میں بھی فیل ہو گیا۔ تو میں ایم اے ہوں۔ تو میری بات مان لے۔ مجھے نبی مان لے۔ میں تجھے نبی کیسے مان لوں؟ تو اب جو مفضول ہے وہ بالائی طبقے کے سامنے اس انداز سے بات نہیں کہہ سکتا کہ آپ مجھے مان لیں۔ تو حوالے کے لیے یہ بات عرض کر رہا تھا۔ کہ ان باتوں پر ہمیں غور کرنا ہے کہ امت کوئی بے وقوفوں کا ٹولہ نہیں تھی۔ جنہوں نے اپنی تفاسیر میں اس انداز سے وضاحت کی ہے۔ پھر اللہ نے یا کا لفظ استعمال فرمایا، سرکارؐ نے وظیفہ بتاتے ہوئے یا کا لفظ استعمال کرایا۔ میں نے ایک رسالہ لکھ دیا ہے کوشش کر رہا ہوں کسی وقت وہ چھپ جائے، کہ صدیق اکبرؓ سے لے کر آج تک کس کس نے یا کہا، اگر یا کہنا شرک ہوگا تو صدیق اکبرؓ کدھر جائیں گے؟ عمر فاروقؓ کدھر جائیں گے؟ عثمان غنیؓ اور حیدر کرارؓ کدھر جائیں گے؟ فاطمہؓ اور عائشہؓ کدھر جائیں گی؟ یہ سارے لوگ وہ ہیں جو سرکارؐ کے وصال کے بعد اپنے مرثیوں میں یا کا لفظ استعمال کر چکے ہیں۔ غوث اعظم کدھر جائیں گے؟ امام اعظمؒ کدھر جائیں گے؟ دیکھیں آپ کا وجود دو حصوں پر مشتمل ہے، ایک حصہ وہ ہے جو عقل ہے، لیکن آپ کی عقل، عقل کل نہیں ہے۔ بلکہ عقل جزو ہے اس جزو کو کسی کل کے تابع ہونا ہے۔ اور وہ عقل کل، سرکارؐ کی عقل پاک ہے۔ وہاں اس جزو کو اپنے آپ کو ختم کر دینا ہوگا۔ اسی کو رومی نے بھی کہا کہ سرکارؐ کے سامنے عقل لے کر مت آ، وہاں اپنا عشق لے کر پہنچا کر اور اسی بات کو جب آپ ظاہری علم سے ہٹ جائیں گے تو آپ کے باطن کے اندر ایک انسان رہتا ہے۔ ہمارے مولانا

Marfat.com

حضرت امیر حمزہ صاحب بھی تشریف فرما ہیں۔ میں ایک مثال عرض کر رہا ہوں آپ اسے حقیقت پر محمول نہ فرمائیں۔ آپ میں سے کوئی بندہ اٹھ کر ان کی چھوٹی انگلی کاٹ دے، تو اس کے بعد بھی امیر حمزہ ہوں گے۔ اگر ہاتھ کاٹ دیں تو بھی امیر حمزہ رہیں گے۔ ایک ایک عضو کو کاٹ دیں امیر حمزہ تو پھر بھی ہوں گے۔ اس سے پتہ چلا کہ اعضاء کا نام امیر حمزہ نہیں ہے۔ امیر حمزہ ایک اندر کی شخصیت ہے، جو اس جسمانی لباس کو اتارنے کے بعد بھی امیر حمزہ رہ جاتی ہے۔ تو وہ جو آپ کے اندر کی شخصیت ہے چونکہ ایمان کا براہ راست تعلق اس سے ہے، وہ تڑپتی ہے، پھڑکتی ہے، آپ اپنے بالکل تھوڑے سے تعلق والے رشتہ دار کو امریکہ میں خط لکھ رہے ہیں تو اسے ''آپ'' سے خطاب کر رہے ہیں۔ اسے ''تو'' اور ''تم'' سے خطاب کریں، جیسا اس کا مرتبہ ہے۔ کیا وہ آپ کے سامنے حاضر ہے؟ تو حاضر نہ ہوتے ہوئے یہاں تو آپ حاضر کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور جو حاضر ہے اسے غیر حاضر سمجھ رہے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے، جو آج تک مجھے سمجھ نہیں آئی ہے کہ یہ کون سا فلسفہ ہے؟ یہ کون سی منطق ہے؟ جس کے تحت آپ ایسی بات کرتے ہیں کہ آپ کمال تب حاصل کر سکتے ہیں کہ قرب مصطفیٰ ﷺ آپ کو مل جائے اور قرب مصطفیٰ ﷺ تب ملتا ہے کہ اس ہجر اور دوری کو درمیان سے ہٹا دیا جائے۔ کسی نے بڑی پیاری بات کہی تھی کہ

مجھے تھی شکایت ہجراں کہ یوں ہوا محسوس — میرے پاس سے ہوکر وہ ناگہاں گزرے

اگر یہ کیفیت آپ اپنے اوپر طاری کر سکتے ہیں تو یہ چودہ سو سال کا فاصلہ ایک زقند سے ختم ہو سکتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں اس بات کی توفیق عطا فرمائے، وقت پورا ہو گیا ہے اور جملہ ایک ہی پورا ہوا ہے۔

''یا ایھا النبی انا ارسلنا ک شاھداً''o

میرے معزز اور محترم دوست خان عبدالرؤف خان کی مجھے نصیحت ہے کہ آسان بننے کی کوشش کر۔ میں نے آسان بننے کی بڑی کوشش کی ہے۔ اگر مشکل بن گیا ہوں تو آپ میرے ساتھ چلتے چلتے ان باتوں کو آسان سمجھیں گے۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

(نور و بشر)

الحمد للہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ٥

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

"یا ایّھا النبی انّ ارسلناك شاھداً و مبشراً ونذیراً ٥ ودعیاً الی اللّٰہ باذنہ وسراجاً منیرا "٥

خواتین وحضرات! گزشتہ خطاب میں لفظ نبی اور لفظ شاہد موضوع بحث تھے۔ قرآن کریم کا ہر مطالعہ کرنے والا آدمی ایک بات جسے محسوس کرتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے سرکارؐ کے مقام رفیع کا بے شمار اندازوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور اس حسن و جمال کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ انسان کھو جاتا ہے۔ کہ یہ کیا ہی پیارا، کیا ہی نرالا انداز بیان ہے؟ کوشش یہ ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ حیات طیبہ کے چند پہلو واضح کیے جاسکیں۔ اور آگے بڑھ کر پھر قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے جتنے بھی انداز سامنے آتے جائیں ان سب کا تجزیہ ہوتا جائے۔ یہاں دو صفات اور ہیں۔ جن کا تذکرہ قرآن پاک نے کیا ہے۔ ایک ہے کہ سرکارؐ بشیر ہیں۔ بشیر کا معنی ہوتا ہے خوشخبری دینے والا۔ اس خوشخبری کی نوعیات کیا ہیں؟ خوشخبری کی کتنی قسمیں ہیں؟ اس طویل موضوع کو بھی چند جملوں میں سمو دینا چاہتا ہوں۔ کہ کبھی تو خوشخبری یہ تھی کہ اللہ کریم سے ملا دیا، کبھی خوشخبری یہ تھی کہ قرآن حکیم ہم تک پہنچا دیا، کبھی خوشخبری یہ تھی کہ ہماری عاقبت سنوارنے کے لئے جنت کی اطلاع فرمادی۔ کبھی خوشخبری یہ تھی کہ اس بگڑی ہوئی کائنات کو جس میں آپ تشریف لائے تھے۔ اسے راہ راست پر چلا دیا۔ کسی انسان کی عظمت کی سب سے بڑی علامت یہ ہوتی ہے کہ دیکھا جائے کہ جب وہ تشریف لائے ہیں تو جن کے پاس آئے تھے ان کی کیفیت کیا تھی؟ اور جب ان کے پاس سے واپس تشریف لے گئے ہیں تو اس وقت ان کی کیفیت کیا تھی؟ یہ ہے وہ معیار جس پر انسانوں کو جانچا جاتا ہے۔ جب آپ سرکارؐ کو اس انداز سے جانچنے کی کوشش کریں گے۔ تو آپ حیرت زدہ ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ دنیا میں سے کسی انسان کو اتنا کام نہیں دیا گیا جتنا سرکارؐ کو دیا گیا تھا۔ اور اس کام کے لیے جو وقت ہے وہ بے حد محدود ہے۔ مکی اور مدنی تبلیغی عرصے کو ملا کر 23 سال شمسی نہیں بنتے بلکہ 22 سال اور 6 ماہ بنتے ہیں تقریباً۔ ان ساڑھے بائیس سالوں میں جس انداز سے انقلاب آیا ہے، بشیرؐ نے اپنی بشارتوں سے جس طرح کائنات کو نوازا ہے اور پھر جس طریقے سے بگڑے ہوؤں کو اللہ کی گرفت، اللہ کے عذاب اور اللہ کی باز پرس سے ڈرایا ہے۔ کائنات میں ایک بھی ایسا فرد نہیں جسے اس طریقے سے پیش کیا جاسکے۔

اس لیے قرآن نے یہ دو لفظ خصوصیت سے بار بار ذکر کیے ہیں۔ بار بار کہا ہے کہ محبوب اقدسؐ کی حیات طیبہ دو حصوں

Marfat.com

میں عیاں ہوئی ہے۔ وہ بنی نوع انسان کے ایک حصے کے لیے بشیر ہیں اور بنی نوع انسان کے دوسرے حصے کے لیے نذیر ہیں۔ ایک گروپ کو اس کے حسن عمل پر بشارتیں دیتے ہیں اور دوسرے گروپ کو اس کے انکار پر، اسکی بدعملی پر ڈرایا کرتے ہیں۔ اور مشن یہ ہے کہ وہ داعی الی اللہ ہیں۔ اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور بلاتے کیسے ہیں؟ کیا یہ ذہنی انداز ہے جسے سامنے رکھ کر وہ بلا رہے ہیں، تو قرآن نے اس کی تردید کردی ہے اس نے کہا **"باذنه"** وہ اللہ کی طرف اللہ کے اذن سے ہی بلاتے ہیں۔ اب اللہ کی طرف بلانے والے دو حصوں میں اس **"باذنه"** کے لفظ سے بٹ جائیں گے۔ ایک حصہ وہ ہے جو داعی الی اللہ تو ہے۔ لیکن اس کی دعوت اللہ کے اذن سے نہیں ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ شیطان سے جب اللہ نے فرمایا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جا، تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے دعوت توحید دی لیکن وہ دعوت توحید اللہ کے اذن سے نہیں تھی۔ تو جو بات اللہ کے اذن سے نہ ہو اس میں نہ کمال ہوتا ہے اور نہ اس میں جمال ہوتا ہے۔ وہ دونوں باتیں اکھڑ جایا کرتی ہیں۔ لہذا اس کی دعوت الی اللہ تھی وہ کہتا تھا کہ آپ کو مانتے ہوئے میں کسی اور کے سامنے کیسے سجدہ ریز ہو جاؤں۔ اور اسی بات کو رب کریم نے چونکہ وہ "باذنه" بات نہیں تھی۔ اس کی تردید فرمادی کہ بات وہی مقبول ہوتی ہے۔ جو اذن ربانی کے ساتھ ہو۔ اور چونکہ اذن ربانی اللہ والوں کے ساتھ ہے اس لیے قرآن پاک نے کہا!

"داعياً الى الله باذنه" ٥ (کہ وہ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اللہ ہی کے اذن سے)

اسے بیان کرتے ہوئے بڑے عجیب انداز سے شہرہ آفاق تفسیر مظہری میں مصنف نے بڑا پیارا جملہ لکھا کہ!

"انه صلّى الله تعالىٰ عليه و آله وسلم كا ن بلسانه داعياً الى الله " ٥

ترجمہ: ''کہ سرکارؐ اپنی زبان سے تو داعی الی اللہ تھے''۔

"وبقلبه و قالبه كان مثل سراج " ٥ (اپنے دل اور اپنے جسم کے حساب سے آپؐ سراج تھے)

اس سراج کا کام کیا تھا؟ ایک مصنف نے انتہائی بلیغ فقرے میں اس بات کو واضح کیا۔

"يعلون المومنون بالوانه" ٥ (کہ سرکارؐ مومنوں پر رنگ چڑھاتے تھے)

اس رنگ کی کئی قسمیں ہوتی تھیں۔ میں اس رنگ کو ان صفات سے تعبیر کرتا ہوں جو سرکارؐ کی ذات قدسیہ صفات میں موجود تھیں۔ اور انہی کے ذریعہ سرکارؐ کسی کو مقام صداقت پر لے جاتے تھے۔ کسی کو مقام عدالت پر لے جاتے تھے۔ کوئی سخاوت کا نمائندہ ہوتا تھا۔ کوئی شجاعت کا نمائندہ ہوتا تھا۔ کوئی شہادت کا ترجمان ہو جاتا تھا۔ یہ وہ بات ہے جسے مصنف تفسیر مظہری آیت اللہ حضرت ثناء اللہ نے ان لفظوں میں تعبیر کیا۔

"يعلون المؤمنون بالوانه" ٥ (مومنوں کو اپنے رنگ میں رنگتے رہتے تھے۔)

Marfat.com

"ویتنورون بانوارہ" (اور انہیں اپنے انوار سے منور کرتے رہتے تھے)

یہ وہ الفاظ ہیں جو داعی الی اللہ کی نسبت سے مصنف تفسیر مظہری نے نقل کیے۔

اب آپ کی دعوت کا انداز جو ہمارے سامنے آتا ہے، وہ بھی بڑا نرالا ہے ایک دعوت وہ ہے جو زبان سے دی جاتی ہے۔ اس کے لیے عقلی دلائل ہوتے ہیں۔ قرآنی آیات ہوتی ہیں، احادیث ہوتی ہیں۔ ایک دعوت وہ ہے جو زبان سے نہیں ہوتی۔ نگاہوں سے پڑھائی جاتی ہے۔ یہ وہ دعوت ہے جس کیلئے اقبالؒ نے کہا!

نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہمنشین مجھ سے وہ چشم سرما سا کیا ہے

تو یہ وہ ادا ہے جو سرکارؐ کی نگاہ پاک میں ہوتی ہے۔ اور اسی ادا کو سامنے رکھ کر سیدنا صدیق اکبرؓ نے ایک غیر فانی جملہ ارشاد فرمایا تھا۔ وہ غیر فانی جملہ یہ تھا۔ جب سرکارؐ نے پوچھا ابوبکرؓ آپ کی کیا خواہش ہے۔ تو سیدنا صدیق اکبرؓ نے جواباً عرض کیا حضورؐ میری خواہش صرف ایک ہے کہ میں بیٹھا رہوں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آپ کے ماتھا اقدس پر نگاہیں گاڑے رکھوں۔ بس صرف یہ ایک خواہش ہے۔ اب آپ اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کی دعوت الی اللہ کے رنگ کیا کیا ہیں؟ کہ کبھی وہ زبان سے ہوتی ہے، اور کبھی وہ آنکھوں سے ہوتی ہے، کبھی اس ماتھے سے ہوتی ہے، جس سے نور کی خیرات لینے کے لیے سورج اور چاند حاضریاں دیتے ہیں۔ کبھی اس ماتھے سے ہوتی ہے۔ جسے دیکھ کر صدیق اکبرؓ تڑپ اٹھتے ہیں، جسے دیکھ کر حضرت بلالؓ وجد کھا جاتے ہیں، تو یہ وہ ساری باتیں ہیں جو سرکارؐ کی دعوت کے ساتھ ہیں۔ لیکن اس دعوت کو عام کرنے کے لیے قرآن نے اور سنت نے جو بات ہمیں بتائی ہے وہ یہ تھی کہ حضورؐ فرمائیں تو وہ بھی سند ہے، حضورؐ کوئی کام کریں تو وہ سند ہے، کوئی کر رہا ہو اور حضورؐ منع نہ فرمائیں تو وہ بھی سند ہے۔

سرکارؐ ایک انداز سے کام کرتے ہیں۔ صحابہ عالی مقام اسی انداز کو من وعن نقل کرتے ہیں۔ حدیث میں ایک بڑا نفیس واقعہ آتا ہے۔ کہ ہمارے امام اعظم کے دادا استاد سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ جو سرکارؐ کے بڑے پیارے صحابی ہیں، حدیث بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر رک گئے کوئی لفظ نہیں کہہ رہے، لیکن ہونٹوں کو ہلا رہے ہیں شاگرد نے پوچھا حضرت اونچا فرمایئے تاکہ میں سن سکوں۔ جواب ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوا کہ محبوب اقدس نے اس مقام پر ہونٹ ہلائے تھے مجھے کوئی بات سمجھ نہیں آئی، لہٰذا میں تو اس حسن مطلق میں کھو کر ان اداؤں کو سلام کر رہا ہوں، ان اداؤں کو نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تو پتہ چلا کہ جہاں وہ

Marfat.com

ہونٹ ہلاتے ہیں سمجھ میں بات نہیں آتی۔صحابی ایمان کی تکمیل اس میں سمجھتا ہے کہ وہ بھی ہونٹ ہلاتا رہے گا، خواہ بات سمجھ نہ آئے۔

حضور حیدر کرارؓ گھوڑے پر سوار ہوئے تو مسکرادیے، آپ کا خادم سامنے تھا، جس نے گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی۔اس نے سمجھا کوئی مجھ سے غلطی ہوگئی ہے جس پر امیرالمومنین اس انداز سے مسکرارہے ہیں۔حضرت! کیا گستاخی ہوئی ہے؟ آپ مجھے دیکھ کر مسکرائے کیوں ہیں؟ جواباً ارشاد یہ تھا۔ تجھے دیکھ کر کون مسکرایا ہے۔ایک دن سرکارؐ گھوڑے پر سوار ہوئے تھے۔تو آپ اس کیفیت میں تھے جس کیفیت پر تو نے مجھے مسکراتے دیکھا ہے جب میں اس کیفیت میں پہنچا ہوں تو میں بھی مسکرانے لگ گیا ہوں۔میں تو اپنے محبوبؐ کی نقل کر رہا تھا۔میں نے جان بوجھ کر ایسی بات نہیں کی، نہ تجھے دیکھ کر ایسی بات کی ہے۔

جب انہیں مسئلے کی سمجھ نہیں آتی تھی۔تو پھر کیا ہوتا تھا۔حضرت حیدر کرارؓ یمن سے حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں اور سرکارؐ آخری حج کے لیے مدینہ سے تشریف لا رہے ہیں حدیث کی سب کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے، بخاری سے لے کر نیچے تک کہ جب حضرت حیدر کرارؓ کی ملاقات ہوئی تو سرکارؐ نے پوچھا علی (چونکہ حج کی تین قسمیں ہوتی ہیں حج مفرد، تمتع اور حج قرآن) آپ جب احرام باندھ رہے تھے تو حج کے لیے کیا نیت کی تھی؟ حضرت حیدر کرارؓ کا یہ جواب سنہری الفاظ سے مومنوں کے دلوں پر لکھا ہوا ہے۔الفاظ یہ تھے۔

"اللّٰھم انّی اھل بما اھل نبیک بہ صلّی اللہ علیہ وسلم "O

ترجمہ: ''اے اللہ میرے احرام کی نیت وہی ہے جو مصطفیؐ کے احرام کی نیت ہے''۔

میری اپنی نیت کوئی نہیں ہے۔یہ ہے وہ اتباع کا جذبہ اور یہ ہے وہ دعوت الی اللہ جو زبان سے ہو رہی ہے، جو نگاہوں سے ہو رہی ہے، جو حرکات وسکنات سے ہو رہی ہے، جو نشست و برخاست سے ہو رہی ہے، اور قوم کو کیا کہا جا رہا ہے۔کہ وہ داعی الی اللہ اس انداز سے نہیں ہیں۔جس انداز سے باقی دعوت دینے والے دعوتیں دیتے ہیں۔وہ باذن ربانی داعی الی اللہ ہیں۔لیکن سراج منیر ہیں، وہ سراج منیر ہیں۔سراج کا معنیٰ 'دیا' کیا گیا ہے۔اور عربی لغت میں سراج ''دیئے'' کو کہتے ہیں۔یہاں مفسرین نے بے شمار تاویلات کی ہیں۔اور 'دیئے' کو چاند اور سورج سے افضل ثابت کرنے کی کوششیں فرمائی ہیں وہ میں آپ کے سامنے نقل کر دوں گا۔تاکہ آپ کو تفسیر کا تاریخی ارتقاء بھی پتہ چل جائے، لیکن میری تحقیق وہ نہیں ہے، میری تحقیق اس ترجمے سے ہٹ کر ہے۔انہوں نے کہا کہ سراج منیر روشن دیا۔دلیل یہ دی کہ سورج میں تمازت ہوتی ہے، سورج جلا دیا کرتا ہے، لہذا سورج نہیں کہنا چاہیے۔پھر چاند جو ہے اس کی روشنی اپنی نہیں ہوتی وہ ایک واسطے سے ہے، لہذا چاند بھی نہیں کہنا چاہیے۔تو دیئے کی روشنی میں تمازت بھی نہیں ہوتی اور جس طرح چاند روشنی دیتا ہے۔اسی طرح یہ بھی روشنی دے دیتا ہے لیکن کسی اور روشنی کا محتاج

Marfat.com

نہیں ہوتا۔انہوں نے یہ دلیل دی۔لیکن میرے دل کو یہ دلیل اس لیے اچھی نہیں لگی کہ دیئے کی روشنی بڑی محدود ہوتی ہے اور سرکارؐ کی روشنی لامحدود ہے۔اس کی حد یں متعین نہیں کی جاسکتیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیا سراج کا لفظ بول کر کہیں قرآن نے سورج مراد لیا ہے۔اگر قرآن خود بول پڑے کہ سراج سے مراد سورج ہے،تو پھر یہ لمبی تاویلات کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔قرآن نے بذات خود فرمایا ایک مقام پر یہ ارشاد ہوا کہ سورج بذات خود سراج ہی ہے۔

"وجعلنا الشمس سراجاً"o (کہ ہم نے سورج کو دیا بنایا ہے)

تو چھوٹا سا گھر ہو تو وہاں تو دیا کام دے سکتا ہے لیکن جب کائنات بے حد وسیع ہو تو پھر دیا چھوٹا سا کام نہیں دیتا قرآن نے بذات خود سورج کو دیا کہہ دیا ہے دوسرے مقام پر فرمایا!

"وجعلنا سراجاً وھاجاً"o (ہم نے سورج کو ایک بھڑکتا ہوا دیا بنایا ہے)

تو پتہ یہ چلا کہ قرآن نے دو مقامات پر سورج کو دیا کہا ہے۔تو یہاں بھی سراج سے مراد دیا نہیں ہے۔بلکہ سورج ہے۔لیکن سورج بھی وہ جس کی تشریح کرتے ہوئے عظیم ولی سیدنا غوث اعظمؒ نے کمالات مصطفویؐ کو دیکھا۔عربی میں ایک بڑا ہی نفیس اور لطیف شعر کہہ دیا ہے۔انہوں نے سوچا کہ نبی تو بہت سارے تھے۔وہ سارے کے سارے سورج تھے لیکن پھر ایک دن آیا کہ وہ سورج ڈوب گئے۔تو فرماتے ہیں!

افلت شموس الاولین و شمسنا ابداً علی الافق العلیٰ لا تغرب

کہ پہلے لوگوں کے سورج نکلے تھے۔لیکن وہ پھر ڈوب گئے۔یعنی پھر ان کا دین منسوخ ہوگیا۔اور پھر وہ سورج طلوع ہوا جس نے ڈوبنے کے لیے طلوع نہیں ہونا تھا۔جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہنا تھا۔اور کائنات اس سورج کو دیکھ کر حیرت زدہ ہوگئی۔وہ سوچنے لگے کہ اس سورج کی اصلیت کیا ہے۔کئی مقامات پر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔مثلاً انسانی وجود کو کاٹا جائے تو اس سے خون نکلتا ہے لیکن کیا آپ حدیث کی کسی کتاب سے یہ بات دکھا سکتے ہیں۔کہ سرکارؐ کے سینہ اقدس کو چیرا گیا تو اس سے خون آیا ہو؟ نہیں آیا،انسانی وجود خون کو بہا دیتا ہے لیکن وہاں جب سینے کو چیر دیا جاتا ہے آپ بخاری سے لے کر مشکوۃ تک بیسیوں کتابیں مطالعہ فرمالیں۔سب کہتے ہیں کہ خون نہیں نکلا۔انسانی وجود دل کا محتاج ہوتا ہے دل نکال دیں تو وجود ختم ہوجاتا ہے۔لیکن یہاں دل جسم سے نکل جاتا ہے اور پھر زندگی بھی باقی رہتی ہے،وجود بھی باقی رہتا ہے۔اور پھر دل نہ ہوتے ہوئے بھی سرکارؐ اس واقعہ کو اپنی زبان سے بیان فرماتے ہیں۔یہاں خون نہیں نکلتا،لیکن احد کے میدان میں جب آپ کو زخمی کر دیا جاتا ہے،دانت مبارک شہید ہوجاتے ہیں۔ماتھا اقدس زخمی ہوجاتا ہے۔وہاں خون نکل آتا ہے۔یہاں خون نہیں نکلتا۔وہاں خون نکل آتا ہے۔صحابہ دوڑ رہے ہیں۔کہ یہ خون کہیں زمین پر نہ گر جائے۔اگر یہ خون زمین پر گر جائے۔اگر یہ خون زمین پر گر جائیگا۔تو

Marfat.com

خدا جانے کیا مصیبت پڑ جائے گی۔خون صحابہ اپنی زبان سے چاٹ رہے ہیں۔آپ حدیث کی جس کتاب کو چاہیں ملاحظہ فرمالیں۔کہ یہ خون نیچے نہیں گرنا چاہیے۔اب ہم شریعت سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ خون پاک نہیں ہوتا۔لہذا اسے پینا جائز نہیں ہے۔اب سوال یہ ہے کہ صحابہ کس انداز سے اس خون کو چاٹ رہے تھے۔کہ یہ نیچے نہ گرے۔یہاں تو عجیب منظر ہے کہ وہ وضوفرما رہے ہیں تو صحابہ عالی مقام اس پانی کو جو وضو کا پانی نیچے گر رہا ہے اسے زمین پر گرنے نہیں دیتے۔اپنے ہاتھوں پر لے کر جسم پر مل لیتے ہیں۔آپ تھوک پھینکتے ہیں۔اسے زمین پر گرنے نہیں دیا جاتا۔اسے صحابہ ہاتھوں پر لے لیتے ہیں۔اور جسکے حصے میں کچھ نہیں آتا وہ دوسرے کو کہتا ہے آپ کا ذرا سا ہاتھ تر تو ہے ناں اس کو میرے ہاتھ کے ساتھ پونچھ دیں تاکہ ان برکتوں میں میں بھی شریک ہوسکوں۔اب آپ اندازہ لگایئے اسی مقام کو غالباً سوچتے ہوئے لسان العصر اکبر آلہ آبادی نے ایک مصرع کہہ دیا کہ!

شریعت میں تو بندہ ہے حقیقت میں خدا جانے

ہم نے دیکھا کہ ایک مقام پر لہو نہیں آ رہا، دوسرے مقام پر لہو آ رہا ہے۔اب انسانی وجود کے لیے دو باتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں، متضاد ہیں۔لہذا بات نہیں بنتی۔تو مقام نبوت کو پہچاننے والے جب آگے بڑھتے ہیں تو ان کا نظریہ ایک ہی ہوتا ہے کہ

"الله العلمین "O

یہی بولے سدرہ والے چمنِ جہاں کے تھالے

سبھی ہم نے چھان ڈالے کوئی ترے پایہ کا نہ پایا

اور کیوں نہ پایا کہ تجھے اک نے اک بنایا

بنانے والا بھی بے مثل تھا اور بننے والا بھی بے مثل ہے۔لیکن ہمارے سامنے جس بات کو موضوع بحث بنا دیا۔وہ یہ ہے کہ سرکار بشر ہیں اور پھر اس سے آگے نکل کر مزید فقرہ یہ اسکے ساتھ ملایا گیا کہ ہماری طرح کے بشر ہیں۔آیئے سراج منیر کی شرح کرتے ہوئے مقام بشریت کی بھی وضاحت ہو جائے۔کہ ہمارے سامنے قرآن پاک ہے۔قرآن سے پوچھتے ہیں کہ تو رب کی کتاب ہے ذرا یہ بتادے کہ تیرے نزدیک بشر یا انسان کتنی قسم کے ہوتے ہیں۔جب وہ بات سامنے آجائے گی تو وضاحت ہو جائیگی۔جہاں قرآن پاک نے انسانیت کی تخلیق کا ذکر کیا وہاں یہ بات وضاحت سے ارشاد فرمائی۔

"اذقال ربّک للملائکۃ انّی خالقٌ بشراً من طین "O

یہ الفاظ قرآن پاک کے ہیں۔

آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر بنانے والا ہوں وہ مٹی سے بنا ہوگا۔پتہ چلا کہ ایک بشر وہ ہے جو مٹی

سے بنتا ہے اور دوسرے مقام پر قرآن نے اسی کو ان لفظوں میں ذکر کیا۔

"الذی احسن کل شئی خلقه و بداخلق الانسان من طین"O

کہ انسان کا آغاز مٹی سے ہوا اس سے پتہ چلا کہ بشر اول مٹی سے بنے تھے۔ تو کیا آج بھی ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ مٹی اکٹھی ہو جائے تو اس سے انسان بن جائے۔ کہیں بھی یہ بات مشاہدے میں نہیں آئی کہ مٹی اکٹھی ہو اور اس سے انسان بن جائیں۔ اس کا پھر دوسرا طریقہ کیا تھا قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا!

"ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهین"O

''پھر اللہ کریم نے انسان کی نسل کو پانی کی چند بوندوں پر موقوف رکھا''۔

اب پتہ چلا کہ بشر مٹی سے بنا تھا۔ پھر بشر پانی سے بنا ہے۔ یہ دوسری قسم کا بشر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کسی اور بشر کی بھی بات بتاتا ہے۔ تو ایک بشر اور بھی ہے جس کا قرآن ذکر کرتا ہے۔

"ومریم بنت عمران التی احصنت فرجها فنفخنا فیه من روحنا"O

مریم جنہوں نے اپنے طہارت کے مقام کو پاک رکھا ہم نے اپنی پھونک سے انہیں بچہ عطا کر دیا۔ پتہ یہ چلا کہ ایک بشر وہ بھی ہوتا ہے جو ہوا سے بنتا ہے پھونک سے بنتا ہے۔ یہ بشر کی تیسری قسم ہے میں اس لیے دہرا رہا ہوں کہ بات کی وضاحت ہو سکے۔ ایک تو وہ بشر ہوا تھا جو ابوالبشر ہے، اور اس کی تخلیق مٹی سے ہوتی ہے، ایک وہ بشر ہے جو پانی کے چند قطروں سے بنتا ہے۔ تیسرا وہ بشر ہے جو پھونک سے بنا ہے۔ قرآن پاک نے کیا کسی اور بشر کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو ان تین قسموں کے علاوہ ہو۔ حضرت عیسیٰؑ کے لیے!

"وفنفخنا فیها من روحنا"O

بھی قرآن پاک میں آتا ہے۔

اب چوتھا بشر ایک اور ہے۔ جناب جبرائیلؑ کو حکم ہوتا ہے۔ کہ جاؤ مریم کی خدمت میں حاضری دو۔ انہیں بچے کی بشارت دے دو۔ وہ غسل خانے میں ہیں کہ وہاں جناب جبرائیل کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن پاک نے فرمایا جناب جبرائیل تشریف لاتے ہیں تو کس انداز سے آتے ہیں۔

"فتمثل لها بشراً سویا"O

وہ بڑے ٹھیک ٹھاک انسانی روپ میں ان کے سامنے تشریف لے آئے۔ اب جبرائیل کی اصلیت نور ہے۔ پتہ چلا کہ جناب جبرائیل نور ہوتے ہوئے بھی بشری لباس میں جناب مریم کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ میں نے قرآن پاک کا جتنا

Marfat.com

کا مطالعہ کرتا ہوں تو اس کے سائے تک بھی پہنچنے سے عاجز ہوں پھر شاعری کس لیے کروں۔ جب ذوق سلیم اندر سے بیدار ہوتا ہے تو میں شاعرانہ انداز سے ترنم کے ساتھ قرآن پڑھ لیتا ہوں امرء القیس کا تو بڑا مشہور واقعہ ہے کہ جب سورہ الکوثر نازل ہوئی تو حیدر کرارؓ نے اسے لکھ کر کعبہ کے ساتھ چسپاں کر دیا اس دور میں ہر اچھی عبارت کو کعبہ کے ساتھ لگا دیا کرتے تھے۔ امرء القیس وہاں سے گزرا اس نے سمجھا کہ یہ رباعی ہے تین مصرعے لکھ دیئے ہیں اور چوتھا مصرعہ امتحان کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔ پہلا مصرعہ **"انّا اعطینک الکوثر"** ہے۔ دوسرا مصرعہ **"فصلّ لربّک وانحر"** ہے۔ اور **"انّ شانئک هو الابتر"** تیسرا مصرعہ ہے۔ چوتھا مصرعہ نہیں ہے تو لیجئے میں امتحان دیتا ہوں۔ وہ اس دور کی روایت کے مطابق کعبہ کا طواف کرتے ہوئے چوتھا مصرعہ سوچ رہا تھا۔ پہلا چکر ہو گیا جواب نہیں بنا۔ وہ چار چکروں کے بعد محسوس کرنے لگا کہ میری شاعری کو کیا ہو گیا ہے۔ میں رباعی تک کے چوتھے مصرعے کو پورا نہیں کر سکتا۔ سات چکر پورے ہو گئے جب چوتھا مصرعہ نہ بنا تو آخری چوتھا مصرعہ یہ لگا دیا۔

"ماهذا کلام البشر" ٥

ترجمہ: "یہ انسان کا کلام نہیں ہے"۔

یعنی ہتھیار پھینک دیئے کہنے لگا اگر یہ انسان کا کلام ہوتا تو میں چوتھا مصرعہ بڑی آسانی سے پر کر لیتا۔ حالانکہ فصاحت کا یہ عالم تھا کہ جب اس کے دشمنوں نے اسے پکڑ لیا قتل کرنے لگے اور کہا کہ کوئی آخری پیغام ہے تو بتا دو اس نے کہا کہ میری گلی سے گزرتے ہوئے بلند آواز سے یہ مصرع پڑھ دینا۔

"یا بنتی امرء قیس ان ابا کما"

ترجمہ: "امرء القیس کی دو بیٹیو! تمہارا باپ"۔

وہ روتی ہوئی چیختی ہوئی باہر نکل آئیں پکڑ لیا کہ تم ہمارے باپ کے قاتل ہو، پوچھا کہاں سے پتا چلا ہے کہ ہم تمہارے باپ کے قاتل ہیں انہوں نے کہا کہ وہ شاعر تھا بات سمجھا گیا ہے کہ مصرعہ اس کے علاوہ بن ہی نہیں سکتا۔

"قتل وقا تلاه لدا کما"

"وہ تو مارا گیا اور قاتل تمہارے پاس موجود ہیں"۔

اگلا مصرعہ بن ہی یہی سکتا ہے فصاحت کا یہ عالم ہے۔ لیکن قرآن آتا ہے تو وہ اس انداز سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے چیلنج کرتا ہے پہلے یہ کہتا ہے کہ اس جیسی ایک کتاب پیش کرو مناظرے کے فن کا یہ طریقہ ہوتا ہے دلیل اوپر سے لے کر نیچے کی طرف اترتے آؤ تا کہ مقابل کو پوری طرح سے جواب دیا جا سکے جب جواب نہ بن سکا تو قرآن پاک نے اگلی بات یہ کہی کہ دس سورتیں اس کے مقابلے میں لے آؤ یہاں بھی بات نہ بنی تو پھر کہا کہ:

بھی اعمانی نظر سے مطالعہ کیا مجھے یہ چار قسم کے ہی بشر ملے ۔ پانچویں قسم کا بشر مجھے قرآن سے نہیں ملا ۔ ایک وہ بشر جو مٹی سے بنا اور اسے پاکیزہ کر گیا اور ایک وہ بشر ہے جو پانی سے بنا اور پانی سے بن کر پانی کو طہارت عطا کر گیا ہے، ایک وہ بشر ہے جو ہوا سے بنا ہے، پھونک سے بنا ہے اور ہوا کو انسانی ضرورت قرار دے گیا ہے، ایک بشر ہے جو نور ہوتے ہوئے بشری لباس میں آ گیا ہے اور قرآن نے اسے!

"فتمثّل لها بشراً سويا"o

کہا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھاک انسانی شکل میں حضرت مریم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ۔ اور مریم نے اللہ کی پناہ چاہی کہ اس خلوت کدے میں یہ انسان کدھر سے آیا ہے ۔ پھر وہ آنے والا انسان بول پڑا کہ میں تو آپ کے رب کا قاصد ہوں ۔

"لا هب لک غلاماً زكيّا"o

میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو ایک بڑا دانا بچہ دیکر جاؤں ۔ دیکھیں یہ مجاز ہوتا ہے ۔ ہمارے بہت سے ناسمجھ لوگ ذرا ذرا بات پر فتوے لگاتے رہتے ہیں جناب جبرائیل نے یہ بات نہیں کہی کہ اللہ آپ کو بچہ عطا کر رہا ہے ۔

"لاهب"o (تاکہ میں عطا کروں) اپنی طرف نسبت کی ہے ۔ **"لک"o** (تجھے) **"غلاماً زكيّا"o** (ایک ایسا بچہ جو بڑا ذہین اور فطین ہو)

اب مائی صاحبہ تو فوراً بول پڑیں کہ میرا کسی انسان سے تعلق نہیں ہے ۔ بیٹا کیسے ہوگا ۔ تو جواب یہی تھا کہ اللہ کا حکم ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں ۔ بڑا عجیب انداز ہے کہ مائی آخری مرحلے پر ایک درخت کے نیچے تشریف لے جاتی ہیں ۔ ساری باتوں کے ہوتے ہوئے ایک کنواری خاتون کے گھر بچہ ہو رہا تھا ۔ تو ان پر کیا بیت رہی ہوگی ۔ وہ وہاں پہنچتی ہیں بات عجیب سی ہے کہ بچہ آ گیا ہے اسے گھٹی کیسے ڈالی جائے ۔ مجھے خود بھوک محسوس ہو رہی ہے میں کیا کروں ۔ قرآن کا ارشاد ہے ۔

"هزّی اليک بجذع النّخلة تساقط عليک رطباً جنياً"o

مریم کھجور کے درخت کو ذرا ہلا دے ۔ یہ مائی صاحبہ کی کرامت ہے جو امام فخر الدین رازی نے بڑے طویل انداز سے بیان فرمائی ہے، کھجور کا درخت ہلایا نہیں جاتا ۔ اور نہ ہلانے کی وجہ سے کھجوریں گرا کرتی ہیں ۔ کھجور کے درخت سے پھل لینا تو بڑا عجیب سا مرحلہ ہوتا ہے تو یہاں ارشاد فرمایا کہ تیرے بس میں اسے ہلانا ہے ہمارے ذمہ انہیں گرانا ہے یہ تیرا کام نہیں ہے ۔ جو تیرے بس میں ہے وہ کر دے جہاں تیرا بس ختم ہو جائیگا آگے ہمارا حکم شروع ہو جائے گا یہی وہ بات ہے جو سرکارؐ نے ایک حدیث میں سمجھائی کہ

"اعقل ثم توكل "o (پہلے اونٹ کو ڈھنگا لگا اس کے بعد توکل کر)

جو تیرے بس میں ہے ناں اسے کر کے پھر توکل کی طرف بڑھ جا۔ یہ ایک اصول بن گیا شریعت کا کہ جہاں تک انسانی قوتیں ہیں ان قوتوں کو استعمال کرنا ضروری ہے اور جب آپ کی قوتیں ختم ہو جائیں تو قوتیں پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرنا ہے۔ کہ الہ العالمین تو نے جو قوتیں دی تھیں میں نے انہیں استعمال کر لیا ہے۔ اب ان کے حسین نتائج میرے ذمہ نہیں ہیں۔ وہ آپ کے ذمہ ہیں۔ اب قرآن پاک میں چار قسم کے بشر ہیں جن کا ذکر کیا۔ اور جو ہوائی بشر تھا اس کا کمال یہ ہے کہ ادھر پیدا ہوا ادھر قبیلے کے لوگ مریم کے پاس آگئے مریم آپ نے کیا کر دیا ہے۔

"ماکان ابوک امرء سوء وماکانت امّک بغیاً" ٥

''تو تو بڑے اچھے خاندان کی تھی، تیرے ماں باپ ایسے نہیں تھے۔ یہ بچہ کیسے آ گیا ہے''۔

"فاشارت الیہ" ٥ (انہوں نے ادھر اشارہ فرما دیا)

صرف اشارہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے۔

"قال انّی عبداللّٰہ" ٥ (میں اللہ کا عبد ہوں)

عبد ہوتا کیا ہے اس پر مستقل انشاء اللہ ایک لیکچر ہوگا۔ اور پھر پتہ چلے گا کہ مقام عبدیت کیا ہے۔

"انّی عبداللّٰہ" ٥ (میں اللہ کا عبد اور بندہ ہوں)

"اٰتانی الکتاب" ٥ (اللہ نے مجھے کتاب عطا فرمادی ہے)

ماضی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

"وجعلنی نبیاً" ٥ (اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بھی بنا دیا ہے)

یہ ''اٰتا'' بھی Past Tense ہے اور **جعلنی** بھی Past Tense ہے۔ اب ان حضرات سے آپ خود پوچھ سکتے ہیں۔ جو آپ کے نبی کے لیے چالیس سال چھ مہینے کا عرصہ مقرر کرتے ہیں کہ انہیں تو تب نبوت ملی تھی۔ یہ تو ان کا فتویٰ ہے۔ صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ!

"متٰی وجبتک النبوۃ" ٥

اگر چہ یہ چالیس سال چھ مہینے والی بات ٹھیک تھی تو صحابی کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیا تھی۔ ان کے سامنے جو اعلان نبوت ہوا تھا۔ کہ سرکارؐ آپ پر نبوت کب لازم ہوئی۔ تو جواب یہ تھا کہ!

کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین۔ ''میں تو نبی تھا جب آدمؑ پانی اور کیچڑ کے مراحل سے گزر رہے تھے''۔

تو جو بشر ہوائی ہے اس نے پیدائش کے چند لمحوں بعد یہ بات کہہ دی کہ!

"قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیاً" ٥

اور جو بشر خاک والا تھا مٹی والا ادھر اس میں نفخ روح ہوتی ہے۔ ادھر ساتھ ہی حکم ہوتا ہے فرشتو اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤ۔ اس مٹی کی عظمت کو سلام جس کی کیفیت یہ تھی کہ نورانی مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے اس مٹی کے سامنے سجدے میں گرا دیا۔ اور جو بشر ہوا سے بنا تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ابھی وہ پنگوڑوں میں بھی نہیں پہنچا تھا اور کہہ رہا تھا کہ!

"انی عبداللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیاً" ٥

اور جو بشر نور ہو کر انسانی لباس میں آیا تھا اگر وہ خالص نور تھا تو پیغام لاتا تھا۔ جب انسانی لباس میں آیا تو ایک اور شکل میں متشکل ہو گیا۔ لیکن وہاں کس انداز سے آیا تھا یہ تو اس کی اپنی مرضی ہے کہ جس انداز سے آیا تھا۔ قرآن نے کہا کہ وہ بشری لباس میں آیا تھا۔ لیکن جب میرے محبوب کی خدمت میں حاضری ہوئی تو پھر وہ دحیہ کلبی کی شکل میں آیا۔ کہ یہ بڑا مسکین صحابی ہے اسکی شکل میں حاضر ہوں گے۔ تو مصطفیٰ ؐ بڑے خوش ہوں گے۔ دحیہ کلبی کی شکل میں آئے۔ آ کر مختلف مسئلے پوچھے۔ اٹھ کر واپس نکلے تو سرکارؐ نے پوچھا یہ کون تھا۔ حضور دحیہ تھے۔ فرمایا دحیہ کو واپس بلاؤ۔ باہر نکلے تو دحیہ کلبی نامی تو کہیں موجود نہیں ہے۔ پلٹ کر کہا کہ حضورؐ دحیہ کلبی یہاں کہیں بھی نہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ دحیہ ہم نے یہاں نہیں دیکھے۔ سرکارؐ نے فرمایا وہ جبرائیل تھے۔ جو تمہارے پاس آئے تھے۔ تاکہ دین کے مسائل تمہارے سامنے مجھ سے پوچھیں۔ جبرائیل کے بے شمار دفعہ (حضرت مریم کے پاس تو قرآن کی شہادت ہے) اور سرکارؐ کے سامنے مختلف اجسام میں آنے کی شہادت خدا جانے کتنی دفعہ ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہ کی ایک بہت بڑی مشہور حدیث ہے۔ جس میں حضرت عمرؓ ہی راوی ہیں اس حدیث کے۔ کہ بندہ آیا ہم دیکھ رہے تھے۔ کہ ہمارے دیس کا نہیں ہے۔ براق سفید لباس ہے۔ سرکارؐ کے قریب آ گیا اتنا قریب آ گیا کہ سرکارؐ کے مقدس گھٹنوں کے ساتھ اپنے گھٹنے ملا دیے۔ اور سرکارؐ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر سوال کرنے لگا۔ صحابہ سرکارؐ کے قدم چوما کرتے تھے۔ آپ کے ہاتھ چومتے تھے۔ اس بات سے ہٹ کر حدیث میں یہ موجود ہے کہ جس مقام پر بیٹھ کر سرکارؐ اٹھ جاتے تھے۔ اس مقام کو صحابہ آ کر چوما کرتے تھے۔ منبر پر جہاں جمعہ کی آپ تقریر فرمایا کرتے تھے۔ جب سرکارؐ اٹھ جاتے تو صحابہ عالی مقام اس جگہ کو چوما کرتے تھے۔ سرکارؐ کے مزار اقدس پر حاضری ہوتی تو سرکارؐ کی قبر کو بوسا دیا کرتے تھے۔ اور اس کا جواب ابوایوب انصاریؓ نے بڑے نفیس پیرائے میں دیا۔ آپ سرکارؐ کی قبر پر گال رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کہہ رہے تھے حضورؐ میرے دانت میں درد ہو گیا ہے۔ اللہ سے دعا فرمائیے کہ یہ ٹھیک ہو جائے۔

المستدرک للحاکم جو بخاری اور مسلم کی شرطوں کے مطابق حدیث کی کتاب ہے۔

پاس سے مروان گزرا، مروان اسلامی تاریخ کا کوئی اچھا کردار نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں جواب

Marfat.com

ملاحظہ ہو صحابی کا تا کہ تجزیہ ہو سکے۔ ارشاد فرمایا۔

"اتیت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وماتیت و ثنا"o

نا بینے دیکھ تو سہی میں تو مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، میں کسی بت کی خدمت میں حاضر نہیں ہوں۔ اللہ اللہ، قبر اقدس پر حاضری کو سرکار ﷺ کی حاضری قرار دیا ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جو قرآن نے ارشاد فرمائی ہے قرآن نے کہا!

"ولو انّھم اذ ظلموا انفسھم جاءُوك فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرّسول لو جدوا اللّٰہ توابارحیما"o

ترجمہ: ''اگر یہ ظلم کر دیں اپنی جانوں پر پھر آپ کے پاس آجائیں۔ وہاں آکر اللہ سے مغفرت طلب کریں''۔

اب کہا جاتا ہے کہ فلاں جگہ کیوں جاتے ہو جی کیا گھر رب نہیں سنتا، اسی ربّ کریم نے کہا ہے گھر نہیں مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر بات کر۔ اسی خدا نے خود فرمایا!

"فاستغفروا اللّٰہ "o (آپ کے پاس پہنچ کر وہ اللہ سے استغفار کریں)

"واستغفرلھم الرّسول "o (آپ تو رحمت اللعالمین ہیں آپ بھی ان کے لیے استغفار فرمادیں)

اب کیا ہوگا۔

"لوجدالله توابارحیما" o وہ توبہ قبول کرنے والا رحمان اور رحیم ضرور ہے لیکن اب رحمان اور رحیم بنے گا چونکہ آپ کے ہاتھ اٹھ گئے ہیں یہاں اہل علم کی خدمت میں یہ بات عرض ہے۔ کہ اسے قرآن نے مطلق چھوڑا ہے۔ اور جو بات قرآن مطلق چھوڑ دے اس کے ساتھ آپ کوئی قید لگا کر اسے پابند نہیں کر سکتے۔ فخر الدین رازی نے کہا، غزالی نے کہا، ثناء اللہ پانی پتی نے کہا، علمائے دیوبند نے کہا، علمائے بریلی نے کہا، دنیا بھر کے لوگوں نے کہا کہ مطلق کو مطلق چھوڑ جاتا ہے۔ اسے مقید نہیں کیا جاسکتا۔ تو یہاں پھر انہوں نے نتیجہ کیا اخذ کیا ہے۔ کہ اس آیت کا تعلق سرکار ﷺ کی ظاہری زندگی سے نہیں ہے۔ جب کبھی آپ کسی گناہ میں لتھڑے جائیں، تو پھر سرکار ﷺ کی زندگی میں حاضری دیں کیونکہ حکم مطلق ہے۔ اسے آپ مقید نہیں کر سکتے کہ وہ ظاہری دنیا میں تھے تب جانے کا حکم ہے۔ لیکن یہاں عارفوں نے ایک بڑی نفیس بات کہی کہ ظاہری حیات طیبہ میں جانا آسان تھا، اب بھی اصحاب ثروت کے لیے روضہ اقدس پر جانا مشکل نہیں ہے۔ لیکن غالب ترین تعداد ان لوگوں کی ہے جو وہاں جا نہیں سکتے۔ تو وہ کیا کریں، دل میں تصور محبوب قائم کیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ انسانی دل میں اتنی وسعتیں ہیں اتنی عظمتیں ہیں کہ یہ چودہ سو سال کا فاصلہ شے ہی کیا ہے۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

یہ تو بات ہی کوئی نہ ہوئی۔ یہ فاصلے سمٹ جاتے ہیں صرف محبت کی وہ چنگاری درکار ہے۔ جو روح میں آئے تو روح جلا پا

Marfat.com

جائے۔ جو دل میں آئے تو دل منور ہو جائے۔ جو جسم میں سمائے تو جسم کو بلالؓ اور حیدرؓ بنا دے۔ یہ وہ بات ہے جو اس نکتے سے پیدا ہوتی ہے۔ لہذا پھر وہاں پہنچنے کا طریقہ کیا ہوا۔ کہ آپ ظاہری آنکھوں کو بند کرلیں، دل کی آنکھوں کو کھولیں۔ مہمان عزیز کو دل کی دنیا میں بلالیں۔ جب مہمان عزیز وہاں آجائیں گے۔ تو

"لو جدو اللّٰہ توابا رحیما" ٥

بات پوری ہو جائیگی۔

اب سرکارؐ کی بشریت کیا ہو۔ چونکہ ہم نے چار قسم کی بشریت سامنے رکھی ہے۔ سرکارؐ کی بشریت کیا حضرت آدمؑ جیسی ہے۔ جی نہیں۔ حضرت جبرائیل جیسی ہے، جی نہیں، حضرت عیسیٰؑ جیسی ہے۔ جی نہیں، ان میں سے کسی کو بھی اللہ نے رحمت للعالمین نہیں کہا، ان میں سے کسی کو بھی اللہ نے سراجاً منیراً نہیں کہا ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا کہ!

"انا ارسلناک شاھداً" ٥

ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا!

"یا ایھا المزمّل" ٥

ان میں سے کسی کو یہ نہیں کہا!

"یا ایھا المدثر" ٥

لہذا سرکارؐ کی بشریت آدم والی بشریت نہیں۔ سرکار کی بشریت جبرائیل والی بشریت نہیں ہے۔ جناب کی بشریت حضرت عیسیٰؑ والی بشریت نہیں ہے۔ جناب کی بشریت وہ پانی والی نہیں۔ یہ وہ مقام ہے جو سرکارؐ خود ایک مقام پر واضح فرماتے ہیں کہ اللہ نے ساری مخلوق میں سے انسان کو چنا، انسانوں میں سے جناب آدمؑ کو چنا جناب خلیل کو چنا، اور پھر جب قوموں کی باری آئی تو ہاشمی خاندان کو چنا، اور پھر جب ہاشمیوں کی نوبت آئی تو پھر مجھے چن لیا۔ تو جو ساری کائنات کا انتخاب ہے وہ سید البشر تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے جیسا بشر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ ہماری صفات اس نور اور روشنی کی صفات کے خلاف ہیں۔ ہمارا کمال ان کی اتباع ہے، ان جیسا ہونے میں نہیں ہے۔ ورنہ قرآن کریم نے ان جیسا ہونے کو ایک اور انداز سے بیان کیا ہے۔ مثلیت کی بحث ہوئی تو انشاء اللہ قرآن کی وہ ساری آیتیں اکٹھی کرلیں گے، لیکن آپ کے لیے ایک چھوٹی سی بات کہتا ہوں کہ جتنے بھی جانور ہیں انکا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا!

"امم امثالکم" ٥

یہ بھی گروہ ہیں، امتیں ہیں، پارٹیاں ہیں جس طرح تم ہو۔ تو کیا کبھی انسان نے سوچا کہ کوا اور ہم ایک جیسے ہیں۔ یہ تو

Marfat.com

کہیں نہیں سوچا، قرآن نے تو انہیں آپ کی مثل کہا ہے۔ لیکن آپ کبھی انہیں اپنے جیسا نہیں کہتے۔ کیا درندوں کو آپ اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ یہ بات نہیں ہے شاید ایک درندے اور انسان میں فاصلہ کم ہوگا۔ کیونکہ روح انسانی کو چھوڑ کر باقی ساری تو تیں درندے میں بھی موجود ہیں۔ صرف روح انسانی نہیں ہے۔ تو جتنا ایک درندے اور انسان میں فاصلہ ہے وہ تو بہت کم ہے۔ نبوت اور انسان میں اس سے ہزار گنا زیادہ فاصلہ ہے۔ اور پھر نبیؑ اور ایک انسان کے درمیان جو فاصلہ ہے اسے تو ناپا ہی نہیں جاسکتا۔ اس نکتے کو سمجھانے کے لیے سرکارؐ نے ایک مقدس محفل میں بیٹھے ہوئے بڑے نفیس انداز سے ایک بات ارشاد فرمائی۔ وہ بات یہ تھی۔ کہ سرکارؐ مسلسل روزے رکھتے تھے، مسلسل کا مطلب یہ ہے کہ شام کو افطار نہیں فرماتے تھے۔ پھر صبح کو سحری نہیں کرتے تھے۔ ایک دو دن نہیں ہفتوں کے حساب سے یہ بات چلتی رہتی تھی۔ کہ نہ افطاری فرمائی ہے اور نہ سحری فرمائی ہے۔ صحابہ عالی مقام کو کیونکہ شوق ہوتا تھا کہ سرکارؐ کی ہر ادا نقل کرنا ہے۔ انہوں نے بھی یہ انداز اپنایا۔ کوئی تیسرے دن رہ گیا، کوئی پانچویں دن رہ گیا، کوئی ساتویں دن رہ گیا۔ رنگ پیلے پڑ گئے۔ اٹھتے ہیں تو لڑکھڑا کر گر جاتے ہیں لیکن زبان پر لفظ تک نہیں آتا۔ یہ حدیث بھی بخاری سے نیچے تک جہاں چاہیں دیکھ لیں۔ اور بخاری نے تو اسے بیسیوں سندوں کے ساتھ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اب سرکارؐ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیوں گر رہے ہو اٹھتے بیٹھتے یہ کیوں پیلے پڑ رہے ہو۔

"یا رسول اللہ نحن نو اصل فی الصیام" ۝ (آقا ہم بھی وصال فی الصیام کر رہے ہیں)

یعنی مسلسل روزے رکھ رہے ہیں۔ درمیان میں روزہ چھوڑتے نہیں ہیں۔ افطاری نہیں کرتے ہیں۔ فرمایا کس نے تمہیں کہا تھا کہ ایسا کرو۔ عرض کی یارسول اللہ آپ جو کرتے ہیں۔ اب ذرا جواب ملاحظہ ہو ارشاد فرمایا ایسا نہ کرو۔ (''ایکم مثلی'' تم میں مجھ جیسا ہے کون؟) صدیق اکبرؓ کو یہ دلیل نہیں سوجھی، فاروق اعظمؓ کو بھی یہ دلیل نہیں سوجھی۔ حضرت عثمان غنیؓ و حضرت حیدر کرارؓ کو بھی یہ دلیل نہیں سوجھی۔ آج جو دلیل دی جاتی ہے۔ کہ آپ کھاتے ہیں تو ہم بھی کھاتے ہیں۔ آپ پیتے ہیں تو ہم بھی پیتے ہیں آپ چلتے ہیں تو ہم بھی چلتے ہیں آپ بیٹھتے ہیں تو ہم بھی بیٹھتے ہیں اور اگر آپ کی اولاد ہے تو ہماری بھی اولاد ہے۔ یہ وہ دلائل ہیں جو آج دیے جاتے ہیں۔ لیکن صدیق اکبرؓ کو یہ دلیل تو اس لیے نہیں سوجھی کہ اس شیطانی دلیل کا مطلب مقام نبوت کو نیچے گرانا تھا۔ اور سیدنا صدیق اکبرؓ کا مقام یہ نہیں ہے وہ تو کہتے ہیں۔

"واللّٰہ یا رسول اللّٰہ ماعرفناك حق معرفتك" ۝

ترجمہ: "اللہ کے رسول اللہ کی قسم ہم نے آپ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق ہے"۔

وہاں صدیقؓ کہتے ہیں کہ ہم نہیں پہچان سکے۔ لیکن میں جب اوپر تحقیق کر کے نکلتا ہوں تو یہی بات جناب خلیل کہتے ہیں۔ اور یہی بات جناب جبرائیل کہتے ہیں۔ جبرائیل نے تو یہ بات کہہ دی تھی کہ حضورؐ آپ کو میں نہیں پہچان سکا۔ آپ کے

Marfat.com

مقام کو میں نہیں جان سکا۔اور قرآن نے جب تعارف کروایا تو یہ ارشاد فرمایا!

"فانّك باعيننا"o (محبوب آپ تو ہماری آنکھوں میں رہتے ہیں)

یہ صحیح ترجمہ ہے۔محبوب آپ ہماری آنکھوں میں ہیں۔محبوب جو خدا کی آنکھوں میں رہتا ہوا گر وہ ہی روشنی نہیں ہے اگر وہ ہی نور نہیں ہے نور وہ ہوتا ہے۔جو خود ظاہر ہو۔اور دوسروں کو چمکا دے۔یہ نور کی تعریف ہے اگر چہ انگریزی دان طبقے نے کہا! Which could not be seenاس کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا کہ جو خود نظر نہیں آتا۔دیکھیں ناں یہاں روشنی ہے۔ کہاں ہے؟ یہ نیچے تو چادر پڑی ہے۔وہ انسان بیٹھے ہیں، یہ تکیے پڑے ہیں، روشنی کہاں ہے؟ آپ اس کی توضیح نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ خود واضح ہے اور دوسروں کو ظاہر کر دیتی ہے۔یہی وہ تعریف ہے جو قدیم تفسیروں میں لکھی ہے اور یہی وہ تعریف ہے جو عربی لغت کی کتابوں میں لکھی ہے۔

"الظاهر لذاته والمظهر لغيره"o

عربی کے الفاظ یہ ہیں جو خود ظاہر ہے اور دوسروں کو ظاہر کر دیتا ہے وہ نور ہوتا ہے۔اب جو اللہ کی نگاہوں میں رہے وہ خاکی تو نہیں ہوسکتا کہ خاک آنکھوں میں جائے تو نظر ہی کچھ نہیں آتا۔وہ بادی بھی نہیں ہوسکتا، وہ پانی بھی نہیں ہوسکتا۔یہ رؤیت اور دیکھنے کے خلاف باتیں ہیں وہ روشنی ہی ہوسکتا ہے اور اتنی نفیس روشنی ہوسکتا ہے کہ اس کا خالق بات سمجھانے کے انداز میں یہ بات کہہ دے کہ آپ ہماری نگاہوں میں رہتے ہیں اور پھر یہ کہہ دے کہ محبوب!

"وتقلبک فی السّاجدین"o

آپ تو سجدہ گزاروں میں سے ہو کر آتے رہے ہیں۔دونوں معنے ٹھیک ہیں کہ صحابہ تہجد پڑھتے ہیں، اپنے غلاموں کو دیکھنے کے لیے سرکارؐ وہاں چلے جاتے ہیں تا کہ دلجوئی ہو۔لیکن یہ بالکل نیچے کی سطح ہوگی۔اوپر کی سطح یہ ہے کہ ابتداء سے لیکر انتہاء تک آپ کے شجرہ عالیہ میں کوئی بھی مشرک نہ ہو۔کوئی بھی کافر نہ ہو، تا کہ سب سجدہ گزاروں سے آپ جب گزر رہے تھے تو ہم آپ کو دیکھ رہے تھے۔اور پھر آپ ہماری نگاہوں میں رہتے ہیں۔اب جو خدا کی نگاہوں میں رہتا ہو اور اللہ اس کے لیے یہ کہہ دے کہ یہ عالمین کے لیے رحمت ہے۔محبوب تو میرا ہے لیکن میں نے تمہیں دیا ہے۔نکتے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے محبوب تو میرا ہے لیکن میں نے تمہیں دے دیا ہے۔کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی سخاوت ہوگی۔اب سرکارؐ کی بشریت ان بشریتوں سے ماوراء ہے۔اسکا مقام کیا ہے؟ مقام تو ہی ہے کہ یہاں سے گزرتے ہوئے رازی بھی خاموش ہو گئے، غزالی بھی خاموش ہو گئے، آلوسی بھی خاموش ہو گئے۔امام اعظم بھی خاموش ہو گئے، غوث اعظم بھی خاموش ہو گئے، تو ہم بھی خاموشی سے گلے میں پٹہ ڈال کر کہتے ہیں حضورؐ ہم آپ کے غلام ہیں۔آپ کا مقام آپ کا خالق جانے یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔اور اسی پر غالب نے بڑی

نفیس بات پیدا کی کہ!

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداء است　　رحمت للعالمینی انتہا است

اور اقبالؒ نے ایک اور انداز سے بات کہہ دی کہ

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ مے ریزی　　تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ مے آئی

اللہ اپنا تعارف میرے ساتھ کرانا، مجھے بات سمجھ نہیں آتی کہ کلیم کے لیے تو درخت پر آگ چمکائی اور اسے اپنی محبت میں جلایا۔ اور یتیم مکہ جب شمع جلا کر بیٹھے تو خود پروانہ بن کر آ گئے ہو۔ یہ دو الگ الگ عجیب باتیں ہیں جو مجھے سمجھ نہیں آتی ہیں۔ قلندر نے اپنے انداز سے بات کہنی تھی انہوں نے کہہ دی۔ لیکن جو بات محبت رسولؐ کے سلسلے میں کہی اللہ ہمیں وہ مقام عطا کر دے، فرماتے ہیں!

چو مرا افتاد بر رویت نظر

یا رسول اللہ جب میری آپ کے چہرے پر نگاہ پڑی ہے۔ (اقبال اپنی حقیقت بتا گئے ہیں)

از اب و ام گشتہ محبوب تر

آپ تو مجھے ماں سے اور باپ سے بھی زیادہ پیارے ہو گئے ہیں جب سے آپ پر نگاہ پڑی ہے اور

عاشقاں او زخوباں خوب تر　　ان کے عاشق تو حسینوں سے بڑھ کر حسین ہیں

جہاں بھر کے حسینوں سے زیادہ مرغوب ہیں اور پھر مٹی کی کیفیت کیا ہے

وہ فرماتے ہیں جب مٹی میں عشق رسولؐ آتا ہے تو

خاک ہم دو شے ثریا می شود

یہ مٹی مٹی نہیں رہتی بلکہ یہ ثریا کے ساتھ اڑنے لگ جاتی ہے۔ یہ گفتگو کے دو جملے تھے۔

"یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً و مبشر و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً" ۝

بڑے اختصار کے ساتھ ان کی تشریح آپ کے سامنے پیش کی۔ اب اگلا ہفتہ ناغہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ 26 والے ہفتے کو میں نہیں ہوں گا۔ لہذا اگلے ہفتے کو بھی درس قرآن ہوگا۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

مقام رسولؐ اور قرآن پاک

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی ٥

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم ٥

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥

''اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض'' ٥

خواتین وحضرات! جب بھی ہم قرآن پاک کا مطالعہ کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں تو عظمت خداوندی ایک خاص انداز سے ہمارے سامنے آتی ہے اور ہمارے دل و دماغ پر چھا جاتی ہے لیکن جب خالق کائنات اپنے محبوب رحیمؐ کی صفات عالیہ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایسا انداز ہوتا ہے کہ انسان حسن ورعنائی میں کھو جاتا ہے۔

کیونکہ گزشتہ چند خطبات کا تعلق سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے تھا۔ اسی موضوع کو لے کے ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔ کہیں تو اللہ کریم نے آپ کو شاہد فرمایا کہیں اللہ کریم نے آپ کو نبی اور رسول فرمایا، کہیں اللہ کریم نے آپ کو داعی الی اللہ کہا، کہیں سراج منیر ارشاد ہوا، کسی مقام پر آپ کا نام ذکر رکھا، کسی مقام پر آپ کو نور کے لقب سے تعبیر فرمایا، کسی مقام پر آپ کو مدثر کہا تو کسی مقام پر آپ کی رعنائیوں کا ذکر لفظ مزمل سے کیا۔

یہ لفظ مزمل تزمل سے بنا ہے۔ اور قاعدے کے بعد یہ مزمل ہوگیا ہے۔ عربی زبان میں جہاں بھی ''ز، م اور ل'' مل کے آجائیں اس کا معنی سنوارنا ہوتا ہے عام مفسرین نے اس کا معنی چادر اوڑھنے والے یا کملی اوڑھنے والے کیا ہے۔ تو عرض کر رہا تھا۔ ز، م، ل جہاں ملتے ہیں ان کا مطلب سنوارنا ہوتا ہے اور انداز ایسا ہوتا ہے تا کہ کسی اور کو اس سنوارنے سے فائدہ پہنچ سکے۔ عربی لغت دان یہ بات کہتے ہیں کہ جب پرندہ گھونسلہ بناتا ہے تو باہر ذرا بڑے بڑے، مضبوط تنکے لگاتا ہے، اندر پھر اس سے چھوٹے ہوتے ہیں جو سب سے آخری حصہ ہے، اس حصے میں بے حد نرم و نازک چیزیں رکھی جاتی ہیں تا کہ وہاں انڈے ٹوٹے نہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بچے جب انڈوں سے نکلیں تو انہیں کسی انداز سے چبھن کا احساس نہ ہو۔ تو جب یہ تصور آپ سامنے رکھیں گے تو مزمل کا معنی کھل کے آپ کے سامنے یوں آئے گا ''وہ ذات اقدس جس نے رب کی کائنات کو یوں سنوارنا ہے کہ انسانیت کو کسی بھی انداز سے کوفت نہ ہو سکے، انہیں کسی انداز سے تکلیف نہ ہو۔ انہیں چبھن محسوس نہ ہو اور شاید یہی بات ہے جسے ایک مقام پر سرکار نے اپنی رحمتہ للعالمینی کا اظہار کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ میرے غلام کو اگر کہیں کانٹا بھی چبھتا ہے تو

اس کی کسک میں محسوس کرتا ہوں۔ یہ ترتل کی وہ وسعتیں ہیں جس کی انسانی زندگی میں کہیں بھی مثال نہیں ملتی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ کریم نے جو اپنے محبوب رحیم کو عظمتیں عطا کیں ان میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ!

"لا اقسم بھذا البلد"o اے مخاطب جو تو سوچ رہا ہے وہ بات نہیں اس "لا" کو اکثر مفسرین نے زائد قرار دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے۔ یہ اس نظریے کی نفی ہے جو مخاطب نے اپنے ذہن میں رکھا ہوا ہے۔ سرکارؐ کے متعلق تو ارشاد فرمایا "لا" یہ بات نہیں جو تو سوچ رہا ہے "اقسم بھذا البلد" میں تو اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔

البلد پر ال عہد خارجی ہے۔ مطلب ہے مخصوص شہر کی۔ اور وہ مخصوص شہر مکہ مکرمہ ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی قسم کیوں؟ اس لیے کہ وہاں کعبہ ہے، وہاں زم زم ہے، وہاں مقام ابراہیم ہے۔ وہاں صفا و مروہ ہے، وہاں اور بھی بے شمار شعائر اللہ ہیں۔ کیا اس لیے مکہ کی قسم ہے۔ تو قرآن اگلے جملے میں اس کی فوراً تردید کرتا ہے فرمایا ان وجوہات سے میں قسم نہیں کھاتا مجھے مکہ کی قسم تب ہے۔

"وانت حل بھذ االبلد"o (جب محبوب آپ اس شہر میں رہ رہے ہو)

آپ اس شہر میں رہتے ہوں تو مجھے اس شہر کی قسم ہے۔ اگر اس شہر میں نہ رہتے ہوں، تو کعبہ کی قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی اور شے کی جو شعائر میں شامل ہے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ادھر تو یہ انداز ہے ادھر یہ انداز ہے کہ ارشاد ہوتا ہے۔

"انا اعطینٰك الكوثر"o (محبوب ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے)

مفسرین یہاں بھی دو گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک تو کوثر اس حوض کا نام ہے جو قیامت کے دن سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تصرف میں ہوگا۔ وہاں پینے کے لیے اور کوئی پانی نہیں ہوگا۔ صرف وہ کوثر ہی ہے۔ اس سے سرکارؐ نے پانی پلانا ہے۔ تھوڑی سی اس کی وضاحت کر کے پھر کوثر کا دوسرا معنی آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

قیامت کے دن کیفیت یہ ہوگی۔ کہ ہر طرف پیاس کا غلبہ ہوگا اور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوثر پر تشریف فرما ہوں گے۔ اور لوگوں کو کوثر کا پانی عنایت فرمار ہے ہوں گے۔ آپ بھی غور فرمائیں تو بے شمار نکتے ذہن خود حل کر دے گا۔ کوثر ایک تالاب ہے اس کی لمبائی چوڑائی بہت زیادہ ہے لیکن پلانے والا تو ایک ہے۔ حوض جتنا بھی بڑا ہو پلانا ایک انسان نے ہے۔ وہاں پیالے بے شمار پڑے ہوئے ہیں ان پیالوں کو استعمال صرف ایک ہاتھ نے کرنا ہے۔ اس نکتے پر غور فرمائیے کہ ہاتھ تو ایک ہے لیکن پینے والوں کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے مجھے تو اس کی خبر نہیں کہ کتنے لوگ ہوں گے۔ امت محمدیہؐ نے تو ہونا ہے۔ کیونکہ ہم سرکارؐ کے غلام جو ٹھہرے۔ لیکن وہاں کسی اور نبی کی امت کے لئے حوض کوثر ثابت نہیں ہے آپ قرآن وسنت جہاں سے

Marfat.com

چاہیں دیکھ لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری انتیں پلٹ کر آئیں گی۔ یہاں اسی حوض پر پانی پینے کے لیے، پلانے والا ایک ہوگا اگر دو آدمیوں کو پلانے کے دوران آپ آدھے منٹ کا فرق بھی تسلیم کریں تو کیا اس ساری کائنات کو پانی پلانے میں کتنا وقت درکار ہوگا۔ کیا ایک صدی درکار ہوگی۔ کئی صدیاں درکار ہوں گی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پینے والے پینے کے لیے بیقرار ہیں اور پلانے والا ہاتھ ایک ہے جب وہ ہاتھ تصرف فرماتا ہے تو سب کو پیالہ عنایت کر دیتا ہے اور یہ وہ نکتہ ہے جو ہمیں اس مقام سے ملتا ہے۔ اور ہمیں عظمت رسول اس انداز سے ہمارے سامنے جھلکنے لگ جاتی ہے کہ لمحوں میں وہ پانی پلا دیا جاتا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ساتھ ہی ساتھ سرکارؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

"لا یضماء ابدا" ○ (جو وہاں سے پانی پیئے گا اسے پھر کبھی پیاس نہیں لگے گی)

پانی ایک دفعہ پلایا ہے پیاس ہمیشہ کے لیے ختم کر دی ہے۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں منبر پر تشریف فرما تھے۔ بخاری کی حدیث ہے اور یہ حیات طیبہ کی غالباً آخری حدیث ہے جو مجمع میں آپ نے ارشاد فرمائی، فرمایا۔ جس منبر پر میں بیٹھا ہوں، حوض کوثر میری نگاہوں کے سامنے ہے، میرا منبر حوض کوثر پر لگا ہوا ہے۔

یہاں سے پتہ چلا کہ آپؐ تصرف فرمانا چاہیں تو حوض کوثر مدینے میں حاضر ہو جاتا ہے۔ یہ وہ بات ہے جو تعلیمات محمدیہؐ پر ذرا غور کرنے سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یہاں ضمناً ایک بات سامنے آ گئی ہے کہ جنت والوں کا بھی انداز نرالا ہے، پانی تو مصطفیٰ کریمؐ نے حوض کوثر سے پلا دیا ہے، میں کسی خیال میں تھا اپنے وجود پر نگاہ پڑی تو اس کو شعر میں ڈھال دیا،

وجود ذاکر فانی ہے اک جو اور اس ندی کے ہر قطرے میں تو ہے

سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی پلا دیا۔ یہاں بات بنی لیکن عاشقان رسول کا انداز کیا ہے کہ لوگ تو جنت کو چلے گئے ہیں جہنم والے جہنم کو چلے گئے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو بیٹھے ہیں نہیں جاتے، فرشتوں سے اللہ نے پوچھا کہ انہیں جنت میں لے چلو، فرشتوں نے کہا کہ آپ چلیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جاتے۔ اللہ کو فرشتوں نے عرض کی کہ جی وہ نہیں جاتے۔ آپ ایسا کریں کہ سونے کی باریک زنجیریں لیں انہیں جکڑ کر جنت کی طرف لے چلیں۔ پکڑ کے لاتے ہیں کہ جنت کیوں نہیں جاتے؟ الہ للعالمین جنت میں جانے کا ہمیں استحقاق نہیں کیوں استحقاق نہیں؟ تم نمازی تھے تم روزے دار تھے تم نے حج کیے تھے۔ تم نے جتنے بھی شرع کے احکامات تھے ان پر عمل کیا تھا۔ پھر تم جنت کے مستحق کیوں نہیں ہو؟ انہوں نے کہا کہ اگر یہ سب کچھ جنت کے حصول کے لیے کیا ہے پھر تو بالکل حق دار نہیں ہیں، ہم سب کچھ صرف تجھے راضی کرنے کے لیے کر رہے تھے۔ جنت کے لیے نہیں۔ اسی بات کو اقبال ایک انداز میں بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

جس کا عمل ہے بے غرض • اس کی جزا کچھ اور ہے

حور و خیام سے گزر • بادہ و جام سے گزر

یہ باتیں تب آتی ہیں جب توجہ اللہ کی ذات کی طرف ہوتی ہے۔ سرکار کریمؐ مسکرا کر فرماتے تھے۔ کچھ وہ بھی ہیں جنہیں زنجیروں کے ذریعے جنت میں لے جایا جائے گا۔ اور وہاں جا کر نہ کچھ کھائیں گے اور نہ کچھ پئیں گے۔ کیوں نہیں کھاتے؟ کہ انتظار ہے کہ دیدار ربانی ہوگا۔ اور جب دیدار ہو جاتا ہے تو اگلے دیدار کے لیے بے قرار ہو کر بیٹھے رہتے ہیں۔ توجہ جنت کی طرف جاتی نہیں تو مجھے بتائیے کہ کسی اور امت تک بھی ان عظمتوں کو کسی اور نبی نے پہنچایا ہے؟ کہ ذات خداوندی میں فنا ہونے کا یہ طریقہ انہوں نے سیکھا ہو۔ جو غلامان مصطفیؐ نے سیکھا ہے۔

ایک یہ معنی تھا کوثر کا۔ لیکن دوسرا معنی کوثر کا یہ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ لفظ کثرت سے بنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ محبوب ہم نے ہر معاملے میں آپ کو کثرت عطا فرمادی ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں کہ جس میں قلت ہو۔ آپ کے اخلاق میں کثرت ہے، آپ کے معجزات میں کثرت ہے، کہ فلاں کے پاس دو معجزے تھے، فلاں کے پاس نو معجزے تھے۔ اور جب سرکارؐ کی بات آتی ہے تو یہ ارشاد ہوا ہے۔ کہ آپ خود معجزہ ہیں۔ اس مضمون کو قرآن نے کئی جگہ بیان کیا ہے۔ کہ سرکار خود معجزہ ہیں۔ جب وہ خود معجزہ ہیں تو اس کا اظہار کس انداز سے ہوگا۔ ان کا تھوک مبارک بھی معجزہ ہے۔ ان کا پسینہ مبارک بھی معجزہ ہے۔ تھوک اس طرح معجزہ ہے کہ صحابہ عالی مقام پانی میں آپ سے تھوک ڈالنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ پانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حضرت حیدر کرارؓ کی آنکھوں پر لگتی ہے تو دکھتی ہوئی آنکھیں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ صدیقؓ کے پاؤں پر لگتی ہے تو سانپ کا زہر ختم ہو جاتا ہے۔ اور تھوک کے مقام پر کنوئیں میں جاتی ہے تو بقول مولانا مودودی کے اس دور کا کنواں نہیں آج اس کنوئیں پر نو عدد ٹیوب ویل نصب ہیں۔ مودودی صاحب نے جب عرب سے واپسی پر آئے خلیل الحامدی نے ان کی طرف سے ترجمان القرآن میں لکھا ہے۔ کہ نو ٹیوب ویل وہاں لگے ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ فیصل آباد یا شیخوپورہ کے رقبہ میں ٹیوب ویل چند گھنٹے چلنے کے بعد مٹی اٹھا کر باہر پھینک دیتا ہے۔ اور یہ پانی والا رقبہ ہے جہاں پانی نہیں وہاں ان ٹیوب ویلوں کو کن کنکشنوں کے ساتھ مصطفیؐ نے چودہ سو سال پہلے جوڑ دیا تھا۔ کہ وہ مسلسل چل رہے ہیں۔ اور پانی میں کمی نہیں آتی، اندازہ لگائیے کہ تھوک مبارک میں یہ کیفیت ہے، پسینہ مبارک کی یہ بات ہے۔ کہ عائشہ طیبہ و طاہرہؓ کے پاس ایک خاتون آ کر عرض کرنے لگیں میری بیٹی کی شادی ہے آپ کرم فرمائیں تو جو خوشبو آپ کی گلی سے گزرتے ہوئے مجھے آتی ہے اس خوشبو کے چند قطرے مجھے عنایت فرمادیں۔ تا کہ میں اپنی بچی کو خوشبو لگا کر رخصت کر سکوں۔ مائی صاحبہ ہنس پڑیں۔ کہنے لگیں کہ وہ خوشبو میرے پاس تو نہیں ہے۔ وہ خوشبو والے ابھی آنے والے ہیں۔ سرکار تشریف لائے استراحت فرمائی۔ گرمی کا موسم تھا پسینہ آیا مائی صاحبہ نے شیشی لے کر ماتھا مبارک سے چند

قطرے لے کر اس شیشی میں گرادیے سرکارؐ نے آنکھیں کھولیں بات پوچھی کہ اسے کیا کریں گے؟ اس مائی کو کس انداز سے محبت ہے۔ اور انداز بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے کہ حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث آتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہم اپنی خوشبو کو اس سے خوشبودار کریں گے۔ سرکارؐ کا پسینہ اقدس لے کر وہ چلی جاتی ہے۔ بچی کے جن کپڑوں پر وہ لگا تھا وہ پھٹ گئے لیکن وہ خوشبو ان کپڑوں سے نہ گئی۔

یہ کثرت کے وہ مختلف پہلو ہیں۔ جو سرکارؐ کی ذات اقدس سے وابستہ ہیں۔ اخلاق کی کثرت، ریاضت کی کثرت، لوگوں کو سنوارنے کی کثرت، علم کی کثرت اور علم کی اس حد تک کثرت کہ اللہ کے بعد کائنات ارض و سما میں کوئی آدمی نہیں کہ جس کا علم سرکارؐ کے برابر قرار دیا جاسکے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ شرک فی الرسالت ہوگا۔ اگر کوئی آدمی سرکارؐ کے برابر علم میں ہو جائے تو یہ شرک فی الرسالت ہے۔ اور ہمارے نزدیک شرک فی الرسالت بھی اسی طرح کفر ہے جس طرح کہ شرک فی التوحید کفر ہے۔

سرکارؐ کے علم میں کوئی شریک نہیں، اگر کسی مولوی نے کہہ دیا کہ شیطان کا علم تو نص قطعی سے ثابت ہے، سرکارؐ کا علم کہاں سے ثابت ہے؟ تو میرا خیال ہے کہ ایسا شخص غالباً قرآن کے راستے سے گزرا نہیں ہوگا۔ اگر قرآن کے راستے سے گزرتا تو یہ بات قطعاً اس کی زبان پر نہ آتی۔ یہ محبت کی دنیا کے بھی خلاف ہے، علم کے بھی خلاف ہے، ادب کے بھی خلاف ہے، عظمت رسولؐ کے بھی خلاف ہے۔

قرآن نے فرمایا کہ ہم نے آپ کو کثرت عطا فرمائی ہے۔ ایسی کثرت جس میں کسی مقام پر قلت نہیں آتی۔ آپ زندگی کا کوئی حصہ لے لیں اسے قرآن و سنت پر پیش کریں تو سرکارؐ کی حیات طیبہ کی کثرت آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ اور اپنی اور انسانیت کی قلت کا بھی آپ کو ساتھ ساتھ احساس پیدا ہو جائیگا۔ وہ قانون کی دنیا میں آئیں گے۔ ان کی تو بات ہی کچھ نرالی ہے۔ وہ تو بات ہی ہمارے ذہنوں سے بالاتر ہے۔

میں بسا اوقات مسلمانوں کے عظیم مفسر اور فقہ کے امام حضرت ابو حنیفہؒ کو جب دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ صدیوں سے انگریز کی حکومت قائم ہے۔ قانون کا کام ہو رہا ہے۔ مثلاً امریکہ ایک طویل عرصہ سے برسر اقتدار ہے وہاں صدور آتے رہے اور قانون کا کام ہوتا رہا ہے۔ اگر ان تفصیلی قوانین کو ایک طرف رکھا جائے اور دوسری طرف سرکارؐ کو نہیں بلکہ سرکارؐ کے اس ادنیٰ غلام امام اعظمؒ کو رکھ دیا جائے تو میں ہر پلیٹ فارم پر مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کہ اکیلے امام اعظمؒ کا کام دنیا میں صدیوں پر مشتمل ان پارلیمنٹوں سے زیادہ ہے اور یہ لوگ ان کی دھول کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ تو جس کے غلاموں کا انداز یہ ہو۔ آقاؐ کا انداز کیا ہوگا؟ وہاں ایک ایک لفظ قانون کی کتاب پر بھاری ہوتا ہے۔ کہ اس کے اندر اس انداز سے وہ جزئیات سمیٹ دیتے ہیں اور اسی کو سرکارؐ نے ارشاد فرمایا کہ!

Marfat.com

"اوتیت جوامع الکلم "O (مجھے اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات دے دیئے ہیں)

وہ ایک ایک لفظ ہوتا ہے۔ اور ایک ایک لفظ کی تفسیر کرنے بیٹھیں تو ایک ایک لفظ پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔

ایک طرف تو سرکارؐ کو کثرت عطا فرمائی۔ اور دوسری طرف ارشاد فرمایا!

"ولسوف یعطیک ربک فترضی"O (محبوب ہم آپ کو اتنا دیں گے کہ آپ راضی ہو جائیں گے)

آیت سنتے ہی سرکارؐ نے جو بات ارشاد فرمائی اہل ایمان ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر اس کا تجزیہ کریں ارشاد فرمایا۔ "میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میرا ایک غلام بھی جہنم میں باقی ہوگا"۔ کہیے کہیں اور بھی مثال ملتی ہے۔ اسی لیے اللہ کریم نے ایک دوسرے مقام پر عظمت مصطفیٰؐ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

"ورفعنا لک ذکرک"O (محبوب ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے)

مختلف آیات سے سرسری انداز سے اس لیے گزر رہا ہوں کہ ہر آیت مجھ سے دو تین کتابوں کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور پھر یہ بات کہ سال ہا سال گزر جائیں گے اور مقام رسول نہ ختم ہوگا اور نہ اس کا کنارہ آئے گا۔

تو رب کریم نے ارشاد فرمایا!

"ورفعنا لک ذکرک"O (محبوب ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے)

اگر ہم اس ذکر کی بلندی کا تجزیہ کریں کہ قرآن میں جہاں کہیں رب نے اپنا ذکر کیا وہاں اپنے محبوب کا ذکر ساتھ کیا ہے۔

اذان کیلئے آپ کھڑے ہوتے ہیں تو ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے، نماز پڑھ رہے ہیں تو سرکارؐ کا ذکر ساتھ ہے۔

ایک مت مارے انسان نے کہا کہ سرکارؐ کا خیال نماز میں آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس نے بڑے مکروہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک محفل میں وہ الفاظ کوئی صاحب نقل فرما رہے تھے۔ تو میں اتفاقاً حضرت شیخ الاسلام خواجہ خواجگان سیدنا محمد قمر الدین سیالویؒ کے پاس بیٹھا تھا تو آپ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ مجھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس خطیب کو روک دو، اس قسم کے بیہودہ الفاظ جس بے ہودہ ادیب نے لکھے ہیں انہیں نقل نہ کیا جائے۔ نماز میں سرکار کا خیال آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چھوٹی سی بات ہے جو اس نے کہی ہے۔ لیکن میں نقل نہیں کر سکتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب آپ پڑھ رہے ہوتے ہیں "السلام علیک ایھا النبی" تو خیال کدھر ہوتا ہے؟ جب آپ کہتے ہیں "اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھدان محمدا عبدہ و رسولہ" تو آپ کا خیال کدھر ہوتا ہے؟ جب آپ کہتے ہیں!

"اللھم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمید مجید"O

تو آپ کا خیال کدھر ہوتا ہے؟

Marfat.com

کیا یہ قوم کے مردہ ہونے کی نشانی نہیں ہے۔ کہ ایسی کتابیں بھی ہمارے ہاں مروج ہیں اور چل رہی ہیں۔ فرمایا! ''محبوب نماز میں بھی تیرا ذکر ہوگا، اذان میں بھی تیرا ذکر ہوگا، قرآن میں بھی تیرا ذکر ہوگا، حج کرنے جائے تو اس کا جنتی ہونا یقینی نہیں ہے، جب تک تیری خدمت میں حاضری نہ دے، اور تیری خدمت میں حاضری دے تو تو خود ہی فرما دیتا ہے۔

''من زار قبری وجبت له شفاعتی''o

ترجمہ: ''جو میری قبر کی زیارت کرتا ہے اسکے لیے میری شفاعت واجب ہو جاتی ہے''۔

واجب ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ واجب وہ ہوتا ہے جس کو چھوڑا نہیں جاتا۔

''من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی''o

ترجمہ: ''وہ یہ سمجھ کر نہ آئے کہ وہ قبر پر جا رہا ہے جو میرے وصال کے بعد آیا ہے وہ یہی سمجھے کہ حیات اقدس میں ہی زیارت کر رہا ہے''۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ فرمایا!

''محبوب ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے''

عربی کا جو شیدائی ہے اسے معلوم ہے اس انداز سے عبارت ہونی چاہیے تھی۔

''ورفعنا ذکر ک لک''o (محبوب ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے)

یہ عربی گرائمر کا طریقہ ہے کہ وہ جار مجرور کو سب سے آخر پر ذکر کرتے ہیں، اسے اٹھا کر مفعول سے پہلے لایا گیا ہے۔ اس میں کوئی خاص لطافت تھی اور لطافت کیا تھی؟ کہ محبوب صرف آپ کی خاطر پھر کہتا ہوں صرف آپ کی خاطر ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔ اپنے لیے نہیں، بلکہ آپ کے لیے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے۔ یہ وہ انداز ہائے بیان ہیں جو اللہ نے اختیار فرمائے اور پھر سورۃ الضحیٰ میں نفیس انداز سے ارشاد ہوا۔

''وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ''o (محبوب پچھلی گھڑی پہلی گھڑی سے آپ کے لیے اور بہتر ہوتی ہے)

اب یہ گھڑیاں کہاں ختم ہونگی۔ اس دنیا میں جتنی عظمتیں تھیں، کائنات نے دیکھیں لیکن آخرت کی عظمتوں کا تو یہ حال ہے کہ جہاں انبیاء خاموش بیٹھے ہیں، وہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ شفاعت کا استحقاق تو میرا ہے اور یہاں بتایا جا رہا ہے کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہونگا کہ جب تک ایک بھی غلام جہنم میں موجود ہوگا۔

قرآن کریم کے مترجمین میں بڑے بڑے فاضل لوگ تھے (میں کبھی ان پر تفصیل سے بحث کروں گا) ہمارے مترجمین نے مقام رسالت پر، مقام توحید پر، امت پر ترجمہ کرتے ہوئے کون کون سے ظلم ڈھائے ہیں آج ایک فقرہ اس سورۃ الضحیٰ کا بتاتا

ہوں۔

"ووجدک ضالاً فھدیٰ"o (تجھے گمراہ پایا تو راستہ بتادیا)

اسکا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے بڑے مترجمین اس غلط انداز سے چلے ہیں کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ ان اللہ کے بندوں نے کیا قیامت توڑدی۔ ترجمہ کیا ہے، "تجھے گمراہ پایا تو راستہ بتادیا"

میں نے پوچھا ترجمہ کیا ہے" تجھے گمراہ پایا تو راستہ بتادیا" ذرا یہ تو بتاؤ جو ساری کائنات کا ہادی ہو وہ بھی گمراہ ہوتا ہے؟ جو رحمتہ للعالمین ہو وہ بھی گمراہ ہوتا ہے؟ یہ اللہ کے بندے، 26,25 علوم کے فاضل تھے انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ مقام رسالت کا ترجمہ کرر ہے ہیں، تو کیا اس ضال کا کوئی اور بھی معنی ہوسکتا ہے۔ اگر وہ لغت دیکھتے تو معنی مل جاتا۔ بعد میں ایک آدمی کو مل گیا ہے تو ان پہلوں کو کیوں نہیں ملا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس ایک صحیح ترجمے کے بعد بھی مکھی پہ مکھی ماری جارہی ہے۔

میں ایک ہندو کو پڑھ رہا تھا اس نے کہا کہ مسلمانوں کے خدا کی لغزشیں اس نے یہ سارے ترجمے سامنے رکھے اور وہ پوسٹ مارٹم کیا کہ الامان والحفیظ، کیونکہ یہ لغزشیں لکھے پڑھے لوگ کرر ہے تھے۔ اس کا جو لغوی معنی ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ آپ ایک خیال میں بالکل کھوجائیں۔ باقی سب خیالات کو چھوڑ دیں تو یہاں پھر معنی کیا ہوگا۔

"ووجدک ضالاً فھدیٰ"o (محبوب ہم نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا)

اپنی محبت میں کھویا ہوا پایا تو اپنی طرف آنے کا راستہ بتادیا۔ کبھی معراج کی شکل میں بتادیا، کبھی قرآن کی شکل میں بتادیا، کبھی کسی اور انداز سے بتادیا لیکن بات وہی ہوئی۔

ایک چھوٹا فقرہ اور دیکھ لیتے ہیں۔ ادھر تو کہیں کہ آپکو گمراہ پایا تو سیدھا راستہ بتادیا اور دوسری جگہ ترجمہ کریں کہ!

"ماضلّ صاحبکم وماغویٰ"o (وہ تو کبھی گمراہ ہوئے ہی نہیں)

قرآن نے خود کہا ہے کہ یہ تو گمراہ نہیں ہوئے۔ تو پھر یہاں گمراہ کا معنی کر کے آپ قرآن کی دوسری آیت کو جھٹلا رہے ہیں لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جب قرآن کے ترجمہ وتفسیر کے لیے بندہ بیٹھے تو بندہ اپنے ہوش کو ٹھکانے پر رکھے۔ نہیں تو ہر قدم پر ایسا انداز بنے گا۔ کہ بات ختم ہو جائیگی۔ ایک اور آیت کا حوالہ دے کر آگے بڑھتا ہوں ملاحظہ ہو!

"ومکروا ومکر اللہ"o (انہوں نے بھی مکر کیا اللہ نے بھی مکر کیا)

اس کافر نے اس بات کا بھی حوالہ دیا ہے۔ وہ دھلی کا ایک آدمی ہے اسکا وہ پمفلٹ میرے پاس پڑا ہوا ہے اس نے اوپر سرخی جمائی ہے کہ مسلمانوں کا خدا مکار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک، یہ بات کیوں آئی؟ اس لیے کہ ترجمے میں مترجم لغزشیں کر گیا ہے اس نے سوچا نہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

Marfat.com

"ومکروا" (انہوں نے چال چلی) "ومکراللہ" (اللہ نے خفیہ تدبیر فرمائی)

امام راغب نے مفردات میں ترجمہ نقل کیا ہے۔ یہی بات ہے جوغزالی نے نقل کی ہے یہی بات ہے جو"مفردات راغب" میں موجود ہے یہی بات ہے جوایک عیسائی نے عربی لغت "المنجد" لکھتے ہوئے، مکر کا معنی کرتے ہوئے ذکر کی ہے۔کیا یہ ساری باتیں آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھیں؟ کہ آپ نے یہ ترجمہ کر دیا کہ انہوں نے بھی مکر کیا اللہ نے بھی مکر کیا اور ایک غیر نے اٹھ کر وہ اعتراض کیا کہ جس کا جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔لیکن اب بھی وہی مکھی پر مکھی ماری جارہی ہے۔

اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہر آخری لحہ پہلے لمحے سے بہتر ہے۔آیئے ایک حسین وجمیل تشریح کیلئے اللہ کریم کے یہ مبارک الفاظ ایک تمہید تھے۔میں نے جواصل جملہ پڑھا تھا اس پر آرہا ہوں۔بڑے نفیس انداز سے اللہ کریم نے شان رسالت کا اظہار فرمایا۔

"اللہ نور السمٰوٰت والارض "O (اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا نور)

یہاں بھی نور کا معنی نور نہیں ہے اس لیے کہ نور ایک رنگ ہے۔بڑا باریک نکتہ عرض کرنے لگا ہوں۔اور توجہ کا طالب ہوں۔نور ایک رنگ ہے۔نور ایک کیفیت ہے۔نور ایک انداز ہے۔اللہ رنگوں سے پاک ہے اور انداز سے بھی پاک ہے۔لہذا یہاں سے گزرتے ہوئے ہمارے محدثین نے، ہمارے مفسرین نے اور خاص طور پر امام نووی نے یہاں معنی کیا "منور" یعنی یہاں نور کا معنی نور نہیں بلکہ منور ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کو نور عطا فرمانے والا ہے۔وہ نور کیسے ہوتا ہے۔مثلاً

"مثل نور کمشکوۃ "O (اس کے نور کی مثال مشکوۃ کی طرح ہے)

مشکوۃ کیا ہوتا ہے؟ دیوار کے اندر آپ ایک آلہ سا بنا دیتے ہیں۔اب تو اس کی ضرورت نہیں رہی اس وقت اس میں لالٹین یا دیا رکھا کرتے تھے۔وہ بالکل انسانی سینے کی طرح ہوتا تھا۔تو اللہ نے فرمایا کہ وہ ایک مشکوۃ ہے،نور کی مثال ایک مشکوۃ ہے۔اس کے اندر مصباح (دیا) پڑا ہے۔

"المصباح فی زجاجۃ"O (وہ دیا ایک شیشے کے اندر ہے)

اس شیشے کی کیفیت کیا ہے؟

"الزجاجۃ کانھا کوکب دری "O (وہ شیشہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک چمک دمک والا ستارہ ہے)

عام شیشہ نہیں ہے۔اسے جب روشن کیا جاتا ہے تو ایک بڑا زیتون کا مبارک درخت ہے۔جس کا تیل اس کے اندر ڈالا جاتا ہے۔زیتون برکت والا درخت کہ جس کا تیل اس کے اندر جلتا ہے تاکہ اس کا دھواں نہ ہو۔یعنی تیل بھی صاف ہے اور جو اس سے روشنی ہو رہی ہے وہ بھی صاف ہے۔اس میں اس قسم کی حدت نہیں، جس قسم کی باقی آگوں میں ہوتی ہے اور یہ زیتون بھی

Marfat.com

"لا شرقیة و لا غربیة" (نہ مشرق کی سمت کا ہے نہ مغرب کی سمت کا ہے) بلکہ درمیان کا زیتون ہے، اس میں ایسا روشن اور شفاف تیل ہے کہ وہ روشنی خود ہی دینے لگ جائے۔ اگر چہ آگ اسے نہ چھوئے۔ آگ لگے بغیر وہ روشنی دیتا ہے۔ **"نور علیٰ نور"** (یہ ایک نور نہیں، نوروں پر نور اکٹھے ہو گئے ہیں)

مزید آگے بڑھنے سے پہلے اس کا تجزیہ کریں۔ عاشق الٰہی میرٹھی ہمارے دیوبندی دوستوں میں سے ہیں۔ بڑے فاضل آدمی گزرے ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھی جو پہلے قدیم قرآن پاک کے حاشیوں کی شکل میں درج ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آلے سے مراد دیوار کے اندر ہے۔ یعنی سرکار کا سینہ مبارک اور وہ شیشہ جس کے اندر روشنی جل رہی ہے۔ وہ آپکا دل مبارک ہے۔ اور وہ تیل جسے قرآن نے زیتون کا تیل قرار دیا ہے وہ وحی ہے، جو اس مقدس دل کے اندر موجود ہے۔ اسے روشن کرنے کے لیے بیرونی آگوں کی ضرورت نہیں۔ یہ روشن ہے۔

لیکن ایک فقرہ جس پر اس دور کا انسانی ذہن اٹک جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ نور نہ مشرق کا نہ مغرب کا۔ دنیا مختلف دوروں میں دو حصوں میں بٹی رہی ہے۔ ایک دور وہ تھا کہ مشرق میں علم کی شمعیں روشن تھیں اور مغرب تاریک تھا۔ آپ اصحاب علم وفکر بیٹھے ہیں، جانتے ہیں کہ مغرب پر کب تک تاریکی چھائی رہی؟ یہ ایک طویل تاریخی داستان ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق سے تین چار چیزیں مغرب کی طرف گئیں۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ حضرت عیسیٰؑ، جن کے ماننے والے عیسائی آج مغرب پر چھائے ہوئے ہیں۔ کیا وہ مغرب میں رہتے تھے؟ نہیں وہ فلسطین میں تھے۔ اور فلسطین مشرق کا حصہ ہے۔ حضرت موسیٰؑ، جن کے پیروکار یہودی دنیا بھر میں ہیں۔ کیا وہ مغرب کے رہنے والے تھے؟ جی نہیں وہ ایشا کے، اسی فلسطین کے رہنے والے تھے۔ تیسرے نبی جن کے پیروکار ساری دنیا میں موجود ہیں، حضور رحمۃ للعالمین وہ بھی اسی حصے کے رہنے والے ہیں۔ یعنی مشرق بڑی دیر تک روحانی انداز سے بھی چھایا رہا اور سیاسی انداز سے بھی چھایا رہا۔ مغرب کے مفکر اس بات کو خود تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس فلسفہ مشرق سے آیا ہے۔ اگر کسی دور میں یونان سے چلا تھا تو ادھورا تھا۔ اور جب کامل بن کے پلٹا ہے تو وہ مشرق کی طرف سے آیا تھا۔ طب جس پر آج جدید ڈاکٹری کا دارومدار ہے اس سب کے ڈانڈے قانون شیخ سے جا ملتے ہیں۔ اور قانون شیخ ایک مشرق کے وزیر اعظم نے لکھا تھا۔ جسے بوعلی سینا کہتے ہیں۔ اسی انداز سے وہ علمی سٹائل جو مغرب میں آیا وہ فرانس کے راستے سے وہاں پہنچا یا کسی اور راستے سے وہاں پہنچا۔ وہ سارے کا سارا مشرق کی طرف سے نکلا تھا۔ لیکن مغرب آج مشرق پر مختلف میدانوں میں غالب آگیا ہے۔ روحانیت میں تو اب وہ ہم سے ہزار ہا میل پیچھے ہیں۔ ٹیکنالوجی میں، جدید سائنس میں جس کے ڈانڈے قدیم منطق اور سائنس سے ملتے ہیں، اس کے ذریعے وہ غالب آگیا۔ لیکن رب نے اپنے محبوب کو ایک ایسے مقام پر بٹھایا کہ نہ انہیں مشرق کا نمائندہ رہنے دیا نہ مغرب کا نمائندہ رہنے دیا۔ فرمایا کہ سارے مغرب اور سارے

پس تو ایک بات جو میرے سامنے آتی ہے اور جو میں تفصیلاً آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کہ قرآن کی تفسیریں جو پہلی صدی میں لکھی گئی ہیں۔ جن کا آغاز مستقلاً کتاب کی شکل میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے ہوتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے سیدنا حیدر کرارؓ کے خطبات میں بے شمار آیات کی شرح ملتی ہے سیدنا عمر فاروقؓ کے خطبات میں بیشمار آیات کی تفسیر ملتی ہے لیکن وہ مستقل تفصیلی کتابیں نہیں ہیں ضمناً قرآن کی آیات کو سامنے رکھ لیتے ہیں اور اس پر وہ نکتے بیان کرتے ہیں کہ باید وشاید، ہمارے صحابہ عالی مقام ہیں۔ یہ دو صاحب بہت آگے ہیں۔ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ اور سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حیدرؓ خطابت کی دنیا میں قرآن وسنت کے بعد بے مثل خطیب تھے۔ ان کا ادبی مقام اتنا اونچا ہے کہ اسلام کے ان دو بنیادی چیزوں کے بعد وہ صاحب طرز ادیب ہیں اور ضمناً عرض کردوں کہ تین صاحب طرز ادیب عربی نے آج تک پیدا کیے ہیں۔ حضرت سیدنا حیدر کرارؓ جاحظ تو نحو کے بہت بڑے مشہور محقق تھے۔ اور تیسرے ماضی قریب کے ملک مصر کے وزیر اعظم سعد زغلول پاشا۔ یہ تین اصحاب عربی ادب کے مایہ ناز اور صاحب طرز ادیب ہیں لیکن ہمارے ہاں جو صاحب طرز ہیں۔ عربی ادب میں ایسے بیسیوں صاحب طرز افراد موجود ہیں۔ یہ ان سب سے اوپر آنے والے تین حضرات ہیں۔

اب جو معاشرہ چل رہا ہے۔ اسے سمجھانے کیلئے قرآنی آیات حضرت ابن عباسؓ پیش کرتے ہیں آگے چلنے والے لوگوں نے تفسیر کو کئی رنگ دیئے ہیں یہ ہمارا علمی ذخیرہ ہے۔ جب بھی فرصت میسر آئے تو ان کتابوں کا مطالعہ ہمارے علمی تدریجی ارتقاء کے سلسلے میں بے حد معاون ثابت ہوگا۔ مثلاً ایسی تفسیریں بھی ہیں جو صرف ادبی نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہیں ایسی تفسیریں بھی ہیں جو صرف قانون کے نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہیں ایسی تفسیریں بھی ہیں جو صرف اجتہادی نکتہ نگاہ سے لکھی گئی ہیں۔ بعونہ تعالیٰ قرآن پاک کی جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں دنیا کی کسی کتاب کی اتنی شرحیں نہیں ہیں۔ مثلاً تورات، زبور، انجیل کی تفاسیر اس لئے آج تک نہیں مل سکتیں۔ جس زبان میں وہ نازل ہوئی تھیں آج وہ رائج نہیں ہے۔ اب اس کی تشریح کیسے ہوگی۔

آپ حضرات کی خدمت میں ایک عرض کروں گا صرف پچھلے سو سال کی تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے تورات وانجیل کے مختلف تراجم کو مقابلے کیلئے سامنے رکھ لیں جب آپ پندرہ بیس ترجموں کو دیکھیں گے تو ایک عجیب کیفیت طاری ہوگی۔ کہ وہ آیت تضادات کا شکار بن جائے گی اس کی بنیادی وجہ کیا ہے کہ ٹیکسٹ بک تو ہے نہیں، اب جس نے جس انداز سے لکھا ہے اس میں خرابی آتی گئی یا پھر مجھے ایک اور علمی بات کہنے دیجئے کہ سابقہ الہامی کتابیں الہامی کتابیں ضرور تھیں لیکن ان کے مفاہیم انبیاء کے دماغ میں ڈالے گئے تھے الفاظ نبیوں کے تھے۔ لہذا انہیں بقا نہ مل سکی اور جو کتاب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اس کے مفاہیم بھی ربانی تھے اور الفاظ بھی لہذا ان الفاظ میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہو سکتی اور نہ اسے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ نہ تبدیل کیا جا سکے گا۔ تو جب تک اصل کتاب موجود نہ ہو آپ اس کی گہرائی میں اتر نہیں سکتے ابھی میں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا تھا۔ کہ اقوم کے بعد "من کل شئ" کو محذوف مان لیا جائے لیکن اگر اقوم کا لفظ ہی موجود نہ ہو تو "من شئ" آپ کہاں

وہ دراتا ہوا وحدت کا دم بھرتا ہوا نکلا — تلاوت سورۂ ... کرتا ہوا نکلا

یہ وہ انداز تھا جس انداز سے وہ نکلتے ہیں۔ لیکن نظر نہیں آتے۔ [illegible]

اور جب وہ نظر آنا چاہتے ہیں تو پھر انکے انداز نرالے ہوتے ہیں۔ صدیق نے دیکھا تو فرمایا کہ آپ سے بڑھ کر حسین میں نے کہیں نہیں دیکھا، فرمایا ''صدقت'' تو سچ کہتا ہے۔ ابوجہل نے کہا آپ سے زیادہ مکروہ شکل (نعوذ باللہ) میں نے کبھی نہیں دیکھی، آپؐ نے فرمایا تو سچ کہتا ہے۔ حضورؐ سے صحابہؓ نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ یہ بھی سچ کہتا ہے اور وہ بھی سچا ہے۔ فرمایا میں آئینہ ہوں سب کو اپنی شکل میرے اندر نظر آتی ہے اسی کو اقبال نے یوں فرمایا!

مصطفیؐ آئینہ روئے خدا است

مصطفیؐ چہرۂ خدا کے لیے آئینہ ہیں اور

منعکس دروے همه خوئے خدا است

ان کے اندر عکس کے طور پر اللہ کی تمام عادات آگئیں ہیں۔ وہ بھی رحیم ہے تو یہ بھی رحیم ہے وہ بھی رؤف ہے تو یہ بھی رؤف ہے۔ البتہ یہاں پر ایک باریک فرق ہے اللہ کے لیے یہ ذاتی باتیں ہے اور سرکارؐ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عطائی باتیں ہیں۔

قرآن حکیم نے یہ بتایا کہ وہ نور علی نور ہیں لیکن اس نور تک پہنچتا کون ہے؟ گزشتہ ہفتے ایک عزیز سوال کررہے تھے۔ کہ جب سرکارؐ نے سب کو دیکھا تو سب کے سب مسلمان کیوں نہیں ہوئے۔ میں نے چھوٹا سا فقرہ کہا تھا کہ جب اللہ نے سب کی تخلیق کی تو سب کیوں مسلمان نہیں ہوگئے۔ جو ادھر جواب ہے وہی یہاں بھی جواب ہوگا۔ لیکن قرآں نے جو بات کہی، فرمایا!

"یھدی اللہ لنورہ من یشاء" ○ (اس روشنی کی طرف اللہ جسے چاہتا ہے اسے بھیجتا ہے)

جسے اللہ بھیجنا نہیں چاہتا وہ دیوار کی دوسری سمت بیٹھا ہو تو ابوجہل ہی رہتا ہے۔ دیوار کے ساتھ بیٹھا ہو تو ابولہب ہی رہتا ہے۔ یہاں اقبال نے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ کوئی تو ایران سے اٹھتا ہے اور سلمان فارسی بن کے بیٹھ جاتا ہے کوئی کسی اور مقام سے اٹھتا ہے تو کچھ بن کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور خاک پاک حجاز سے ابوجہل اٹھتا ہے یہ کتنی نرالی بات ہے۔ یہ ربانی تقدیریں ہیں ان کے ساتھ ہمارا تسلیم کیے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ جسے چاہتا ہے وہ اسے اس نور کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ لیکن لوگوں کے سامنے اللہ مثالیں پیش کر کے بات واضح کر دیتا ہے اللہ سب کو جانتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نور کہاں تلاش کرنے جائیں؟ تو وہاں بھی ایک نسخہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا انہیں ان گھروں سے تلاش کرو، اللہ ہمارے گھروں کو بھی ایسا کردے۔ ان گھروں سے تلاش کرو، کن گھروں سے اس نور کو تلاش کریں؟

"فی بیوت اذن اللہ ان ترفع" ○ (اللہ نے جن گھروں کو اونچا کرنے کی اجازت دے دی ہے)

اس نور کو تلاش کرنے نکلو تو ان گھروں میں ملے گا وہ گھر کیسے ہیں؟

"ویذکر فیھا اسمہ"٥ (ان گھروں میں اللہ کا ذکر ہوتا ہے)

مسجدیں بھی ایسا گھر ہیں، دینی مدارس بھی ایسی جگہیں ہیں اور اہل اللہ کے آستانے بھی ہیں جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں یہ نور ملتا ہے۔ اسی لیے کہ ذکر خدا مصطفیٰ ؐ کا مشن ہے۔ اور جہاں ذکر خدا ہوتا ہے وہاں رضائے مصطفیٰ ؐ ہوتی ہے۔ لہذا وہ آستانے تلاش کیے جائیں۔ وہ مساجد کی شکل میں ہوں یا مدارس و آستانوں کی شکل میں ہوں میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مختلف مفسرین نے یہی آستانے مراد لیے ہیں کہ مساجد ہوں، دینی مراکز ہوں، اب دیکھیں تو سہی یہ ہمارے ڈاکٹر صاحب کا گھر ہے، یہ اللہ کی مرضی ہوتی ہے اس نے اسے دینی مرکز بنا دیا ہے۔ ہم یہاں آ کے قران کے دینی علوم پر گفتگو کرتے ہیں۔ مل کے بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر کو سوچتے ہیں، عظمت مصطفیٰ ؐ کو سوچتے ہیں، تو جن گھروں کو اللہ نے بلند کرنا ہوتا ہے ان گھروں کے لیے کوئی ذریعہ پیدا فرما دیتا ہے۔ اب اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ مثالیں آتی ہیں۔ اور یہ ان گھروں میں بات ہوتی ہے جنہیں اللہ نے بلند کرنا ہوتا ہے۔ وہاں کون لوگ رہتے ہیں؟

"یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ"٥

ترجمہ: "یہ وہ گھر ہیں جہاں صبح شام مردان حق بیٹھے ہوتے ہیں، نہ تو انہیں تجارت کا خیال آتا ہے نہ خرید و فروخت کا خیال آتا ہے وہ ذکر خدا میں محو ہوتے ہیں اور ذکر خدا کو عام کرنا چاہتے ہیں"۔

کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ کوئی کام کیوں نہیں کرتے؟ کیا ذکر خدا کام نہیں ہوتا؟ یہ سب سے بڑا کام ہے، جس کام میں وہ لگے ہوئے ہیں۔ دل کی بیداری کے لیے تاکہ روح وجود پر چھا جائے۔ اس کے لیے ذکر خدا ضروری ہوتا ہے اور محویت کا یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ ان کی آخری زندگی قبر میں جانے سے پہلے، برزخ میں جانے سے پہلے یہاں استغراقی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے یہاں قریب ہی حضرت پیر مہر علی شاہ کو آخری زندگی کے دور میں دیکھا ہے وہ اس بات کے گواہ ہیں اور جن لوگوں نے علامہ اقبال کو آخری زندگی میں دیکھا ہے وہ بھی اس بات کے گواہ ہیں، ایک بہن مجھ سے پوچھ رہی تھیں، کیا قبر میں رابطہ قبر والوں سے ہو جاتا ہے، جب ہم مسلمان ہوتے تھے۔ تب تو ہو جاتا تھا۔ جب سے ہم دہریہ بن گئے ہیں تو رابطہ کٹ گیا ہے اور اسی کو اقبال رو کے یوں کہتا ہے۔ کہ

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایک ایسے ہی صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے شاہ جی! میں بڑا حیران ہوں۔ میں نے پوچھا کہاں حیران ہوئے ہو؟ کہنے لگا اقبال کے مزار پر حیران ہوا ہوں اور پیر مہر علی شاہ صاحب کے مزار پر حیران ہوا ہوں۔ میں نے حیرانی کی وجہ پوچھی تو بتانے لگا کہ موت نے بھی ان کے نشہ محبت کو نہیں اتارا ہے۔ وہ جس طرح یہاں عشق الٰہی اور عشق رسول کے نشے میں مدہوش

Marfat.com

تھے۔موت گزرنے کے باوجود وہ نشہ اترا نہیں ہے۔میں نے کہا اس راستے سے گزرنے والے نے کہہ دیا تھا کہ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔موت اس نشے کو نہیں اتارا کرتی۔لیکن اس کے لیے ایک روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ روشنی دربار رسالتؐ سے ملتی ہے۔

اگر سرکارؐ کا ہی روشنی ہونے سے انکار کر دیا جائے تو پھر ملے گی کہاں سے؟ وہ پھر کہیں سے نہیں ملے گی۔تبھی اقبال نے کہا!

مشام تیز سے ملتا ہے صحرا میں نشان اس کا ظن و تخمیں سے ہاتھ آتا نہیں آھوئے تاتاری

پھر ایک اور جگہ کہا

نگاہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں

یعنی کھلونوں سے نکلیں، مجھے ایک علمی لطیفہ یاد آرہا ہے میں ایک کتاب کا ترجمہ کر رہا تھا۔ایک صاحب وضو کر رہے تھے، پانی دو حصوں میں بہہ گیا۔ایک سونا بن رہا ہے دوسرا چاندی، پاس ہی کوئی صاحب بیٹھے تھے۔وہ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔آپ نے پوچھا تم نے دیکھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔پاس جو بیٹھا تھا دیکھنے والا وہ بڑا اونچا عارف تھا۔جواب دیا۔جواب ذرا ملاحظہ ہو۔فرمایا جی ہاں جب بچہ ہوتا ہے تو اسے کھلونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔آپ ابھی کھلونوں کی دنیا سے آگے نہیں نکلے ہیں۔جب کھلونوں کی دنیا سے آگے نکلو گے تو پھر پتہ چلے گا اس پر غشی طاری ہوگی کہ یہ عارف کس مقام سے بول رہا ہے تو اقبال نے فرمایا!

نگاہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں

نہ چھوڑ اے دل فغان صبح گاھی امان شاید ملے اللہ ھُو میں

اور اس کی طرف راہبر کون ہوتا ہے وہی جو روشنی بن کے آیا ہے یہ وہ راستہ ہے جہاں قدموں کے نشان نہیں ہیں۔یہ وہ راستہ ہے جہاں گزر گاہ نہیں ہے۔یہاں اسی کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔جو خود نور بن کے آ گیا ہے جو روشنی بن کے آیا ہے۔جب تک وہ بات نہیں ہوگی بات نہیں بنے گی۔

اسی کو ایک اور انداز سے جب ہم سوچتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ کثرتیں وہاں ختم ہیں۔رحمتیں وہاں ختم ہیں اور پھر سیدنا حسان بول اٹھتے ہیں کہ

واحسن منك لم ترقط عینی واجمل منك لم تلد النساء

ترجمہ: آپ سے جمیل نگاہوں نے کبھی دیکھا نہیں ہے۔

تو کیا آپ نے ساری دنیا دیکھی ہے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کسی گھر ایسا بچہ پیدا ہوا نہیں ہے۔

Marfat.com

خلقت مبرءً من کل عیب　　　کانک قد خلقت کما تشاء

ترجمہ: آپ ہر عیب سے بری ہو کے تشریف لائے ہیں۔

پتہ چلتا ہے کہ بنانے والے کو آپ خود کہتے ہیں کہ مجھے یوں بنایا جائے اس کا ٹھیٹھ ترجمہ یہ ہے کہ آپ بنانے والے کو کہتے رہے ہیں مجھے یوں بنایا جائے۔ اقبال جب اس مقام سے گزرتا ہے تو اسکا عجیب انداز ہوتا ہے۔

میں نے ایک لیکچر شعراء حضرات کے لیے خاص کیا ہے۔ جو صحابہ کرام سے لے کر آج تک حضورؐ کو کس انداز سے عرض کرتے ہیں۔ خطاب کرتے ہیں یا غائب کے صیغے کو استعمال کرتے ہیں۔ انشاء اللہ عربی، فارسی اور اردو شاعری کو میں کھنگال ڈالوں گا اور انکی بہترین مثالیں آپ حضرات کے سامنے پیش کی جائیں گی۔

اللّٰھم تقبل منّا انّک انت السّمیع العلیم　　　وتب علینا انّک انت التّواب الرّحیم

اسی کے ساتھ آج کی یہ محفل ختم ہوتی ہے۔ ابھی اگلا جو اجلاس ہوگا ''رسول نگاہ رسول میں'' اس عنوان سے میں حدیث پیش کرونگا۔ اور اسکے بعد پھر شعراء کا کلام پیش کر کے پھر ہم قرآن کے ترجمے کی طرف آجائیں گے۔ آپ حضرات سے یہ التماس ہے کہ یکم دسمبر 94 کو جامعۃ الزہراء کے ساتھ عطیہ کے طور پر دو کنال زمین ڈاکٹر کفیل صاحب اور عزیزہ ڈاکٹر سلمہ صاحبہ نے مسجد کے لیے مدرسہ کو دی ہے اسکا ہم نے سنگ بنیاد رکھنا ہے کچھ بچیوں کو جلسہ تقسیم اسناد میں اسناد بھی دینی ہیں اگر آپ حضرات وہاں تشریف لا سکیں تو ہمارے لیے یہ اعزاز ہوگا۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

رسولؐ نگاہ رسولؐ میں

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفی ٥

امّا بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ٥

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥

خواتین وحضرات! آپ کو معلوم ہے کہ گزشتہ تقریر کے دوران میں نے یہ بات عرض کی تھی۔ کہ آج کا لیکچر اس عنوان پر مشتمل ہوگا۔ کہ سرکارؐ خود اپنی نگاہ اقدس میں کیا ہیں۔ میں صرف چند احادیث اس سلسلے میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ معتبر ترین کتابوں سے تا کہ سرکارؐ کا مقام رفیع ان کی اپنی زبان سے بھی ہم سن سکیں۔ سرکارؐ کی حدیث عالی ہے۔ جسے امام بخاری نے بھی روایت فرمایا، صاحب مشکوۃ نے بھی روایت کیا اور دیگر محدثین نے بھی روایت فرمایا ہے الفاظ عالیہ یہ ہیں۔

"انا محمدؐ" ٥ (میں محمدؐ ہوں)

"وانا احمدؐ" ٥ (میں احمدؐ ہوں)

ان دونوں لفظوں کی تفصیلی تشریح میں ایک لیکچر میں کر چکا ہوں۔ صرف حوالہ کے لیے میں یہ بات اختصاراً عرض کروں کہ محمدؐ وہ ہوتے ہیں جن سے بڑھ کر کائنات کے اندر کسی کی تعریف نہ ہوئی ہو اور احمدؐ وہ ہیں جن سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کسی نے نہ کی ہو۔

یہ ان دونوں لفظوں کا مختصر معنیٰ ہے اور تیسرا لفظ فرمایا!

"وانا الماحی" ٥ (میں ماحی ہوں)

ماحی محو کے لفظ سے بنا ہے اس کا خود معنی سرکارؐ نے یوں ارشاد فرمایا!

"الذی یمحو اللّٰہ بہ الکفر" ٥ (ماحی وہ ہوتا ہے جس کے ذریعے اللہ کریم کفر کو مٹا دیا کرتے ہیں)

اب سرکارؐ تشریف لائے تو جس انداز سے کفر کو ضرب لگی ہے اور آج تک جس انداز سے مسلسل کفر کے خلاف ضربات لگ رہی ہیں اور جس طریقے سے مسلمان ناگفتہ بہ حالات میں بھی کفر کے مقابلے میں ڈٹے رہتے ہیں۔ یہ اسی کی تشریح ہے کہ اللہ میرے ذریعے کفر کو مٹاتا ہے۔ آپ چونکہ اصحاب علم وفکر ہیں صرف اس اشارے سے آپ بات سمجھ جائیں گے۔ کہ کفر نے

خدا جانے پچھلے چودہ سوسالوں میں کتنے لبادے بدلے ہیں اور اسلام نے مادی ذرائع کی کامیابی کے باوجود کس طریقے سے کفر کا مقابلہ کیا ہے؟ کیا چند سال پہلے جس انداز سے کمیونزم اسلام کو للکار رہا تھا اور جس انداز سے وہ اسلامی اقدار کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی اجتماعی کوششوں سے کیا ان کا شیرازہ بکھر نہیں گیا؟ اور سپر پاور دھڑام سے زمین پر نہیں گر گئی؟ یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ مسلمان کی فطرت میں کفر کو مٹانے کا جذبہ ہے۔ یہ جذبہ اس لیے نہیں کہ اس کا اس میں ذاتی فائدہ ہے بلکہ اس لیے ہے کہ اس کے نبیؐ کی تعلیمات کا یہ ایک حصہ ہے اور اس پر بہت سی تعلیمات کا دارومدار ہے۔

سرکارؐ نے یہ فرمایا میں ماحی ہوں، ماحی وہ ہوتا ہے جسکے ذریعے اللہ کفر کو مٹا دیتا ہے۔

"وانا الحاشر" ۝ (میں حاشر ہوں)

حاشر کی تشریح فرماتے ہوئے سرکارؐ نے فرمایا!

"الذی یحشر الناس علی قدمی" ۝ (میں وہ ہوں کہ قیامت کے دن لوگ حشر کریں گے میرے قدموں کے سامنے)

یہ میرا مقام ہے کہ حشر میرے سامنے ہوگا۔ اور حشر سرکارؐ کے سامنے ہوگا تو اس میں عظمتیں کیا ہوں گی؟ یہ بھی میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ اور آگے ایک حدیث جب آپ سنیں گے۔ تو اس فقرے کی مزید وضاحت ہو جائیگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کا میدان مصطفیٰؐ کا ذاتی میدان ہے۔ وہ سرکارؐ کی عظمتوں کا دن ہے۔ وہ رفعتوں کا دن ہے، وہ بلندیوں کا دن ہے فرمایا لوگ حشر کریں گے میرے قدموں پر!

"وانا العاقب" ۝ (میں عاقب ہوں)

بخاری کی سند میں عاقب کی شرح نہیں آئی ہے۔ باقی احادیث کی کتابوں میں اس کی شرح کے الفاظ موجود ہیں مسلم میں، ترمذی میں اور باقی احادیث کی کتابوں میں یہ فقرہ موجود ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں، کہ عاقب وہ ہوتا ہے۔ جس کے بعد نبی نہ ہو، اس موضوع کو کہ سرکارؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ خدا جانے سرکارؐ نے کتنے اندازوں سے بیان فرمایا ہے اور یہ بار بار امت کو سمجھایا ہے کہ کل کوئی اور چکر دے کر نبوت کا اعلان کرے تو کسی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرنا ہے۔ (یہ ایک حدیث تھی جو ختم ہوئی)

دوسری حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت ہے فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ!

"تنام قبل ان توتر" ۝

حضورؐ آپ سو جاتے ہیں وتر پڑھنے سے پہلے اور پھر آپ اٹھ کر وتر پڑھ لیتے ہیں، تو اس طرح تو نیند جو ہے وہ وضو کو ختم کر دیتی ہے تو آپ وضو نہیں فرماتے۔

Marfat.com

مائی صاحبہ کہنا یہ چاہ رہی تھیں کہ امت کے لیے یہ حکم ہے کہ جب نیند کا غلبہ ہو جائے اور انسانی حواس کو وہ مختل کر دے تو وضو کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ تو سرکارؐ آپؐ بھی تو سو جاتے ہیں آپؐ نے وتر نہیں پڑھے ہوتے اور پھر آپؐ اٹھ کر وتر پڑھ لیتے ہیں۔ یہ تو بخاری کے الفاظ ہیں باقی احادیث کی کتابوں میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ میں آپ کے سونے کی آواز باقاعدہ سن رہی ہوتی ہوں سانس جس طرح سونے والے لیتے ہیں اس طریقے سے آپ سانس لے رہے ہوتے ہیں پھر آپ اٹھتے ہیں تو وتر پڑھ لیتے ہیں۔

یہاں ضمنی طور پر اس حدیث کی تشریح سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ سرکارؐ کی بیشمار خصوصیات ہیں جن میں امت آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے اسلاف نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ کی شہرہ آفاق کتاب الخصائص الکبریٰ جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس میں صرف سرکارؐ کی خصوصیات ہیں کہ یہ وہ باتیں ہیں جن میں امت آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

مائی صاحبہ یہ بھی توضیح چاہتی تھیں کہ کیا یہ سرکارؐ کی خصوصیت تو نہیں ہے؟ اگر خصوصیت ہے تو بات واضح ہو جائے، اگر خصوصیت نہیں تو اس کا جواز کیا ہے؟ یہ بات تھی جو مائی صاحبہ پوچھ رہی تھیں، اب سرکارؐ نے جواب دیا عائشہؓ بات یہ ہے!

"تنام عینی و لا ینام قلبی" ٥ (میری آنکھ تو آپ بند ہوتی دیکھ لیتی ہیں، لیکن میرا دل کبھی سویا نہیں کرتا)

اس پر وہ غفلت کبھی طاری نہیں ہوتی جو بے وضوگی کا سبب بنتی ہے۔ لہذا میں سو جاؤں تو میرا وضو باقی رہتا ہے۔ اب جن حضرات کو شوق چڑھا رہتا ہے ہر بات بات میں یہ کہنے کا کہ نبی میں اور مجھ میں کیا فرق ہے؟ وہ یہاں ہی سے سوچ لیں کہ نبی میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ ارشاد ہوا کہ میری آنکھیں تو بند ہوتی ہیں۔ لیکن میرا دل نہیں سوتا۔ اب دل نہ سونے کا مفہوم کیا ہوگا؟ کیا دل کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے؟ دل کی دھڑکن بند ہو جائے تو انسان مر جاتا ہے۔ یہ بات نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سوتے وقت غفلت انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ اور نبی پر کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ اس پر غفلت طاری ہو جائے۔ لہذا غفلت کا موت سے پہلے جو سب سے بڑا ذریعہ ہے وہ نیند ہے اور نیند کی کیفیت میں کوئی طلاق کہہ دے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سوتے ہوئے کسی نے طلاق کہہ دی ہے تو طلاق نہیں ہوتی۔ لیکن نبی سویا ہوا ہو تو اس پر وحی نازل ہو تو وہ حقیقت ہوتی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نبی پر غفلت کسی انداز سے طاری نہیں ہوتی۔ لہذا میری آنکھیں تو سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا۔ اب اس کی دلیل قرآن سے بھی مل سکتی ہے؟ کیونکہ حدیث قرآن کا تتمہ ہے، اسکی شرح ہے۔ آپ تیسواں پارہ جب دیکھیں گے تو آپ کو ایک عجیب منظر نظر آئیگا۔ کہ سیدنا ابراہیمؑ خود اپنے بیٹے کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے۔

Marfat.com

"انّی اذبحک"O (میں تجھے ذبح کر رہا ہوں)

اب تیری کیا رائے ہے!

"فانظر ماذا تری"O (انکا جواب تھا اباجی! آپ کر دیں جو آپ نے دیکھا ہے)

اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ حضرت ابراہیمؑ کا عقیدہ ہے کہ نبی کی نیند بھی وحی ہوتی ہے، اور جناب اسمٰعیلؑ کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ میرے والد گرامی نے دیکھا ہے وہ وحی ہے۔ وحی غافلوں پر نازل نہیں ہوا کرتی۔ جب بھی وحی نے نازل ہونا ہے تو اس نے وہاں ہی آنا ہے جہاں شعور کی قوتیں پورے طریقے سے براجمان ہوں۔ لہذا سرکارؐ نے فرمایا عائشہؓ میری نگاہیں تو سوتی ہیں ۔لیکن میرا دل نہیں سوتا اور پھر آگے اور جملہ بڑا شاندار فرمایا کہ یہ میری خصوصیت نہیں ہے۔ بلکہ انبیاء میرے ساتھ اس سلسلے میں شریک ہیں۔ امت شریک نہیں ہے فرمایا!

"وکذلک الانبیاء تنام اعینهم ولا تنام قلوبهم"O

ترجمہ: ''یہی نبیوں کی بھی کیفیت ہوتی ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں انکے دل نہیں سویا کرتے''۔

انبیاء کو بھی آپ نے اس سلسلے میں اپنے ساتھ شامل کیا۔

تیسری حدیث میں سرکارؐ نے فرمایا!

"اناسید ولد آدم یوم القیامه"O (میں قیامت کے دن ساری اولادِ آدم کا آقا ہوں گا)

قیامت کے دن کو خاص کیوں کیا ہے۔ دیکھیں یہاں کچھ نے ماننا ہے اور کچھ نے نہیں ماننا۔ اس دن سرکارؐ کی عظمتیں دیکھ کر نہ ماننے والے بھی ماننے بیٹھے ہوں گے۔ اور ماننے والے پہلے ہی مانتے ہوں گے۔ لہذا فرمایا اس دن میری قیادت پر کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوگا۔ میں اولادِ آدم کا آقا ہوں گا۔ مولا ہوں گا قیامت کے دن۔ میں وہ ہوں!

"واوّل من تشق عنه القبر"O (سب سے پہلے میری قبر کھلے گی)

اور قبر سے میں باہر آؤں گا۔ یہاں ایک چھوٹا سا لطیف نکتہ ہے یہاں جب تشریف لائے ہیں تو سب کے بعد آئے ہیں۔ قیامت کو اٹھیں گے تو سب سے پہلے اٹھیں گے۔ عظمت اسی میں ہے پہلے اعلان کرتے رہے کہ وہ آرہے ہیں۔ اب اگر ان کے بعد کوئی آجائے تو یہ ان کی عظمت کے خلاف ہے۔ لہذا یہاں تو انہیں سب سے آخر آنا چاہیے۔ وہاں کسی اور کی نبوت کا اعلان نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے اس لیے اٹھنا چاہیے کہ جب ہم اپنی قبروں سے نکلیں گے تو حشر کا خوف ہم پر طاری نہ ہو۔ کیوں حشر کو خوف طاری نہ ہو؟ جب آپ کو کسی سرکاری جگہ پر بلایا جاتا ہے بطور الزام کے آپ وہاں جاتے ہیں تو پہلے سے متعلقہ افسر کے پاس آپ کے دوست موجود ہیں، تو واضح بات ہے کہ آپ کا خوف ختم ہو جائیگا۔ کہ میرا دوست مجھ سے پہلے یہاں موجود ہے، میرا

Marfat.com

تحفظ ہو چکا ہے، قیامت کے میدان میں آپ قبر سے سر اٹھائیں گے۔ اور پہلی نگاہ پڑے سرکارؐ پر تو آپ کا کیا خیال ہے پھر خوف رہ جائیگا؟ کیا سرکارؐ کے ملنے کے بعد خوف رہ جایا کرتا ہے؟ کیا سرکارؐ جو ساری کائنات کے شافع ہیں، ان کے ملنے کے بعد بھی خوف کا جواز ہے؟ تو ارشاد فرمایا سب سے پہلے قیامت کے دن میں اپنی قبر سے باہر نکلوں گا۔ تمہاری نگاہیں سب سے پہلے مجھ پر پڑیں گی۔ اور میں پہلا شافع ہوں۔ کوئی بھی شفاعت کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔

"واوّل مشفع" ٥

آپ کو معلوم ہے کہ سفارش کرنے والے سفارش کرتے ہیں۔ کبھی مانی جاتی ہے۔ کبھی نہیں مانی جاتی۔ میری شفاعت لازماً مانی جائے گی۔ میں پہلا شافع ہوں، اور پہلا مشفع ہوں۔ مشفع کا لفظی معنی ہے کہ جسکی شفاعت مان لی گئی ہو۔ میں وہ ہوں جسکی شفاعت مان لی گئی ہے۔ اس حدیث سے اگلی حدیث مزید وضاحت کرتی ہے۔

حضرت عتبہ بن عامرؓ نبیؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ ایک دن گھر سے باہر تشریف لائے اور احد والوں کی نماز جنازہ پڑھائی۔ جس طرح نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ نماز جنازہ پڑھائی گئی کہ احد کے دن نماز جنازہ نہیں پڑھائی گئی تھی۔ آج سرکارؐ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز جنازہ پڑھانے کا یہ واقعہ احد کے ساڑھے سات، آٹھ سال بعد پیش آیا، کیونکہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب بخاری میں یہ بات موجود ہے، جو دنیائے اسلام کے نزدیک قرآن کے بعد سب سے معتبر کتاب ہے۔ باقی حدیث کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے کہ سرکارؐ نے نماز جنازہ پڑھائی زندگی کے بالکل آخری دنوں میں۔ تو اس سے دو تین باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔ آپ اگر توجہ دیں گے۔ تو بات سمجھ آ جائیگی۔ میت پر آپ اس وقت تک نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ جب تک وہ قبر میں پھٹ نہ گیا ہو، بشرطیکہ آپ نے اس کے دفن سے پہلے نماز جنازہ نہ پڑھا ہو۔ یہ ایک فقہی مسئلہ ہے جو حدیث کی روشنی میں میں آپ کے سامنے کھول کر بیان کر رہا ہوں۔

نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، مردہ جنازے کے بغیر دفن ہو گیا تو جب تک وہ قبر میں پھٹا نہیں آپ اس کا جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ اگر پھٹ گیا تو جنازہ نہیں پڑھیں گے۔ دعا ویسے کر دیا کریں۔ اب اس کی حد کیا ہے۔ کہ وہ کب پھٹ جاتا ہے؟ اگر سردیوں کا موسم ہے تو اس کے لیے ماہرین طب نے تین دن متعین کیے ہیں۔ اور اگر گرمیوں کا موسم ہے تو چوبیس گھنٹے متعین کیے۔ سرکارؐ نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں سات آٹھ سال کے بعد۔ اس کا دوسرے لفظوں میں معنی یہ۔ ہے کہ احد والے جس طریقے سے قبروں میں پڑے تھے۔ ساڑھے سات سال بعد اسی طرح پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ عملاً شہادت ہے اس بات کی کہ شہید اپنے انداز سے ہوتا ہے۔ وہ باقی ہوتا ہے۔ سرکارؐ نے جنازہ پڑھا۔ دوسری حدیث کی کتابوں میں آتا ہے کہ خلافت صدیقؓ کے دوران سیلاب کی وجہ سے قبروں کا کچھ حصہ اکھڑ گیا تو احد والے اس طرح اپنی قبروں میں پڑے تھے۔ جس طرح ہم نے انہیں

Marfat.com

سے اس کے ساتھ ملا کے ایک معنی تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

تو اب یہ اندازہ تھا تفسیروں کا۔ لیکن اسلام کے اندر جب مختلف دنیاوی علوم آئے جسے اس دور کی سائنس کہا جا سکتا ہے فلسفہ کہہ سکتے ہیں منطق کہہ سکتے ہیں مختلف قوموں کا طرز زندگی کہہ سکتے ہیں تو پھر ایسے مفسر کو آنا چاہیئے تھا۔ جو اس دور کے سارے ذہنوں کو ساتھ لے کر تو چل سکے اس سلسلے میں بہت ہی اونچی کتاب ہے جو تفسیر ہے۔ فخر الدین رازی کی۔ انہوں نے اس دور کے سارے علوم کو ایک لائن میں کھڑا کر کے قرآن کا غلام ثابت کیا ہے۔ میں اب اکثر علمی محفلوں میں علماء سے ، دانشوروں سے، وکلاء سے اور ججوں سے یہ بات کہا کرتا ہوں کہ کیا آج ایک اور رازی پیدا نہیں ہو سکتا؟ جو سارے جدید علوم کو بھی جو رازی کے بعد منصۂ شھود پر جلوہ ریز ہوئے ہوں ۔ انہیں بھی ایک لائن میں کھڑا کر کے قرآن کا تابع ثابت کر دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کیونکہ سائنسدان ہیں انہیں میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ آپ کوشش کر کے قرآنی علوم کو انکے الفاظ کو جدید سائنس پر غالب کر کے ثابت کریں۔

دور حاضر میں مصر کے ایک محقق نے یہ بات کرنے کی کوشش کی اس کا نام رشید رضا ہے لیکن جو سب سے بڑی خامی اس کتاب کا مطالعہ کرنے پر مجھے محسوس ہوئی وہ یہ تھی کہ قرآن کو سائنس کے تابع کر دیا گیا تھا۔ اور یہ غلط بات ہے طرز فکر یہ ہونا چاہیے کہ قرآن کے حقائق باقی دنیا کے حقائق پر چھا جائیں تبھی وہ اقوم ہوگا۔ اور اگر کسی اور چیز کے وہ تابع ہوگا۔ تو وہ اقوم نہیں ہوگا۔ اور یہ قرآن کی عظمت ہے۔ کہ اس نے اقوم رہنا ہے اب جوں جوں حالات بدلے ایک عجیب لچک ہے قرآن کے الفاظ کے اندر رائٹر لکھ رہا ہوتا ہے اس کا اپنا ایک مفہوم ہے اسے کھینچ تان کر آپ ایک اور مفہوم کی طرف لے جائیں گے۔ تو اس سے دس مفاہیم کو آپ اخذ نہیں کر سکتے اور مرور زمانہ کے ساتھ اس سے ایک سو مفاہیم تو آپ اخذ نہیں کر سکتے یہ قرآن کی کتنی بڑی عظمت ہے کہ اس کے الفاظ کو دور اول کے لوگوں نے اپنے ماحول کے مطابق پایا اور 1400 سو سال کے بعد جب اس کے الفاظ سامنے آئے تو انسان نے کہا کہ یہ تو وہی میرے ماحول کی بات ہو رہی ہے۔ اس کے الفاظ میں اتنی لچک تھی کہ اس نے سب نظریات کو سمیٹ لیا اور غالباً اسی چیز کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے ایک بہت پیاری بات کی ہے کہ جب قرآن کا مطالعہ کر رہے ہو تو یہ یقین رکھو کہ قرآن آج پہلی دفعہ تم پر نازل ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب کیا ہوا کہ دماغ کو بھی خالی کر لو اور دل کو بھی خالی کر لو وہ نظریات جنہیں سامنے رکھ کر آپ قرآن کو حل کرنا چاہتے ہیں انہیں اٹھا کر ایک طرف پھینک دیں اب قرآن جو آپ کو نظریات دیتا جائے وہ حقیقت ہوگی۔ اور اس بات کو سمجھنے کیلئے چند علوم ابتداً ضروری ہیں تا کہ قرآن آپ سے بات کر سکے عرض یہ کر رہا تھا کہ قرآن نے کہا۔ **"فاتوا بسورۃ من مثلہ"** ٥

سورت کو نکرہ رکھا اب یہ آپ کہہ سکتے تھے کہ اگر یہ سورت نکرہ نہ ہوتی اسے معرفہ کر دیا جاتا تو پھر کوئی مخصوص سورت مراد

رکھا تھا۔ایک آدمی نے اپنے زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ہم نے ہاتھ ہٹایا تو خون رسنے لگ گیا۔ہم نے ہاتھ چھوڑا تو انہوں نے پلٹ کر ہاتھ وہیں رکھ لیا جہاں زخم تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جانیں اللہ کی راہ میں صرف کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جسموں کو بھی یہ عظمتیں عطا فرما دیں۔حالانکہ جسم ایک ثانوی حیثیت کی شے ہے۔ انشاءاللہ قرآن پاک کی مختلف آیات کی شرح کرتے ہوئے جسم و روح پر میں بحث کروں گا تو یہ باتیں وہاں تفصیل سے آئیں گی۔اب سرکارؐ نے ان کا جنازہ پڑھایا!

"ثم انصرف الی المنبر"o (جنازہ پڑھانے کے بعد مسجد نبویؐ کے منبر پر آپ تشریف لے آئے)

اس کا مطلب ہے کہ نماز جنازہ مسجد کے اندر ہو رہی تھی۔ چونکہ انکے وجود تو مسجد میں موجود نہیں تھے۔ یہاں سے ایک اور بات ضمناً پتہ لگی کہ Deadbody کا امام کے سامنے ہونا ضروری ہے وہ اسے دیکھ رہا ہو مقتدی نہ دیکھ رہے ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔نماز جنازہ ہو جاتی ہے۔لیکن امام نہ دیکھ رہا ہو تو نماز جنازہ نہیں ہوتی۔سرکارؐ نے حبشہ کے شاہ کا جنازہ بھی پڑھایا تھا۔ آپ نے سویرے نماز پڑھنے کے بعد اپنے غلاموں کو ارشاد فرمایا کہ تمہارا بھائی شاہ حبشہ فوت ہو گیا ہے۔آیئے اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔لیکن سرکارؐ کو وہ نظر آ رہے تھے۔میری عقیدت یہاں کچھ اور کہتی ہے جو سرکارؐ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے وہ صدیقؓ کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں ہے۔فاروقؓ، عثمانؓ اور حیدرؓ کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے براہ راست روشنی مصطفیؐ سے حاصل کی۔تو سرکارؐ نے جنازہ بھی اسی طرح پڑھایا تھا۔محدثین نے یہ کہا کہ سرکارؐ انہیں دیکھ رہے تھے۔ یہاں بھی وہی بات ہے قبروں کے اندر موجود ہیں۔ وہ صحابہ عالی مقام، جو احد میں شہید ہوئے ہیں۔لیکن نگاہ مصطفیؐ سے اوجھل نہیں ہیں۔لہٰذا وہ ملاحظہ فرما رہے ہیں تو نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔اور جب جنازہ کی نماز ہو جاتی ہے تو سرکارؐ نے یہ لفظ ارشاد فرمایا، اس پر تو طبیعت مچلتی ہے!

"فقال انی فرطکم"o

فرط اسے کہتے ہیں جسے آپ پیشگی بھیجتے ہیں کہ میں نے فلاں جگہ پر آنا ہے آپ تشریف لے جائیں۔ وہاں ضروریات مہیا کر رکھیں۔تو جو ضروریات مہیا کر رکھتا ہے پہلے جا کر، اسے عربی زبان میں فرط کہتے ہیں۔سرکارؐ نے فرمایا تم بعد میں آؤ گے میں تمہارے پہلے جا کر سارے معاملات سدھار رکھوں گا۔

"انی فرطکم"o

سارے معاملات میں پہلے سدھار رکھوں گا میں تمہارے لیے فرط ہوں۔

ایک اور حدیث میں اسے ایک اور انداز سے آپ نے فرمایا۔ ہمارے محبوب ہمارے لیے کتنی بڑی رحمت ہیں۔آپ نے فرمایا جس خاتون کے تین بچے مر جائیں تو وہ والدین کو جنت میں ساتھ لے کر جاتے ہیں۔حضرت عائشہؓ نے پوچھا حضورؐ اگر دو

Marfat.com

ہوں تو؟ فرمایا دو ہوں تو تب بھی۔ مائی صاحبہ نے پوچھا کہ اگر ایک ہو تو؟ آپ نے فرمایا ایک ہو تو وہ بھی جنت میں نہیں جاتا جب تک والدین کو ساتھ نہ لے چلے۔ مائی صاحبہ نے ایک نرالا سوال کر دیا عرض کیا حضور اگر کسی کا کوئی بھی فوت نہ ہوا ہو تو سارے ہی بالغ ہو گئے ہوں یا اولاد ہوئی ہی نہ ہو تو پھر کیا ہو گا؟ فرمایا ان کے لیے میں فرط ہوں۔ میں جو ہوں۔ پھر مائی صاحبہ کو شاباش دینے والے انداز میں فرمایا کہ میری امت کی بھلائی چاہنے والی اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے، میں جو ہوں۔ مجھ سے بڑھ کر اور کیا ان کے لیے نعمت ہوگی۔ جو کہ ان کی ملاقات کے بغیر چلا گیا ہوں۔ مجھے لاکھوں کروڑوں انسان دیکھ نہیں سکیں گے۔ تو میں ان کا فرط ہوں۔ ان کو جنت میں لے کر جانے کی ذمہ داری میری ہے۔ تو کتنی پیاری بات ہے جو سرکار نے فرمائی کہ!

"انی فرطکم وانا شھید علیکم" ٥ (میں تمہارا فرط بھی ہوں اور میں تمہارا گواہ ہوں)

اور پھر یہاں بڑی نفیس بات ارشاد فرمائی۔ سوال یہ ہوتا تھا کہ احد والے جو ہیں۔ وہاں سے مسجد نبوی سے اڑھائی تین میل کے فاصلے پر ہیں۔ سامنے دیواریں حائل ہیں۔ تو وہ کیسے نگاہ نبوت کے سامنے آسکتے ہیں؟ اسے اس طریقے سے سرکار نے زائل فرمایا کہ اللہ اللہ طبیعت وجد کرنے لگ جاتی ہے۔ فرمایا!

"وانی واللہ لا نظر الی حوضی الان" ٥ (مجھے اللہ کی قسم ہے کہ میں اپنے حوض کوثر کو یہاں بیٹھا بھی دیکھ رہا ہوں)

مجھے اللہ کی قسم ہے، سرکار نے قسم کھا کر لفظ ارشاد فرمایا۔

یہ تو بڑی قریب کی جگہ ہے احد وہاں سے کتنی دور ہے؟ اللہ کی قسم میں اپنے حوض کوثر کو یہاں بیٹھا اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اور میں یہ بات تمہیں بتا دوں، مجھے اس کا کوئی خوف نہیں اپنے بعد کہ تم مشرک ہو جاؤ گے۔

"ان تشرکوا" ٥ (یعنی تم میرے بعد قطعاً مشرک نہیں ہو گے)

میرے بھائیو! بہنو! اور عزیز بچیو! اس بات پر غور کیجئے اگر منبر پر کوئی مولوی گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ بات کہتا ہے کہ مسلمان مشرک ہو گئے ہیں وہ یقیناً جھوٹا ہے۔ اس لیے جھوٹا ہے کہ سرکار نے کہا کہ میرے بعد تم باقی سارے گناہ کرو گے۔ شرک نہیں کر سکتے ہو۔ سرکار کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے جو بخاری جیسا عظیم آدمی روایت کر رہا ہے۔ مولوی صاحب کی بات کا کوئی معنی نہیں ہے۔ لہذا امت بالکل شرک نہیں کر سکتی۔

"ولکن اخاف" ٥ (اپنے بعد مجھے خوف اس بات کا ہے)

"ان تنافسوا فیھا" ٥ (تم دنیا میں گھس جاؤ گے)

اور خدا کو بھول جاؤ گے۔ حقوق کو چھوڑ دو گے۔ اس بات کا خوف ہے کہ دنیا میں تم گھس جاؤ گے، غفلت تم پر طاری ہو جائے گی۔ شرک نہیں آئے گا۔ اب ہمیں اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا ہو گا کہ کہیں ہم اس حد تک تو نہیں گھس گئے جس

گھسنے سے سرکارؐ نے خوف کا اظہار فرمایا ہے؟ اگر گھس گئے ہیں تو ہمیں پاؤں پیچھے کھینچ لینے چاہئیں۔ تا کہ زندگی میں اعتدال پیدا ہو سکے۔ اس حدیث کے ان الفاظ کو پلے باندھ لیا جائے۔ لفظ یہ ہیں۔ میں تبرکاً پڑھ رہا ہوں!

"وانّی واللّٰہ مااخاف من بعدی" o (میں اپنے بعد اس بات سے نہیں ڈر رہا)

"ان تشرکوا" o (تم شرک کرلو گے)

"ولکنّ اخاف ان تنافسوا فیھا" o (لیکن مجھے خوف ہے کہ تم دنیا میں گھس جاؤ گے۔ اور غفلت کا شکار ہو جاؤ گے)

اس تفصیلی حدیث کے بعد حضرت جابرؓ کی اگلی حدیث ملاحظہ ہو۔ سرکارؐ نے فرمایا!

"اعطیت خمساً" o (مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں)

"لم یعطھن احدقبلہ" o (یہ پہلے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں)

ان پانچ میں سے پہلی ہے۔

"نصرت بالرعب مسیرۃ شھر" o

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ رعب عطا فرما رکھا ہے کہ دشمن مہینہ کے فاصلے پر دور بیٹھا ہو۔ وہ مجھ سے ڈرتا رہتا ہے''۔

یہ تو سرکارؐ کی اپنی بات ہوئی۔ ہم تو سرکارؐ کے غلاموں کو دیکھتے ہیں آپ پرانی تاریخیں ملاحظہ فرمائیں تو ایک بڑی نرالی بات نظر آتی ہے۔ کسریٰ رات کو اپنی چار پائی پر اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا، بڑبڑا کر اٹھ جاتا تھا قیصر اٹھ جاتا تھا اور زبان پر یہ لفظ ہوتے تھے۔

"آمد ند آمد ند" o (وہ آگئے وہ آگئے)

اور اس کے محافظ، باڈی گارڈ یہ پوچھا کرتے تھے۔ کہ کون آگیا؟ وہ کہتا تھا کہ عمرؓ کی فوجیں آگئی ہیں۔ تو سرکارؐ کی تو بات ہی نرالی ہے۔ جہاں فاروق اعظمؓ کا مقام یہ ہے کہ وہ مدینہ میں بیٹھے ہیں اور کسریٰ مدائن میں تڑپ رہا ہے کہ آگئے آگئے۔ اور جب سچ مچ آگئے تو پھر تاریخ کہتی ہے کہ دریا عبور کر کے صحابہؓ پار کر گئے۔ انہوں نے کہا دریا میں اترے ہیں بہہ جائیں گے۔ ہماری جان چھوٹ گئی۔ لیکن جب وہ دریا سے پار نکل گئے تو مدائن کے باسی شہر چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور ان کی زبان پر ایک ہی لفظ جاری تھا۔

"جناں آمد ند جناں آمد ند" o (یہ جن آگئے)

انسان تو نہیں کہ نہ انہیں گرمی روکتی ہے اور نہ انہیں سردی روکتی ہے۔ نہ انہیں دریا روکتے ہیں۔ نہ انہیں پہاڑ روکتے ہیں۔ اقبال کے ذہن میں یہی تخیل تھا جب انہوں نے کہا

Marfat.com

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

بات کیا تھی اس کا فلسفہ کیا تھا؟ فلسفہ یہ تھا کہ

دو عالم سے بیگانہ رکھتی ہے دل کو　　　عجب چیز ہے لذت آشنائی

وہ جو خدا سے آشنائی تھی ان کی وہ موجود ہو تو بات وہی بنتی ہے۔ جو اس وقت بنی تھی سرکار ﷺ نے فرمایا! کہ میں مہینہ دور بیٹھا ہوتا ہوں کافر وہاں کانپ رہا ہوتا ہے۔

"وجعلت لی الارض مسجداً وطهوراً" ٥ (ساری زمین میرے لیے سجدہ گاہ اور پاک قرار دے دی گئی ہے) جس آدمی کو جس جگہ نماز کا وقت آجائے۔

"فایما رجل من امتی ادرکته الصلوة فلیصل" ٥ (جس جگہ وقت آجائے نماز کا اس مقام پر میرا امتی نماز پڑھ سکتا ہے)

سابقہ امتوں میں یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے عبادت خانوں سے ہٹ کر کسی مقام پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اسلام نے روئے زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا ایک بین الاقوامی مسلم بات جو ہم تک پہنچائی گئی۔ وہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے قوانین عبادت خانے کو متعلقہ قوم کی ملکیت سمجھتے ہیں اور وہاں مداخلت کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ اقبال کہتے ہیں جب ساری روئے زمین مسجد ہے تو پھر اس میں کسی اور کو تصرف کرنے کا حق ہی نہیں ہے۔ نہ یہودیوں کو ہے، نہ عیسائیوں کو ہے، نہ ہندوؤں کو ہے۔ یہ جناب عیسیٰؑ نے نہیں فرمایا، سیدنا موسیٰؑ نے نہیں فرمایا۔ چونکہ ان کا حق نہیں تھا۔ جس کا حق ہے اسی نے فرمایا ہے تو ساری کی ساری زمین مسجد ہے۔ تو مسجد کس کا عبادت خانہ ہوتا ہے؟ مسلمان کا لہٰذا اس زمین پر اسلام کے علاوہ کسی اور قانون کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ نکتہ ہے جو اس حدیث پر غور کرتے ہوئے علامہ اقبال کے عظیم ذہن میں آیا۔ ارشاد فرمایا!

کہ میری امت کے لیے غنیمتیں حلال ہوئیں، جو پہلے لوگوں کے لیے حلال نہیں تھیں۔ غنیمت کیا ہوتی ہے؟ اسکی حدود و قیود کیا ہیں؟ اس پر تفصیلی گفتگو ترجمہ قرآن کے دوران جہاں یہ ذکر آئے گا وہاں بیان ہوگا۔

اور فرمایا کہ!

"واعطیت الشفاعة" ٥ (مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے)

مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئی تھی۔ آپ قرآن کا مطالعہ فرماتے ہیں۔ تو ایک واضح سی بات آتی ہے۔ کہ جناب آزر کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے شفاعت فرمائی تھی۔ اور اللہ کریم نے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ قرآن میں موجود ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ استحقاقی شفاعت سرکار ﷺ سے پہلے کسی کو حاصل نہیں تھی۔ اور جب کسی کو حاصل نہیں تو سب سے پہلے شفیع سرکار ﷺ کی ذات ہے۔ ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن جب میں شفاعت کر چکوں گا تو پھر بیشمار اللہ کے اور بندے بھی شفاعت کریں

Marfat.com

گے۔ اللہ کریم ان کی بات مانیں گے۔ یہ تفصیلی بحث بھی مقام شفاعت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن پاک میں جب ہم چلیں گے تو اس پر انشاء اللہ بے حد لمبی گفتگو ہوگی۔

اگلی بات یہ فرمائی کہ نبی بھیجا جاتا تھا۔ اپنی قوم کے لیے خاص طور پر (وہ عوامی نبی نہیں ہوتا تھا)

"فکا ن النبی یبعث الیٰ قومه خاصة و بعث الیٰ النّاس عامة"o (متفق علیہ)

ترجمہ: ''مجھے سب انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے''۔

یہ حدیث بخاری میں بھی ہے، مسلم میں بھی ہے اور اس کے ساتھ اگلی حدیث یہ ہے۔

"اوتیت جوامع الکلم"o (میری خصوصیات میں یہ بات بھی ہے کہ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے ہیں)

جامع کلمات وہ ہوتے ہیں کہ لفظ بالکل چھوٹا ہوتا ہے۔ اور معنی بے حد بڑا ہوتا ہے۔ اس قسم کے ارشادات سے حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حدیث کو چھوڑ دیا جائے۔ جبکہ ان علم وحکمت کے انمول موتیوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ میں ایک فقرہ چھوٹا سا کہتا ہوں۔ انصار کو سرکارؐ نے کچھ عطا کرنے کے لیے بلایا۔ انہوں نے آنے میں بڑی دیر کی اور جو آئے تو دو چار بندے آئے۔ حالانکہ سرکارؐ کی دعوت پر مسجد فوراً بھر جاتی تھی۔ اگر کوئی اور خطیب ہوتا تو ناراض ہوتا کہ میں اتنی دیر سے انتظار میں بیٹھا ہوں آپ آئے نہیں ہیں۔ سرکارؐ نے ایک چھوٹا سا فقرہ ارشاد فرمایا جب انصار آ گئے جو تھوڑے سے تھے۔

"الکم تکثرون عندالفزع وتقلون عندالطمع"o

ترجمہ: ''کہ جب خوف کی نوبت ہوتی ہے تم جھرمٹ کر آتے ہو اور جب طمع ولالچ کا معاملہ ہو تو بہت کم آتے ہو''۔

میجر صاحب! میں سمجھتا ہوں کہ کسی جرنیل نے اس سے بہتر لفظ آج تک اپنے ساتھیوں کو نہیں کہا۔ کہ جب موت سامنے عریاں رقص کر رہی ہوتی ہے تو پروانوں کی طرح مجھ پر گر رہے ہوتے ہو اور جب میں مال دینا چاہتا ہوں تو نہیں آتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمھارا سارا عمل رضائے ربانی کے لیے ہے۔ مال لینے کے لیے نہیں ہے۔ جب مال دینا چاہتا ہوں تو تم نہیں آتے ہو۔ اور جب جان کی ضرورت ہوتی ہے تو تم دیر نہیں کرتے۔ اب یہ چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن اس فقرے پر جب آپ گہرے انداز سے غور کریں گے تو معانی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس کے اندر موجود ہے۔ سرکارؐ کے ایک ایک لفظ پر سینکڑوں صفحات کی کتابیں تحریر کی جا سکتی ہیں۔ اور مجھ جیسا طالب علم تحریراً لکھ سکتا ہے۔ اصحاب علم کی بات نہیں کر رہا۔ وہ تو خدا جانے کیا کچھ کر سکتے ہیں۔

"وختم بی النبیون"o

اوپر حدیث تھی کہ میں عاقب ہوں۔ آئیے ایک ٹکڑا اور آ گیا۔ کہ میرے ذریعے نبی ختم ہو گئے ہیں۔ میرے بعد نبوت نہیں

Marfat.com

ہے۔ باقی نبیوں کو نبی ماننا ضروری ہے۔اور سرکارؐ کو خاتم الانبیاء ماننا ضروری ہے۔یعنی نبوت کے ساتھ جب تک انہیں آخری نبی نہیں مانیں گے ، اسلام میں آپ داخل نہیں ہو سکتے ، یہ ضروری ہے۔سرکارؐ جو فرماتے ہیں وہ کیا ہے؟اس کے لیے سرکارؐ نے تورات کے حوالے سے یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تعلیمات مصطفویؐ سے نابینا آنکھیں بینا ہو جائیں گے۔دیکھیں ہم دیکھتے ہیں لیکن ہماری نظریں محسوسات تک محدود ہیں۔آپ کبھی غور کریں گے۔تو آپ کو پتہ چلے گا کہ غیر محسوس اشیاء کو آپ نہیں دیکھ سکتے جو حسیات کی دنیا سے باہر ہیں وہ آپ کی نظر کی Approach سے بھی باہر ہیں۔تو فرمایا مصطفیٰؐ نے کہ بقول تورات ان نابینا آنکھوں کو بینا کر دیا۔جو محسوس تھا اسے تو ساری دنیا دیکھ رہی تھی۔لیکن آنکھیں پھر غیر محسوس کو دیکھنے لگ گئیں۔ایک بات ہوئی دوسری بات یہ تھی وہ کان جو بہرے تھے۔حق کی طرف نہیں لگتے تھے۔وہ کان سننے لگ گئے۔اور وہ دل جو غفلت کی گہرائیوں میں ڈوب چکے تھے۔وہ سارے کے سارے دل اپنے غلاف اتار کر سامنے آگئے۔حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ سرکارؐ نے فرمایا وہی او پر والی حدیث میں کچھ اضافہ ہے کہ قیامت کے دن میں اولاد آدم کا آقا ہوں گا۔لیکن یہ میں فخر کے طور پر بات نہیں کر رہا یہ امر واقعہ کا اظہار ہے۔میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا۔یہ بھی کوئی فخر والی بات نہیں ہے۔میں نے جہاں تک سنت کا مطالعہ کیا ہے مجھے ایک بات ہی ملی ہے وہ یہ ہے کہ قیامت کے دن صرف ایک جھنڈا ہوگا اور وہ سرکارؐ کا جھنڈا ہے ۔حضرت ابراہیمؑ کے پاس جھنڈا نہیں ہوگا حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے پاس جھنڈا نہیں ہوگا۔وہ مسلم لیگ، پیپلز پارٹی یا کسی اور سیاسی پارٹی کے جھنڈے نہیں ہیں۔جتنے بندے کم ہوں اتنے جھنڈے زیادہ ہوں۔وہاں تو بات یہ ہوگی۔کہ جھنڈا صرف ایک ہے اور سرکارؐ نے ارشاد فرمایا!

"ومامن نبی یومئذ آدم و من سواہ"o (اس دن کوئی نبی نہیں ہوگا۔خواہ وہ آدم ہو یا باقی نبی ہوں)

"الاتحت لوائی"o (مگر وہ سارے کے سارے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے)

ہمارے یہاں کچھ لوگ یہ کہتے رہتے ہیں کہ آپ کس امام کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے؟ میاں یہاں غور کر کے اس نکتے کو سمجھ کہ قیامت کے دن نہ ابو حنیفہ کے پاس جھنڈا ہوگا اور نہ ابو بکرؓ اور علیؓ کے پاس جھنڈا ہوگا۔

وہاں جب حضرت سیدنا ابراہیمؑ کے پاس جھنڈا نہیں ہوگا تو کسی اور کے پاس جھنڈا کہاں سے آئے گا، رحمت عالم فرماتے ہیں کہ سارے کے سارے حضرت آدم سے لے کر آخر تک تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔یعنی وہ ایک ہی جھنڈا ہوگا جس کی قیادت کو وہ مان رہے ہوں گے۔

"وانا اول من تنشق عنه الارض"o (میری ہی قبر سب سے پہلے کھلے گے)

لیکن یہ کوئی فخر والی بات نہیں ہے۔یہ ترمذی میں ہے اور مشکوۃ میں، چونکہ اس میں لفظ زیادہ آتے ہیں، بخاری کی نسبت

۔لہٰذا اس حدیث کا دوبارہ میں نے ترجمہ کردیا۔

دوسری حدیث میں یہاں ہی ساتھ ہے کہ میں اللہ کا حبیب ہوں۔ حبیب دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی یہ صفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مولانا امیر حمزہ صاحب! اس وقت اس میں فاعلیت ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ صفت مشبہ مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر فاعل کے معنی میں ہو تو معنی ہوں گے میں اللہ کا چاہنے والا ہوں۔ اور اگر مفعول کے معنی میں ہو تو اسکے معنی ہوں گے۔ کہ اللہ مجھے چاہتا ہے۔ تو اسے خواہ پہلے معنی میں لے لیں، محب۔ کے معنی میں لیں یا محبوب کے معنی میں لے لیں، دونوں حیثیتوں سے یہ لفظ عربی زبان میں استعمال ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا!

"وانا اکرم الاولین والآخرین "O

ترجمہ: ''اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ کرم والا، عظمت والا، اللہ کے سامنے شان والا میں ہی ہوں''۔

اور اس میں ذرا بھی مجھے فخر نہیں ہے۔ اس کے ساتھ اگلی حدیث میں اضافہ ہے جسے میں نے ساتھ نقل کردیا ہے۔

"والمفاتیح یومئذبیدی"O (اس دن ساری چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی)

سب چابیاں میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اب سب چابیوں میں کون کون سی چابی آتی ہے۔ جنت کی چابیاں ہیں، علوم کی چابیاں ہیں، اللہ کی قربت کی چابیاں ہیں، یہاں دنیا کے متعلق فرمایا تھا کہ!

"اوتیت مفاتیح خزائن اللہ "O (اللہ کے خزانوں کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

"انّما انا قاسم واللہ یعطی "O (دیتا اللہ ہے لیکن تقسیم کا سلسلہ میرے ہاتھ میں ہے)

یہاں ارشاد فرمایا! کہ میدان محشر میں ساری چابیاں تو میرے پاس ہوں گی، ان چابیوں پر مجھے ایک قصہ یاد آیا۔ سرکارؐ مکہ مکرمہ میں تھے۔ ایک بندے نے کعبہ کی چابی نہیں دی کہ دروازہ کھول کر آپ اندر جائیں۔ اس نے کہا نہیں جی آپ اندر نہیں جاسکتے۔ آپ ہمارے مذہب کے خلاف ہیں، سرکارؐ نے ہنس کے ارشاد فرمایا کہ ایک دن آئے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی، اور جسے چاہوں گا اس کے حوالے کردوں گا، جب مکہ فتح ہوگیا تو سرکارؐ نے ارشاد فرمایا! کہ اس چابی بردار کو ذرا بلاؤ تو جب وہ آیا تو اسے پتہ تھا کہ آج میرے خاندان سے یہ عزت چلی جائے گی۔ کعبہ کی چابی مجھ سے آج لے لی جائے گی۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ چابی میرے حوالے کر، چابی لے لی، وہ آنسو بہاتا ہوا واپس پلٹا، جب پشت پھیری تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے میرے پاس واپس لے آو۔ واپس آیا تو ارشاد فرمایا کہ پہلے تجھے کسی نے چابی دی تھی۔ شاید یہ تیری پشت میں دو چار پشتیں رہ جاتی۔ آج میں تجھے دے رہا ہوں تو قیامت تک کوئی بھی یہ چابی تم سے نہیں لے سکتا۔ میں تمہیں یہ چابی دے رہا ہوں اور میں نے تجھے ایک

دن کہا تھا کہ یہ چابی ایک دن میرے پاس ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اسے دے دوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ تو مزاج شناس نبوت نہیں ہے۔ وگرنہ تو اس دن اس لفظ سے پتہ پالیتا کہ کل کو یہ چابی مجھے ملنے والی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بات ہے، تیرا اپنا ایک معیار ہے، ہمارا اپنا ایک معیار ہے ہم تیری خاطر اپنے معیار کو تو نہیں چھوڑ سکتے۔ لہذا چابی تیرے ہاتھ میں واپس دی جارہی ہے۔

قیامت کے میدان میں ارشاد فرمارہے ہیں کہ چابیاں ساری کی ساری اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی۔ اگلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں سرکارؐ نے فرمایا!

"انما انا رحمة مهداة" ٥ (میں رحمت ہوں جسے بہادیا گیا ہے)

یہ آپ نے دو چیزوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ مھداۃ یا تو سیلاب کا پانی ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ جدھر اس کا رخ ہو جائے وہ چلتا جاتا ہے یا ہوا ہے کہ جب چلتی ہے تو کسی جگہ کو پھر وہ خالی نہیں چھوڑتی۔ فضاؤں کو معمور کرتی ہے اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سرکارؐ نے فرمایا میں رحمت مھداۃ ہوں۔ یعنی کوئی جگہ مجھ سے خالی نہیں ہے۔ جہاں میری روشنی نہ پہنچے جہاں میرا فیض نہ پہنچے۔ جہاں میری ہدایت نہ پہنچے۔ اسی کو ایک اور حدیث میں سرکارؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کریم نے مشرق اور مغرب کے پردے ہٹا دیئے۔ میں نے کائنات کے مشرق و مغرب سب کو دیکھا ہے۔ جہاں جہاں میری نگاہ پہنچی ہے وہاں وہاں میرے غلام ضرور جائیں گے۔ اب دنیا کا کوئی خطہ نہیں جہاں مسلمان موجود نہ ہوں۔ تھوڑے ہوں زیادہ ہوں لیکن آج کوئی قیامت تو نہیں آگئی۔ خدا جانے یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟ تو دنیا کا کوئی حصہ نہیں جو نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے منور نہ ہوا ہو لہذا فرمایا جہاں بھی میری نگاہ پہنچی، وہاں میری امت پہنچے گی۔ تو یہی وہ چیز ہے جسے رحمت مھداۃ کہتے ہیں۔ اگلی حدیث میں ارشاد ہوا۔ کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میں نبیوں کا امام ہوں گا۔ ایک دن تو پہلے نبیوں کے امام تھے۔ معراج کی رات جب سب کو نماز پڑھائی تھی، میں ان کا خطیب ہوں گا۔ یعنی بولنے کا حق صرف مجھ ہی کو حاصل ہوگا۔ اگلا فقرہ وہ ہے جس نے مذہب کی دنیا میں ایک عجیب انداز پیدا کر دیا ہے، فرمایا!

"وصاحب شفاعتهم" ٥ (نبیوں کی شفاعت کرنے والا بھی میں ہی ہوں)

آپ کی اور میری بات یہاں نہیں ہے، شفاعت انبیاء بھی سرکارؐ کے ہاتھ میں ہے۔ محدثین نے یہاں کئی معنی بیان کیے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ وہ شفاعت نہیں کر سکتے جب تک آغاز شفاعت کا میں نہ کروں۔ دوسری بات یہ کہ انبیاء عالی مقام کئی مقامات پر قیامت میں پہلے ابتدا لوگوں کو کہہ چکے کہ میں نے کیا ہے جو اللہ کو پسند نہیں تھا۔ میں نے یہ کیا اگرچہ وہ گناہ کی بات نہیں تھی۔ لیکن اللہ کو پسند نہیں ہے۔ میرے مرتبے کے مطابق، سرکارؐ نے ان باتوں کو بھی ختم کرانا ہے۔ لہذا آپ انبیاء کے بھی شفیع

ہیں۔فرمایا کہ میں فخر سے یہ بات نہیں کہتا چونکہ غرور کرنا متکبر کا کام ہوتا ہے۔

یہاں تک وہ باتیں تھیں جو سرکارؐ نے اپنے متعلق ارشاد فرمائیں۔اب صحابہؓ سرکارؐ کے بارے میں دو تین باتیں کہتے ہیں۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سرکارؐ کل کے لیے کوئی شے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

یہ ہے زندگی کا وہ عظیم معیار جو کمال تک پہنچاتا ہے۔آنے والے کل کے لیے سرکارؐ کوئی شے ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے،جب کل آئے گا،جس نے آج دیا ہے وہ کل بھی دے دے گا۔یہ بات خلافت راشدہ میں حضرت حیدر کرارؓ کو جو عمر فاروق اعظمؓ سے فکری اختلاف تھا ان میں ایک بات یہ بھی تھی۔آپ نے حضرت عمر فاروقؓ کو کئی دفعہ کہا کہ بیت المال میں کل کے لیے کوئی شے باقی نہ چھوڑی جائے۔تاکہ وہ سرکارؐ کی سنت پورے انداز سے قائم رہ سکے۔یہ مراتب ہوتے ہیں انسانی، جن مراتب کو سامنے رکھ کرامت چلتی رہتی ہے۔حضرت حیدر کرارؓ کے پاس جو آتا تھا۔اسی وقت اسے ختم کر کے بیت المال کو دھلوا کے پھر شکرانے کے دو نفل پڑھا کرتے تھے۔کہ جو آیا تھا وہ ہمارے ذمہ سے ختم ہو گیا ہے۔تو سرکارؐ کا انداز زندگی یہ تھا کہ کل کے لیے کوئی چیز ذخیرہ نہیں ہوتی تھی۔حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی دس سال تک خدمت کی ہے۔دس سالوں میں اپنے غلام کو کبھی بھی آپؐ نے اف تک نہیں کہی،اور نہ یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا ہے۔اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہیں کیا ہے۔یہ آپ کے اخلاق عالیہ ہیں۔جو صحابہؓ کی زبان سے آرہے ہیں۔اس حدیث کے اگلے حصے میں ارشاد فرمایا کہ سرکارؐ سے جب بھی کسی نے کوئی سوال کیا ہے تو کسی سوال کے جواب میں آپ نے نہ کبھی نہیں فرمائی۔امام بوصیریؒ نے شاعری کی زبان میں اس بات کو یوں سمیٹا !

"لو لا التشهد کانت لائه نعم"o

کلمہ تشہد میں 'لا' آیا ہے اگر یہ کلمہ شہادت نہ ہوتا تو یہاں بھی سرکارؐ نعم فرماتے، 'لا' نہ فرماتے۔یعنی ہاں کا لفظ ہوتا 'نہ' کبھی نہ فرمایا جاتا۔کبھی آپ نے لا نہیں فرمایا،کسی کام کے سلسلے میں۔حضرت جابرؓ پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب ہم سرکارؐ کو دیکھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے سرمہ لگایا ہوا ہے۔یہ آپ کی حیات مقدسہ کے بارے میں بات ہے حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوا ہوتا تھا۔ربیعہ بنت معوذ ایک ربعی ہیں ایک ربیعہ ہیں۔ربعی ان کے بھائی کا نام ہے۔اور ربیعہ خاتون ہیں ان کی ہمشیرہ محترمہ۔ان سے بیٹا پوچھ رہا تھا کہ امی میں نے سرکارؐ کو نہیں دیکھا ہے آپ مجھے بتائیں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیفیت کیا تھی؟اب یہ بات لفظوں میں تو سمانے والی نہیں تھی۔مائی صاحبہ نے ایک بڑے نرالے انداز سے بات ارشاد فرمائی۔

"یابنی لو رئیته رئیت الشمس طالعۃ"o

ترجمہ: ''بیٹا اگر کبھی مصطفیٰؐ پر نگاہ پڑتی تو تجھے یہ محسوس ہوتا کہ سورج نکل رہا ہے''۔

یہ انداز ہوتا ،یعنی سورج نکلتے وقت جس طرح تابانی ہوتی ہے۔اور اس پر نگاہ گاڑی جا سکتی ہے۔بالکل وہ انداز ہوتا تھا خواتین کس حد تک سرکارؐ سے محبت کرتی تھیں ۔وصال پاک ہو گیا تو مائیاں چھوٹے چھوٹے بچوں کو اٹھا کر لے آئی تھیں۔سرکارؐ کی خدمت میں ۔اوران کے سر پکڑ پکڑ کر سرکارؐ کی طرف متوجہ کرتی تھیں تا کہ ان کی نگاہ سرکارؐ کے وجود اقدس پر پڑ جائے تو کل میں انہیں کہہ سکوں جب یہ باہوش ہوں کہ تم نے بھی سرکارؐ کی زیارت کی تھی۔اور کیا ہوتا تھا، یہ بخاری کی روایت ہے۔

"**کنّانسمع تسبیح الطعام وھو یو کل** "o کہ سرکارؐ کے دور میں کیا کیا بات تھی" ہم روٹی کھا رہے ہوتے تھے تو روٹی کی تسبیحیں بھی ساتھ سن رہے ہوتے تھے۔روٹی تسبیح کر رہی ہوتی تھی۔" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

خوشاوہ روز کہ یثرب مقام تھا اسکا

خوشاوہ روز کہ دیدار عام تھا اسکا

اس دیدار عام نے یہ رنگ جما دیا تھا کہ جو روٹی کھائی جارہی ہے وہ بھی تسبیح کہہ رہی ہے۔یہ بخاری میں حدیث پاک ہے ۔نبیؐ نے (ایک خاتون)ام سلیم کو فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ

"**عرقک**"o (آپ کا پسینہ مبارک ہے)

اسے ہم اپنی خوشبو میں ملا دیتی ہیں۔

کیونکہ اس جیسی خوشبو کائنات میں کہیں موجود نہیں ہے۔

"**وھو اطیب الطیب**"o

میں اسکا ترجمہ کر رہا ہوں عرض کرنے لگی یا رسول اللہؐ اسے ہم اس لیے اپنی خوشبو میں ڈالتی ہیں تا کہ بچوں میں برکت داخل ہو جائے آپ کے وجود پاک کی۔سرکارؐ نے نہیں فرمایا کہ پسینہ میں کیا برکت ہوتی ہے فرمایا!

"**قال اصبت**"o

ارشاد ہوا کہ تیرا فیصلہ بالکل ٹھیک ہے۔

ایسی بات ہوتی ہے۔تو نے ٹھیک بات کہی ہے۔یہ بخاری میں بھی حدیث ہے۔مسلم میں بھی ہے اور مشکوۃ میں بھی ہے۔ آخر میں حضرت حیدر کرارؓ نے جو آپؐ کے لیے بات کہی ہے اسکا ترجمہ کر کے تشریح نہیں کرتا کیونکہ وقت ختم ہو رہا ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

میں نے آپ سے پہلے آپ کے بعد آپ جیسا کوئی بھی انسان نہیں دیکھا۔آپ کھلے،وسیع سینے والے انسان تھے۔آپ کے پہلو نرمی ہی نرمی سے بھرے ہوئے تھے۔معاشرے میں کریمانہ انداز تھا۔جو اچانک آپ کو دیکھ لیتا اس پر خوف طاری ہو جاتا

ہوسکتی تھی۔ مثلاً جو قرآن کی لمبی سورتیں ہیں ان کا مقابلہ کرو تو قرآن نے اسے نکرہ رکھ کے یہ اعلان کر دیا کہ چھوٹی سے چھوٹی سورۃ جو تمہارے سامنے آسکتی ہے اور پھر اس نے مثال کیلئے تین سورتیں رکھ دیں العصر، الکوثر اور الاخلاص، کہ یہ تین سب سے چھوٹی سورتیں ہیں ان میں سے کسی کے مقابلے میں لے آؤ لیکن قرآن تو اس سے آگے بڑھ گیا ہے ان سورتوں میں تین تین آیتیں تو آجاتی ہیں قرآن نے ایک اور بات یہ کہ دی۔

"فلیا تو ابحد یث مثلہ "O

ترجمہ: ''اس جیسی ایک بات ہی بنادو''۔

مگر ایک ایسا جملہ لے آؤ جو مفاہیم کے حساب سے مطلب کے حساب سے گہرائی اور پنہائی کے حساب سے قرآن کے ساتھ چل سکتا ہو اور تینوں جگہ پر ایک بات مشترک یہ کہی۔

"ان کانوا صادقین "O (وہ اگر سچے ہیں)

دوسرے مقام پر بھی یہی لفظ قرآن نے ارشاد فرمایا!

"ان کنتم صادقین"O (اگر تم سچے ہو)

کوئی ایسی ایک بات ہی سامنے پیش کر دو پھر کیا ہوا؟ کیا یہ لفظی بحث تھی یہ اس حد تک تو ہم مان سکتے ہیں کہ وہ شعر و شاعری کا دور تھا وہاں پر یہ لفظی بحث ہوسکتی تھی۔ لیکن قرآن نے آج تک جتنی تفاسیر سامنے رکھ کے قرآنی علوم کو سامنے رکھ کر جس طرح امت نے اس کو عام کیا ہے یہ لفظی بحث تو صرف نہیں ہے یہ تو وہ حقائق ہیں جنہیں سامنے رکھ کے تو امت آگے بڑھ رہی ہے تو ان حقائق کو کس انداز سے ہم نے لینا ہے جدید دور کیلئے وہ حقائق کس انداز سے پیش کرنے ہیں اس بات پر غور کرنا دور حاضر کے مفکر کیلئے بے حد ضروری ہے اب قرآن پاک میں ایک تو عالمین کیلئے دعوت رکھی چوتھی بات یہ تھی کہ قرآن مکذب نہیں ہے، مصدق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے پاس جتنے سابقہ علوم ہیں اور جتنی حقیقتیں واشگاف ہو چکی ہیں ان حقیقتوں میں سے قرآن کسی حقیقت کا انکار نہیں کرتا یہ تورات کی تفسیر فرماتا ہے انجیل کی تفسیر فرماتا ہے زبور کی تفسیر فرماتا ہے کوئی کتاب کی خواہ چھوٹے سے پمفلٹ کی شکل میں ہو اس کی تشریح کرتا ہے۔ اب آپ کو یہ پتہ ہی ہے کہ تشریح کے بغیر او پر والی عبارتیں قبول نہیں ہوتیں پتہ یہ چلا کہ جس کی قرآن تفسیر کرے گا تو وہ حقیقت ہے اور جس کی قرآن تفسیر نہیں کرے گا وہ حقیقت نہیں ہے۔

قرآن نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے چند صفات بیان کی ہیں کہ قرآن ہدایت ہے قرآن روشنی ہے جس روشنی میں آپ زندگی کے راستوں کو متعین کرتے ہیں قرآن سینے کے مرضوں کی شفا ہے۔ یہاں سینے کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس کی بڑی وجہ یہ

اور جو پہچان کر پاس بیٹھ جاتا، محبت میں ڈوب جایا کرتا تھا۔ اور جو آپ کی وصف کرنے لگتا، نعت کہنے لگتا، یہاں سے لفظ نعت نکلا ہے۔ ''یقول ناعتہ'' آپ کی نعت کہنے والا کہتا کہ نہ آپ سے پہلے کوئی ایسا تھا اور نہ آپ کے بعد کوئی ایسا ہوگا۔

یہ چند احادیث تھیں۔ جو میں نے آپ حضرات کے سامنے اٹھارہ حدیثیں لیں۔ سرکارؐ کی اپنی زبان اقدس سے، صحابہؓ عالی مقام کی زبان اقدس سے، اور یہی وہ ذات تھی جس نے انسانیت کے سارے خود ساختہ نظاموں کو تبدیل کر کے اللہ کے نظام کو ان کی جگہ نافذ کرتا تھا۔ اور گمراہ لوگوں کو کائنات کا ہادی بناتا تھا۔ بے کسوں کے کس، بے بسوں کے بس، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، قائد الغرا المحجلین امام الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، اللہ کریم ہمیں آپ کی محبت سے نوازے، اور آپ کی اتباع ہمارے رگ و پے میں سما جائے۔ **(آمین ثم آمین)**

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

لفظ 'یا' کی تحقیق

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ٥

امّا بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ٥

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ٥

خواتین وحضرات! گزشتہ کئی خطابات کے درمیان ضمناً یہ بات آتی رہی کہ مسلمان صدیوں سے لفظ یا اللہ، یارسول اللہ، یا نبی زبان پر لاتے تھے۔ کیا علمی اور فکری طور پر یہ بات کہنا جائز ہے یا نہیں۔ مقام رسالت پر بات کرتے ہوئے یہ بات ضمناً سامنے آتی تھی یہ بدقسمتی تھی کہ گزشتہ صدی میں کچھ حضرات نے اسے موضوع سخن بنایا اور پھر اسے علمی بحث نہیں رہنے دیا اسے کفر اور اسلام کی بحث بنادیا۔ جو بھی یارسول اللہ کہے وہ مشرک ہوجاتا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں ہمارے سامنے آئیں گی۔

ایک تو یہ کہ گرائمر کے نکتہ نگاہ سے کیا یہ بات جائز ہے یا نہیں؟

دوسری یہ کہ کیا عربی بلاغت اسے جائز قرار دیتی ہے یا نہیں؟

تیسری بات یہ کہ پھر امت نے اس پر کس انداز سے عمل بھی کیا ہے یا نہیں؟

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب عربی گرامر سے پوچھتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ ندا کے لیے عربی میں پانچ الفاظ ہیں۔ ''یا، ایا ھیا، ای، اور اور ہمزہ مفتوحہ۔'یا' کے لیے جتنے بھی عربی گرامر کے مسلمہ استاد ہیں وہ سارے کہتے ہیں کہ یہ قریب کے لیے بھی ہوتا ہے اور بعید کے لیے بھی ہوتا ہے۔ قریب والے کو بھی یا کے لفظ سے خطاب کر سکتے ہیں۔ بعید والے کو بھی یا کے لفظ سے خطاب کر سکتے ہیں۔ عربی کی مشہور کتاب جو دیوبند، بریلی اور باقی سارے برصغیر میں شامل نصاب ہے اس کا نام کافیہ ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے۔ کافیہ کی شرح حضرت جامی نے لکھی۔ انہوں نے بھی یہی کچھ ارشاد فرمایا ہے۔

اس موضوع کی معتبر کتابوں کے بعد ہم آگے بڑھتے ہیں کہ عربی بلاغت والے لوگ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔ مطول میں سعدالدین تفتازانی نے اور جدید دور کی کتابوں میں سے بھی جو مصر میں شامل نصاب ہیں، مثلاً البلاغۃ الواضحہ وغیرہ۔ انہوں نے یہ بات کہی کہ یا کے لفظ سے اسے بھی خطاب کر سکتے ہیں جو قریب ہے اور اسے بھی خطاب کر سکتے ہیں جو دور ہے اسے بھی خطاب کر سکتے ہیں جو آپ کے ذہن میں حاضر ہے۔ ان سب کو یا کے لفظ سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔ یہ بلغاء کی رائے تھی۔ اب شعراء کی رائے آپ ملاحظہ فرمائیں جو عربی شعراء ہیں میں چاہ رہا تھا کہ قدیم شاعری میں سے حماسہ کے دس پندرہ شعر آپ کو سناتا۔

اسلامی شاعری میں فرزدق جریر اور متنبی وغیرہ کے اشعار آتے۔لیکن اس طریقے سے یہ لیکچر بہت لمبا ہو جائیگا۔اور میں اسے اصلی غرض سے ہٹ کر پاتا ہوں جو آج میں گفتگو کر رہا ہوں چونکہ ہمارا مقصد تو اسلامی تعلیم کے انقلابی اندازوں کو اپنانا ہے۔یہ محض اس لیے کہنا پڑا کہ مسلمانوں کے بہت بڑے گروہوں کو بلکہ پوری امت کو جب مٹھی بھر لوگ مشرک اور کافر قرار دے دیں۔تو امت کا دفاع کرنا پڑتا ہے۔اب ان حضرات نے ان لوگوں کو جو موجود نہیں تھے۔حاضر نہیں تھے اور غائب تھے۔انہیں یا کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔عربی شعراء نے خواہ وہ دور جاہلیت کے شعراء ہیں جن کی زبان کو ٹیکسالی زبان سمجھا جاتا ہے یا دور اسلام کے شاعر ہیں جنہیں اپنے موضوع کا عظیم شاعر سمجھا جاتا ہے۔ان سب نے غائب کو یا کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔لیکن جو ذہن میں موجود ہے،جسکا تصور آپ کے ذہن میں ہے،جس کی کچھ حقیقتیں آپ کے ذہن میں موجود ہیں اسے یا کے لفظ سے خطاب کیا جا سکتا ہے۔اب یہ تین اندازوں کی آراء ہیں جو متحد ہیں۔اور اس پر میں ایک دو نہیں بیسیوں نہیں سینکڑوں حوالے پیش کر سکتا ہوں۔کہ یا کا لفظ صرف قریب یا صرف بعید کے لیے نہیں ہوتا۔یہ تو گرائمر کا قاعدہ تھا،بلاغت کے میدان میں جو ذہن میں حاضر ہے اسے بھی آپ یا کے لفظ سے خطاب کر سکتے ہیں۔جو دور ہے اسے بھی خطاب کر سکتے ہیں۔تو اس سلسلے میں شعراء نے بھی یہ بات کہی۔البتہ تھوڑی سی بات جو آپ کے ذہن میں ڈالنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ یا تو کوئی معنی رکھتا ہے لیکن جو حاضر کے الفاظ ہیں جیسے تو ہے،آپ ہیں،یا تم ہو،یہ سارے الفاظ بھی امت نے سرکارؐ کے لیے استعمال کیے ہیں۔

اب اس تھوڑی سی گفتگو کے بعد ہم نے واپس پلٹنا ہے اس بات کی طرف کہ قرآن میں بھی کہیں یا کا لفظ سرکارؐ کے لیے استعمال ہوا ہے۔تو اللہ کریم نے چار جگہ پر قرآن میں سرکارؐ کے لیے یوں استعمال کیا ایک جگہ فرمایا!

"یا ایھا الرّسول "o

دوسری جگہ فرمایا!

"یا ایھا النبی "o

تیسری جگہ فرمایا!

"یاایھا المزّمّل "o

چوتھی جگہ فرمایا!

"یاایھا المدّثر"o

تو چار جگہ یا کا لفظ سرکارؐ کے لیے اللہ نے استعمال فرمایا۔اب جب کوئی اور بندہ یا کا لفظ سرکارؐ کے لیے استعمال کر رہا ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی ایک ادا کو وہ نقل کر رہا ہے۔تو کیا اللہ کی کسی ادا کو نقل کرنا بھی شرک ہوتا ہے اس کا جواب ہے یہ

Marfat.com

بات غلط ہے۔ اللہ کی کسی ادا کو نقل کرنا قطعاً شرک نہیں ہوتا۔ یہ بحث علماء کے لیے چھوڑ دیں کہ اللہ کے لیے تو محبوبؐ حاضر ہیں یا کسی اور انداز سے جو وہ باتیں کرتے ہیں ان کے پیچھے کوئی علمی اور فکری انداز نہیں ہوتا۔ وہ سب بالکل سطحی باتیں ہیں جن کا بلاغت سے، عربی گرائمر سے، امت کے تعامل سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

اب سرکارؐ کی طرف آتے ہیں کہ کیا آپ لفظ یا کو اپنے لیے جائز سمجھتے ہیں، کہ نہیں۔ اگر یہ بات حدیث سے مل جائے تو مسئلہ ایک انداز سے حل ہو جاتا ہے۔ سرکارؐ کی خدمت میں ایک بندہ آتا ہے وہ نابینا ہے، نابینا کو عربی میں اعمٰی بھی کہتے ہیں لیکن اس کے لیے لفظ ضریر کا آتا ہے حدیث پاک میں ضریر ہے۔ وہ آیا آ کے عرض کی، ترمذی شریف میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔ اس نے آ کر عرض کی یا رسول اللہؐ مجھے آنکھوں کی تمنا ہے! رحمت عالمؐ نے فرمایا اگر تم احتیاج پر صبر کرو تو یہ تمہارے لیے آخرت میں بڑا اچھا مسئلہ ہوگا۔ اس نے کہا حضورؐ آخرت بھی آپ کے صدقے میں ملنی ہے آپ نظر دنیا میں مجھے دلا دیں تو بہت اچھی بات ہوگی۔ سرکارؐ نے اسے جواباً ارشاد فرمایا یہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ یہ پڑھو!

"اللّٰھم انّی اسئلک "O (اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں)

"واتوجه الیک بنبیک محمد نبی الرحمة" (میں تیری طرف متوجہ ہوں تیرے نبی محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں ان کے وسیلے سے)

"یا محمد انّی اتوجه بک الیٰ ربی"O (یا رسول اللہ میں آپ کے ذریعے رب کی طرف متوجہ ہوں)

"فی حاجتی هذه"O (اپنی اس حاجت میں)

یوں متوجہ ہوں؟

"لتقضی لی"O (تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے)

جب آپ کا وسیلہ خدا کے سامنے پیش کروں گا۔ پھر فرمایا!

"اللّٰھمّ فشفعه فی"O (اللہ محبوب کبریاؐ کو میرے بارے اپنا شفیع قبول فرما لے)

انہیں میری شفاعت کا حکم عطا فرما دے۔ اب یہ وظیفہ ہے جو سرکارؐ ایک غلام کو ارشاد فرما رہے ہیں۔ وہ نابینا ہے، آنکھیں مل جائیں گی یوں پڑھو، اب وہ اپنے گھر چلا جاتا ہے سرکارؐ سے دور چلا جاتا ہے۔ وہ وظیفہ وہاں پڑھتا ہے اسے آنکھیں مل جاتی ہیں۔ وہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جو میں اس سے استدلال لینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ سرکارؐ نے ایسا وظیفہ خود بتایا جس میں لفظ یا موجود تھا۔ اگر یہ شرک ہوتا تو کیا نبی اعظمؐ بھی شرک کی تعلیم دیتے۔ اور پھر یہ کسی عام کتاب میں نہیں ہے۔ صحاح ستہ کی مشہور کتاب ترمذی شریف میں یہ حدیث پاک موجود ہے۔ میں ایک ضمنی بات کہنے لگا ہوں میں بسا اوقات ایک بات سوچا کرتا ہوں کہ اسلام عرب سے چلا تھا لیکن اہل سنت کے چھ محدثین، شیعہ بھائیوں کے چار محدثین، یہ سارے کے سارے ایران اور بخارا وغیرہ سے

Marfat.com

متعلق ہیں تو حدیث کا سارا ذخیرہ ان دس آدمیوں کے سر پر قائم ہے بنیادی انداز سے۔ان میں سے صرف ایک آدھ آدمی عربی ہے امام مسلم جنہوں نے مسلم شریف لکھی ہے۔وہ عربی النسل ہیں۔باقی سارے کے سارے اسی خطے کی پیداوار ہیں اور سرکارؐ کا وہ ارشاد عالی کہ اس رقبے میں ایسے لوگ آئیں گے فارس میں کہ میرے آنے سے ایمان زمین پر آ گیا ہے۔اگر آسمان ثریا پر بھی ایمان ہوتا تو فارس والے وہاں سے اسے اتار کر نیچے لے آتے۔میں سمجھتا ہوں وہ یہی محدثین ہیں جنہوں نے اس انداز سے حدیث پاک کی خدمت کی ہے۔اب سوال یہ تھا کہ سرکارؐ نے لفظ یا کی خود تعلیم دی کہ یا محمدؐ کہہ کر یہ وظیفہ پڑھو بات بن جائے گی۔اگلا سوال یہ ہے کہ کیا آج ہم زیادہ عشق رسول رکھنے والے ہیں یا ان کے اپنے دور کے لوگ زیادہ عشق رسول رکھنے والے تھے؟اگر وہ تھے تو انہوں نے بھی کبھی اجتماعی طور پر یارسول اللہ کہا ہے۔اگر کہا ہے تو پھر بات بن سکتی ہے۔یہی مسلم شریف اس میں حضرت امام مسلم سرکارؐ کی ہجرت کا واقعہ نقل فرماتے ہیں۔اور ہوا یوں کہ ایک بڑھئی کے پاس کجاوا بنوانے کے لیے حضرت ابوبکرؓ گئے۔اس نے کہا یارا سے بنانے میں کچھ دیر ہے۔آپ چونکہ سرکارؐ کے ساتھ تھے۔جب ہجرت کی ہے آپ مجھے ہجرت کا سارا واقعہ سنا دیں تب تک یہ کجاوا بنا دوں گا۔دونوں باتیں ہو جائیں گی۔مجھے ہجرت کا واقعہ پتہ چل جائے گا آپ کا کجاوا بن جائیگا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکے سے نکل کر مدینہ پہنچنے تک راستے کے سارے واقعات سنائے۔جب سارے واقعات سنا چکے تو آخری حدیث کے الفاظ یہ تھے۔کہ جب ہم مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو لوگ چھتوں پر، بچے اور خواتین چھتوں پر تھیں، مرد سارے گلیوں میں تھے اور ان کا نعرہ تھا!

"یامحمد یارسول اللہ، یامحمد یارسول اللہ" ٥

یہ سارے صحابہ عالی مقام جو انصار ہیں، جو مہاجرین ہیں، جو اہل بیت نبویؐ ہیں، جو صحابی ہیں سب کا نعرہ کیا ہے۔ یا محمد یارسول اللہ! میں بسا اوقات سوچتا ہوں کہ جس اجتماعی انداز سے انہوں نے نعرہ رسالت لگایا ہے اس اجتماعی انداز سے نعرہ تکبیر مجھے حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملا۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بڑی دلجمعی سے صحابہ عالی مقام اس نعرے کو پیش کر رہے تھے۔بھئی میدان جنگ ہے ہمارا کوئی ایسا لفظ ہونا چاہیے، Code Word ہونا چاہیے جو ہم ایک دوسرے کے لیے استعمال کر سکیں۔وہ لفظ کیا تھا؟ الشفافی بتعریف حقوق المصطفیٰ، وہ لفظ یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھیں گے تو یا محمد کہیں ۔۔۔ اس میں ایک علمی نکتہ آپ کے سامنے عرض کرنا چاہتا ہوں۔عربی زبان میں ندا کے آخر میں الف لگا دیا جائے تو اسے ندائے استغاثہ کہتے ہیں۔یہ نکتہ یاد رکھیے۔عربی زبان میں کسی کو بلانا ہو اور اس کے آخر میں الف بڑھا دیں اس کے آخر میں 'ہ' ساکن آ جائے یا محمداہ یا محمداہ یوں آ جائے تو یہ استغاثہ کے لیے ہوتا ہے اب یہ الف استغاثہ ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ یارسول امداد فرمائیے۔معنی کیا ہوگا یارسول مدد فرمائیے۔اور یہ Code Word ہے۔صحابہ کا جو میدان جنگ میں استعمال ہو رہا ہے۔پھر چودہ

صدیوں کے بعد ایک آدمی یہ کہے کہ یارسول اللہ کہنے سے شرک آ جاتا ہے تو پتہ خدا جانے شرک کے جراثیم امت میں اس طریقے سے کیوں داخل کیے جا رہے ہیں۔ اب اس سے پتہ چلا کہ سرکارؐ نے خود یا کے لفظ کی اپنے نام کے ساتھ اجازت دی، صحابہ اکرام نے اس کو اجتماعی انداز سے بھی استعمال کیا۔ جنگ میں ایک مخصوص لفظ کے حساب سے بھی استعمال کیا۔ اور پھر جب سرکارؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو محبت رسولؐ میں جلتے ہوئے، تڑپتے ہوئے بھی اس لفظ کو استعمال کیا۔ اس سلسلے میں تین چار عظیم ہستیوں کا ایک شعر تبرکاً پڑھوں گا۔ جو عربی زبان میں ہیں۔ سب سے پہلے باب مدینۃ العلم، سیدی سندی امامی حضور حیدر کرار کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الشریف کا مرثیہ ہے جو سرکارؐ کے وصال پر۔ اب دیکھیں نا سرکارؐ اس وقت ظاہری دنیا میں پاس تو نہیں بیٹھے تھے عالم برزخ میں تھے، اپنی دنیا میں تھے، تو مولائے کائنات نے عرض کیا!

"فیاخیر من ضم الجوانح والحشا"o

ترجمہ: ''اے ان سب لوگوں سے افضل جو اپنے وجودوں کے ساتھ قبروں میں تشریف لے گئے، یا کا لفظ کہہ کر آگے خیر کا لفظ استعمال فرمایا سب سے افضل!

"ویا خیر میت ضمہ الترب والثریٰ"o

ترجمہ: ''اور اے ان سب انسانوں سے افضل جو خاک اور مٹی کے اندر وصال کے بعد تشریف لے گئے ہیں۔

اب دو مصرعے ہیں دونوں میں یا کو دو دفعہ مولائے کائنات نے استعمال فرمایا۔ اب اس میں تو کوئی کلام نہیں حضور حیدر کرارؓ جتنی عربی کی لطافتیں سمجھتے ہیں وہ کسی کو پتہ نہیں۔ عربی ادب نے آج تک تین صاحب طرز ادیب پیدا کیے ہیں، نزول قرآن کے بعد، عربی کے سب سے پہلے نزول قرآن کے بعد جو ادیب ہیں وہ حضور حیدر کرارؓ ہیں۔ اگر آپ کو عربی زبان پوری طرح آتی ہو۔ آپ نہج البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کر رہے ہوں یا آپ کے ارشادات جو الکامل کتاب میں علامہ مبرد نحوی نے نقل کیے ہیں وہاں ان کا مطالعہ کر رہے ہوں۔ تو میں بسا اوقات سمجھتا ہوں کہ جب امام الاولیاء کھڑے ہو کر یہ فرما رہے ہوں گے۔ تو سامنے پڑے ہوئے پتھر بھی ناچنے لگ گئے ہوں گے۔ یہ انداز ہے اور یہ زور ہے امام کے کلام میں، اب ان سے بڑھ کر تو اس بات کو کوئی نہیں سمجھتا کہ یا کو کہاں استعمال کرنا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آج جو کہتے ہیں جو حاضر ہو اسی کو یا کہا جا سکتا ہے ۔ تو مولائے کائنات نے مہر لگا دی کہ وہ غائب ہوتے ہی نہیں ہیں کہ حاضر کا تصور کیا جا سکے۔ حاضر تو وہ ہوگا جو کبھی غائب ہو۔ جو کبھی غائب ہوتا ہی نہ ہو اس کے لیے حاضر اور غائب کی یہ حدیں متعین کرنا کم علمی کی دلیل ہوگی۔ حضرت عباسؓ نے ایک اور انداز سے شان بیان کی، فرماتے ہیں۔

"وردت نار الخلیل مکتتماً فی صلبہ انت کیف یحترق"o

Marfat.com

یہ تاریخی واقعہ ہے سیدنا ابراہیمؑ آگ میں بیٹھ گئے تھے، قرآن کہتا ہے۔

"قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم"o

ترجمہ: ''آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی ہو لیکن اتنی ٹھنڈی نہیں کہ یخ ہو جائے ایسی ٹھنڈی جس میں سلامتی پائی جاتی ہو ایسی ٹھنڈی ہو جا۔'' حضرت عباسؓ اس واقعہ کو اپنے کلام میں نظم کرتے ہوئے ایک بڑی ہی لطیف بات پیدا کرتے ہیں۔ فرمایا حضورؐ آپ بھی تو پیچھے پیچھے خلیل کی آگ میں ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ کیسے تشریف لے گئے؟ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان کے صلب پاک میں آپ جو موجود تھے۔ تو وہ آگ کیسے انہیں جلا سکتی تھی۔ چونکہ آپ انکے صلب پاک میں تھے لہذا آپ کے وسیلے سے سیدنا ابراہیمؑ کو آگ نے نہیں جلایا۔ یہ شعر حضرت عباسؓ نے سرکارؐ کے سامنے پڑھا تھا۔ یہ نعت سامنے پڑھی۔ اور حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ نہیں کہا کہ تو غلط کہہ رہا ہے۔ بچا یہ بات نہیں ہے۔ محفل میں یہ پڑھی گئی تو جو سرکارؐ کی محفل میں بات پڑھی جائے اور سرکارؐ منع نہ فرمائیں وہ حدیث ہوتی ہے۔ اب یہ بات ہوگی کہ یہاں سرکارؐ کے سامنے جب حضرت عباسؓ نے پڑھا تو اس بات سے نتیجہ نکلا کہ یہ حدیث ہے۔ اگلے شعر میں فرماتے ہیں۔

"وانت لمّا ولدت اشرفت الارض وضاء بنورک الافق"o

ترجمہ: ''اسے دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں، سرکارؐ جب آپ دنیا میں تشریف لائے تو زمین منور ہوگئی'' آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے''۔

"وضاء بنورک الافق"o

ترجمہ: ''اور آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے''۔

سرکارؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ پیچھے آنے والوں نے مجھے سیدھا سا بشر ماننا ہے نور نہیں ماننا ہے تو اس کو نکال دو اپنے قصیدے سے یہ ارشاد نہیں ہوا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وسیلہ بھی جناب عباسؓ کے کلام سے ثابت ہو گیا۔ سرکارؐ کی نورانیت بھی سیدنا عباسؓ کے کلام سے ثابت ہوگئی۔ اور جناب عباسؓ نے مصطفیٰؐ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ اب آئیے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ طیبہ و طاہرہ سلام اللہ علیہا اپنے والد گرامی کے مرثیے میں یوں فرماتی ہیں۔

"یا خاتم الرسل المبارک ضنوۃ صلّی علیک منزل القرآن "o

آپ نے بھی لفظ یا سے ہی سرکارؐ کی خدمت میں عرض کی۔ اے برکت والے عظیم انسان جو سارے رسولوں کو ختم کرنے والے ہیں آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے درودیں بھیجی ہیں۔ یہ مائی صاحبہؓ کا ارشاد ہے اور انہوں نے بھی یا کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب صحابہ عالی مقام میں سے ابوسفیان نام کے دو انسان ہیں۔ ایک ابوسفیان وہ ہیں جو تاریخی طور پر امیہ

Marfat.com

خاندان کے بہت بڑے آدمی گزرے ہیں۔ دوسرے ابوسفیان وہ ہیں جو سرکارؐ کے چچازاد بھائی ہیں۔ انہوں نے سرکارؐ کے مرثیے میں یہ بات کہی۔

"فلم نر مثله فی الناس حیاً" ○ (زندہ لوگوں میں سرکارؐ کی کوئی مثال نہیں ہے)

"ولیس له من الموتی عدیل" ○

''اور جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں ان میں سے سرکارؐ کا ہم سر ہو، یہ بات بھی نہیں ہے''۔

اب دیکھیں نا یہ شعر ایک تو یا کے استدلال کے لیے بات آرہی تھی ضمناً تین باتیں خاندان نبوت نے بتادیں، پہلی بات حضرت عباسؓ نے یہ بتائی کہ نار خلیل میں چونکہ سرکارؐ بھی موجود تھے۔ لہذا آگ جلا نہیں سکتی تھی۔ آپ نور والے ہیں کہ آفاق کو آپ نے روشن فرمادیا ہے۔ اور جناب ابوسفیان نے یہ بات کہی کہ ان کی مثل کہیں بھی نہیں ہے اسی کو مولائے کائنات نے نثر میں یوں بیان فرمایا۔

"یقول ناعته لم ار قبله ولا بعده مثله" ○

انکا نعت خواں کہتا ہے کہ ان کی تشریف آوری سے پہلے اور ان کے تشریف لے جانے کے بعد ایسا کوئی بھی انسان نہیں تھا۔ اب ذرا کربلا سے زین العابدین نکل رہے ہیں جس انداز سے نکل رہے ہیں وہ بڑا ہی دردناک ہے اس کے لیے تو ایک سالم تقریر چاہیے لیکن کیا کہہ رہے ہیں، مدینہ کہاں ہے، کربلا کہاں ہے؟

"یارحمة للعالمین انت شفیع المذنبین" ○

یہ نظم آگے چلتی جاتی ہے آخر میں ایک شعر ارشاد فرماتے ہیں۔

"یارحمة للعالمین ادرک لزین العابدین" ○

یارسول اللہ اے سارے جہانوں کی رحمت ذرا زین العابدین کا بھی ہاتھ پکڑیں ادھر بھی توجہ فرمائیں۔

"محبوس ایدی الظالمین فی الموکب والمزدحم" ○

ترجمہ: ''جو دشمن کی فوج کے جتھوں میں قیدی بن کر جا رہا ہے، سیدی سندی امامی حضرت زین العابدین نے بھی یا کا لفظ سرکارؐ کے لیے استعمال فرمایا۔ اب حنفیوں کے سب سے بڑے مفکر، فقیہ، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ وہ سرکارؐ کو کیا عرض کرتے ہیں۔

"یاسید السادات جئتک قاصدا" ○

ترجمہ: ''اے سیدوں کے آقا سیدوں کے سید میں آپ کے پاس ارادہ کر کے حاضر ہوا ہوں۔

Marfat.com

"ارجو رضاک واحتمی بحماک "٥

ترجمہ: ''میں آپ کی رضا چاہتا ہوں اور آپ کی پناہ گاہ میں پناہ طلب کرنے کے لیے آیا ہوں۔ یا سید السادات کہا۔ پھر عرض کیا!

"یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ جد لی بجودک وارضنی بی ضاک" ٥

ترجمہ: ''آگے بڑھے تو اپنے لیے سرکارؐ سے سخاوت کی التجاء کی۔ اب ہمارے عظیم صوفی اور صوفیاء کے سرخیل حضرت غوث اعظم عرض کرتے ہیں۔

"یا رسول اللہ انظر حالنا یا حبیب اللہ اسمع قالنا"

انہوں نے بھی یا کا لفظ استعمال کیا۔ آگے بڑھیں۔ میں اس لیے نمونے کے طور پر آگے چل رہا ہوں کہ امت کے سارے عظماء ایک راستے پر سے گزر رہے ہیں۔ اب جو بندہ اس کے لیے عدم جواز اور شرک کی دلیل لاتا ہے وہ تو ساری امت کو مشرک کہہ رہا ہے۔ نہ وہ صحابہ کو معاف کرتا ہے۔ نہ اہل بیت کو معاف کرتا ہے۔ نہ آئمہ امت کو معاف کرتا ہے۔ امام بوصیریؒ ان کا چھوٹا سا واقعہ یوں ہے کہ انہیں فالج ہو گیا تھا۔ معالجوں سے مایوس ہو کر یمن کی ایک پہاڑی پر پڑے ہیں۔ ٹھیک نہیں ہو رہے۔ شاعر بہت بڑے تھے اور بڑے لطیف شاعر تھے۔ دفعتاً اندر کے جذبات اٹھے اور توجہ مدینے کی طرف پلٹ گئی۔ سرکارؐ کی شان میں ایک قصیدہ لکھ ڈالا۔ عربی ادب میں یہ قصیدہ شاہکار شمار ہوتا ہے۔ صدیوں بعد اس زمین میں الھمزیۃ النبویہ بلبل مصر شوقی نے ایک قصیدہ لکھا۔ لیکن شوقی کے انداز اور بوصیری کے انداز میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب کبھی میں تنہا بیٹھتا ہوں تو دونوں کو پڑھ کر لطف اندوز ہوتا ہوں۔ آیئے بوصیری کیا عرض کرتے ہیں۔

"یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ "٥

ترجمہ: ''اے ساری مخلوق سے بڑھ کر کریم اور کوئی نہیں جس کی میں پناہ میں چلا جاؤں''۔

"سواک عند حلول الحادث العمم"٥

ترجمہ: ''جب عام حادثات پھیل جائیں تو آپ کے بغیر کوئی پناہ گاہ نہیں ہے''۔

ابن خلدون یہ خلدون لفظ نہیں لام پر شد ہے۔ عرض کرتے ہیں سرکارؐ کی خدمت میں!

"یا سید الرسل الکرام ضراعۃ"٥

ترجمہ: ''اے سب کریم رسولوں کے آقا بحثیت اجتماعی''۔

تو یہاں انہوں نے لفظ یا استعمال کیا۔ آگے چلیں برصغیر میں آجاتے ہیں۔ میں نے ایک رسالہ مرتب کر دیا ہے تین چار سو صفحات کا۔ عرب سے باہر نکلا ہوں تو ایران آ گیا ہوں مصر چلا گیا ہوں۔ ان کے شعراء کا ان کے خطباء کا کلام لیا ہے۔ چونکہ

یہاں ایک محدود سا لیکچر ہے اس لیے چند محدود آدمی لیے لیکن وہ محدود بھی پچپن تک پہنچ گئے۔اور ان پچپن کے پیچھے کروڑ ہا مخلوق چلنے والی ہے۔شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

"ملا ذعباد اللہ ملجاء خوفھم اذا جا ء یوم فیہ شیب الذوائب"o

ترجمہ: ''سرکار ہی تو اللہ کے سب بندوں کی جائے پناہ اور ان کے خوف کے وقت ان کے فریادرس ہیں''۔

جب وہ دن آجائیگا۔ جہاں کالے بال بھی سفید ہو جائیں گے۔یعنی قیامت کا دن۔ یہ شاہ صاحب تھے اب انکے بیٹے شاہ رفیع الدین صاحب سے دیکھیں۔

"یا احمد المختار یا زین الوریٰ یا خاما للرسل ما اعلاک"

آگے بڑھیں تو ان کے دوسرے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔

"فقد اعطیت مالم یعط خلق علیک صلوۃ ربّک بالسّلام"o

میں عرض کر رہا تھا یا تو غیب کے لیے بھی ہوتا ہے۔اور حاضر کے لیے بھی ہوتا ہے۔لیکن تو، تم، اور آپ تو ہمیشہ حاضر کے لیے ہوتا ہے۔تو عبدالعزیز صاحب نے کہا علیک آپ پر ہو، آپ کے پروردگار کی صلوۃ اور اس کا سلام۔علامہ فضل حق خیرآبادی ہمارے ملک میں بہت بڑے مکتبہ فکر کے مرکزی کردار شمار ہوتے ہیں۔آپ عرض کرتے ہیں۔

"ا فدیک یا خیر الموراد مختبطاً"o

یہاں دو تین حضرات فارسی بولنے والے بھی ہماری محفل میں موجود ہیں۔حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

"مرایادے تو باید ہرزباں بس"

تو کا لفظ آگیا۔تو آپ نے تو کا لفظ استعمال کیا جو یا سے زیادہ خاص ہے۔

حضور معین الھند نے کہا!

"پژمردہ چوں گیا ھیم"

ہم اس گھاس کی طرح ہیں جو خشک ہوگئی ہو۔اور اس خشک گھاس پر بارش مصطفیٰ برساتے ہیں اور پھر یہ گھاس جی اٹھتی ہے۔

حضرت بختیار کاکی جو حضرت معین الملت اجمیری کے خلیفہ اور بابا فرید الدین گنج شکر کے مرشد ہیں، عرض کرتے ہیں۔

"اے از شعاع روئے تو خورشید تابان راضیا"

اے اور یا ہم معنی ہیں۔اے فارسی اور اردو میں کہتے ہیں، جبکہ اس کی جگہ عربی میں یا کہتے ہیں۔اس تاباں سورج نے بھی

Marfat.com

ہے کہ دل اور دماغ یہ وہ مقامات ہیں جن سے انسان عبارت ہوتا ہے بغض اور کینہ باطنی مرض ہیں اور قرآن پاک ان باطنی مرضوں کو دور کرنے کا ذریعہ ہے اس کو قرآن نے اپنا تعارف کرتے ہوئے یہ بات کہی کہ قرآن باطن کا تزکیہ کرتا ہے سرکار ﷺ کیلئے بھی یہ لفظ رکھا۔

"یزکیھم" o (کہ وہ باطن کا تزکیہ کرتے ہیں)

لیکن قرآن کے سب سے پہلے معلم ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن پڑھایا ہے فرمایا!

"یعلمھم الکتاب والحکمۃ" o (وہ کتاب وحکمت سکھاتے ہیں)

اب قرآن کے ظاہری الفاظ ہیں ان کی تعلیم ہے پھر انہیں اپنی پریکٹس سے ملانا کہ زندگی کے راستے متعین ہوسکیں اسی کو قرآن نے حکمت کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس حکمت کیلئے سب سے پہلی بنیاد نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملِ پاک ہے یہ وہ عمل ہے جو قرآن کی طرح قائم ودائم رہنے والا ہے اس کی چھوٹی سی مثال عرض کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی آج وہ نماز موجود ہے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ دی آج وہ زکوۃ موجود ہے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور سربراہ مملکت قوانین نافذ فرمائے آج وہ انداز ہمارے پاس محفوظ اور موجود ہے اسے دیکھ کر غیروں نے بڑے عجیب انداز سے اقرار کیا ہے۔ باڈلے نے The Messanger میں ایک بڑی نفیس بات کہی ہے وہ کہتا ہے کہ آج سیدنا ابراہیمؑ واپس اس دنیا میں تشریف لے آئیں تو جو معاشرہ انہوں نے قائم فرمایا تھا انہیں کہیں نہیں ملے گا پھر کہتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے ان کے پاس کتاب تھی آج وہ اس دنیا میں واپس تشریف لے آئیں تو جو معاشرہ انہوں نے قائم فرمایا تھا انہیں کہیں نہیں ملے گا پھر وہ کہتا ہے کیونکہ میں عیسائی ہوں یہ میرا اپنا پیغمبر یعنی سیدنا مسیح تشریف لے آئیں تو انہیں اپنے گاؤں میں بھی وہ معاشرہ نہیں ملے گا۔ جو انہوں نے قائم کیا تھا لیکن آج اگر مسلمانوں کا پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہء اقدس سے باہر نکل آئیں تو انہیں اذان بلالؓ بھی مل جائے گی۔ صدیق اکبرؓ کی صداقت کا انداز بھی مل جائے گا حضرت فاروق اعظمؓ کا عدل بھی مل جائے گا حضرت عثمانؓ کی حیا بھی مل جائے گی حضرت حیدر کرارؓ کی عظمتیں بھی مل جائیں گی۔ حضرت امام حسینؓ کا ذوق شہادت بھی مل جائے گا۔ تو یہاں آ کر عجیب محویت میں وہ لکھتا ہے اس سے تو پتہ چلا کہ The soul of Muhammad is alive yet. کائنات سب کو کھا گئی ہے لیکن روح مصطفیٰ ﷺ ہے جو اپنے مقام پر باقی ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جو بتاتا ہے کہ سرکار ﷺ کی صفات موجود ہیں۔ ایک عجیب سی بات ہے کہ صفات کا تعلق موصوف کے ساتھ ہوتا ہے موصوف موجود نہ ہو تو صفات موجود نہیں رہتیں پانی ہے تو اس کے ساتھ یہ صفت لگائی جائے گی کہ یہ میٹھا پانی ہے یہ سادہ پانی ہے ٹھنڈا پانی ہے گرم پانی ہے یہ کڑوا پانی ہے یہ جتنی صفات ہیں موصوف کے موجود ہونے کے بعد کی ہیں اب سرکار ﷺ موجود نہ ہوں تو صفات

Marfat.com

آپ کے چہرہ اقدس کی شعاع سے روشنی لی ہے۔ عرض داشت تھی حضرت کا کی کی۔ حضرت سعدی چلتے ہیں تو وہ مقام مصطفیٰ ﷺ کی توضیح کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

"یک جاں چه کند سعدی مسکین که دو صد جاں"

بھلا ایک جان ہے سعدی کی اس ایک جان سے کیا کیا کام کرے۔ یہاں تو اگر دو سو جانیں مجھے مل جائیں تو پھر میں کیا کروں۔

"سازیم فدائے سگ دربان محمد"

ہم وہ دو سو جانیں لے کر مصطفیٰ ﷺ کے دروازے پر جو دربان کھڑا ہے اس کے کتے کے پاؤں پر نچھاور کر دیں۔ یعنی سرکار کی بات نہیں ہے، سرکار کے دربان کی بات بھی نہیں ہے، دربان کا جو کتا ہے اس پر سعدی کہتے ہیں کہ مجھے دو سو جانیں ملیں تو میں اس کے قدموں پر نچھاور کر دوں۔ حضرت بو علی قلندر فرماتے ہیں۔

"اے ثنایت رحمت للعالمین — یک گدائے فیض تو روح الامین"

حضور آپ کی ثناء یہ ہے کہ آپ رحمت للعالمین ہیں اور آپ کے فیض کے گداگر حضرت جبرائیل ہیں۔

"آفریں بر عالم حسن تو باد

مبتلا ئے تست عالم آفریں"

بڑا ہی مزیدار شعر ہے فارسی والے لازماً محظوظ ہوئے ہوں گے۔ حضور ﷺ آپ کے حسن کی کیا باتیں ہیں۔ آفریں ہے اس حسن پر، کہ اس کو جس نے بنایا ہے وہ خود عاشق ہو گیا ہے۔

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں۔

"که دار جز تو دستے آنکه باشد

کلید نه فلک در آستینش"

حضور آپ کے بغیر کس کے پاس وہ ہاتھ ہے جس کی آستین میں نو آسمانوں کی چابیاں پڑی ہیں، جامی فرماتے ہیں۔

"یا شفیع المذنبین بار گناه آورده ام"

حضور آپ کی محفل میں آیا ہوں لیکن گناہ کی گٹھڑی ساتھ لایا ہوں، انہوں نے بھی یا کا لفظ عرض کیا۔ فارسی کے عظیم شاعر جو غالب سے بھی بڑے شمار ہوتے ہیں استاد بیدل عرض کرتے ہیں۔

"نشسته ایم بیاد تو یارسول الله"

یارسول اللہ ہم آپ کی یاد کو لیکر بیٹھے ہیں۔ انہوں نے بھی یا کا لفظ استعمال کیا۔ حضرت مظہر جانجاناں کی کتنی پیاری

Marfat.com

درخواست ہے کہ!

"محمد از تو مے خواھم خدارا"

حضور میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ خدا مل جائے۔

"الٰھی از تو حب مصطفیٰ ﷺ را"

اللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں کہ مصطفیٰ ﷺ کی محبت عطا فرما دیجئے۔ اب آخر میں دور حاضر کے عظیم مفکر اقبال آتے ہیں فارسی میں فرماتے ہیں۔

"مسلماں آں مردے کجکلا ھے رمید از سینہ او سوز آھے"
"دلش نالد چرا نالش نداند نگاھے یا رسول اللہ نگاھے"

یہ اقبال کی التجاء ہے دوسرے مقام پر انہوں نے اردو میں کہا!

"لوح بھی تو ، قلم بھی تو، تیر اوجود الکتاب"

تو یہاں تو کا لفظ استعمال کیا جو حاضر کے لیے ہوتا ہے۔

یہ ان شعراء کا انتخاب تھا جو عربی اور فارسی کے مایہ ناز اور استاذ الکل شعراء شمار ہوتے ہیں۔ ان سب نے سرکار ﷺ کے لیے لفظ یا استعمال کیا ہے، لفظ تو استعمال کیا ہے، لفظ آپ استعمال کیا ہے، لیکن ان میں سے تین چار حضرات کو پہلے اس لیے Quote کروں گا کہ وقت ختم ہو رہا ہے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ ہمارے ہاں جو لوگ یارسول اللہ کہنے کو شرک کہتے ہیں ان کے اپنے بزرگوں نے میری مراد علمائے دیو بند سے ہے انہوں نے بذات خود کہیں تو اور "یا" کہہ کر کہیں شرک تو نہیں کیا۔ اگر یہ شرک کیا ہے تو اللہ کے بندو اپنے گھر کو تو کم از کم چھوڑ دو۔ باقی ساری کائنات کو تو لے رکھا ہے تو انہیں تو تم ایسا نہ کہو۔ اب دیکھیں بانی دیو بند مولانا نانوتوی سرکار ﷺ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔

"امید یں ھیں لاکھو ں مگر بڑی امید ھے یہ کہ ھو سگان مدینہ میں میرا شمار"

سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ مجھے مدینے کا کتا کہا جائے۔

"جھاں کے سارے کمالات ایك تجھ میں ھیں تیرے کمال کسی میں نھیں مگر دو چار"

سارے جہاں کے کمالات کا مرجع تو یارسول اللہ آپ کی ذات ہے۔ لیکن آپ کے کمالات میں سے کسی اور کو ملے ہوں گے۔ تو کسی کو دو ملے ہوں گے۔ کسی کو چار ملے ہوں گے۔ یہ بانی دیو بند تھے۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی جو دیو بندی علماء کے مرشد ہیں۔ ان کی ایک نظم ہے جس میں ستر شعر ہیں۔ اور ہر شعر کا ردیف اور قافیہ یارسولؐ ہے۔ آیئے تبرکا دو شعر آپ کو سنا دیتا

Marfat.com

ہوں۔

کر کے نثار آپ پر گھر بار یا رسول ﷺ اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یا رسولؐ

ہو آستانہ آپ کا امداد کی جبیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں درکار یارسولؐ

یہ تو کہتے ہیں کہ وہاں جا کر سجدہ کرتے ہیں۔ یہ تو کرتے ہیں کہ نہیں۔ امداداللہ صاحب خود سجدہ کر رہے ہیں۔ وہاں سر رکھوں تو مر جاؤں بس اتنی خواہش ہے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہیں چاہتا ہوں۔ اب یہ سارے علمائے دیوبند کے مرشد ہیں، انکا مزار مکہ میں ہے۔ میں بھی وہاں ان کے مزار پر جا کر کھڑا ہوا تھا اس لیے کہ حضرت مہر علی شاہ صاحب گولڑوی جب وہاں حج کے لیے گئے تھے تو ان کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی۔ تو پیر صاحب نے ایک بڑا نفیس نکتہ پیدا کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب قبر میں فرشتہ آتا ہے تو کہتا ہے کہ!

"ماتقول فی حق هذا الرجل"

ھذا اشارہ ہے اور یہ محسوس مبصر کے لیے ہوتا ہے۔ لہذا قبر میں سرکارؐ کا نظر آنا بے حد ضروری ہے۔ یہ بات تھی جو پیر صاحب نے کہی۔ تو حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکی بے حد مہربان ہوئے پیر صاحب پر اور انہیں یہ بھی پیش کش کی کہ میں آپ کو اپنی طرف سے خلافت دینا چاہتا ہوں۔ پیر صاحب کا جواب یہ تھا کہ شمس معرفت کی نگاہوں سے نکلا ہوا ہوں۔ مجھے کسی اور دروازے پر دستک دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ اگر کوئی کرم فرمائیں گے تو میں یہ نہیں سمجھوں گا کہ آپ نے دیا ہے بلکہ میں یہ سمجھوں گا کہ شمس سیال کا کوئی فیض ہے۔ جو اس راستے سے مجھے مل رہا ہے۔ اب مولانا سلیمان ندوی جو مشہور مورخ ہیں اور علمائے دیوبند انہیں اپنا قائد مانتے ہیں، اہلحدیث انہیں اپنا قائد مانتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں!

"پڑھتا ھے درود آپ ھی تجھ پر تیرا خالق"

دونوں لفظ تجھ اور تیرا حاضر کے لیے ہیں۔

"تصویر پر خود اپنی مصور بھی فدا ھے"

آگے چلیں مولانا ابوالکلام آزاد، جو تحریک پاکستان میں قائد اعظم کی پشت میں چھرا گھونپنے والے تھے، اور کانگریس کے صدر تھے اور جنہیں وہ کلام کا باپ کہتی ہے، وہ کلام کا باپ یہاں سے کس طرح گزرا فرماتے ہیں۔

"تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم مھتاب نقش پا سے وھاں روشنی ھوئی"

سرکارؐ کے پاؤں کے نقش کو انہوں نے چاند کہا ہے۔

"مھتاب نقش پا سے وھاں روشنی ھوئی"

تو یہ ابوالکلام آزاد تھے۔سلیمان ندوی تھے پھر امداد اللہ مہاجر کی تھے۔بانی دیوبند تھے۔اسی انداز سے شاہ اسماعیل جنہیں میں برصغیر کی سب سے بڑی متنازع شخصیت سمجھتا ہوں۔اور جنہوں نے سب سے پہلے یا رسول اللہ کی نفی کا بیج بویا۔ان کے لیے کچھ اردو کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔تحقیق کی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اور میری کتاب تحریک پاکستان پر مارکیٹ میں آتی ہے تو پتہ چلے گا کہ شاہ اسماعیل کس مقام پر کھڑے ہیں۔لیکن آیئے چونکہ وہ ان کے قائد ہیں ان سے پوچھنا ہے کہ شاہ صاحب آپ ہی فرمادیں کہ سرکارؐ کے لیے یا کا لفظ جائز ہے یا نہیں،تو وہ فرماتے ہیں۔

"ہے اول ہی پیدا ہو اان کا نور"

اب آپ کہیں کہ سب سے پہلے سرکارؐ پیدا ہوئے تھے۔تو یہ سارا منبر ہی لاٹھی لے کر شرک شرک کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کے پیچھے لگ جائیگا۔اور شاہ اسماعیل خود فرمارہے ہیں کہ!

ہے اول ہی پیدا ہو اان کا نور بظاہر کیا گو کہ آخر ظہور

ظہور تو آخر میں ہے لیکن پیدائش سب سے پہلے ہے۔

کہ جب سب سے اکمل وہ انسان ہوا تو بے شک وہ تصویر رحماں ہوا

یہ اسماعیل صاحب ہیں،بانی دیوبند ہیں،امداد اللہ مہاجر کی ہیں،سلیمان ندوی ہیں،ابوالکلام آزاد ہیں،سارے کے سارے یا بھی کہتے ہیں آپ بھی کہتے ہیں تو بھی کہتے ہیں اور تم بھی کہتے ہیں۔اب جب ساری امت ایک طرف اکٹھی ہوگئی ہے۔یہاں میں اب صرف دو چار نام بتا دیتا ہوں۔میر تقی میر،مومن،اور ان کے ساتھی شاہ ظفر،داغ،جوہر،اکبر آلہ آبادی، حسرت موہانی،جگر مراد آبادی اور پھر دیوبند مکتبہ فکر سے شورش کاشمیری،وہ تو واضح لفظوں میں کہتے ہیں کہ!

تمام عمر مدینہ میں سونے والوں کو کہاں کہاں سے پکارا کہاں کہاں ٹھہرے

احمد ندیم صاحب،اعظم چشتی،علامہ اقبال اور آخر میں میرے اپنے چند شعر بھی ہیں جو میں آپ کو نہیں سنانا چاہتا تو عرض کر رہا تھا کہ یہ ادیب بھی ہیں،خطیب بھی ہیں،علماء بھی ہیں،اولیاء بھی ہیں،مجتہدین بھی ہیں،مفکرین بھی ہیں،یہ سارے کے سارے یا رسول اللہ کہتے ہیں۔اب اگر یا رسول اللہ کہنے سے بندہ مشرک ہو جاتا ہو،تو پھر آپ مجھے یہ بتائیں اس شرک کی زد سے بچے گا کون؟لہذا یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کو بات سمجھائی جائے۔حضرات آپ کی خاطر ہم ساری امت کو مشرک قرار نہیں دے سکتے۔آپ مہربانی فرما کر اپنے اجتہاد کو ذرا دوبارہ دہرالیں۔کہیں اجتہادی غلطی تو نہیں ہو رہی۔ہم آپ کو اپنے سے الگ نہیں کرنا چاہتے ہم سب کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے ہیں۔لیکن علمی فکری طور پر آپ ذرا تحقیق کرلیں کہ آپ کہاں بھٹک گئے ہیں۔کیا حیدر کرارؓ سے زیادہ عربی زبان جانتے ہیں؟ کیا آپ حضرت امام ابوحنیفہ سے زیادہ مجتہد ہیں؟ کیا آپ غوث اعظمؒ سے

Marfat.com

زیادہ بڑے صوفی ہیں؟ اگر یہ باتیں نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ کیا امام زین العابدینؓ سے بڑھ کر آپ عاشق رسول ہیں۔ اگر یہ باتیں نہیں ہیں تو ایسا فتویٰ مت دیجیئے جس فتوے کی زد سے اتنے عظماء سارے کے سارے شرک کی تاریک وادیوں میں کھو جائیں۔ میں ان حضرات سے اپیل کرتا ہوں اور آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بات میں ذرا بھی وزن نہیں ہے کہ یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں اگر یہ ناجائز ہوتا تو حضرت حیدر کرارؓ، حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، حضرت فاطمہ طیبہ وطاہرہؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ ایسے شعر ایسے مرثیے نہ کہتے۔ ان موجودہ حضرات کا نظریہ ٹھیک نہیں ہے اس نظریے کو بدلنا ہوگا۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین)

Marfat.com

بشریت اور مثلیت کی تحقیق

الحمد للّٰہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی o

اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم o

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم o

ہم چاہتے ہیں کہ بشریت ومثلیت پر جو تحقیق ہم نے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ پر لکھی ہوئی اپنی کتاب امام احمد رضا "ایک مظلوم مفکر" میں کی ہے یہاں عوام وخواص کے فائدے کے لیے درج کردیں۔

"قل انّما انا بشر مثلکم" o (الکھف۔110)

مولانا محمود الحسن دیوبندی: "تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم"۔

مولانا عبدالحق حقانی: "اے نبی کہہ دو کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں"۔

مولانا وحید الزمان اہلحدیث: "کہہ دے میں اور کچھ بھی نہیں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں"۔

مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی: "(اور) آپ (یوں بھی) کہہ دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں"۔

امام اہلسنت امام احمد رضا بریلوی: "تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں بھی تم جیسا بشر ہوں"۔

اعتراض یہ ہے کہ ظاہر صورت کے الفاظ بڑھا کر دراصل نبی علیہ السلام کی بشریت کی نفی کی گئی ہے، جواباً گزارش ہے کہ یہ الفاظ صرف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمت نے ہی بیان نہیں فرمائے بلکہ مفسرین کرام کے ارشادات میں یہ الفاظ موجود ہیں، یہی عقل ونقل کے مطابق ہیں اور انہی سے آیت کریمہ کا مفہوم واضح ہوتا ہے، ان الفاظ نے مقام مصطفوی علیہ التحیۃ والثنا کی وضاحت کی ہے، اور ان الفاظ کو چھوڑ دینے سے معنوی ابہام پیدا ہو جاتا ہے، آپ ایک دفعہ اوپر دیئے گئے ترجمہ پر نگاہ ڈالیں، مولانا محمود الحسن کے ترجمے نے تو یہ اعلان کیا، "تو کہہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم"۔ یہ تم جن کا ذکر ہو رہا ہے جن نظریات، معتقدات، افکار اور اعمال کے مرتکب ہیں کیا نبی علیہ السلام بھی العیاذ باللہ ویسے ہی ہیں، پھر یہ ترجمہ جامع نہ ٹھہرا، وحید الزمان صاحب تو اور آگے نکل گئے، کہ آیت کا ترجمہ یوں فرمایا، "میں اور کچھ بھی نہیں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں"۔ اور کچھ بھی نہیں پھر نبوت کیسی؟ جبکہ وہ جن کی طرح ہیں وہ نبی نہیں ہیں، اس ترجمہ کی تردید قرآن پاک نے خود کردی کہ **"یوحی الی"** (مجھ پر وحی آتی ہے) کیا باقی لوگوں پر بھی وحی آتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر حضور علیہ السلام ان جیسے کیسے ٹھہرے؟ اس ترجمے نے بھی کوئی وضاحت نہیں کی، حقانی صاحب کا ترجمہ بھی چنداں مختلف نہیں۔

امام بریلوی کا ترجمہ بالکل واضح ہے کہ سید کل ختم الرسل علیہ السلام ظاہر صورت میں تو مخاطبین جیسے ہیں لیکن ان کی

حقیقت، اصلیت اور ماہیت کچھ اور ہے، اور یہی محل غور ہے۔

ایک سوال:

ہم ان مترجمین سے ایک اور بات بھی پوچھنا چاہیں گے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ التسلیم کو فرمایا تم کافروں اور مشرکوں کو فرمادو میں بھی ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں، 'کم' ضمیر مشرکوں اور کافروں کے لیے ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر اور تفسیر ابن جریر جو قدیم تفاسیر اور بعد کی تفاسیر کا ماخذ ہیں) کیا حضور علیہ السلام صفات کمال، صفات روحانی اور دیگر صفات میں کفار جیسے تھے؟ اگر نہیں تھے اور ہرگز نہیں تھے تو پھر حضور کریم علیہ التسلیم ان جیسے کس طرح قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ فاضل بریلوی علیہ الرضوان کے ترجمے نے ہی ہماری یہ مشکل حل فرمائی کہ حضور علیہ السلام صرف ظاہر صورت بشری میں ان جیسے ہیں، یہاں ہم غلاموں کا تو ذکر ہی نہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ کفار چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو محض اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے، جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے تھے، **"ماانتم الابشر مثلنا"** (تم صرف ہماری طرح کے بشر ہو۔) یہیں

اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے تو قرآن پاک کی تفسیر میں وضاحت کی ہے کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کی عادت تھی۔ (یعنی یہ کافر ہمارے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا معمولی بشر بتاتے ہیں، الانبیاء صفحہ 513 شاید اس پرانی عادت کا اظہار اب بھی کچھ لوگ کرتے رہتے ہیں۔)

اس آیہ شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی ہے کہ تم بھول رہے ہو ہم انبیاء صرف ظاہر صورت بشری میں تم سے مشابہ ہیں ہماری حقیقت تو کچھ اور ہے، فرمایئے کوئی صاحب ایمان خود کو اس ضمیر جمع 'کم' (تم) میں خود و شریک کر کے کافروں مشرکوں کے زمرہ میں شامل ہوسکتا ہے، یہ ہم اہل ایمان سے خطاب نہیں کفار و مشرکین سے خطاب ہے اور وہی کہا کرتے تھے، **"ماانتم الا بشر مثلنا"** (تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی) امام بریلوی

مشابہت سے کیا مراد ہے؟

اگر مثلیت سے مراد مماثلت کلیہ ہے کہ ہر بات، ہر معاملہ اور ہر کیفیت میں حضور علیہ السلام ان [illegible] مماثلت کلیہ کا دعویٰ تو کوئی پاگل بھی نہیں کرسکتا، جب مماثلت کلیہ کا دعویٰ ختم ہوا تو اب یہ بات رہ گئی کیا آپ علیہ السلام بعض امور میں لوگوں کے مماثل ہیں؟ سوال یہ ہے کہ وہ بعض امور کونسے ہیں؟ کیا ان بعض امور سے مراد ایمان، اعمال، احکام، معاملات وغیرہ ہیں تو ان میں سے کسی میں بھی ہم کو آپ کی ذات پاک سے مماثلت و مشابہت نہیں کیا حضور علیہ السلام سے ایمان جیسا کسی بھی اور انسان کا ایمان ہے؟ کیا آپ جیسے کسی اور کے اعمال و احکام ہیں؟ اگر نہیں تو یہ بحث بھی ختم ہوگئی [illegible]

Marfat.com

چھوٹی سی ایمان کی مثال لے لیں ہم کلمہ پڑھتے ہوئے کہتے ہیں **"لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ"**۔ ہمارے آقا علیہ السلام پڑھتے ہیں **لاالٰہ الا اللّٰہ انی رسول اللّٰہ** (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں) کیا جو لوگ خود کو نبی جیسا سمجھتے ہیں وہ بھی اس طرح کلمہ پڑھ سکتے ہیں؟ اگر پڑھیں گے تو کافر ہو جائیں گے، کیونکہ اس طرح وہ اپنی رسالت کا اعلان کر رہے ہوں گے۔

اعمال کی بھی کچھ مثالیں ملاحظہ فرماتے جائیں ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں اور نبی علیہ السلام پر ان پانچ کے علاوہ چھٹی نماز تہجد بھی فرض ہے۔ اسی طرح ہمارے لیے ارکان اسلام پانچ ہیں (کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوۃ) اور سرکار علیہ السلام کے لیے چار ہیں کہ آپ کی ذات اقدس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، کیوں نہیں ہے؟ یہ الگ اور طویل بات ہے۔

ہم چار سے زیادہ بیویاں نہیں کر سکتے مگر آپ پر یہ پابندی نہیں ہے، ہماری موت کے بعد ہماری بیویاں دوسرا نکاح کر سکتی ہیں مگر نبی کی بیویاں ایسا نہیں کر سکتیں، وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں اس لیے ان سے نکاح نہیں ہو سکتا، اور وہ زندہ نبی کی بیویاں ہیں اس لیے بھی ان سے نکاح ممنوع ہے، ہماری موت کے بعد ہماری میراث تقسیم ہو جاتی ہے مگر نبی پاک علیہ السلام کی میراث ناقابل تقسیم ہے۔

ابتداء میں صحابہ نے سمجھا نبی احکام شرع میں ہماری طرح ہیں مگر سرکار علیہ السلام نے ارشاد فرمایا **"لست کاحد منکم"** **"ایکم مثلی، لست کھیئتکم"** (میں تم جیسا نہیں، تم میں سے کون مجھ جیسا ہے، میں تمہاری ہیئت والا نہیں) یہ سن کر صحابہ نے اپنی رائے بدل لی اصلاح ہوگئی۔

احکام میں آپ جسے چاہیں رعایت دے دیں صحابہ کو سال کی بکری کی قربانی کا حکم دیں اور حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عقبہ بن عامر کو چھ ماہ کی بکری کی اجازت فرما کر مستثنٰی فرمالیں کون روک سکتا ہے؟ حضرت اسماء بنت عمیس کو خاوند کی وفات کا سوگ معاف فرمادیں تو ان کا اختیار ہے، گواہی دو کی ضرورت ہے مگر آپ حضرت حزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادیں تو یہ آپ کا حق ہے۔ یہ دو تین مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں ورنہ کتب حدیث میں سینکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ اعمال و احکام میں آپ علیہ السلام نے اپنے اختیارات کو استعمال فرمایا تو اب کوئی امتی ان معاملات میں آپ جیسا کیسے ہو سکتا ہے؟

اب رہی جسد اقدس کی بات تو یہاں بھی کون ہے جو مثلیت کا دعوی کرے؟ ذرا ملاحظہ فرمائیں کہ اس ظاہری حسن جمال کے ساتھ جسے دیکھ کر سیدنا علی حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ **"یقول ناعتہ لم ارقبلہ ولابعدہ مثلہ"**۔ اور حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا **"کانک قد خلقت کماتشاء"** کون مماثلت اور مشابہت کا دعوی کر سکتا ہے، جبکہ اس جسد پاک میں وہ اوصاف ہوں کہ زبان مقدس کھولیں تو رب کریم فرمائیں یہ وحی ہے۔ **(ان ھو الا وحی یوحی)** خود زبان مبارک کی

Marfat.com

طرف اشارہ کر کے فرمائیں اس سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔(**ما یخرج منه الاحقا**) کچھ پھینک دیں تو مولا کریم فرمائیں "**وما رمیت اذرمیت ولکنّ اللّٰہ رمٰی**" (یہ تم نے نہیں اللہ کریم نے پھینکا ہے) نگاہیں ہوں تو وہ جو صف بستہ غلاموں کا رکوع وسجود ہی نہیں بلکہ نمازوں میں خضوع وخشوع بھی پس پشت دیکھتی رہیں۔قدم ہوں تو وہ کہ زمین ان کے لیے لپٹ اور سکڑ جائے،مقدس انگلیاں ہوں تو ایسی کہ ان کا اشارہ پا کر سورج ڈوبنے کے بعد پلٹ آئے،چاند آسمان پر دو ٹکڑے ہو جائے، درخت دوڑتے آئیں،جانور بھاگتے آئیں،اندھیرا آپ کی نگاہوں کے سامنے حجاب نہ بنے قرب و دور اپنی ماہیت بدل دیں۔ مقدس بالوں کے حصول کے لیے صحابہ کرام آپ کے اردگرد طواف کرنے لگ جائیں،مقدس ناخن وفات کے بعد صحابہ اپنی آنکھوں میں رکھ لیں،ابن سیرین فرمائیں آپ کا ایک بال ہمیں دنیا و مافیھا سے محبوب تر ہے۔حیدر فرمائیں کہ حضور کریم علیہ التسلیم نے اپنا بال مبارک ہاتھ میں لیا اور فرمایا جس نے میرے ایک بال کی توہین کی اس پر جنت حرام ہے۔مقدس کان وہ کہ آسمان کی چڑ چڑاہٹ اور قبر کا عذاب سن لیں۔بچپن میں بھائی کے حصے کا دودھ پینے سے انکار فرما کر مثلیت کے قائلین کو مسئلہ سمجھا دیں،حضرت عبداللہ بن جحش کی احد میں تلوار ٹوٹ جائے تو انہیں کھجور کی ٹہنی پکڑا دیں اور وہ تلوار بن جائے،دوستو! لکڑی تلوار بن جائے تو یہ اعیان کی تبدیلی ہوگی،مگر حضور علیہ السلام یہی تبدیلی فرمادیں تو معاملات واعمال میں آپ کی مثلیت کے داعی پھر بھی بات نہ سمجھیں،معصوم بچہ سائب بن یزید کھیل رہا ہے آپ نے سر پر ہاتھ پھیر دیا پھر بال بڑھاپے میں بھی سفید نہ ہوئے، انگلیوں سے چشمے بہا دیئے،آواز دیں تو سارے منیٰ میں آواز سنائی دے،صحابی گھر میں بکریوں میں ہیں آپ کی آواز آتی ہے بیٹھ جاؤ ارشاد تو جمعہ کے دن منبر پر سے حاضرین کو فرما رہے ہیں مگر صحابی گھر بیٹھ جاتا ہے یہ صحابی عبداللہ بن رواحہ ہیں،لعاب دہن صدیق وحیدر کے لیے شفا بن جاتا ہے،علامہ زرقانی فرمانے لگے کہ ان کے لیے یہ اعتقاد ضروری ہے۔"**بان اللّٰہ تعالیٰ خلق بدنه الشریف علی وجه ای حال وهیئته لم یظهر قبله ولابعده خلق آدمی مثله**" (اللہ کریم نے حضور علیہ السلام کے جسد پاک کو اس حالت وہیئت میں پیدا فرمایا کہ کوئی انسان آپ کی تشریف آوری سے پہلے یا بعد آپ جیسا نہیں ہوا) سایہ ان کا نہیں،ساری دنیا کی عقل ورائے اکٹھی کر لیں تو آپ کی عقل شریف کے سامنے ذرے برابر بھی نہیں۔(کتب سادی بحوالہ حضرت وہیب بن منبہ)

فضلات کا یہ حال کہ وہ امت کے حق میں طیب وطاہر اور باعث برکت ورحمت مگر آپ کے لیے آپ کی عظمت شان کی وجہ سے حکم اصلی پر باقی،ابن زبیر نے خون مبارک بطور تبرک پی لیا اور فرمایا"ذائقہ شہد جیسا اور مہک کستوری جیسی ہے"۔ام ایمن نے پیشاب مبارک پی لیا آپ نے فرمایا تجھے کبھی پیٹ کی بیماری نہ ہوگی،پچھنے لگنے سے مقدس خون نکلا ایک صاحب نے پی لیا آپ نے فرمایا تم نے اپنے نفس پر آتش دوزخ کو حرام کر لیا۔

Marfat.com

اب رہی یہ بات کہ آپ سوتے تھے، جاگتے تھے، چلتے پھرتے تھے، زخمی ہوتے تھے، بیمار پڑتے تھے، شادیاں فرماتے تھے، سودا سلف لاتے تھے، تو یہ سب کام امت کی تعلیم کے لیے تھے، معلمانہ شان تھی، امتی کے افعال کی ان اعمال سامیہ سے کیا نسبت، وہ بے کس نہیں جس طرح لوگ ہوتے ہیں ان کی راتیں رب تعالیٰ کے ہاں گزرتی ہیں وہ انہیں کھلاتا اور پلاتا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرماتے ہیں، اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں، (**یاعائشة لو شئت لسارت معی جبال الذهب**) اب سب بشری اعمال ان سے اس لیے ظہور پذیر ہو رہے ہیں کہ امت کو تعلیم ملے اس لیے نہیں کہ نکمے کے نفس پرست لوگ انہیں اپنے جیسا کہنے لگ جائیں۔ یہ سب احادیث میں موجود ہیں چونکہ یہ مسلمات میں سے ہیں اس لیے ہم کتب کے حوالہ جات بقید صفحات نہیں لکھ رہے ہیں، ہاں یہ ضرور عرض کریں گے کہ بخاری اور مسلم، دیگر کتب صحاح اور الشفاء اور خصائص کبری کا مطالعہ ضرور کرلیا جائے، تاکہ پتہ چل سکے کہ مقام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کیا ہے، خصائص میں یہ الفاظ موجود ہیں، "**فلاتقیسونی علی احد ولا تقیسوا علی احدا**" (مجھ کو کسی پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو)۔

ان تشریحات کے بعد فرمایئے جس ذات جیسا کوئی انسان نہ ایمان میں ہو نہ اعمال میں، نہ احکام میں ہو نہ معاملات میں، نہ روحانی اقدار میں ہو اور نہ جسمانی اطوار میں، نہ ظاہر میں ہو اور نہ باطن میں اس ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے پھر اس کے علاوہ اور کچھ کہنے کا جواز ہی کیا رہ جاتا ہے، کہ وہ صرف ظاہر صورت بشری میں انسانوں جیسے ہیں دنیائے حقیقت میں وہ صدیق امت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ میں اپنی ذات کی وضاحت فرماتے ہیں، "**یاابابکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی**" (اے ابوبکر مجھے حقیقتاً میرے رب کے بغیر اور کسی نے نہیں پہچانا) اب فرمایئے فاضل بریلوی کا ترجمہ صحیح ہے یا دوسرے علماء کا؟ مثلیت کو ایک اور حیثیت سے بھی زیر غور لے آئیں سب انسان بحیثیت انسان ایک دوسرے جیسے ہیں مگر شکل وصورت میں وہ تنوع اور وہ رنگارنگی ہے کہ دو انسان ہم شکل ناپید ہیں جو بالکل سر سے پاؤں تک ایک جیسے ہوں، یعنی مثلیت کی صفاتی نفی یہ علماء خود کرتے رہتے ہیں اگر سب انسان نبی کی مثل ہیں تو انہیں مولوی صاحب کی بھی لازماً مثل ماننا پڑے گا، پھر مولوی صاحب امام بن جاتے ہیں اور دوسروں کو مقتدی بنالیتے ہیں خود عالم کہلاتے ہیں اور دوسروں کو جاہل سمجھتے ہیں، کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ خود کو صفات کی دنیا میں دوسروں جیسا نہیں سمجھتے پھر اپنے آپ کو ذات وصفات میں نبی جیسا سمجھتے ہیں، انہیں کچھ تو حیا آنی چاہیے کہ کہیں وہی بات تو نہیں کہ 'بے حیا باش وہر چہ خواہی کن' اس (گزشتہ) مقدس جملے کا ترجمہ بطور مفہوم دو طرح سے ادا ہو سکتا ہے۔

۱۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں یعنی جس طرح کے انسان تم ہو اسی طرح کا انسان میں بھی ہوں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں

محمدیؐ موجود نہیں رہ سکتیں۔ پتہ چلا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں اس ذات کے ساتھ ان صفات کی بقا ہے اور جب تک وہ ذات باقی رہے گی یہ صفات باقی رہیں گی۔ یہاں پھر ایک بڑا عجیب نکتہ علم الاعداد کے حساب سے آتا ہے کہ قرآن کا عدد نو ہے اور نو کا عدد غیر فانی ہے آپ نو کو دوگنا کریں تو اٹھارہ بن جائے گا۔ اس میں آٹھ اور ایک کو ملا دیں تو پھر نو ہے تین گنا کریں تو ستائیس بن جائے گا۔ اور ستائیس کے 7 اور 2 کو جمع کریں تو پھر نو اپنی صفت کے حساب سے بالکل غیر فانی عدد ہے جہاں تک اسے لے جائیں یہ باقی رہے گا۔ اس طرح قرآن کا عدد اللہ نے نو رکھا ہے۔ یہ عدد بھی ہمیشہ کیلئے باقی رہے گا۔ اس کے بعد کوئی کتاب نہیں آئے گی، یہی کتاب ہے جو غیر فانی ہے۔

لیکن اب اگر عبادات پر توجہ فرمائیں تو پانچ فرض تھے جو اللہ کریم نے اپنے محبوب رحیمؐ کو عطا فرمائے۔ محبوب رحیمؐ نے ان کے ساتھ چار نمازوں نفل اور سنت کا اضافہ کیا ایک تہجد ایک اشراق ایک چاشت اور ایک اوابین۔ پانچ اور چار کو ملا دیں تو یہ بھی نو بن جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح قرآن غیر فانی ہے اسی طرح عبادتِ مصطفیٰؐ بھی غیر فانی ہے اور اس کے ساتھ اس کا موصوف بھی غیر فانی ہے۔

قرآن پاک نے اپنی ہدایت کا بھی اعلان کیا ہے اور ساتھ بات کہی مثلاً آپ تورات کا مطالعہ کریں تفصیلی انداز سے جب آپ اسے بند کریں گے تو بہت ساری باتیں ہیں جو آپ کو تورات سے نہیں ملیں گی آپ مطالعہ فرمانے بیٹھیں گے انجیل کا پہلی بات تو یہ ہے اس کی اندرونی شہادتیں چیخ اٹھیں گی یہ کتاب اصلی نہیں ہے آپ مطالعہ کر کے جب ہٹیں گے تو پتہ چلے گا یہ کتاب میرے لئے کافی نہیں ہے زبور کی بھی یہی کیفیت ہے۔

باقی رہیں وہ کتابیں جو انسانوں نے لکھی ہیں اور جن سات کتابوں کا نام میں نے آپ کے سامنے شروع میں لیا تو وہ کتابیں جب آپ پڑھیں گے تو یہی کہیں گے کہ 1000، 2000 سال پہلے شاید انسانی معاشرے کی یہ کفالت کرتی ہوں لیکن دورِ حاضر کے انسان کے ذہن کو یہ کتابیں اطمینان نہیں دے سکتیں جب قرآن پاک کی طرف آتے ہیں تو یہ خود دعویٰ کرتا ہے۔

"وتفصیلا لکل شیء" ٥ (یہ سب شے کی تفصیل ہے)

"لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" ٥ (کوئی تر اور خشک شے نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو)

اب کیا اس میں سے سب مسائل اخذ کئے جا سکتے ہیں تو ابھی میں عرض کر رہا تھا کہ اس نے الفاظ کو اس انداز سے لچکدار کر دیا ہے کہ ہر دور کے مفکر کیلئے اپنے دور کی ترجیحات کے مطابق اس میں سے روشنی مل جاتی ہے اب ہم ایک مفکر کی مثال لے لیتے ہیں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے غلام کو جب یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ وہاں فیصلے کس انداز سے

Marfat.com

، یہ مفہوم نجدی اور دہلوی مراد لیں تو لیں دنیائے اسلام کے کسی انسان نے نہیں لیا۔

۲۔ میں تمہاری طرح انسان ہوں یعنی جیسے تم انسان ہو، فرشتے اور جن نہیں ہو اسی طرح میں بھی انسان ہوں فرشتوں اور جنوں میں سے نہیں ہوں یعنی مماثلت صرف انسانیت اور بشریت میں ہے اور کسی چیز میں نہیں کتب تفسیر نے یہی معنی مراد لیا ہے، اور یہی معنی اسلامی عقائد ونظریات کے مطابق ہے اسی کو اپنے انتہائی بلیغ الفاظ میں امام بریلوی نے یوں بیان فرمایا ہے، تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔

چونکہ لفظ انما حصر کے لیے ہے اور حصر کی کئی اقسام ہیں لہذا ہم چاہتے ہیں کہ یہاں حصر کی بحث کر کے پھر یہ ثابت کریں کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا معنی ہی صحیح تر ہے، ہم اپنے قارئین سے معذرت چاہتے ہیں کہ ایک خالص علمی اور فنی مسئلہ چھیڑ رہے ہیں مگر علمائے والا مقام کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے۔

حصر کیا ہے؟ اور یہاں حصر کا مفہوم کیا ہے؟

ہم اردو خوان حضرات کے لیے صرف ایک مثال سے حصر کا مفہوم واضح کرنا چاہتے ہیں، آپ کو ایک شخص آکر بتاتا ہے کہ ''آج خالد نے اسلم کو مارا'' اس فقرے کو سن کر آپ کو پتہ چلا کہ خالد مارنے والا ہے اور اسلم مار کھانے والا ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خالد کے بغیر اور کسی نے بھی اسلم کو مارا ہے یا نہیں؟ اگر ایک اور شخص آکر آپ کو کہہ دے کہ آج حمید نے اسلم کو مارا تو آپ اس کی تکذیب نہیں کر سکتے، ہوسکتا ہے جب خالد مار رہا ہو تو حمید بھی اس کے ساتھ شریک ہو، لیکن اگر ایک شخص آکر آپ کو کہتا ہے کہ آج خالد نے ہی اسلم کو مارا ہے تو اس صورت میں خالد کے علاوہ کسی اور کی مار اسلم کے لیے ثابت نہیں ہوسکتی بس یہی حصر ہے۔

عربی زبان میں حصر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ حصر حقیقی ۲۔ حصر اضافی

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو صورتیں ہیں۔ (۱) موصوف کا حصر صفت میں (۲) صفت کا حصر موصوف میں

آیت شریفہ میں حصر حقیقی مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ حصر حقیقی کی پہلی صورت حصر موصوف علے الصفت۔ میں آیت کریمہ کا ترجمہ یوں ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف بشر ہیں اور بشر کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں، یہ معنی بالکل غلط اور واضح البطلان ہے، آپ تو نبی اور رسول بھی ہیں خاتم النبیین بھی ہیں، رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور خدا جانے کتنی صفات عالیہ کا مظہر بھی ہیں۔

اب حصر حقیقی کی دوسری قسم، صفت کا موصوف میں حصر مراد لیں تو معنی یہ ہوگا نہیں ہے کوئی بشر مگر مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، یہ معنی بھی غلط ہے کیونکہ اس صورت میں بشریت صرف حضور علیہ السلام میں محدود ہوگی اور آپ کے علاوہ کوئی اور بشر نہیں ہوگا، اور یہ ہمارے علماء جو گلے پھاڑ پھاڑ کر اپنی بشریت ثابت کرتے ہیں انکی اپنی بشریت ختم ہو جائے گی، جب یہ واضح ہو گیا

Marfat.com

کہ حصر حقیقی کی دونوں قسمیں اس آیت میں مراد نہیں لی جاسکتیں اور دونوں غلط ہیں، تو ضروری ہے کہ علم بلاغت کی طرف بڑھتے ہوئے ہم مزید تحقیق کریں۔

حصر کی دوسری قسم حصر اضافی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ کسی غیر میں جو صفت ہے اس کی نفی کر کے موصوف کی ایک صفت کا اثبات کیا جائے، لفظ حصر انما کے بالکل متصل موصوف انا مذکور ہے۔ یہاں اسی موصوف کا حصر بطور حصر اضافی صفت میں ہوگا، اور مطلب یہ ہوگا کہ کسی اور میں جو صفت موجود ہے وہ اس موصوف میں نہیں، فرشتے میں صفت ملکیت ہے اور اس موصوف میں نہیں، اللہ کریم کی صفت الوہیت ہے وہ بھی اس موصوف میں نہیں، متعین ہوگیا کہ یہاں حصر اضافی ہے اور یہ حصر موصوف کا صفت میں ہے اسی بنا پر تفسیر فتح القدیر میں مصنف نے یہ معنی فرمایا۔

"حالی مقصور علی البشریه لایتحطاهاالی الملکیة"o

میرا حال بشریت میں محدود مقصور ہے بشریت سے نکل کر ملکیت (فرشتہ ہونا) میں منحصر نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر روح البیان میں یوں معنی فرماتے ہیں۔

"قل یا محمد مااناالاآدمی فی الصورة ومساویکم فی بعض الصفات البشریة"o

اے محمد! فرمادیجئے میں صرف صورت میں تم جیسا آدمی ہوں حقیقت و ماہیت میں نہیں اور بعض بشری صفات (کل نہیں) کے ظہور میں تم جیسا ہوں۔

ناظرین باتمکین آپ نے دیکھ لیا یہ دونوں عظیم المرتبت مفسر وہی حصر حصر اضافی والا معنی کررہے ہیں جس کا تعین ہم نے اوپر کیا ہے اور یہی وہ معنی ہے جو امام اہلسنت فاضل بریلوی نے فرمایا ہے، مشہور مفسر قرآن امام فخر الدین رازی مرحوم نے بھی حصر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک اور انداز سے معنی فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔

"واعلم انه تعالیٰ لمابین کمال کلامه امر محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بان یسلک طریقه التواضع فقال قل انما انا بشر مثلکم الخ تفسیر کبیر"o

"اے قاری تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے کمال کو ظاہر فرمادیا تو اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ تواضع کی شاہراہ پر چلیں چنانچہ فرمایا کہ تم فرمادو میں آدمی ہونے میں تمہاری طرح ہوں"۔

امام رازی نے فرمایا یہ قول تواضع کے طور پر ہے کہ اپنی بڑائی کے ذکر کو چھوڑ کر ان صفات کو بیان فرمادیا جائے جو نظر بہ ظاہر کوئی انفرادیت نہیں رکھتی ہیں، بشریت میں انفرادیت نہیں تھی، لہذا اس کا ذکر ہوا اور انفرادیت والی صفات۔ رحمة للعالمین شفیع المذنبین اور قائد الغرالمحجلین وغیرہ کا تذکرہ نہ ہوا اور یہ تواضع ہے۔ الحمد للہ کہ علم بلاغت کے اصولوں

کے تحت جو معنی اس مقدس جملے کا متعین تھا وہ معنی برصغیر میں سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور یہی معنی فتح القدیر، امام اسماعیل حقی اور امام فخر الدین رازی کو بھایا۔

خود سید کل امام الانبیاء علیہ السلام نے اسی معنی کی تائید صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسئلہ سمجھاتے ہوئے یوں فرمائی، "**ابابکر لم یعرفنی حقیقة غیر ربی**" 'اے ابوبکر میری حقیقت کو میرے رب کے بغیر کسی نے بھی نہ جانا' (مطالع المسرات حضرت قاضی عیاض)

امام زرقانی کا اس سلسلے میں ارشاد ہم پیچھے نقل کر آئے ہیں امام واسطی نے ید اللہ فوق ایدیھم کی شرح میں فرمایا،" اخبر اللہ بھذہ الآیة ان البشریة فی نبیه عارضیة واضافیة لاحقیقة "○

اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے خبر عطا فرمائی ہے کہ اس کے مبعوث نبی علیہ السلام کی بشریت عارضی واضافی ہے حقیقی نہیں ہے۔

یہی کچھ قاضی عیاض نے شفا میں لکھا، (**وار واحھم وبو اطنھم باعلی متصفته باعلی من اوصاف البشر**) اسی کی شرح میں نسیم الریاض کے مصنف نے لکھا۔ "**وھذا دلیل علی ان ظاھرہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بشری وباطنه ملکی**............**ولا یقاس علیه غیرہ من الامه کماتوھم**"۔ فرمایئے کیا یہ سارے حضرات جو علمائے اسلام اور محققین اسلام ہیں بدعتی ہیں، مشرک ہیں، اگر ان کے خلاف فتوی لگانے کی جرأت نہیں ہے، تو امام رضا بریلوی نے بھی تو یہی کچھ کہا ہے، پھر ان کے خلاف قریباً پون صدی سے یہ شور وغوغا کیوں برپا ہے؟

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

آیئے اس موضوع پر ایک اور انداز سے بھی گفتگو کرلیں۔

کیا حضور علیہ السلام کی رسالت مقدم ہے یا بشریت

اس کائنات میں سب سے پہلے بشر سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، اسی بنا پر انہیں ابوالبشر (بشریت کا باپ) کہتے ہیں، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سیدنا آدم علیہ السلام پہلے بشر ہیں اس کے بعد نبی اور خلیفۃ اللہ ہیں، آپ کی اولاد میں سے ہر فرد پہلے بشر ہے اس کے بعد کچھ اور، اللہ کے جملہ نبی بھی پہلے بشر ہیں اور اسکے بعد نبی ہیں۔ اب ان کی صفات پر بشریت مقدم ہے تو باقی صفات بشریت سے مؤخر ہوں گی، اور بشریت ہی ان کی حقیقت و ماہیت ہوگی بشریت ان سے چھن جائے تو ان کی ماہیت واصلیت ختم ہو جاتی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھی یہی کیفیت ہے؟ تو اس کا جواب ہمیں اسلام نفی

Marfat.com

میں دیتا ہے، خود سرور کونین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"**کنت نبیاً و آدم لمنجدل فی طینته**" ٥ (میں نبی تھا جبکہ آدم آب وگل کی منزلیں طے کر رہے تھے)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔

"**کنت نبیاً و آدم بین الروح الجسد**" ٥ (یعنی تخلیق آدم نہیں ہوئی تھی تو میں نبی تھا)

ایک سائل نے سوال کیا، حاکم بیہقی ابونعیم اور ترمذی نے سیدنا ابوہریرہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے الفاظ ترمذی سے لیے گئے ہیں، امام ترمذی اسے حدیث حسن کہتے ہیں، مسند احمد، التاریخ للبخاری، ابن سعد، حاکم، بیہقی اور ابونعیم نے حضرت میسرہ سے روایت کی ہے، امام عسقلانی الاصابہ میں، مختلف اسناد کے ذریعے یہ حدیث حضرت فاروق اعظمؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عامر، حضرت عبداللہ بن شجر سے، طبرانی، ابونعیم اور ابن سعد نے روایت کی ہے، اسانید الگ ہیں مگر الفاظ قریب المعنی ہیں۔

"**متی وجبت لک النبوة**" ٥ (حضور آپ کو نبوت کب عطا ہوئی؟)

جواباً ارشاد فرمایا! "**و آدم بین الروح والجسد**" ٥ (آدم ابھی روح وجسد کی منزلیں طے کر رہے تھے)

جب یہ ثابت شدہ امر ہے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں تو جو آپ سے پہلے ہوگا وہ اصلیت کی حیثیت سے بشر نہیں ہوگا۔ ان کی اصل نبوت ہے جو بشریت پر مقدم ہے وہ پہلے نبی ہیں اور بعد میں بشر۔ اگر ان سے بشریت الگ ہو جائے تو ان کا کچھ نہیں بگڑتا چونکہ وہ بشر اوّل سے پہلے موجود ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ روحانی طور پر بات ہے یا علم الٰہی میں ہے کہ وہ نبی بننے والے ہیں، اس کی محققین نے بھرپور تردید فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں علم الٰہی میں تو ماوشما اور ہر کہہ ومہ پہلے موجود ہے، یہ نبی علیہ السلام کی تخصیص نہیں پھر آپ کا وجود باجود حقیقت میں مقدم ہونا ضروری ہے، تاکہ عظمت ثابت ہو سکے، یہ بھی تو دیکھنا ضروری ہے کہ حدیث پاک کے ظاہری الفاظ اسی مفہوم کو متعین فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ السلام کی رسالت ابوالبشر علیہ السلام کی بشریت سے مقدم ہے، اب اس ظاہر کو بلا دلیل چھوڑا جائے؟ اور دلیل تو صبح قیامت تک کوئی نہیں مل سکے گی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضور علیہ السلام کی نبوت آپ کی بشریت پر مقدم ہے، اور آپ کی بشریت عارضی واضافی ہے، یہی وہ بات ہے جو امام واسطی نے بیان فرمائی ہے، ان کا ارشاد ہم ابھی اوپر نقل کر آئے ہیں، یہ تو ہے کیفیت ہمارے آقا علیہ السلام کی بشریت کی جسے نام نہاد علماء اور ان کے چند مفاد پرست ساتھی اپنی بشریت کی مثل مان رہے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے کہ جو آدم علیہ السلام سے نبوت میں مقدم ہیں وہ گندی نالی کے کیڑوں سے کس طرح مشابہت ومماثلت رکھ سکتے ہیں، اب ایک اور چیز پر بھی توجہ ضروری ہے اور وہ ہے سید کل علیہ السلام کی عبدیت۔

Marfat.com

شان عبدیت مصطفیٰ علیہ السلام:

کچھ حضرات جب محسوس کرتے ہیں کہ بشریت کا مفہوم ان کے حق میں نہیں جا رہا ہے اور علمی دنیا کے سامنے ان کی بے مائیگی واضح ہوگئی ہے تو وہ اپنے اعتراض کو نئے رنگ سے پیش کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضور کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تو اپنے آپ کو عبد کہتے ہیں، عبدہ ورسولہ فرماتے ہیں پھر وہ عبد ہیں تو ہم جیسے ہی ہوئے، ان حضرات نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ حضور کریم علیہ التسلیم نے عبدیت کا اقرار فرمایا تا کہ لوگ آپ کو عبداللہ سمجھیں، ابن اللہ نہ کہیں، پھر عبد ہونے کا اقرار کر کے آپ نے معبود ہونے سے انکار فرمایا، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، **"فانّ اللّٰہ قد اتخذنی عبداقبل ان یتخذنی نبیّا"** ○(کیونکہ اللہ کریم نے مجھے نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا ہے) ہم ابھی واضح کر چکے ہیں کہ آپ کی نبوت بشریت سے مقدم ہے، اس حدیث پاک سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کی عبدیت آپ کی نبوت سے مقدم ہے، اب ترتیب یوں ہوئی، عبد، نبی، بشر اور رسول ۔ چونکہ آغاز عبدیت سے ہے اسی لیے کچھ اولیاء کاملین نے آپ کی عبدیت کو آپ کی رسالت سے افضل قرار دیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کائنات کے افراد مل جائیں تو کیا وہ اپنی ذات وصفات اور سب کمالات میں رسول اقدس علیہ السلام کے مقام رسالت کو پہنچ جائیں گے؟ جو ترتیب میں چوتھا مقام ہے، اس کا جواب ہے قطعاً ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ کسی غیر نبی کی ذات یا اس کی کوئی بھی صفت کمال رسالت کی طرح نہیں ہوسکتی، پھر کسی غیر نبی کی عبدیت اور بشریت کسی نبی کی عبدیت و بشریت جیسی کیسے ہوسکتی ہے؟ یہ تو وہ عبدیت ہے جو رسالت سے افضل ہے، اب ہم اپنے آپ کو عبد کہیں اور رسول اقدس علیہ السلام بھی خود کو عبد فرمائیں، تو ان دونوں میں مماثلت ومساوات نہیں آسکتی، ہم بھی موجود ہیں اور خدائے قدس کو بھی ہم موجود کہتے ہیں، بتائیے کیا ہماری موجودیت اور حق تعالیٰ کی موجودیت میں کوئی نسبت ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس طرح یہاں نبی کی عبدیت اور ہماری عبدیت میں بھی کوئی مماثلت نہیں ہے، ان کی اور ہماری بشریت میں بھی حقیقی مماثلت نہیں ہے۔

یہ ہے وہ عظیم عبدیت جو مظہر شان مصطفیٰ علیہ السلام ہے، ہماری عبدیت کو بھلا اس عبدیت کاملہ سے کیا نسبت؟ اس مقام رفیع کو دیکھ کر علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔ مقام توجہ ہے۔

۱۔ عبدہ، از فہم تو بالاتر است	زانکہ او ہم آدم وہم جوہر است
۲۔ عبدہ، دہر است ودہر از عبدہ است	ماہمہ رنگیم او بے رنگ وبو ست
۳۔ عبدہ با ابتدا بے انتہاست	عبدہ، راصبح شام ماکجاست
۴۔ لا الہ تیغ ودم او عبدہ	فاش ترخواہی بگو ھو عبدہ
۵۔ عبدہ، چندو چگون کائنات	عبدہ، رازدرون کائنات

Marfat.com

۶۔ مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت : تانہ بینی از مقام ما رمیت
(جاوید نامہ)

ترجمہ:

۱۔ عبدہ (اللہ کا عبد) تیری سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ وہ انسان بھی ہے اور جوہر بھی۔

۲۔ عبدہ، صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ ہے اور زمانہ ان کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے، ہم تو سب رنگ ہیں وہی بے رنگ و بو ہیں۔

۳۔ عبدہ علیہ السلام کی ابتدا تو ہے مگر ان کی انتہا نہیں ہے، ان کے لیے ہماری صبح وشام کا وجود نہیں ہے، (ان سے ان کی حیات ماوری ہے)

۴۔ لا الہ تلوار ہے اور عبدہ اس کی دھار ہے، اگر تو صاف صاف کہنا چاہتا ہے تو کہہ دے ھو کا مظہر عبدہ ہے۔

۵۔ عبدہ علیہ السلام ہی اس کائنات کا کم کیف ہیں اور وہی کائنات کا مخفی راز ہیں، (اصل کائنات وہی ہیں)

۶۔ بھلا ان چند شعروں سے مدعا کیسے واضح ہوسکتا ہے انہیں دیکھنا ہے تو مارمیت کے مقام سے دیکھ۔

(مارمیت اشارہ ہے اس قرآنی آیت کی طرف جس میں اللہ کریم نے اپنے محبوب رحیم علیہ السلام کو فرمایا ہے کہ محبوب! جب تم کافروں کی طرف مٹی اور کنکریاں پھینک رہے تھے تو تم نہیں پھینک رہے تھے بلکہ اللہ کریم خود پھینک رہا تھا، قرآن پاک کے مقدس الفاظ یہ ہیں)

"ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی"۵ (الانفال۔17)

اور اے محبوبؐ وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

علامہ مرحوم نے عبدہ کی شرح میں یہاں بہت سے اشعار لکھے ہیں ان کی کتاب سے یہ مقام مطالعہ کے قابل ہے، ہم نے ترجمہ میں اختصار سے کام لیا ہے، کیونکہ علامہ مرحوم کئی علمی اور فلسفیانہ اصطلاحات ذکر فرما گئے ہیں جو طویل شرح کی مقتضی ہیں مگر ہمارے قارئین اس مختصر ترجمہ سے بھی انشاء اللہ پوری طرح لطف اندوز ہونگے اور فکر اقبال کو اچھی طرح سمجھ لیں گے۔

کیا یہی وہ عبدیت ہے جو ہماری عبدیت جیسی ہے؟ کہاں مجبور و بے بس غلام اور کہاں مختار بادشاہ؟ کہاں بے مایہ جاہل اور کہاں علم کا پیکر عالم؟ بھلا نور اور اندھیرا بھی مثل ہوتے ہیں؟ بھلا عظمت اور پستی میں بھی کوئی مناسبت ہوتی ہے؟

امام غزالی مثلیت کی شرح فرماتے ہیں

آیئے عظیم فلسفی اسلام کے مایہ ناز محقق، بلند مرتبہ صوفی اور فلسفہ اسلام کے قابل افتخار شارح علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پوچھ لیں کہ یہ مثل مثل کی رٹ لگانے والے سچ کہہ رہے ہیں یا بے تکی ہانک رہے ہیں، امام غزالی نے اپنی کتاب "حقیقت

روح انسانی'' میں مثل کے لفظ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا۔''ہم مثل ہونا یوں محال ہے کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے۔۔۔ سو مطلقا دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کر کے ہوگا۔صفحہ 31-32 ہم کہتے ہیں کہ یہ تو مثل اور مثال میں فرق نہ سمجھنے کی بات ہے مثل تو وہ ہے کہ تمام صفتوں میں مساوی ہو۔صفحہ 82۔یہ امام غزالی کی شہرہ آفاق کتاب کے اقتباسات ہیں اور ترجمہ ہمارا نہیں بلکہ مشہور دیوبندی عالم دین جامع العلوم مفتی شاہ دین صاحب کا ہے۔امام غزالی سرے سے دو افراد میں مثلیت کو محال فرماتے ہیں، اور ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا سرے سے وجود ہی نہیں۔اگر کہیں ہوگا تو اصلا نہیں بلکہ کسی نسبت سے ہوگا، اور امام رضا نے وہ نسبت انسان ہونے، بشری صورت اور بندہ ہونے کی بیان فرمائی ہے، اور یہی حق ہے ورنہ سب صفات میں مثلیت مطلقا جب حسب تحقیق امام غزالی کہیں دو افراد میں موجود نہیں تو وہ نبی اور امتی میں کیسے ہوگی؟

کیا یہ مثلیت منظور ہے:

قرآن پاک نے یوں بھی فرمایا ہے۔

"ومامن دابة فی الارض ولاطائر یطیر بجناحیه الاامم امثالکم" ○(الانعام۔38)

''اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں''۔

کوئی جانور ہو یا کوئی پرندہ وہ بھی انسان جیسا ہے اب اگر کسی ایک صفت میں مثلیت مقصود نہیں بلکہ مثلیت میں سب کچھ آجاتا ہے، تو ہم ان حضرات سے پوچھیں گے کہ کیا ہر انسان گدھے اور الو کی طرح ہے؟ اور اگر ان میں سے کسی صاحب کو بلاتے وقت ہم کہہ دیں جناب گدھے صاحب اور حضرت الو صاحب ذرا تشریف لے آئیں تو کیا یہ لوگ ناراض تو نہ ہوں گے، اگر ایک جانور اٹھ کر کہے کہ حضرت مولانا میں آپ کی مثل ہوں قرآن پاک سے ثابت ہے لہذا آپ مجھے اپنا برادر مکرم سمجھیں تو ان حضرات کا کیا جواب ہوگا؟ بس یہی جواب شان نبوت اور عظمت رسالت کے متعلق ہمارا سمجھ لیں۔

غور فرمائیں انسان اور حیوان میں صرف ایک درجے کا فرق ہے انسان بولتا ہے حیوان بولتا نہیں اور بہت سے درجوں میں دونوں باہم شریک ہیں جوہریت، جسمیت، قوت نمو، احساس، حیوانی ضروریات، کھانا پینا اور جنسی مراسم، توالد و تناسل وغیرہ ان سب درجوں میں باہم شریک ہیں صرف ایک درجے کا فرق ہے، تو کیا ہمارے کرم فرما درندوں، چرندوں اور پرندوں کو اپنی برادری نہیں سمجھتے، ان کے کسی مدرسے میں اگر کوئی مولانا و بالفضل اولانا اپنے کسی چپڑاسی کو گدھا، الو یا خنزیر کہہ دیں تو ہم دیکھیں ان کی کیا عزت ہوتی ہے؟ وہ یہی لفظ واپس حضرت کے چہرہ انور پر مار دے گا، اتنی مماثلیں ہیں مگر پھر بھی آپ جانوروں کو اپنی مثل ماننے سے منکر ہیں، نبی اور امتی میں ایک نہیں بے شمار درجوں کا فاصلہ ہے، اور آپ کو پھر بھی یہی ضد ہے کہ آپ نبی جیسے ہیں اور نبی آپ جیسا ہے، کیونکہ آپ کے ارشاد کے مطابق یہی قرآنی فیصلہ ہے، ہم اس کے جواب میں عرض کر رہے ہیں کہ یہی

Marfat.com

قرآنی فیصلہ ہے کہ جانور اور پرندے بھی آپ کی طرح ہیں تو انہیں بھی اپنی برادری بنائیں اور خود گدھوں، گِدھوں، کوؤں، گیدڑوں اور خنزیروں کی مثل بن جائیں، کیوں جناب کیا خیال شریف ہے؟ ذرا اور آگے بڑھیں یہ تو جانور ہیں شاید آپ ان سے بدکتے ہوں، ابوجہل، عتبہ، فرعون اور نمرود تو انسان ہیں، مزا تو جب ہے کہ آپ انہیں اپنی مثل قرار دے کر یہ کہہ دیں کہ نفس بشریت کے لحاظ سے آپ ان کی طرح ہیں، کیوں سرکار کیا ارادہ ہے؟ نبی کو بڑا بھائی سمجھنے والے انہیں بھی اپنا بڑا بھائی یا چچا سمجھ لیں تو کیا حرج ہے؟ یہ بھی تو انسان ہیں بولتے ہیں کھاتے پیتے ہیں، شادیاں کرتے ہیں پھر آپ کی سب صفات کا ظہور ان سے بھی ہوتا ہے، زور سے، گلا پھاڑ کر، رومال جھاڑ کر، نعرہ لگا کر، شیروانی کے بٹن شان و ادا سے کھول کر فرمائیے کہ یہ سب آپ جیسے ہیں۔ ایسے الفاظ جن سے نبی کے ساتھ برابری ثابت ہو استعمال کرنا شرعاً حرام ہے، اور اگر نیت اہانت ہو تو کفر ہے، کئی الفاظ عقیدہ کے طور پر مذکور ہوتے ہیں ان کا ماننا اور بات ہے اور کہنا اور بات ہے، اللہ کریم خالق کل ہیں ہم مانتے ہیں کہ وہ سب کے خالق ہیں مگر کچھ رزیل و حقیر اشیاء کی طرف نسبت کر کے ان کے خالق و رازق ہونے کا اعلان کرتے پھرنا کفر ہے، اب خنزیر کا خالق بار بار کہتے پھریں تو شرع اسے تحقیر کی بنا کر کفر کہتی ہے، اسی پر بو اور گندگی کو قیاس فرمالیں بالکل اسی طرح بشریتِ رسول کا مسئلہ ہے، عقیدہ کی بات اور ہے مگر وہ بھی محل غور ہے کہ بشریت کی حد کیا ہے؟ لیکن نبی نے اپنی امت کو کہیں بھی تو حکم نہیں دیا کہ تم مجھے بشر بشر کہتے پھرو، آیت زیر بحث میں تو خطاب کفار سے ہے قرآنی آیات بھی بشریت کا تذکرہ کرتی ہیں، تو یہ کفار کی طرف سے اظہار فرماتی ہیں ہم پیچھے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی کا حوالہ دے آئے ہیں کہ نبیوں کو اپنی مثل بشر کہنا کافروں کا وطیرہ ہے۔

اس میں تو شک نہیں کہ انسان ناپاک منی کے قطرے سے پیدا ہوا ہے، مگر کیا آپ کسی انسان کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں اے ناپاک مٹی سے پیدا ہونے والے! آخر یہ حقیقت ہے پھر اس کا اظہار آپ کیوں نہیں کرتے محض اس لیے کہ کچھ حقائق کا اظہار کئی وجوہ سے ممنوع ہوتا ہے، بس نبی کو یوں بشر کہتے پھرنا ایسی ہی وجوہات کی بنا پر ممنوع ہے، اور نبی کی مثلیت صرف کسی ایک وجہ سے ہے اور وہ وجہ محقق مفسرین، علمائے اعلام اور اولیائے والا مقام کے نزدیک صرف ظاہر صورت بشری یا صرف بندہ ہونے میں مضمر ہے، اور یہی بات حضرت بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر وہ گردن زدنی کیوں ہیں؟ جہالت کا ثبوت آپ مہیا فرمائیں، قرآنی مفہوم سے آپ نابلد ہوں اور غصہ امام رضا بریلوی پر کریں، یہ کس حسن کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

میرا خیال ہے یہاں حسن نام کی تو کوئی شے نہیں یہ نجدیت کی خشک ادائیں اور مکروہ نوائیں ہیں جن کا بھونڈا اظہار ہو رہا ہے، اور خدا جانے کب تک ہوتا رہے گا۔

Marfat.com

حضور کریم علیہ السلام کی تین صورتیں:

ہم تو عظمت نبوی کے ذکر میں اسلاف کے پیروکار ہیں، جنہوں نے ساری زندگی قرآن وسنت کے افہام وتفہیم میں گزاری ہے، ذرا تفسیر روح البیان ملاحظہ فرمائیں، **کھیعص** کی شرح میں وہاں ارشاد ہے کہ حضور علیہ السلام نے یوں فرمایا۔**"لی مع اللہ وقت لایسعنی فیه ملک مقرب ولانبی مرسل"** ٥ (اللہ کریم کے قرب کا ہمیں وہ وقت ملتا ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ کسی مرسل نبی کی) یہی صورت ملکی ہے جس کے کمال کا اظہار شب معراج کو ہوتا ہے، اور سید کل علیہ السلام سب ملائکہ کو پیچھے چھوڑ کر لامکان کی وسعتوں کی طرف تشریف لے جاتے ہیں، تیسری صورت حقی ہے، جس کے متعلق ارشاد ہے۔**"من رانی فقد رای الحق"** (جس نے ہمیں دیکھا اس نے حق کو دیکھا)

اب رہی آیۃ زیر بحث تو اس میں ہمارے آقا علیہ السلام کی صرف ایک صورت پاک کا ذکر ہے، اور اس میں آپ مخاطبین کفار سے صرف بشری صورت کے ظاہر میں ان سے مماثلت رکھتے ہیں، رہی بات باطن کی تو وہاں کوئی بھی خدا کی کائنات میں آپ کا مماثل نہیں ہے، ان کی بشری حیثیت جناب جبریل علیہ السلام کی ملکی حیثیت سے افضل ہے، ماوشا کس شمار وقطار میں ہیں، تبھی تو عارف بول پڑا۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

ہزار ہا جبریل علیہ السلام اس بشریت کے اندر سمائے ہوئے ہیں بھلا اس بشریت سے کسی کو کیا نسبت جو مقام قاب قوسین اوادنی کے حقائق کی مظہر ہو، **"صلّی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آله واصحابه وسلّم اللّٰهم اجعلنا من غلمانه"** ہم ایک اور بحث بھی قارئین کے سامنے اس معذرت کے ساتھ پیش کر رہے ہیں، کہ اگرچہ عوام کے ذہن سے بات بالا ہے مگر لکھے پڑھے لوگوں کے سامنے یہ بحث اس لیے ضروری ہے، کہ کچھ کج فہم لوگ اس بحث میں عوام کو الجھا کر ذہنی خلفشار پیدا کر دیتے ہیں۔

بحث تشبیہ:

جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں چیز فلاں چیز جیسی ہے اس کی مثل ہے اس کے مشابہ ہے اس کے مشاکل ہے اس کی طرح ہے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں، تشبیہ کے چار ارکان ہیں۔

ا۔جس چیز کو کسی اور چیز سے تشبیہ دیں وہ مشبہ ہے۔ ۲۔اور جس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، وہ مشبہ بہ ہے تشبیہ کے لیے کوئی نہ کوئی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ۳۔اسے حرف تشبیہ کہتے ہیں۔ ۴۔تشبیہ جس وجہ سے دی جاتی ہے وہ مشبہ بہ کی کوئی صفت وغیرہ ہوتی ہے، اسے وجہ شبہ کہتے ہیں وجہ شبہ نہ ہو تو تشبیہ ختم ہو جاتی ہے اور جملہ مہمل بن جاتا ہے۔

Marfat.com

ہم ایک اردو فقرہ لکھ کر تشبیہ کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، بچہ حسن وخوبی میں پھول جیسا ہے، ہم نے بچے کو پھول کے مشابہ قرار دیا ہے، لہذا بچہ مشبہ ہے اور پھول جس سے مشابہت ہم نے بیان کی ہے، وہ مشبہ بہ ہے، اس تشبیہ کے لیے ہم نے لفظ جیسا استعمال کیا ہے لہذا جیسا حرف تشبیہ ہے، سوال یہ ہے کہ کس وجہ اور کس سبب سے بچہ پھول جیسا ہے، تو اس کا جواب ہم نے اپنے فقرے میں دے دیا ہے، اور وہ ہے حسن وخوبی جس میں بچہ پھول کے مشابہ ہے، یہ حسن وخوبی وجہ تشبیہ ہے، اگر اس وجہ کو نکال دیں تو تشبیہ کے لیے کوئی اور وصف لانی پڑے گی، ورنہ وجہ تشبیہ مہمل اور بیکار ہوگی، وجہ تشبیہ اور حرف تشبیہ بسا اوقات محذوف ہوتے ہیں، اب ذرا آیہ کریمہ کی طرف آئیں، ''تم جیسا بشر ہوں'' یہاں حضور علیہ السلام کی بشریت مشبہ ہے اور مخاطبین کی بشریت مشبہ بہ ہے، جیسا (مثل) حرف تشبیہ ہے، اب رہی یہ بات کہ یہاں وجہ تشبیہ کیا ہے؟ تو وہ محذوف ہے سامنے مذکور نہیں ہے، اور محذوف بھی لازماً ایک لفظ ہی ہوگا، کیونکہ نحو کی مشہور درسی کتاب شرح جامی میں مذکور ہے، والمحذوف لفظ حقیقتاً (کہ محذوف بھی حقیقتاً ایک لفظ ہی ہوتا ہے) وہ کونسا لفظ ہے؟ حضرت امام بریلوی اسی محذوف کو اپنے ترجمہ میں لے آئے ہیں ''ظاہر صورت بشری'' اور ہم تفصیل سے بیان کر آئے ہیں کہ مماثلت ظاہری صورت بشری کے سوا ہے ہی نہیں، لہذا امام رضا بریلوی نے وجہ تشبیہ کا ترجمہ فرمادیا تاکہ پڑھنے والوں کو دقت نہ ہو اور یہ ترجمہ کرتے ہوئے وجہ تشبیہ انہوں نے اپنے پاس سے بھی نہیں نکالی بلکہ مفسرین کرام علیہم الرضوان کی تفاسیر سے اخذ فرمائی اور مفسرین نے پورا غور کر کے یہ وجہ تشبیہ بیان فرمائی کیونکہ اس کے بغیر کوئی بھی اور وجہ تشبیہ بیان کی جاتی تو کئی علمی اعتراضات سامنے آتے تھے، جن کے جوابات کے لیے دور از کار تاویلات کرنی پڑتی تھیں، ہمارے کرم فرماؤں نے ایسا ہی ترجمہ کیا اور وجہ تشبیہ غلط منتخب کی تو نبی کو اپنے جیسا بشر کہنے لگ گئے۔ یہ تو وہ علمی حقیقت ہے جسے مفسرین نے تسلیم کیا ہے، ہم تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ بشر کا لفظ بذات خود معنوی حیثیت سے وجہ شبہ ہے، تو پھر اس وجہ شبہ کی تفسیر کرنی ہوگی، کیونکہ بشر اگر ظاہر و باطن، اعمال وافعال اور احکام و معاملات کا مجموعہ ہے تو ان سب باتوں میں کوئی بھی نبی علیہ السلام کی مثل نہیں، اب بشر کی توضیح وتشریح ضروری ہوگی، اور امام رضا بریلوی نے اس کی تشریح میں ظاہر صورت بشری کہہ کر سب الزامات کا دوٹوک جواب دے دیا ہے، اور وجہ شبہ کی کمال علمی سے صرف دو لفظوں میں وضاحت فرمادی ہے۔

ان حضرات کی طرف سے بار بار فاضل بریلوی پر اعتراض آتا ہے کہ ترجمہ میں ظاہر صورت بشری اضافہ ہے مگر ان لوگوں نے کبھی نہیں سوچا کہ ہر اضافہ ناجائز نہیں ہوتا جس زیادتی اور اضافہ پر صحت کلام کا مدار ہو وہ نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہوتی ہے، صرف بشر کہنے سے جو خرابی آتی تھی اسے دور کرنے کے لیے اس کلام کا اضافہ ہوا ہے اور اس اضافے نے بیشمار اوہام کو زائل کر کے کلام کو صحیح سمجھا کر صحت کلام کو محقق کر دیا ہے۔

کروگے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن پاک سے پوچھوں گا پھر سمجھ نہ آئے تو کیا کروگے یعنی قرآن پاک میں سب کچھ ہے لیکن سمجھ نہ آئے تو کیا کروگے؟ اس نے کہا کہ حضورؐ آپ کی طرف پلٹوں گا اگر سمجھ نہ آیا تو پھر کیا کروگے۔ ان دونوں کو سامنے رکھ کر غور و فکر کیلئے نئے راستے تلاش کروں گا۔ سرکارؐ کا فقرہ تھا کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ میرے قاصد کو تو نے راہ راست دکھادی ہے لیکن پھر یہاں ایک محبت کی چیز آ گئی ہے انہوں نے کہا کہ مدینے پر ایک نظر ڈال لو کیونکہ جب تم واپس آؤ گے تو شاید تم مجھے نہ مل سکو گے۔ اب جب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب واپس آؤ گے تو مجھے نہیں مل سکو گے۔ ہم بہت پیچھے آئے ہیں لیکن جب ہم تنہا بیٹھ کے محبت رسولؐ کے لطف لینے کے لیے اپنے دل و دماغ کو آمادہ کرتے ہیں تو کیفیت کیا ہوتی ہے اس صحابی پر کیا بیت گئی ہوگی وہ چیخ رہا تھا جب سرکارؐ نے فرمایا کہ شاید واپسی پر جب تم آؤ تو مجھے نہ پا سکو گے۔

حضرت حیدر کرارؓ ایک روایت نقل فرماتے ہیں اصل بات جو بنیادی ہے ذہن میں رکھ لی جائے کہ قرآن پاک کی شرح میں۔ قرآن پاک کی تفسیر میں، حقائق کے واشگاف کرنے میں، سب کے نزدیک معیار ذات رسالت ہے وہ ڈانڈ املاتے ہیں حضورؐ منبر پر تشریف فرما ہیں منافقین نے چند باتیں کی ہیں سرکارؐ کی طبیعت پر ملال ہے آپ نے ارشاد فرمایا میں منبر پر بیٹھا ہوں جہاں تک جو بات مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو ایک صاحب اٹھے وہ غلامی کا دور تھا، بچپن میں کسی نے اٹھا لیا اس نے عرض کیا حضورؐ میرا باپ کون ہے سرکارؐ نے اس کے باپ کا نام بتایا اب ایک اور اٹھا اس نے بھی کہا کہ میرے باپ کا نام کیا ہے سرکارؐ نے اس کے بھی باپ کا نام بتایا اب اس سے بھی پتہ چلا کہ حقائق انسانی سرکارؐ کے سامنے انتہا تک واشگاف ہوتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کو براہِ راست اللہ نے مخاطب بنایا ہے اگر اسی ذات اقدس سے قرآن کا کوئی گوشہ مخفی رہ جائے تو بات نہیں بنتی اب پچھلوں نے اس کو تلاش کرنے نکلنا ہے لیکن کوفہ کی مسجد میں حضرت حیدر کرارؓ منبر پر بیٹھے ہیں ارشاد فرمایا عرش تک جو چاہو پوچھ لو میں تم کو بتاتا جاؤں گا۔ بعد میں کسی نے پوچھا کہ سرکار آپ نے اپنے آپ کو عرش تک محدود کیوں کر دیا؟ فرمایا تاکہ نبیؐ کے علم میں اور میرے علم میں فرق رہ جائے، سرکارؐ نے لامکان تک کی باتیں کی تھیں میں نے اپنے آپ کو وہاں پر روک لیا ہے اسی مضمون کو امام اعظمؒ نے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں!

"جمیع العلم فی القرآن لکنّ تقاصر عنہ افھام الرّجال" ٥

ترجمہ: ''کوئی ایسا علم نہیں ہے جو قرآن پاک میں موجود نہ ہو ہاں بات صرف اتنی ساری ہے کہ ابھی تک ذہن وہاں تک پہنچ نہیں پائے ہیں۔''

اب میں تفسیر لے کر بیٹھتا ہوں۔ دوسری صدی کی تفسیر ہے سادہ عربی ادب کو وہ حل کرتے جا رہے ہیں اپنے معاشرے پر قرآنی ادب کو منطبق کرتے جا رہے ہیں پھر چوتھی صدی کا مفکر غزالی کی شکل میں میرے سامنے آتا ہے۔ وہ قدم قدم پر یونانی علوم کے

دوآیات کا اندازِ بیان

آیہ زیر بحث میں تو ارشاد ہوا کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں اور دوسرے مقام پر سید کل علیہ السلام کی ازواج مطہرات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

۱۔ **"یا نساء النّبی لستنّ کاحد مّن النساء "**o (الاحزاب۔32)

''اے نبی کی بی بیو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو''۔

امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھن جیسی تو کوئی عورت نہ ہو ان کی مثل باقی عورتیں نہ ہوں اور یہ عظمت انہیں کہاں سے ملی ہے؟ محض اس لیے کہ وہ نبی علیہ السلام کی ازواج ہیں اب اگر یہ بے مثل ہیں تو حضور کریم علیہ التسلیم بھی بے مثل ہونگے، اس آیت نے بے مثل فرمادیا اور پہلی آیت خود زیر بحث ہے وہ بامثل قرار دیتی ہے، یہ تناقض ہے۔ تضاد ہے کہ ایک ذات کی مثل بھی اور مثل نہ بھی ہو، اس تضاد کو دور کرنا ضروری ہے، ورنہ قرآن پاک کا اپنا دعویٰ کہ

۲۔ **"ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً"**o (النساء۔82)

''اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضروری اس میں بہت اختلاف پاتے''۔

باطل ہو جائے گا، امام بریلوی اور دیگر مفسرین کرام نے جب یہ کہا کہ صرف صورت ظاہر بشری میں مثلیت ہے، حقیقت میں مثلیت نہیں ہے، تو یہ تضاد رفع ہو گیا، حضرت بریلوی کے ترجمہ کے بغیر اس تضاد کو اور کس نے رفع کیا ہے؟ اس کا ذرا ہمارے سامنے نام لیا جائے، کتنا ظلم کہ جس ہستی کے ترجمہ سے ظاہری معنی پر آنے والے تضاد کو ختم ہونا پڑا وہ ترجمہ تو ہمارے دوستوں کو منظور نہیں ہے، اور اپنے خود ساختہ مفسرین کے اس روش سے دور ہٹانے والے تراجم منظور ہیں۔

آیہ زیر بحث میں خود مثلیت کلی کی نفی ہے کیونکہ وحی ایک باطنی امر ہے وہ مخاطبین پر نازل نہیں ہوتی، صرف سرکار علیہ السلام پر نازل ہوتی ہے، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو بھی سرکار علیہ السلام کی اطلاع کے بغیر اس کا علم نہیں بلکہ مقام دنی پر جو وحی ہوتی ہے اس کی خبر تو خود حامل وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی نہیں ہے، تو جس ذات والا صفات کی یہ کیفیت قرآن اسی آیت میں مذکور ہے بھلا اس ذات کی بشریت باطنی اور حقیقی حیثیت سے دوسروں کی بشریت جیسی کیسے ہو سکتی ہے، لہٰذا امام اہلسنت نے اس نکتے کو پا کر فرمادیا کہ یہ مماثلت صرف ظاہر صورت بشری یا بندہ ہونے میں ہے۔

ہم نے تشبیہ اور حصر پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس کی اگر مزید تفصیلات درکار ہوں تو بلاغت کی شہرہ آفاق کتاب المطول بحث علم البیان سے دیکھی جا سکتی ہے، یہی بحث اسی بات میں مختصر المعانی سے بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے، یہ دونوں کتابیں امام فن علامہ سعد الدین تفتازانی کی شہرہ آفاق تصنیفات ہیں، البلاغتہ الواضحتہ میں ان دونوں مسائل کو بالکل جدید انداز سے بیان

Marfat.com

کیا گیا ہے، یہ اپنے موضوع پر جدید ترین کتاب ہے، پاکستان، مصر اور دیگر اسلامی ممالک کی یونیورسٹیوں میں شامل نصاب ہے، فقیر مصنف نے اس کا اردو ترجمہ کر دیا ہے۔

مسلک اہل تفویض

آیئے اب اس آیہ زیر بحث پر آخری گزارش پیش کر کے اس بحث کو ختم کر دیں، یہاں تک آیہ کریمہ پر جو بحث ہو چکی ہے یہ سب اصحاب تاویل کے مسلکِ سالم کی تشریح و توضیح ہے، اب رہی بات اہل تفویض کے مسلک کی جو سراسر اسلم (زیادہ سلامتی والا) ہے تو اس مسلک میں یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ آیہ کریمہ متشابہات میں سے ہے، اس لیے جو اس سے ظاہر معنی سمجھا جاتا ہے وہ مراد نہیں ہے اور جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں، اس کا حقیقی مطلب اللہ کریم جانتے ہیں یا ان کے بتانے سے ان کے محبوب رحیم علیہ التسلیم۔

یہی کیفیت مندرجہ ذیل ارشادات میں ہے، **"یداللہ فوق ایدیھم"** ٥، ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح۔10)

"مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح" ٥ ''اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے''۔ (النور۔35) کہ ان میں ظاہر مراد نہیں اور مراد ظاہر نہیں۔ سوال یہ رہ جاتا ہے، کہ یہ آیہ کریمہ کیوں ظاہر نہیں؟ تو جواباً عرض ہے کہ اگر ظاہر مراد لینے سے اس ہستی کی شان گھٹتی ہو تو جو شان والی ہے تو آیت کا متشابہات سے ہونا معین ہو جاتا ہے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت جلد 1 باب 3 وصل ازالہ شبہات میں اس آیت کو متشابہات میں شمار فرمایا ہے، اس جگہ کلام الٰہی کا سیاق اور مفسرین کا نظریہ بھی یہی ہے، کہ کلام الٰہی میں **مثلکم** میں کفار مخاطَب ہیں، جب کفار مخاطب ہیں تو بتایئے کوئی گھٹیا سے گھٹیا مسلمان بھی سید کل ختم رسل دانائے سبل علیہ السلام کو کفار کی طرح کہنے کی جرأت کر سکتا ہے، لہذا اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتا، اور جو معنی مراد ہے وہ ظاہر نہیں، لہذا آیت متشابہات میں شامل ہے، لہذا دونوں صورتیں باقی رہ جاتی ہیں، یا تو اہل تاویل کا مسلک سالم اختیار کریں جو لاتعداد مفسرین نے اختیار فرمایا ہے، اور فاضل بریلوی نے اسی کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے، یا پھر اہل تفویض کا مسلک اسلم اختیار کریں۔ الحمد للہ اہل سنت کے علماء نے مسلک سالم اختیار فرمایا اور سنی اہل اللہ نے مسلک تفویض کو اپنایا مگر جو دونوں مسالک سے ہٹے ہیں وہ اجماع امت سے کٹے ہیں اور اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ہم نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ امام بریلوی کا ترجمہ بالکل صحیح ہے اور معترضین اپنی بے علمی کی وجہ سے اس پر معترض ہیں یا محض حسد کی وجہ سے یہ کارِ ناصواب کرنے میں مشغول ہیں یا پھر اپنے مجدد اعظم ابن عبدالوہاب نجدی کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے اس شغل میں مشغول ہیں۔

☆☆☆☆☆

واقعہ معراج

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ٥

امّا بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

"سبحان الّذیٓ اسریٰ بعبدہ لیلامن المسجد الحرام الیٰ المسجد الاقصیٰ الّذی بارکنا حولہ لنریہ من آیاتنا" ٥

خواتین وحضرات! حسب پروگرام واقعہ معراج عرض کرنا تھا، لیکن آپریشن کی وجہ سے ہمیں ایک مہینے تک Delay کرنا پڑا نتیجتاً معراج کا مہینہ گزر گیا۔ لیکن وعدہ یہی تھا میں اسی موضوع کو آج نبھانے کی کوشش کر رہا ہوں، اگلے ہفتے سے انشاء اللہ قرآن پاک کا ترجمہ شروع ہوگا، ترجمے کے ساتھ مختصر تفسیر ہوگی۔ البتہ جہاں علمی یا تحقیقی موضوع آجائیگا تو ہوسکتا ہے قرآن کا ایک جملہ ہمیں کئی دنوں تک روکے رکھے۔

واقعہ معراج کو قرآن پاک نے دو جگہ بیان کیا ہے۔ ایک یہی آیت مقدسہ ہے، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ پندرویں پارے سورۃ بنی اسرائیل، (جس کا دوسرا نام سورۃ اسراء بھی ہے) کی پہلی آیت ہے، اور دوسرے مقام پر قرآن حکیم میں واقعہ معراج ستائیسویں پارے میں سورۃ النجم کی پہلی چند آیات میں بڑی ہی لطافت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ سرکارؐ جن پر قرآن پاک نازل ہوا۔ ان سے صحابہ عالی مقام تک اس واقعہ کی تفصیلات ایک ایک جزو کے ساتھ پہنچیں۔ عام مفسرین کچھ اور کہتے ہیں۔ لیکن جہاں تک میں نے کتب احادیث کا مطالعہ کیا ہے، واقعہ معراج کو سرکارؐ سے 72 صحابہ کرام نے بیان کیا اور ہمارے ہاں علوم کا طریقہ کار یہ ہے کہ اگر اتنے لوگ ایک واقعہ بیان کریں جو مختلف علاقوں سے، مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہوں اور ان کی اتنی بڑی تعداد ہو کہ ان کا جھوٹ پر اکٹھے ہوجانا ناممکن ہو تو ایسی حدیث کو حدیث متواتر کہا جاتا ہے۔ اور متواتر کو تسلیم کرنا فرض عین ہے۔ قرآن حکیم ابتداء سے لے کر انتہا تک سارے کا سارا متواتر ہے۔ حدیث پاک کے بے شمار حصے متواتر ہیں۔ ان میں یہ حدیث معراج بھی متواتر ہے۔ کیونکہ اسے 72 صحابہ کرام نے دور اول میں روایت کیا۔ اگر ہر صحابی نے صرف دو آدمیوں کو بتایا ہو تو تابعین میں 144 آدمی بن جاتے ہیں اور تبع تابعین میں یہ تعداد صرف 2 ہی رکھی جائے تو بہت دور نکل جاتی ہے۔ یہ بات ہے جو اس واقعہ کو متواتر ثابت کرتی ہے۔

Marfat.com

مفسرین عالی مقام نے، محدثین نے اس واقعہ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (سہولت تعلیمی کے لیے میں اس انداز سے ہٹ کے بات کروں گا جو عام کتابوں میں درج ہوتی ہے) ایک حصہ وہ ہے جو مکہ مکرمہ سے لے کر براستہ مدینہ طیبہ بیت المقدس تک ہے، دوسرا بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک ہے اور تیسرا سدرۃ المنتہیٰ سے لامکاں تک ہے۔ عام مفسرین نے اسراء کا مطلب زمینی سیر قرار دیا ہے۔ اور یہ اسراء بیت المقدس تک ہے۔ معراج بیت المقدس سے اٹھ کر لامکاں تک جانے کا نام ہے۔ یہ سارے واقعات عام طور پر احادیث سے ثابت کیے جاتے ہیں۔ میں یہ کوشش کروں گا کہ سارے مراحل قرآن پاک سے ثابت کیے جائیں۔ قرآن نے اشارے دیے ہیں جب ان اشارات کی وضاحت ہوگی۔ تو انشاءاللہ بات آپ کے ذہن میں اتر جائے گی۔ قرآن پاک کی ایک یہ خاص نہج مقدسہ ہے کہ جہاں بھی کوئی محیرالوقع واقع ہوتا ہے۔ جو انسان کی محدود عقل میں نہ آنے والا ہو تو قرآن اسے لفظ سبحان سے شروع کرتا ہے۔ یہاں بھی اسی ادا کو نبھاتے ہوئے قرآن نے لفظ سبحان سے آغاز کیا ہے۔ سبحان کے معنی جو لغت میں آتے ہیں وہ مختلف ہیں میں نے یہاں صرف ایک معنی مراد لینا ہے اگر میں تفصیلات میں چلا گیا تو آج کی تقریر لفظ سبحان پر ختم ہو جائیگی۔ سبحان طہارت اور پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ پاکیزہ ہے مقدس ہے طاہر ہے، کون؟ اللہ نے اپنا نام نہیں لیا۔ یہاں بھی عربی زبان میں موصول وصلہ استعمال کیا ہے۔ وہ پاک ہے، وہ طہارت والا ہے، وہ قابل تسبیح ہے۔

"الذی اسریٰ بعبدہ" (جس نے رات کو سیر کرائی اپنے بندہ خاص کو)

کہاں سے سیر کرائی؟

"من المسجد الحرام" (حرمت وعظمت والی مسجد سے لے کر)

"الی المسجد الاقصیٰ" (مسجد الاقصیٰ تک)

یہاں تین چار الفاظ کا تجزیہ کرنا ہے، اسراء کا معنی ہے 'رات کو لے کے چلا' حضرت موسیٰ کے ذکر میں آتا ہے۔

"فاسر بعبادی لیلاً" (آپ میرے بندوں کو لے کر رات کو نکل جائیں)

قرآن کے دوسرے مقام نے اس معنی کو واضح کر دیا کہ اسراء کا معنی رات کو چلنا ہوتا ہے آگے پھر لفظ 'لیل' آیا ہے، 'لیل' Common Noun کے حساب سے یہاں استعمال ہوا ہے، اور یہ اعراب تصغیر کے لیے ہے۔ یعنی رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ سیر تھی۔ اب سوچ کی بات یہ ہے کہ رات کے مختصر حصے میں جو سیر تھی اس پر صدیوں سے قلم چل رہے ہیں۔ صدیوں سے خطابات ہو رہے ہیں۔ صدیوں سے کتابیں لکھی جارہی ہیں اور ابھی تک محبوب کی رات کی لمحاتی سیر کی تہہ تک ہم نہیں پہنچ سکے۔ تو آپ اندازہ لگائیں ان کی پوری زندگی کی تفصیلات کب تک بیان ہوں گی۔

Marfat.com

اگلا لفظ ہے بعبدہ یعنی اپنے بندہ خاص کو سیر کرائی ہے۔ عام طور پر اردو دان طبقہ کہتا ہے کہ بندہ خاص کس کا معنی ہے؟ آسانی کے لیے تو کہا جا سکتا ہے کہ علامہ شبیر احمد عثمانی نے بھی یہی بات کہی ہے کہ بندہ خاص اس سے مراد ہے۔ لیکن میں اسے کھول دیتا ہوں تا کہ پتہ چل جائے کہ ہم اسے بندہ خاص کیوں کہتے ہیں؟ عربی گرائمر میں جب کسی Common Noun کو Proper کا انداز دیا جاتا ہے تو ان اندازوں میں ایک انداز اضافت کا ہے یہاں عبد کی''ہ'' کی طرف اضافت ہے۔ اگر چہ محدثین نے یہاں ایک اور بڑا نفیس نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ کریم نے محبوب رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو سب سے پیارا نام کونسا لگتا ہے۔ تا کہ میں اس نام سے آپ کو مخاطب کروں تو سرکارؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے اللہ! آپ مجھے اپنی عبدیت کے ساتھ خاص کریں۔ جب اس مقام پر ترجمہ کر کے ہم آئینگے تو ایک بڑی تفصیلی تقریر ہوگی، لفظ عبد پر اور لفظ رسول پر، اور پھر یہ بحث زیر غور آئے گی۔ کہ سرکارؐ کی عبدیت کا مقام اونچا ہے یا سرکارؐ کی رسالت کا مقام اونچا ہے؟ انشاء اللہ العزیز مقام عبدیت اتنا اونچا ہے کہ اس کی بے حد لمبی وضاحت ہوگی۔ میری ایک کتاب جو آج کل لکھی جا رہی ہے اس میں، میں نے بڑی تفصیل سے بحث کی ہے کہ سرکارؐ کا مقام عبدیت کتنا اونچا ہے؟ یہاں ایک اور نکتہ آپ کے ذہن میں ڈالتا ہوں عبد جس کا عام فارسی میں معنی بندہ کیا جاتا ہے۔ اور فارسی سے پھر اردو میں بھی یہ معنی منتقل ہو کے آیا، تو ہم نے عبد کا معنی بندہ کیا۔ بندہ جسم اور روح سے مرکب ہوتا ہے۔ صرف روح کو بندہ نہیں کہتے ہیں۔ اور صرف جسم جس میں روح نہ ہو اسے بھی بندہ نہیں کہا جاتا، بندہ تب بنے گا جب جسم اور روح دونوں موجود ہوں گی۔

سرکارؐ جب یہاں سے چلتے ہیں تو جسم اور روح دونوں ساتھ ہیں (خصوصی توجہ چاہوں گا تا کہ نکتہ ذہن میں بیٹھ سکے) عبد جسم اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب وہ لامکاں میں پہنچتے ہیں تو ستائیسویں پارے میں پھر ارشاد ہوتا ہے۔

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ" ۝ (اللہ نے پھر اپنے مخصوص عبد کی طرف وحی کی جو وحی کرنی تھی)

لہٰذا جب نکلے ہیں تب بھی وہ جسم اور روح کے ساتھ اور جب وہاں پہنچے ہیں تب بھی جسم اور روح کے ساتھ تھے۔ اس لیے یہاں لفظ عبد استعمال ہوا ہے۔ اگر منکر تھوڑی سی گہری نظر سے دیکھتا تو یہ کہنے کی گنجائش ہی ختم ہوگئی تھی کہ کیا سرکارؐ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی۔ قرآن نے لفظ عبد استعمال کیا۔ جاتے ہوئے عبد کا استعمال کیا اور انتہا پر پہنچتے ہوئے بھی عبد کا لفظ استعمال کیا۔ جس نے یہ بتا دیا کہ یہ کیفیت جسمانی تھی، روحانی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ جو عام طور پر ہمارے محدثین مفسرین جو دلیل دیتے ہیں تبرکاً اسکا بھی ذکر کر دیتا ہوں کہ اگر صرف روحانی معراج ہوتی تو مشرکین مکہ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ اس لیے کہ خواب میں آپ خدا جانے کہاں سے کہاں پھرتے رہتے ہیں؟ تو اس پر حیرانی کیا تھی؟ انہیں اعتراض کیا تھا؟ وہ تو بات ہی یہی ہے اعتراض تو انہیں اسی بات پر تھا جو بات ان کی عقل میں نہیں آرہی تھی۔ کہ ایک جسم رات ہی

رات میں بیت المقدس تک جا کر واپس کیسے آ گیا؟ یہ ناممکن ہے اس نبی نے جو بات کی ہے، یہ سراسر عقل وفکر کے خلاف ہے۔ ہمارے پاس ایک اچھا ہتھیار آ گیا ہے۔ ہم اس کے ساتھیوں کو گمراہ کریں گے کہ یہ بھی کوئی طریقہ ہے کہ یہ رات کو جاتے ہیں اور سویرے واپس اپنے بستر پر ملتے ہیں۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کے پاس ابوجہل حاضر ہوا تھا اور بڑی تمہید کے بعد یہ بات کہی کہ آج تک تو ان کو مانتے آئے ہو، لیکن اب انہوں نے ایک ایسی بات کہہ دی ہے جو ذہن میں نہیں آتی، جو عقل میں نہیں آتی، اب تم ان کو چھوڑ دو۔ آپ نے پوچھا کہ انہوں نے کیا فرمایا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں رات سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا ہوں اور پھر واپس آ گیا ہوں۔ حضرت صدیقؓ ہنس پڑے کہنے لگے ان کا ایک غلام ہے جس کا نام جبرائیل ہے۔ وہ روزانہ آیات لے کر وہاں سے یہاں آتا ہے یہاں سے وہاں واپس جاتا ہے۔ تو جہاں غلام جاتا رہتا ہے وہاں آقا کیوں نہیں جا سکتا؟ لہذا یہ بات ہماری عقل کے مطابق ہے ہم غلام کو مانتے ہیں وہ آتا ہے اور جاتا ہے۔

اب اگلا لفظ یہ تھا کہ آغاز ہے مسجد حرام سے

کچھ علمی طبقے ہمارے ملک میں ایسے گزرے ہیں جنہیں احادیث سے بے حد پرخاش تھی اور ہے۔ جرح کرتے رہتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے جرح کی کہ یہاں احادیث ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ سرکارؐ حطیم میں تھے۔ سرکار حرم میں تھے۔ ان لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں کہ حطیم بھی حرم میں موجود ہے۔ وہ تو تب ہے کہ حطیم مدینے میں ہو اور حرم مکے میں ہو۔ تب تو اعتراض ہے، اب ایک ہی جگہ ہے میں کہہ دوں میں عزیزہ سلمیٰ کے مکان کے ہال میں بیٹھا تھا۔ تو وہی بات، اگر میں کہہ دوں کہ میں عزیزہ سلمیٰ کے گھر بیٹھا تھا۔ تب بھی وہی بات ہے۔ میں کہہ دوں میں مکان نمبر 10 گلی نمبر 72 میں بیٹھا تھا، تب بھی بات وہی ہے۔ تو جب ایسی بات ہے تو کم از کم عقل وشعور کو سامنے رکھ کے حدیث پر جرح کرنی چاہیے۔

سرکارؐ حطیم میں تشریف فرما ہیں جو کعبے کا ایک حصہ ہے۔ واقعہ کا اگلا لفظ یہ تھا کہ آغاز مسجد الحرام سے ہوتا ہے یہ مسجد حرام ''حرم'' بمعنیٰ حرمت ہے۔ عزت والی مسجد، احترام والی مسجد، شان والی مسجد آغاز ہوتا ہے۔ تو احادیث میں یہ بات ہے کہ آپ براستہ مدینہ طیبہ بیت المقدس تشریف لے گئے تھے۔ جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ شب معراج سرکارؐ نے یہاں دو نفل ادا فرمائے تھے۔ یہاں راستے پر کچھ انبیاء سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ وہ جناب نوحؑ، جناب ابراہیمؑ اور جناب موسیٰؑ تھے۔ انہوں نے جو سلام پیش کیے وہ بھی پیش کر کے بحث زیادہ لمبی نہیں کر سکتا لہذا آگے بڑھتا ہوں۔ سرکارؐ نے وہاں دو نفل پڑھے بیت المقدس کے قریب پہنچ کر (احادیث کی کتابوں میں سے بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ لیکن یہ ایسی کوئی بھی حدیث کی کتاب نہیں جس نے واقعہ معراج بیان کیا ہو، اور یہ حدیث نقل نہ کی ہو) سرکارؐ نے فرمایا میں نے دیکھا راستے پر ایک

Marfat.com

قضیب احمر تھا ایک سرخ رنگ کا ٹیلا تھا وہاں موسیٰؑ کی قبر تھی۔

"انّه کان یصلّی قائماً فی قبره"O

یہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ وہ کھڑے اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یصلی اس کے تین معنی ہیں نماز پڑھ رہے تھے۔ دعا مانگ رہے تھے۔ صلوۃ سلام بھیج رہے تھے۔ صلوۃ کے تین معنی ہیں جو اصطلاحاً شرع میں آتے ہیں۔ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ سرکارؐ آپ کے دروازے سے گزرنے والے ہوں تو آپ نماز پڑھنے لگ جائیں گے۔ یا سرکارؐ کے دیدار کے لیے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اور آپ پر صلوۃ سلام پیش کرنا شروع کر دیں گے۔ جب آپ کا ایمان کہتا ہے کہ آگے بڑھ کے میں صلوۃ وسلام پیش کروں تو حضرت کلیم علیہ السلام جو اللہ کے پیغمبر ہیں اور مرتبہء مصطفیٰؐ کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ انہوں نے نماز تو نہیں شروع کر دی تھی۔ انہیں پتہ تھا کہ آقا گزر رہے ہیں۔ احترام یہ ہے کہ میں قبر میں کھڑا ہو جاؤں اور کھڑا ہو کے ان کی خدمت میں درود پیش کروں۔ وہ بات جو ایک ہمارے شاعر نے کہی تھی کہ!

نادار تو ہوں لیکن شاید وہ بلا بھیجیں   بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

وہ انداز تھا جو طاری تھا جناب موسیٰؑ پر۔ سرکارؐ یہاں سے گزرتے ہیں۔ سلام لیتے، کلام لیتے، بیت المقدس میں تشریف لے جاتے ہیں اردو کی تفاسیر میں سے تین تفاسیر، بریلوی مکتب فکر میں سے مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب کی تفسیر، دیوبندی مکتب فکر سے علامہ عثمانی کی تفسیر، جدید لوگوں میں سے پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی تفسیر، یہ تینوں بیک زبان متفق ہیں کہ سرکارؐ نے انبیاء عالی مقام کو یہاں نماز پڑھائی تھی۔ اور حدیث کی کتابوں میں سے بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، مسند امام احمد، مستدرک حاکم، دیلمی، زیلعی، طبرانی، حدیث کی ساری کتابیں اس واقعہ کو نقل کرتی ہیں کہ سرکارؐ نے انبیاء عالی مقام کو نماز پڑھائی تھی۔ قرآن پاک نے تیسرے پارے کے آخری حصے میں یہ بات کہی کہ اللہ نے سرکارؐ کے لیے سب انبیاء سے وعدہ لیا تھا کہ جب وہ آئیں تو تم سب نے ان پر لازماً ایمان لانا ہے۔ اسکا ظہور اس مقام پر ہوتا ہے لیکن یہ واقعہ جس پر امت کا اجماع ہے، میں اپنے بھائیوں، عزیزوں، بچیوں اور بہنوں سے یہ بات کہوں گا۔ کہ شریعت کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ قرآن پر ہے، قرآن کے بعد سنت مصطفویؐ پر ہے، (یعنی یہ ہمارے قانون کے ماخذ ہیں) اسکے بعد ساری امت کا اکٹھا ہو کر کسی بات پر متفق ہونا، اسے اجماع امت کہا جاتا ہے۔ حضرت شافعیؒ سے جب کسی نے پوچھا کہ آپ سارے لوگ کہتے ہیں کہ اجماع امت دلیل ہے۔ تو یہ قرآن سے مجھے بتائیں کہ اجماع امت دلیل ہے کہاں ہے؟ آپ نے پڑھا!

"یتبع غیر سبیل المومنین نولّه ماتولّی و نصله جهنم و ساء ت مصیراً"O

ترجمہ: "کہ جو آدمی سب مومنوں کا راستہ چھوڑ کے ایک نیا راستہ کھڑا کر لیتا ہے ہم اسے ڈھیل دیتے ہیں جدھر چلتا ہے چلتا

رہے پھر ہم اسے جہنم میں داخل کر دیتے ہیں یہ بدترین جگہ ہے"۔

امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر مومنین کا راستہ چھوڑنے سے جہنم ملتی ہے تو اس راستے کا اتباع ضروری ہے لہذا یہ تیسرا ماخذ ہے دین کا اجماع امت۔ اور چوتھے مرحلے پر اجتہاد یا قیاس آتا ہے۔ اس کے لیے ہم طرح طرح کی بولیاں سنتے ہیں کہ جناب نیشنل اسمبلی کو یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ اجتہاد کرے۔ آپ بہن بھائی اکثر ٹی وی دیکھتے ہیں مجھے تو یہ مرض ابھی تک نہیں لگا۔ میرے پاس اس مرض کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ تو اسمبلی میں جس انداز سے سیاست میں یہ اجتہاد فرما رہے ہیں اگر ایسا اجتہاد انہیں مذہب میں بھی کرنے کا اختیار دے دیا جائے تو یہ سرمایہ دار، یہ جاگیر دار طبقہ، خدا جانے قوم کو کس گڑھے میں پھینک آئے۔ اجتہاد کے لیے اسلام بے حد علمی مہارت چاہتا ہے، پھر سابقہ سارا تاریخی ارتقاء جو ہے ہمارا قانون دان اس کا زبردست عالم ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تقدس اور پختہ عقیدہ چاہیے اس نظریے پر، جس کے لیے آپ اجتہاد فرما رہے ہیں۔

اب اگر ہم مصر سے لے کر انڈونیشیا تک چلے جائیں تو ہماری قومی اسمبلیوں کے جو حال ہیں ان میں کتنے سارے لوگ ہیں جو اسلام کے چودہ سو سالہ قانونی ارتقاء سے واقف ہیں۔ قرآن وسنت کی گہرائیوں سے مطلع ہیں۔ پھر اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنے کے لیے دنیا کے سارے دساتیر جو ہیں ان کے مقابلے میں اسے برتر ثابت کرنے کے لیے ان میں سے کون بولے گا۔ تو یہ وہ باتیں ہیں جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ لہذا انہیں اجتہاد کا حق نہ تھا، نہ ہے، نہ ہوسکتا ہے، تو یہ بات انہیں خود بھی سوچ لینی چاہیئے۔

تو یہ چار ماخذ ہیں۔ جو تیسرا ماخذ ہے وہ اجماع امت تھا۔ تو امت چودہ سو سال سے سرکارؐ کے اس واقعہ پر مجتمع ہے، اکٹھی ہے، کہ سرکارؐ نے سب انبیاء کو وہاں نماز پڑھائی تھی۔ میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے اکثر کہتا ہوں یہ سرکارؐ کے ساتھ میرا ایمان، ایمان بالغیب ہے۔ آپ کا ایمان بالغیب ہے، کہ ہم نے ظاہری دنیا میں سرکارؐ کو نہیں دیکھا۔ صحابہ کرام کا، اہل بیت عظام کا ایمان، ایمان بالشہادت تھا۔ انہوں نے سرکارؐ کو سامنے دیکھا، ان کی محفل میں گئے، ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔ ان کا ایمان مشاہداتی ایمان ہے۔ اگر قیامت کے دن حضور صدیق اکبرؓ، سید ما حیدر کرارؓ اور فاروق اعظمؓ اگر جناب ابراہیمؑ، جناب نوحؑ اور جناب موسیٰؑ کو یہ کہہ دیں کہ آپ بے شک عظیم المرتبت ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں لیکن ایک فضیلت ہمیں حاصل ہے جو آپ کو حاصل نہیں۔ اور وہ فضیلت یہ ہے کہ ہم نے رحمت للعالمین کے ماتھے پر اپنی نگاہیں گاڑی ہیں۔ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہیں، ان کے وجود اقدس کو دیکھا ہے، اور یہ سب سے بڑی عبادت ہے سب سے بڑی عبادت کائنات میں سرکارؐ کی زیارت ہے۔ اس کے مقابلے میں نماز کوئی عبادت نہیں وجہ یہ ہے کہ آپ ساری زندگی نمازیں

Marfat.com

پڑھتے ہیں، حضرت نوحؑ کی عمر لے کر نمازیں پڑھیں، اور دوسری طرف ایسا صحابی آجائے جو صرف پانچ منٹ سرکارؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا۔

خوشا وہ روز کہ یثرب مقام تھا اس کا خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا

وہ پانچ منٹ آ کے بیٹھا ہے، سرکارؐ نے اسے کلمہ شہادت پڑھایا ہے، ہاتھ پکڑا ہے، مسلمان کیا ہے، وہ پھر چلا گیا ہے، امت کے عظماء سے پوچھیں کہ حضرت نوحؑ جتنی عمر لے کے نمازیں پڑھنے والا آگے ہے یا یہ پانچ منٹ یا تین منٹ کی حاضری والا آگے ہے۔ امام اعظمؒ فرماتے ہیں وہ آگے ہے، غوث اعظمؒ فرماتے ہیں کہ تین منٹ والا نہیں بلکہ ایک منٹ والا آگے ہے۔ اس نے سرکارؐ کو ظاہری نگاہ سے دیکھا ہے اب یہ صحابہ میدان محشر میں یہ بات انبیاء سے پوچھیں تو ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ لہذا رب نے اپنے نبیوں کی عظمت کو بچانے کی خاطر یہاں سرکارؐ کی محفل میں لا کھڑا کیا۔ یہاں آپ دیکھ لو۔ مل لو، پیچھے نماز پڑھ لو۔ میرے نزدیک تو تم رسول ہو لیکن مصطفیٰؐ کی نسبت سے تم بھی صحابی بن جاؤ۔ ان کے ساتھ آ جاؤ، جب ان کے ساتھ آؤ گے مقام صحابیت مل جائے گا۔ پھر کوئی بندہ یہ بات نہیں کہہ سکے گا۔ لیکن یہاں ایک اور مسئلہ ہے میں بانگ دہل کہتا ہوں تفاسیر سے، احادیث سے، اسلامی علوم میں سے کسی بھی علم سے یہ بات مجھے کوئی بندہ دکھا دے کہ جب انبیاء اپنی قبروں سے اٹھے ہیں تو وضو کرنے کے لیے گئے ہیں؟ یا انہیں لوٹوں اور مصلوں کی ضرورت تھی؟ وہ جوں ہی اٹھے ہیں تو سیدھے محفل رسول میں پہنچے ہیں۔ پتہ چلا کہ سرکارؐ نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ نبی اپنی قبر میں زندہ ہے، اسے مٹی نہیں کھا سکتی، وہ سارے زندہ تھے اور باوضو تھے، باوضو رہنے کے لیے ایک اور بھی ضرورت تھی۔ آپ اس پر گہرا غور فرمائیں گے وہ ضرورت یہ ہے کہ انہیں پتہ ہے کہ ایک دن سرکارؐ کی محفل میں حاضری دینی ہے، انکے پیچھے نماز پڑھنی ہے۔ اگر ہم اٹھ کر لوٹے تلاش کرنا شروع کر دیں گے تو انہوں نے دو نفل پڑھا کے نکل جانا ہے۔ بات رہ جائے گی۔ لہذا بے تابیاں تھیں، دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں، کہ اگر چشم زدن کے لیے بھی غافل ہو گئے تو اقبال والی بات ہو گی کہ!

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

ایک لحظہ غافل ہوا تو سو سال کے راستے کا فرق پڑ گیا۔ اب وہ سارے کے سارے باوضو ہیں۔ اس انتظار میں ہیں کہ کب آواز آئے کہ بیت المقدس میں حاضری دو کہ رحمت عالم نور مجسم، فخر بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ وہ سارے کے سارے وہاں حاضر ہیں۔ سرکارؐ نماز پڑھاتے ہیں۔ نبی روح انسانیت ہوتا ہے، وہ عطر انسانیت ہے، جمادات سے حیوانات تک پہنچنے کے لیے خدا جانے کائنات کتنی کروٹیں بدلتی ہے۔ اس مسئلے پر میں تفصیل سے گفتگو کرتا۔ لیکن بات رہ جائے گی۔ اور پھر حیوان سے انسان بننے میں کتنا وقفہ ہے انسان سے نبی بننے میں کتنی دیر ہے اور نبی بننے سے خاتم الانبیاء

بنتے ہیں کتنا بعد اور کتنا وقفہ ہے۔

مختلف آسمانوں سے سرکارؐ کا گزر ہوتا ہے، مختلف انبیاء سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کی تفاصیل میں پڑوں تو بات رہ جائے گی۔ ایک درخواست جناب جبرائیل نے پیش کی کہ حضورؐ جس طرح نبیوں کو آپ نے امامت کرائی ہے۔ ایک امامت فرشتوں کے لیے بھی ہو جائے، سرکارؐ نے یہ بات قبول فرمالی۔ اور سارے فرشتوں کو بھی سرکارؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ اس راستے پر جو خاص بات ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ نے سوال کیا کہ حضورؐ جب آپ نے حضرت یوسفؑ کو دیکھا تو وہ بڑے حسین تھے، ذرا ان کی کچھ بات فرمادیں۔ آپ نے استعاراتی زبان میں بات کی۔

"قداوتی شطراً من الحسن" O (انہیں حسن کا ایک حصہ ملا ہے)

اشارہ کس بات کی طرف تھا کہ حسن کامل تو ہم ہیں۔ البتہ یوسفؑ کو بھی ایک حصہ مل گیا۔ کسی نے بڑا شاندار تجزیہ کیا کہ حسن یوسفؑ پر تو زنانِ مصر کی انگلیاں کٹی تھیں، اور حسن مصطفیٰؐ پر بدر سے لے کر کربلا تک کس کس نے سر پیش نہیں کیا۔ یہ حسن مصطفیٰؐ کا صدقہ ہے۔ وہاں انگلیاں کٹی ہیں، یہاں سر کٹے ہیں۔ یہ وہ نفیس فرق ہے، جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ سرکارؐ سدرہ کے مقام پر پہنچتے ہیں یہاں جناب جبرائیل نے یہ بات کہی کہ آقا میں اس سے آگے نہیں جا سکتا۔ یہاں میری انتہا ہے۔ سرکارؐ نے پلٹ کے دیکھا، ایک بات ارشاد فرمائی، ارشاد ہوا۔ آپ نے میرے دادا جان حضرت ابراہیمؑ کو جب وہ آگ میں پڑنے والے تھے، نمرودی آگ میں تو ایک بات کہی تھی جسے ہم اپنی خدمت تصور کرتے ہیں۔ آپ نے یہ کہا تھا کہ خلیل میں رب جلیل کے ہاں وہاں جا سکتا ہوں جہاں آپ نہیں جا سکتے کوئی پیغام ہے تو مجھے دے دیں میں اللہ کی خدمت میں بات عرض کر دوں۔ میرے دادا جان نے آپ کی اس پیش کش کو قبول نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے صرف یہ بات کہہ دی تھی کہ جبرائیل اس منظر کو رب جلیل دیکھ رہے ہیں کہ نہیں جواب تھا کہ دیکھ رہے ہیں۔ تو پھر آپ میرے اور خدا کے درمیان حائل ہونے کی کوشش نہ فرمائیں، حائل نہ ہوں۔ آپ درمیان سے ہٹ جائیں، یہ رب کا اور میرا مسئلہ ہے۔ لیکن آپ نے پیش کش تو کر دی تھی۔ آج میں کہہ رہا ہوں کہ جبرائیل میں وہاں جا سکتا ہوں جہاں آپ نہیں جا سکتے۔ اگر رب کے لیے کوئی بات آپ نے عرض کرنی ہے تو میں وہاں تک پہنچا سکتا ہوں۔ جناب جبرائیل ساری بات کو سمجھ گئے جو بات تھی۔ لیکن ایک بات کا انہیں علم تھا۔ اسے انبیاء بھی جانتے تھے۔ کہ سرکارؐ کو اگر خوش کرنا ہے تو سرکارؐ کی ذات کے متعلق بات نہ کی جائے، بلکہ آپ کی امت کے متعلق بات کی جائے۔ اگر امت کسی مرحلے پر خوش ہوتی ہے۔ تو اس فعل سے سرکارؐ کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ جبرائیل نے کہا حضورؐ عرض ایک ہے کہ جب قیامت کے دن پل صراط سے آپ کی امت گزرنے لگے تو مجھے اجازت لے کر دیں کہ پل صراط پر اپنے پر بچھا دوں اور آپ کی امت میرے پروں کے اوپر سے گزر کر چلی جائے۔ سرکارؐ نے انکی یہ خواہش پوری کرادی اور یہ بات مان لی

Marfat.com

بخیے ادھیڑ رہا ہے کیونکہ اس کے خیال کے مطابق قرآن پاک کو انسانی علم کے تابع کر دیا گیا ہے اور وہ انہیں پھر صاف اور مطہر کرنا چاہتا ہے آگے بڑھتے ہیں تو بے شمار معلومات ہمارے ذہن میں رازی ڈالتے ہیں پتہ چلتا ہے اس دور تک جتنی بھی سائنس ترقی کر چکی تھی فلسفہ جہاں تک پہنچ چکا تھا۔ وہ سارے کا سارا قرآن پاک سے اخذ کرتے چلے جاتے ہیں آج جب جدید کیفیات سامنے آئی ہیں تو میں جب بھی قرآن پاک کا مطالعہ کرنے بیٹھتا ہوں یا تنہائی میں رات کی تاریکی میں لیٹ کر قرآن پاک سے بات کرنا چاہتا ہوں تو قرآن پاک کے الفاظ کہتے ہیں کہ حقیقت تو یہ تھی۔

اب جدید نظریات اس کے تابع ہو کے ہاتھ باندھ کے اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ حقائق قرآنیہ یہ ہیں جہاں آج انسان پہنچا ہے مثال کے طور پر آپ یہ جانتے ہیں کہ قدیم دور میں بے شمار چیزیں ایسی تھیں کہ جنہیں جوڑ انہیں تصور کیا جاتا تھا۔ قرآن پاک نے ہر شئے کو جوڑا تصور کیا ہے جدید سائنس نے اس جوڑے کو مختلف اندازوں سے ثابت کرنے میں کہیں کمی نہیں چھوڑی بات اتنی ساری تھی کہ پچھلے چار پانچ سو سال سے جمود طاری ہو گیا تھا دینی مدارس پر ان کے نصابات نافذ ہو گئے دنیا کے علوم پڑھے ہوئے لوگوں کو دین کے علوم کی خبر نہیں تھی دین پر پڑھے ہوئے لوگوں کو دنیا کے علوم کی خبر نہیں تھی۔ یہ جو درمیان میں خلا آ گیا اس خلا کو پر کرنے کی ضرورت تھی لیکن ابھی تک جتنی کوشش ہونی چاہیے وہ کوشش نہیں ہو سکی ضیاء الحق مرحوم نے اپنے دور میں یہ کوشش کی تھی۔ کہ کوئی ایسی صورت ہو، اگر چہ وہ مسئلہ موضوع سے متعلق نہیں ہے لیکن علمی انداز سے ایک بات آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ جب یہ بات ہوئی تو چند یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں اور مختلف مدارس کے علماء کو اکٹھا بٹھا دیا گیا نتیجہ کیا نکلا انہوں نے چند اپنی کتابوں کی سفارش کی ان حضرات نے وہ قبول کر لی۔ دوسری طرف سے بھی چند کتابوں کی سفارش کی گئی وہ پہلوں نے مان لی نقصان کیا ہوا کہ انسانی علوم پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ آج سے پانچ چھ سو سال پہلے کی لکھی گئی تھیں کیا انسانی علوم آج وہیں کھڑے ہیں جہاں چار پانچ سو سال پہلے تھے صرف بیسویں صدی میں سائنس کی دنیا نے پہلی انیس صدیوں کو مات دے دی ہے اور پھر بیسویں صدی کے سن 40 کے بعد کے جو ہمارے پچاس سال ہیں انہوں نے انسانی سائنس میں اتنی ساری ترقی کی ہے کہ سارے ماضی کی تاریخ ایک طرف پیچھے رہ کے چھوٹا سا نقطہ بن کے رہ گئی ہے کیا اس دور کی انسانیت کیلئے قرآن پاک ہدایت نہیں ہوگا جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے ہر شے کی اس نے کسی شے کو باقی نہیں چھوڑا اب ضرورت ان لوگوں کی ہے جن کیلئے قرآن پاک نے خود کہا ہے۔

"ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا" ٥ (ہم ہر دور میں کتاب کا وارث ان لوگوں کو بناتے ہیں جنہیں ہم چن لیتے ہیں)

اور دعوے کے حساب سے سامنے رکھا ہے کہ مختلف لوگ تو مختلف دوروں میں اسے لے کر آگے چلتے رہیں گے لیکن کتاب کیا ہے۔

تھی کہ پل صراط سے جب امتِ محمدیہ گزرنے لگے تو جناب جبرائیل اپنے پر بچھا سکتے ہیں تا کہ ان پروں کے اوپر سے امت مسلمہ گزر سکے۔ عجیب منظر ہوگا کہ پل ہے سرکارؐ کے سامنے انبیاء پار نکل گئے ہیں امت پیچھے چھوڑ دی ہے لیکن سرکار پار نہیں جاتے۔ ہم گناہگار گزر رہے ہیں۔ سرکارؐ اسی کنارے پر ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہیں، **یارب سلم امتی ، یا رب سلم امتی،** اللہ میری امت سلامتی کے ساتھ گزر جائے۔ ادھر ان کے ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں۔ ادھر جبرائیل کے پر بچھے ہوئے ہیں۔ بڑا ہی نفیس موقع ہوگا عجیب ہی کیفیت ہوگی اور میرے آقا کی رحمت کا اظہار کس نرالے انداز میں ہو رہا ہوگا۔ سرکارؐ نے یوسف علیہ السلام کے لیے فرمایا کہ انہیں حسن کا ایک حصہ ملا ہے جناب ابراہیمؑ کے پاس پہنچے۔ وہ اس مقام پر تھے جو ساتویں آسمان پر بیت المعمور ہے، وہ بالکل کعبے کے مقابلے میں اوپر آتا ہے۔ تحقیق کی دنیا میں ہر محقق کوئی سوچیں پیش کرنے کا حق ہوتا ہے۔ لہذا میں بھی آپ کی خدمت میں ایک نئی سوچ پیش کر رہا ہوں۔ کہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے۔ مسجد اقصیٰ عام مفسرین نے بیت المقدس کہا ہے۔ اس کا لفظی معنی ہے۔ انتہائی کنارے والی مسجد، آخری کنارے والی مسجد سے آگے اور کوئی مسجد نہ ہو۔ اللہ کرے بات ذہن میں بیٹھ جائے۔ یہ جو بیت المقدس ہے اسے عرب بیشک مسجد اقصیٰ کہتے رہیں، یہ ان کے علم کے مطابق آخری مسجد ہے۔ لیکن قرآن عربوں نے تو نازل نہیں کیا۔ قرآن تو رب نے نازل کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا رب کے علم میں یہ مسجد آخری ہے؟ جس سے آگے مسجد نہ ہو۔ یہ بات نہیں ہے۔ وہ تو اسی سطح ارضی پر ہے۔ اس سے آگے بھی علاقے آباد ہیں۔ وہاں بھی مسجدیں ہیں۔ تو رب کے علم کے مطابق جو آخری مسجد ہے وہ بیت المعمور ہے۔ لہذا قرآن کی اسی آیت نے سرکارؐ کے معراج کو بیت المعمور تک ثابت کر دیا۔ کہ آپ کو مسجد الحرام سے بیت المعمور تک لے گئے۔ کیوں لے گئے؟

"لنریہ من آیاتنا"O (تا کہ ہم اپنی آیات دکھائیں)

یہاں ایک بات علماء کے لیے کہہ رہا ہوں، کہ لفظ 'من' کبھی تبعیضیہ، (بعضیہ) ہوتا ہے اس کا معنی ہوتا ہے کچھ اور کبھی 'من' بیانیہ ہوتا ہے۔ کیا یہاں من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ ہے۔ وہ جنہیں مرض ہے سرکارؐ کے علم کو کم کرنے کی، انہوں نے من کو بعضیہ مانا ہے۔ لیکن یہ من بیانیہ ہے۔ بعضیہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل کیا ہے؟ ہم انہیں اپنی آیات دکھانا چاہتے ہیں۔ اگر یہاں کچھ کہہ دیا جائے کہ چند آیات دکھائی ہیں باقی چھوڑ دی ہیں۔ تو اتنا دور مولا نا لے کے جانے کا فائدہ کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ ہم انہیں اپنی آیات دکھانا چاہتے ہیں۔ یہ معنی غلط ہے البتہ اللہ گواہ ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ ہم انہیں دکھانا چاہتے تھے۔ کیا دکھانا چاہتے تھے۔ تو من نے آگے بات بیان کر دی کہ ہم آیات دکھانا چاہتے تھے۔ آیت کی جمع ہے آیات، نشانیاں، کچھ لوگ جو بیت المقدس تک پہنچے ہیں، انہوں نے یہاں کہا کہ وہ آیات یہ ہیں کہ وہ انبیاء کے مزارات تھے۔ ایک طرف مزارات تھے۔ ایک طرف مزار پر جانے سے روکنا دوسری طرف اسی مزار کو آیت قرار دینا اور کہنا کہ وہ آیات دکھانے کے لیے لے گئے تھے۔ اور وہ آیات انبیاء

Marfat.com

کے مزارات ہیں۔ جو بیت المقدس کے اردگرد

ہیں ایک طرف یہ انداز ہے دوسری طرف وہ انداز ہے کہ جاؤ نہیں، ادھر کہتے ہیں کہ سرکارؐ کو یہ دکھانا چاہ رہے تھے۔ تو جو سرکارؐ کو دکھانا چاہ رہے ہیں، اس سے ہمیں روکنا چاہ رہے ہیں، یہ تضاد ہے۔

سرکارؐ جب جبرائیل کو یہ بات کہتے ہیں تو میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ بشریت کی وضاحت کے لیے میں نے چار قسمیں بیان کی تھیں۔ جبرائیل تو خالص نور ہے۔ اس پر بشریت کی چادر بھی نہیں ہے۔ اس نور سے ذرا ال کے التماس کریں کہ تھوڑا آگے چلے لیکن یہ نور کہتا ہے کہ میں آگے نہیں جاسکتا۔ کیوں نہیں جاتا؟ میں ذرا بھی آگے جاؤں تو رب کی تجلیات مجھے بھسم کردیں گی۔ سعدی نے ترجمہ کیا ہے کہ!

اگر یک سر موئے بر تر پرم   فروغ تجلیٰ بسوزد پرم

اگر ایک ذرا بھی اوپر اڑوں تو اللہ کی تجلیات مجھے جلا کے راکھ کردیں گی۔ سرکارؐ وہاں سے آگے گئے نور تو رک گیا تھا۔ سرکار کس حیثیت میں جاتے ہیں۔ وہ عبد ہی کے انداز سے نکلے تھے اور ابھی عبد ہی کے انداز میں ہیں۔ لیکن نور آگے نہیں بڑھ رہا، یہاں ایک عظیم محقق نے بڑی لطیف بات کہی ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ حضرت جبرائیلؑ کو صدیق اکبرؓ کا ایمان مل جاتا تو ساتھ چلے جاتے، نظر بظاہر بات اتنی ساری ہے کہ سرکارؐ وجود کے ساتھ جا رہے ہیں، جسم کے ساتھ جا رہے ہیں، کپڑے بھی ہیں، پاؤں میں جوتے مقدس بھی ہیں، سر پر پگڑی بھی ہے، ان سارے کپڑوں کے ساتھ جا رہے ہیں، اگر صدیق ہوتے تو سوچتے کہ وہ تجلیات جو ذات مصطفیٰؐ کو کچھ نہیں کہتی ہیں، لیکن یہ جو ساتھ لوازمات ہیں یہ سلامت جا رہے ہیں، جو ہاتھ پکڑ لے گا وہ بھی سلامت چلا جائے گا۔ لیکن ادھر ان کی سوچ نہیں گئی ہے، صدیقؓ ہوتے، حیدرؓ ہوتے، فاروقؓ ہوتے تو سب چلے جاتے، سرکارؐ آگے بڑھتے ہیں، ستائیسویں پارے میں وہاں مفسرین کے دو گروہ بن گئے ہیں، آپ بھی جب تفاسیر اور ترجے دیکھتے ہیں تو آپ کے لیے یہ بات عرض کررہا ہوں، وہاں دو دفعہ سرکار کا دیکھنا مذکور ہے، عام مفسرین نے کہا کہ یہ جبرائیل تھے، جنہیں دو دفعہ اصلی شکل میں سرکارؐ نے دیکھا، مجھے یہ بات لگتی نہیں ہے۔ اس لیے نہیں لگتی کہ الفاظ وہاں جو ایک آیت میں آتے ہیں، وہ جبرائیل کو مراد لینے سے بالکل روک دیتے ہیں، وہ الفاظ یہ ہیں!

"فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ" ○   (اس نے وحی کی اپنے بندہ خاص کی طرف جو وحی کرنا چاہی)

کیا جبرائیل کے لیے یہ بات آسکتی ہے، کہ انہوں نے اپنے بندہ خاص کی طرف وحی کی جو کرنا چاہی اس آیت نے اس ساری تفسیر کو غلط قرار دے دیا جو کہتے ہیں، کہ جبرائیلؑ کو سرکارؐ نے دیکھا اس سلسلے میں ایک بات اور بھی آپ کے ذہن میں ڈالنا چاہتا ہوں، کہ عظمت مرتبت کے حساب سے جبرائیل سرکارؐ سے کروڑہا میل پیچھے ہیں ان کی کسی ادا کو سرکارؐ کو دکھایا جائے اور

اس کو عظمت کی دلیل بنایا جائے یہ دلیل نہیں بن سکتی، دلیل تب ہی بنے گی کہ جس نے سرکارؐ کو عظمتیں عطا کی ہیں، آج وہ نور کے پردوں کو ایک طرف کردے اور سامنے آجائے۔ بات تب بنتی ہے جب تک یہ بات نہیں بنتی، بات نہیں بنتی۔

سرکار کریمؐ یہاں سے آگے تشریف لے جاتے ہیں، قرآن نے اتنے لطیف پیرائے میں اس آگے کے سفر کو بیان کیا ہے۔ کہ آدمی کو عربی زبان پر پوری گرفت ہو اور اس کی لطافتوں کو جانتا ہو تو وجدان رقص کرنے لگتا ہے۔ کیا انداز بیان ہے ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

"فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ" o (وہ سیدھے آگے بڑھے وہ سب سے اونچے افق پر تھے)

سب سے اونچے افق پر اب جس حدیث کو لے کر مفسرین کہتے ہیں کہ جبرائیلؑ کو دیکھا وہ تو اس کے مشرق کی بات ہے، اور مشرق کا افق سب سے اوپر والا افق نہیں ہے۔ سب سے اوپر والا افق ساتویں آسمان کا افق شمار کیا جا سکتا ہے۔

"ثم دنا فتدلّٰی" o (پھر قریب ہوئے)

دنا کا معنی ہوتا ہے قریب پہنچنا، فتدلی کا معنی ہوتا ہے اوپر سے نیچے آنا، یہاں دو لطافتیں ہیں ایک تو سرکارؐ قریب ہوئے تو آگے سے استقبال کرنے والے تھوڑے نیچے اتر آئے، یا سرکارؐ قریب پہنچے پھر واپسی کا مرحلہ آیا تو فتدلّی کی بات ہوئی، کہ آپ نیچے کی طرف واپس ہوئے۔

"فکان قاب قوسین او ادنیٰ" o (ان کی مقدار دو قوسوں کی طرح تھی، یا اس سے بھی قریب تھی)

یہاں بھی مترجمین سے مجھے ہٹ کے بات کرنی ہوگی، دو کمانوں کا فاصلہ تھا یا اس سے قریب تھا، یہ ظاہری الفاظ میں پھنس گئے، حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی، اتنے دور سے بلا کے کہہ دیا جائے کہ دو قوسیں ناپیں اور اس سے باہر بیٹھ جائیں۔ چلیں دو انچ اور آگے ہو جائیں۔ تو یہ مطلب نہیں ہے، یہ تفسیر نہیں ہے۔ یہ الفاظ کی گہرائی تک اترنے کی کوشش نہیں ہے، ہم جب عربی ادب کو دیکھتے ہیں تو وہاں ان قوسوں کا یوں ذکر آتا ہے۔ کہ جب بھی دو قبیلوں میں سمجھوتہ ہوتا تھا تو قبیلے کے دونوں چیف پہاڑ پر چڑھ جاتے تھے۔ وہ اپنی کمان لگا کے اندر کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہ اپنی کمان لگا کے اندر کھڑا ہو جاتا تھا۔ کمانوں کے کنارے ملا دیتے تھے۔ لیکن یہ کمان ہے ٹیڑھی یوں مل گئی۔ ان کے اندر کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہو کر کہتے تھے کہ بلندی پر کھڑے ہیں سب دیکھ لو ہماری دوستی پکی ہے۔ ہمارا مرنا جینا ایک ساتھ ہوگا۔ پھر دونوں تلواریں ملا کر ایک تیر پھینک دیا کرتے تھے۔ یہ ہمیں عربی ادب بتاتا ہے۔ کہ دو قوسوں سے مراد یہ تھی، تو اب وہ تو زمین کی پہاڑیوں پر چڑھتے تھے۔ یہاں لامکان کی بلندیوں پر طلب فرمایا گیا اور طلب فرما کر کہا دو قوسیں ہیں، ایک طرف واجب الوجود ہے اور دوسری طرف ممکن الوجود ہے، خط استواء نے ان

دونوں کو درمیان سے تقسیم کر دیا ہے۔ یہ وہ وجود ہے جو خدا کا وجود ہے اور وہ واجب الوجود ہے، خود بنا ہے، اسے کسی نے بنایا نہیں۔ (سرکار ﷺ) یہ وہ وجود ہے جسے خدا نے بنایا ہے۔ یہ ممکن الوجود ہے درمیان ایک فرضی خط ہے، جس طرح زمین کے درمیان میں آپ خط استواء کھینچ دیتے ہیں۔ یہ بھی خط استواء ہے، رب نے کہا کہ اس کو بھی ہٹا دو تا کہ قرب کے مراحل طے ہو سکیں۔ ہٹا دو کہ مراحل طے ہو سکیں۔ قرآن نے اسے یوں بیان کیا کہ!

"فکان قاب قوسین او ادنیٰ"o (وہ دو قوسوں کا ملاپ تھا)

یا اس سے زیادہ قریب بات تھی، کہ اس فرضی خط کو درمیان سے نکال دیا جائے، اور خسرو کی زبان میں کہہ دیا جائے کہ!

تو من شدی من توشدم تو تن شدی من جاں شدم
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ"o

کتنی لطافت ہے کہ اتنے پردوں کو پیچھے ہٹا دیا، سرکارؐ نے فرمایا کہ!

"نورانی اراہ"o (کہ میرا رب نورانی ہے میں نے اسے دیکھا ہے)

مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں۔

یاروں نے معنی کرتے ہوئے کہا کہ الفاظ الگ ہیں۔ **"نورانی اراہ"** وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں، اللہ کے بندے تو سورج کو نور مانتا ہے اور روزانہ اسے دیکھتا ہے، چاند کو نور مانتا ہے اسے روزانہ دیکھتا ہے، یہ جو روشنی ہے اسے نور مانتا ہے، اسے روزانہ دیکھتا ہے، تو اگر نور کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تو اس دنیا میں بیٹھا تو کیسے دیکھ رہا ہے، اور مصطفیٰؐ لامکاں میں جائیں اور نہ دیکھ سکیں، یہ کوئی انداز بھی ہے، فرمایا نورانی ہے میں نے اسے دیکھا ہے۔ ''نور اراہ'' وہ نور ہے جسے میں دیکھ رہا ہوں۔ یہاں نورانی کا لفظ بھی سرکارؐ نے چھوڑ دیا ہے۔ نور کا لفظ استعمال فرمایا وہ نور ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

یہاں فلسفیوں کے دو گروہ بن گئے ہیں۔ کہ کیا اللہ کو دیکھا جا سکتا ہے، یا نہیں دیکھا جا سکتا؟ یہ کبھی ہم قرآن کی کسی آیت کے تحت فلسفیوں کو تجزیہ کر دیں گے۔ کہ اس کی اصلیت کیا ہے؟ سرکار کریمؐ نے اللہ کریم کا دیدار کیا۔ یہی عقیدہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا، چشتیہ کے امام سیدنا حسن بصریؒ کا بھی یہی عقیدہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی عقیدہ ہے، اہل سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے، وہاں کتنی دیر رہے، یہ شمس و قمر تو نیچے رہ گئے تھے، جو وقت کا پیمانہ ہیں۔ لہذا اس پیمانے سے ان کے وہاں قیام کو ناپا نہیں جا سکتا ایک دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کریم نے وہاں کیا کہا؟ تو انتہائی بلاغت سے قرآن نے کہا!

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ"o

Marfat.com

وحی کے کئی معنی ہیں اصطلاح کا معنی ہے فرشتے کا پیغام لے کر آنا۔ وحی کے معنی ہیں پردے کے پیچھے سے آواز کا آ جانا۔ وحی کا معنی دل میں کوئی بات ڈال دینا۔ یہ اصطلاحی معنی ہیں وحی کے، اور لغوی معنی اس کا کیا ہے؟ کسی کے کان کیساتھ منہ رکھ کر سرگوشی کرنا کہ کوئی سن نہ سکے، یہ لغوی معنی ہے وحی کا۔ اور یہاں قرآن نے لغوی معنی استعمال کیا ہے ارشاد ہوا!

"فاوحیٰ الیٰ عبدہ مااوحیٰ"

o

پھر اپنے محبوب بندے سے سرگوشی کی اس کے خالق نے "مااوحیٰ" جو سرگوشی کرنا چاہی، جب اتنے اہتمام سے اتنی تنہائی میں بلایا گیا ہے۔ تو کسی مفسر کو پتہ چل جائے تو اس تنہائی کا فائدہ کیا ہے؟ اگر وہ کسی مفقن کو پتہ لگ جائے تو اتنی خلوت کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ لہذا یہاں جو باتیں چلی ہیں جبرائیل بھی سدرہ پر رہ گئے ہیں۔ حاملین عرش بھی نیچے رہ گئے ہیں۔ عرش بھی نیچے رہ گیا ہے۔ کائنات بالکل نیچے رہ گئی ہے۔ اب آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ جب آپ زمین پر کھڑے ہیں تو آپ کی نظریں اردگرد کے ماحول کو محدود حد تک دیکھتی ہیں۔ جب آپ ہوائی جہاز پر اوپر ہو جائیں تو دور دور تک دیکھنے لگ جاتی ہیں۔ لامکاں میں بلا کر رب نے کہا کہ یہاں میرے پاس بیٹھ کر مکاں پر نگاہ ڈال لے، جو تیرے لیے بنایا گیا ہے۔ لامکاں میں بیٹھ کر مکاں پر نگاہ ڈالی۔ کیا کوئی رعنائی کائنات کی ایسی ہوگی۔ کوئی حسن کائنات کا ایسا ہوگا۔ کوئی خامی کائنات کی ایسی ہوگی۔ جو نگاہ مصطفیٰ میں نہیں آئی ہوگی۔ یہ ساری باتیں نگاہ مصطفیٰ میں آئیں، اسے ایک اور پیرائے میں یوں بیان کر سکتے ہیں۔ کہ جتنی لطافت بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہی نظروں سے اس چیز کو چھپایا جاتا ہے۔ انسان کے جسم میں جگر لطیف ہے، دل لطیف ہے، دماغ لطیف ہے، انہیں کتنے پردوں میں ڈال دیا گیا ہے۔ اب جوں جوں لطافت بڑھتی جائے گی۔ وہ پردوں کے اندر جاتا جائے گا۔ اب کوئی پردہ تو وہ ہے۔ جس پر مادیت کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ کہیں پردہ وہ ہے جہاں نور کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ لہذا مفسرین نے یہ بات کہی کہ دس ہزار نور کے پردے ہیں اللہ اور مخلوق کے درمیان، یہ وہ پردے ہیں جن سے جبرائیل نوری ہوتے ہوئے نہیں گزرتے۔ اب یہ سارے کے سارے پردے سامنے ہیں اور ان سارے پردوں سے سرکار ﷺ گزر کے رب کریم تک پہنچے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جس سے رب نہیں چھپا اس سے آپ کائنات کی کوئی چیز چھپا کر کون سا ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اس سے کوئی شے نہیں چھپتی، اس کی نگاہوں پر سب کچھ عیاں ہوتا ہے۔ سرکار ﷺ کو وہاں حکم ہوتا ہے کہ پچاس نمازیں پڑھنی ہیں، آپ واپس آتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے پاس سے گزرے، تو انہوں نے ایک بات کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا، آپ نے فرمایا اپنی امت کو میرا سلام کہنا۔ ہم سب غریبوں کے نام جناب ابراہیمؑ کا سلام سرکارؐ لے کر آنے تھے۔ ہم اس کے جواب میں وعلیہم

Marfat.com

السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہتے ہیں۔انہیں میرا پیغام دینا کہ ''الجنتہ قیعان'' جنت چٹیل میدان ہے۔''فغرسوا فیھا'' اس میں پودے لگانے کی کوشش کرنا۔اور پودا کون سا ہے۔یہ بھی بتایا۔الحمدللہ وبحمدہ یہ وہاں کہو،سرکارؐ نے دوسرے مقام پر کہا!

''کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتا ن فی المیزان حبیبتان الی الرّحمٰن سبحان اللّٰہ و بحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم''o

دو کلمے ایسے ہیں جو بڑے ہلکے پھلکے ہیں زبان پر،وزن میں بہت بھاری ہیں اللہ کو بہت پیارے ہیں۔'' سبحان اللّٰہ وبحمد ہ سبحان اللّٰہ العظیم'' ،یہ لفظ ہیں، زبان پر،انہیں کہو کہ،رکھا کریں۔بخاری کی آخری حدیث ہے۔

سرکارؐ وہاں سے تو آگے نکل آتے ہیں،جناب موسیٰؑ ملتے ہیں۔سرکار! کیا لے کر آئے ہیں۔پچاس نمازیں ہیں۔جواب یہ تھا کہ میں نے لوگوں کو بہت آزمایا ہے۔پچاس نمازیں کوئی نہیں پڑھے گا۔آپ واپس تشریف لے جائیں۔آپ واپس جاتے ہیں نمازیں کم ہونے لگتی ہیں۔پانچ پانچ کے حساب سے پانچ رہ گئیں۔جناب موسیٰؑ نے پھر یہی بات عرض کی۔ایک دفعہ پھر تشریف لے جائیں اور کچھ تخفیف ہو جائے۔سرکارؐ نے فرمایا بار بار جا کے اب مجھے شرم آتی ہے۔لہذا پانچ ہیں۔ادھر سے اعلان ہوا کہ پانچ لیکن ثواب پچاس کا ہے۔جناب کلیم وہاں نہ ملتے تو ہمیں پچاس پڑھنی پڑھتیں۔تو پانچ سے جو بھاگے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ پہلے پھیروں کی طرح ایک پھیرا اور لگ جاتا تو معاملہ ہی صاف ہو جاتا۔جن کی خواہش یہ ہے،سرکارؐ نے ارشاد فرمایا نہیں پانچ پڑھیں پچاس کا ثواب ملے گا۔سرکارؐ واپس تشریف لاتے ہیں،قریش مکہ کے سامنے بات بیان کی۔اب یہ تو واقعہ تھا اس واقعہ میں جو سب سے بڑی حقیقت ہمارے سامنے واشگاف کی وہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نظریاتی مطالعہ کرنا سب سے پہلے مسلمانوں پر فرض ہے۔جناب موسیٰؑ تو لامکاں تشریف نہیں لے گئے۔جناب عیسیٰ علیہ السلام بھی تشریف نہیں لے گئے،جناب ابراہیم علیہ السلام بھی تشریف نہیں لے گئے،لہذا اس کائنات کا تجزیہ کرنا اور اس پر صحیح انداز سے سمجھ کر برسراقتدار آنا یہ مسلمانوں کا فرض ہے۔اسی کو اقبالؒ نے یوں کہا تھا کہ!

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

لیکن یہ معاملات تو غیروں نے جا کے سنبھالے ہیں۔یہ بڑی دردناک بات ہے۔ہم کل بھی غافل تھے ابھی بھی غافل ہیں اللہ کرے کہ مستقبل قریب میں تسخیر کائنات کے لیے وہ کارنامے سرانجام دے سکیں جس کا آغاز ہمارے اسلاف نے کیا تھا۔بین الاقوامی چکروں نے ہمیں تو اٹھا کے پیچھے پھینک دیا۔لیکن سرکارؐ کی وہ پیشن گوئی موجود ہے۔کہ میری امت بارش کی طرح ہے۔کسی کو پتہ نہیں کہ اس کا پہلا حصہ کیسا شاندار ہے اور اس کا آخری حصہ کیسا شاندار ہے۔آخری حصہ شاندار اللہ کرے ہماری زندگی میں آجائے۔اور ہم اپنی نگاہوں سے عظمت اسلام کے جھنڈے گڑتے ہوئے ہر طرف دیکھیں۔اب میں ایک بات

Marfat.com

آخری کہتا ہوں کہ!

"والنجم اذا ھوی"O (ستارے کی قسم جب وہ نیچے کو آنے لگے)

اس قسم سے مراد ذات مصطفیٰ ﷺ ہی ہے۔ بلندیوں پر پہنچ کر، عظمتوں کو پا کر نیچے آنے کو کسی کی طبیعت نہیں چاہتی۔ رب نے یہ فرمایا انکا وہاں جانا عجیب نہیں ہے ان کا وہاں سے آنا عجیب ہے۔ کہ ربّ کو مل کر پھر کائنات کے پاس واپس آ گئے۔ **"والنجم اذاھوی"** اس عظیم ستارے کی قسم جب وہ نیچے کو آ رہا تھا اور اس کی کیفیت کیا تھی۔ کہ نہ وہ کہیں راستے پر بھٹکے نہ کجی اختیار کی، اس کا ظاہری معنی یہ بھی ہوسکتا ہے۔ آپ اسی راستے پر چل سکتے ہیں۔ جہاں پہلے نقوش پاؤں نشانیاں ہوں۔ اس سفر کی تو کوئی نشانی نہیں تھی۔

"وماینطق عن الھوی"O (وہ اپنی خواہشات سے نہیں بولتے)

یہ تو وحی ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے۔ یہ تعلیم عظیم قوت والے، زور والے اللہ نے انہیں عطا فرمائی ہے۔ (یہاں سے لوگوں نے جبرائیل کو مراد لیا، تو بات بھٹک گئی) پھر وہ سیدھے چلتے گئے۔ وہ افق اعلیٰ پر پہنچ گئے۔ پھر قریب ہوئے، اللہ آگے ان کی طرف بڑھے۔ وہ دو قوسوں کی مقدار یا اس سے بھی زیادہ قریب تھے۔ وہاں رب نے ان کے ساتھ اپنے عبد کے ساتھ ہر گوشی کی جو چاہی، ان کے دل نے جو دیکھا اس کی تصدیق کی۔ او مکہ والو، او دنیا کے کافرو، کیا تمہیں شک ہے اس بات پر جو انہوں نے دیکھا ہے۔ (قرآن نے تو چیلنج کر دیا) انہوں نے تو انہیں ایک دفعہ پھر بھی دیکھا جب واپسی پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس تھے۔ وہاں جنت الماویٰ ہے۔ وہ جنت جہاں نیک لوگوں کا ٹھکانا ہوتا ہے۔

"اذیغشی السدرۃ مایغشٰی"O (سدرہ کو کچھ ایسی چیزوں نے ڈھانپ لیا جنہوں نے ڈھانپ لیا)

حیران کن باتیں تھیں جنہیں قرآن نے اس انداز سے بیان کیا ان کی نگاہیں نہیں بہکیں۔ نہ حد سے آگے بڑھیں، انہوں نے اللہ کی آیات کبریٰ دیکھیں۔ یہاں کیا کہا آیات کبریٰ دیکھیں، اور پندرہویں پارے میں ارشاد ہوا کہ!

''ہم انہیں آیات دکھانا چاہتے تھے''۔

دونوں آیات ایک قسم کی ہونی چاہییں تاکہ قرآن پاک کی آیات میں مطابقت پیدا ہو جائے۔ اب اس آیت کا ترجمہ جو پندرہویں پارے کی ابتداء میں تھی۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندۂ خاص کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی۔ جس کے اردگرد برکتیں ہی برکتیں ہیں تاکہ ہم انہیں اپنی آیات دکھا سکیں۔ وہ اس مقام پر تھے۔ (یہاں بھی اگر ضمیر کا مرجع سرکار ﷺ کی

ذات آجائے

تو آخری بات بھی اسی ٹکڑے سے ثابت ہو جاتی ہے) وہ اس مقام پر تھے کہ اللہ تعالیٰ کی بات سن بھی رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھ بھی رہے تھے۔

"انّہ ھو السّمیع البصیر"O

انّـہ کی ضمیر ذات رسول کی طرف پلٹے ،عبد کی طرف پلٹے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ اس مقام پر تھے۔ جہاں رب کی بات سن بھی رہے تھے، اور رب کو دیکھ بھی رہے تھے۔تو یہ وہ تینوں مراحل تھے، جو یہاں احادیث کے بغیر قرآنی آیات سے ہی ثابت ہو گئے۔

(وآخردعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین)

☆☆☆☆☆

جمال الایمان فی تفسیر القرآن

سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

مقدمہ جلد اول

کمپوزنگ اینڈ ایڈیٹنگ

حافظ عرفان علی ایم اے (اسلامیات)

(انچارج) کمپیوٹر سیکشن جامعۃ الزہراء

اتوار ۱۷/۱۰/اکتوبر ۲۰۰۴ (۲ رمضان)

Marfat.com

تصوف اور اقوام عالم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے شمار اشیاء جسم کی پرورش کے لئے اللہ کریم نے پیدا فرمائی ہیں، ہر قسم کے غلے انسان استعمال کر رہا ہے، ان غلوں سے لاتعداد چیزیں بنا کر انکے ذائقے سے لطف اندوز ہو رہا ہے بھوک مٹا رہا ہے صالح خون پیدا ہو رہا ہے جانوروں اور پرندوں کا گوشت کھا کر کام ودھن کی خاطر تواضع کر رہا ہے رنگا رنگ سبزیوں اور طرح طرح کے ساگ کھا کر جسم کی پرورش کر رہا ہے، ہر قسم کے مشروب پی رہا ہے۔

آپ غور فرمائیں یہ سب نعمتیں اللہ کریم نے صرف جسم بڑھنے، طاقتور ہونے، اعصاب کے مقوی ہونے کے لئے پیدا فرمائی ہیں، جسم کی زیبائش کے لئے رنگا رنگ کپڑے ہیں، سردیوں کے لئے الگ اور گرمیوں کے لئے الگ ہیں، یہی حال جوتوں کا ہے، سر کے لئے مختلف ٹوپیاں اور رنگا رنگ پگڑیاں ہیں، جسمانی تحفظ کے لئے طرح طرح کا اسلحہ ہے، اس سب ساز وسامان کا تعلق صرف جسم سے ہے۔ طرح طرح کی سواریاں اور عمارات بھی جسم ہی کے لئے ہیں۔

مگر انسان میں زیادہ اہم چیز تو روح ہے، کیا روح کی بالیدگی کے لئے کوئی سامان نہیں ہوگا؟ روح جوامر ربی ہے، روح جو اصل حیات ہے، روح جس پر مدار زندگی ہے، روح جس پر ترقی کا مدار ہے، کیا اسکے لئے کوئی غذا نہ ہوگی؟ اسکی بالیدگی کا کوئی سامان نہیں ہوگا؟

روح کی غذا

روح کی غذا سب مذاہب کے نزدیک قرب ربانی ہے، روح کے اندر سے ایک آواز اٹھتی ہے کہ میں اپنے خالق کا قرب چاہتی ہوں، مادیت کے پنجرے میں بند ہوں مگر یہ میرا مسکن نہیں ہے روح بیقرار ہوتی ہے اپنے مرکز سے جدا ہونے کے غم میں تڑپتی ہے رومیؒ فرماتے ہیں

وزجدائیہا شکایت می کند

جدائی کی وجہ سے وہ رو رہی تڑپ رہی ہے کہ جس جسم میں، میں ہوں یہ میرا وطن نہیں ہے مجھے جسم کی تاریکی میں وہ نور نہیں مل رہا جس سے میں جدا ہو کر قید میں ہوں، مجھے اوپر کو اٹھنا ہے اپنے اصل کی طرف پلٹنا ہے مجھے اس مرجع کی طرف جانا ہے جس کی

میں خمیر ہوں، قرآن بھی مجھے اوپر اٹھنے کی تلقین فرماتا ہے ارشاد ربانی ہے "ولو شئنا لرفعناه بها ولكنه اخلد الى الارض واتبع هواه۔۔۔الاعراف ۱۷۶

"اگر ہم چاہتے تو ان آیات سے اسے اوپر اٹھا لیتے مگر وہ تو ہمیشہ زمین سے چمٹا رہا اور اپنی خواہش کا غلام رہا۔"

روح اب اپنے خالق سے محبت کرتی ہے اسی کی ہو جانا چاہتی ہے۔

روح کا عشق

روح کو دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی وہ اپنے خالق کا قرب چاہتی ہے اس سے محبت کرتی ہے اور یہی محبت عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے وہ مظاہر فطرت میں اپنے خالق کا عکس دیکھتی ہے وہ دریاؤں کی روانی میں اسی کی قوت پاتی ہے وہ پھولوں میں اسی کا حسن اور اسی کی رعنائی دیکھتی ہے وہ صحراؤں اور سمندروں میں اسکی لافانی وسعت دیکھتی ہے وہ ماں کے پیار میں اسی کے پیار کی جھلک دیکھتی ہے، وہ باپ کی شفقت میں اسی کی شفقت کا نور دیکھتی ہے وہ کھو جاتی ہے تاکہ اسے پالے وہ بے شعور ہو جاتی ہے تاکہ اس پر وہ ذات اقدس شعور کی چادر ڈال دے۔

اللہ کریم کے قرب کی تلاش، اسی کی ذات میں محویت، اسی کی ذات میں استغراق یہ روح کا شیوہ بن جاتا ہے فقیر نے عرض کیا ہے

میں تیرے عشق میں جان تمنا بھری دنیا سے غافل ہو گیا ہوں

یہی تصوف ہے

اسی تلاش، اسی قرب، اسی محویت اسی اپنائیت اور اسی استغراق کا نام تصوف ہے انسانی روح اسی کی متلاشی ہے اور اسی جذبہ میں ہر انسان شریک ہے ہر مذہب شریک ہے کیونکہ ہر انسان اور ہر مذہب اس ذات اقدس کا قرب چاہتا ہے لہذا ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ تصوف مذہب کی روح ہے۔

مخالفین تصوف

جن حضرات نے تصوف کی مخالفت کی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ تصوف کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکے اور جعلی صوفیوں کے اعمال و حرکات کو دیکھ کر تصوف کے خلاف فتوی دیدیا، بھلا اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اسی کا ہو کر رہ جانا اسی کی محبت کو بانٹنا بھی غلط ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر تصوف کی مخالفت صرف ایک واہمہ ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

مختلف انسانی گروہ (فلسفی حضرات)

آپ فلسفیوں کو دیکھیں ان میں سے کچھ ذات خداوندی کے قائل ہیں اور کچھ منکر ہیں، جو قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ صرف

Marfat.com

"وانه لکتاب عزیز"o (یہ وہ کتاب ہے جو سب پر غالب آجانے والی ہے۔(عزیز کا معنی یہاں غلبہ ہے)

دوسرے مقام پر قرآن نے لفظ مہیمن کہا ہے تورات کی تعریف کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ قرآن وہ کتاب ہے جو مہیمن ہے۔تورات پر غالب ہے کیونکہ تورات کو بقا نہیں تھی قرآن کو بقا ہے لہذا یہ غالب ہے یہاں یہ بات کہی کہ!

"وانه لکتاب عزیز "o (یہ وہ کتاب ہے جو غالب ہے)

"لا یاتیه الباطل من بین یدیه "o(نہ تو اس کے سامنے سے باطل اس پر حملہ کر سکتا ہے)

"ولا من خلفه"o (نہ اس پر عقب سے حملہ ہو سکتا ہے)

لیکن یہ سامنے اور عقب کو ایک اور معنی میں لے لیں جس کے شواہد میرے پاس موجود ہیں تو بات اور زیادہ کھل کے سامنے آجائے گی سامنے سے مراد ہے وہ دور جب قرآن پاک نازل ہو رہا تھا۔وہ سامنے کا دور ہے قرآن نے کہا کہ سامنے کے دور میں قرآن پر باطل کسی انداز سے چھا نہیں سکتا۔کسی انداز سے غالب نہیں ہو سکتا۔پھر قرآن نے اس دور میں ایک پیش گوئی کر دی تھی اس دور میں فرمایا!

"هو الّذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق "o (اللہ وہ ہے جس نے یہ قرآن اور دین حق نازل کیا)

کس بات کیلئے نازل کیا؟

"لیظهره علی الدّین کلّه "o (تا کہ یہ سب دینوں پر غالب آجائے)

تو اس نے اس دور میں سب دینوں پر غالب آنا تھا دلائل کی دنیا میں بھی غالب آیا اور آپ نے دیکھا کہ سیاست کی دنیا میں بھی غالب آیا سرکارؐ تشریف لے گئے تو صرف بنیاد پڑی تھی اس بنیاد پر کس انداز سے پہلی صدی کے مسلمان آگے بڑھے ان کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار پر محیط تھی کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ مسلمانوں کی کتابوں میں تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی Springer ایک لاکھ چالیس ہزار بتاتا ہے ایک لاکھ چالیس ہزار سے وہ لوگ زیادہ نہیں تھے۔لیکن ایک لاکھ چالیس ہزار انسانوں نے سرکارؐ کے بعد پہلے پچیس سالوں میں اس دور کی دو سب سے بڑی سپر پاور قیصر و کسریٰ کو قدموں کے نیچے مسل کر رکھ دیا پتہ یہ چلا کہ!

"لیظهره علی الدّین کلّه" کی تفسیر آگئی تا کہ سب دینوں پر یہ دین غالب آجائے تو باطل اس دور میں ساری کوششوں کے باوجود قرآن پر غالب نہیں آسکا اب جب سرکارؐ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اب وہ دور ہے کہ یہ پیچھے کا دور ہے سرکارؐ کے تشریف لے جانے کے بعد میں من خلفه وہ دور ہے جو آج تک جاری ہے اب آپ اندازہ لگائیے کہ جس کتاب کے پیچھے سرکاری قوت کہیں بھی نہیں ہے بڑی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہیں بھی سرکاری قوت اس کے پیچھے نہیں کئی صدیوں

Marfat.com

خالق کائنات اور صانع موجودات یا علت مخلوقات ہے وہ خود غیر شخص ہے لہذا وہ کسی شخص سے رابطہ اور ذاتی تعلق قائم نہیں کر سکتا ،وہ کسی انسان سے کلام نہیں کر سکتا ،کسی کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا ،بس اس نے ہمیں پیدا تو فرمادیا اب ہماری زندگی سے اس کا رابطہ منقطع ہے۔

سائنس دان

انکے بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ سرے سے وجود ربانی کا منکر ہے ،کیمونسٹ سائنسدانوں کا یہی نظریہ ہے دوسرا گروہ اللہ کریم کی ہستی کا قائل ہے وہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق وصانع تو مانتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے قوانین فطرت بھی بنائے ہیں مگر پھر وہ کائنات سے مستغنی اور بے تعلق ہو گیا ہے اب اللہ کریم سے کوئی رابطہ یا تعلق نہیں ہو سکتا ،انسان گویا کسی کارخانہ میں بننے والی کار کی طرح ہے جس سے اب اسکے بنانے والے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مذہبی طبقہ

ہر ایک مذہب ذات ربانی کو مانتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ کلام خداوندی کسی انسان کامل پر نازل ہوتا ہے انسان اس سے رابطہ کر سکتا ہے کلام نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتا ہے ،اللہ کریم کی اطاعت ضروری ہے اور اسکے نمائندہ رسول کو ماننا بھی ضروری ہے اسی اطاعت پر جزا وسزا کا مدار ہے ،جو طبقہ یہاں تک محدود رہتا ہے وہ شریعت کے ظاہری احکام مانتا ہے اسکی پیروی کرتا ہے اور اپنی نجات کا مدار سمجھتا ہے یہ علمائے ظاہر ہیں جو ہر دور میں ہر مذہب میں رہے ہیں۔

عشق ومحبت کے علمبردار

ایک طبقے کو مذہب نے ہی یہ تعلیم دی ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو گے تو وہ تم سے محبت فرمائے گا اس محبت و عشق کا ثمرہ یہ ہوگا کہ تم میں صفات ربانی منعکس ہونے لگیں گی ،یہ قرب تمہیں اس مقام رفیع تک لے جائے گا کہ تم بچشم بصیرت مجھے دیکھنے لگ جاؤ گے یہ وہ مقام ہے جس کی وضاحت اقبال نے یوں فرمائی ہے۔

منعکس در وے ہمہ خوئے خداست

''ذات مصطفیٰ علیہ السلام میں سب خداوندی عادات کا عکس ہے''

پہلے گروہ نے صرف اطاعت کو کافی سمجھا تھا اور دوسرے طبقے نے اطاعت کے ساتھ عشق کو لازم قرار دیا حقیقت یہ ہے کہ اطاعت میں جب تک عشق کی چاشنی نہ ہو بات نہیں بنتی۔

عشق کی فراوانی

عشق انسانی فطرت میں شامل ہے کسی نہ کسی انداز سے ہر انسان محبت کرتا ہے عشق میں گرفتار ہوتا ہے یہ جذبہ صرف انسانوں میں

Marfat.com

نہیں ہر ذی روح میں موجود ہے جانور محبت کرتے ہیں درندے اور پرندے عشق ومحبت کے ساتھ جیتے ہیں، انسان کی محبت ارفع و اعلیٰ ہے وہ اپنے خالق سے محبت کرتا ہے عشق کرتا ہے اس کا قرب تلاش کرتا ہے مگر یہ روح کا راستہ ہے جہاں قدموں کے نشانات نہیں ہیں، عشق ہر انسان میں موجود ہے وہ مسلم ہو ہندو ہو، یہودی ہو یا عیسائی ہو جب یہ محبت آتی ہے تو بندہ ہر طرف سے منہ موڑ کر اپنے خالق کا ہو جاتا ہے وہ پھر ان باتوں سے بھی ہٹ جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوں۔

تصوف کے اثرات

تصوف کا اصل مقصد چونکہ قرب خداوندی ہے اور یہ قرب محبت وعشق سے حاصل ہوتا ہے لہذا ہر صوفی عاشق خدا ہوتا ہے اور وہ عشق ومحبت کے راستے پر چلتے زندگی گزار دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اسکے راستے کی رکاوٹ ہو۔ وہ اخلاق رذیلہ اور ہر برائی سے اس لئے بچتا ہے کہ وہ قرب خداوندی سے دور نہ ہو جائے تصوف اس پر لازما مندرجہ ذیل اثرات ڈالتا ہے

۱۔ تصوف صوفی کو عمل پر ابھارتا ہے اور یہ عمل جیسا کہ ابھی بیان ہوا قرب حق کا ذریعہ ہوتا ہے صوفی شہوت اور خواہش کو چھوڑ دیتا ہے وہ غضب اور غصے سے منہ موڑ لیتا ہے، حرص سے بھی وہ الگ ہو جاتا ہے، طمع اور لالچ کو زندگی سے خارج کر دیتا ہے تکبر اور خود بینی سے بھی وہ کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

۲۔ صوفی اپنے شاگردوں کو عملی زندگی میں عمل کر کے دکھاتا ہے عالم تزکیہء نفس پر شاندار تقریر کرتا ہے مگر صوفی تزکیہء نفس کا طریقہ بتاتا ہے اور خود ذکر وفکر کر کے انکی رہنمائی کرتا ہے اور بسا اوقات اسکے شاگرد تزکیہء نفس میں اپنی محنت سے استاد سے آگے نکل جاتے ہیں مذہب بھی اخلاق عالیہ کی تلقین کرتا ہے جب کوئی مذہبی انسان عملی زندگی کی طرف بڑھتا ہے تو وہ صاحب تصوف یعنی صوفی بن جاتا ہے اسی لئے ماہرین نے کہا ہے کہ تصوف مذہب کی روح ہے۔

۳۔ تصوف کی تعلیمات کی وجہ سے صوفی وسیع المشرب ہو جاتا ہے وہ ساری مخلوق خدا کو اللہ کریم کا کنبہ سمجھنے لگ جاتا ہے حدیث پاک میں ہے "الخلق عیال اللہ" مخلوق اللہ کریم کا کنبہ ہے۔ اب وہ سب مخلوق سے مساوی سلوک کرتا ہے، جو صوفی، انسانوں میں تفریق کا قائل ہے وہ صوفی نہیں، یہ امتیاز من وتو فساد آدمیت ہے۔

۴۔ کائنات کی طرح انسان بھی اللہ کریم کی جلوہ گاہ ہے اس ذات بے مثال کے جلوے سب انسانوں پر برس رہے ہیں لہذا کوئی انسان قابل نفرت نہیں ہے اسی طرح کوئی عبادت گاہ بھی قابل نفرت نہیں ہے، صوفی جب اس مقام پر پہنچتا ہے تو کسی کو ایذا نہیں پہنچاتا، کسی کو دکھ نہیں دیتا وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے یہی اسلامی تصوف کا طرۂ امتیاز ہے۔ صوفی اس مقام رفیع پر پہنچ کر تعصب، تنگ نظری، نفرت وحقارت، اختلاف عقائد و مذہب امتیاز رنگ وبو، گروہ بندی فرقہ پرستی، سفارش پرستی

Marfat.com

، باطل پرستی اور بے جا لحاظ اور پاسداری سے کلی طور پر پاک ہو جاتا ہے، اس کا مذہب بدی سے نفرت، انسانیت سے محبت اور راہ عمل پر مسلسل چلنا ہوتا ہے وہ دوسرے انسانوں کو بھی اسی راستے پر لے جانا سعادت سمجھتا ہے،

۵۔ یہ ساری باتیں کسی کی رہنمائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں، کیا کوئی شخص کسی کو تعلیم دینے کے بغیر وکیل، جج، پروفیسر، ڈاکٹر، انجینئر، معمار، یا معلم ہو سکتا ہے اگر نہیں تو تصوف کے حصول کے لئے بھی اس راہ کے کسی کامل (ولی اللہ) سے تعلیم ضروری ہوتی ہے لہذا مرشد ایک اشد ضرورت ہے جس کے بغیر تصوف کی منازل طے نہیں ہوتیں، اقبال کیا خوب فرماتے ہیں۔

می نہ روید تخم دل از آب وگل بے نگاہے از خداوند ان دل

''دل کے آقاؤں کی نگاہ کے بغیر آب وگل سے دل کا بیج پیدا نہیں ہوتا۔ مزید فرماتے ہیں

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر علم وحکمت از کتب دین از نظر

''اے بے خبر دین کتابوں سے تلاش نہ کر، کتابوں سے علم وحکمت ملتے ہیں دین تو نظر سے ملتا ہے''

نفس نتواں کشت الا ظل پیر دامن آں نفس کش را سخت گیر

''پیر کے سائے کے بغیر نفس کو مارا نہیں جاسکتا، تو اس نفس کو مارنے والے (پیر) کا دامن مضبوط پکڑ لسان العصر اکبرؔ فرماتے ہیں

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے

ضروری ہے کہ تزکیہ نفس کے لیے لئے کسی کامل کا دامن پکڑا جائے تاکہ زندگی ساحل مراد پر پہنچ سکے۔

تصوف عالمگیر ہے

ہم واضح کر چکے ہیں کہ تصوف کا براہ راست تعلق روح سے ہے اور یہ ہر مذہب کی روح ہے تو لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ تصوف ایک عالمگیر حقیقت ہے۔ جن حضرات نے اس کا انکار کیا ہے یا تو انہوں نے اس پر غور ہی نہیں کیا یا جعلی صوفیوں کی ناقص معلومات کی بنیاد پر انکار کیا ہے۔ تصوف خدائے قدوس کو انسان کا محبوب بنا تا ہے، کائنات اللہ کریم کی جلوہ گاہ ہے اور یہ کائنات کریم رب کے اسماء وصفات کا مظہر ہے اللہ کریم سے قرب کا ذریعہ تصوف کے ہاں صرف اور صرف عشق ومحبت ہے فرمائیے اس میں سے کونسی چیز اسلام، قرآن اور سنت کے خلاف ہے جب آدمی اللہ کریم سے محبت کرنے لگتا ہے تو وہ تصوف کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔

تصوف کے اصولوں میں یکسانیت

اگر تصوف عشق کا نام ہے تو پھر سب قوموں میں اسکے اصولوں بھی یکساں ہونے چاہیے، فرق صرف ظاہری رسموں اور ظاہری

Marfat.com

طریقوں میں ... نا چاہئے عمومی اصول یہ ہیں :۔

ا۔سب قوموں کے ارباب تصوف حقیقت واحدہ کو واحد لاشریک مانتے ہیں اسے وہ الحق کہتے ہیں۔

۲۔یہ ذات معلی زبان، بیان تقریر اور تحریر سے احاطے میں نہیں آسکتی، بھلا الفاظ کی تنگ دامنی اسکی وسعتوں کو کیسے پاسکتی ہے بیان کی تنگنائیوں میں وہ کیسے سماسکتا ہے، زبان کی رعنائیاں اس کے حسن کی عظمتوں کو کیسے سمیٹ سکتی ہیں، یہاں کسی سحبان کسی غالب اور کسی متنبی کی دال نہیں گلتی۔

۳۔روح انسانی بحیثیت تعین غیر حق ہے مگر باعتبار وجود غیر حق نہیں، اقبال اسی روح کو خودی کہتے ہیں، اس نکتہ پر خصوصی توجہ رہے کہ بحیثیت تعین روح غیر حق ہے تاکہ حلول وغیرہ کے مشرکانہ عقیدہ سے بچا جاسکے۔

۴۔وحدت مطلقہ سے وصل ممکن ہے یعنی صوفی خدا سے وصل پاسکتا ہے، اس راہ پر روز اول سے صوفیاء چلتے رہے ہیں اور اسلامی صوفیہ نے تو ریکارڈ قائم کردیئے ہیں۔

۵۔اس وصل کا طریقہ محبت وعشق ہے یہی وہ جادۂ مستقیمہ ہے جو نا معلوم تاریخ سے آباد ہے اور جب تک انسان کرۂ ارضی پر موجود ہے آباد رہے گا۔

۶۔عشق کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ عاشقوں کی محفل اختیار کی جائے یعنی اولیائے امت کی ہم نشینی سے عشق محبت کا حصول ہوتا ہے اقبال فرماتے ہیں :۔

صحبت از علم کتابی خوشتر است صحبت مردان حر آدم گر است

''کتابی علم سے اولیاء کی صحبت افضل وبہتر ہے، آزاد مردوں کی صحبت آدمی بناتی ہے''

اسی صحبت نے لوگوں کو غوث وقطب بنایا۔

مرکز محبت

اس راہ نور کے سب چلنے والوں نے اللہ تعالیٰ سے محبت اور اسی سے عشق کا درس دیا ہے لوگوں نے ان سے بھی محبت کی کہ وہ اللہ کریم کی محبت کے داعی تھے۔لیکن سب ایک بات کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے رہے، تاکہ لوگوں میں محبت وعشق کی وجہ سے کمال پیدا ہو، وہ فرماتے رہے کہ اللہ کریم سے محبت کی تکمیل فرمانے والے بعد میں آرہے ہیں جب وہ تشریف لے آئیں تو ان کی غلامی اختیار کرلینا تاکہ اللہ کریم کا قرب حاصل ہوسکے وہ تمہیں وہاں تک لے جائیں گے جہاں تک کوئی بھی نہیں لے جاسکتا، انکی تشریف آوری پر قرب ووصال کے بادل برسیں گے، وصل کے سمندروں میں لہریں اٹھیں گی انسانیت کے گلشن پر بہار آئے گی، صحرا اور وادیوں سے قرب کے نغمے پھوٹیں گے، انکی شان کے نغمے ہم سب گا رہے ہیں، ان کے آنے پر حمد کے نہ ختم

Marfat.com

ہونے والے ترانے گائے جائیں گے، ان کا انتظار کرو اگر وہ دور پالو تو انکے پاؤں سے لپٹ جاؤ وہ غیب کو شہود میں بدل دیں گے، غم کو سرور میں بدل دیں گے، خزاں کو بہار سے بدل دیں گے، فصال کو وصال میں بدل دیں گے اور ظلمت کو نور سے بدل دینگے ان کا اسم گرامی زمین پر محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ﷺ ہے۔

ان دعاؤں کو سمجھنے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اپنے معزز قارئین کو کتب سماوی اور معتبر کتب ارضی کی سیر کرا دیں تا کہ پتہ چلے کہ سب علوم کے بانی نے ہم پر کیا احسانات فرمائے ہیں۔ اور تصوف کو کس طرح حقیقت سے ہم کنار کیا ہے تورات سے آغاز کرتے ہیں:۔

نعت مصطفی علیه اطیب التحیة و الثناء اور تورات

تورات جسے اہل کتاب برادری کتاب مقدس کا نام دیتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اگر چہ اب یہ اصل شکل میں نہیں تحریف وتبدیل کے کئی مراحل سے گزر چکی ہے اور پھر جس زبان میں یہ نازل ہوئی تھی اس زبان میں موجود نہیں، اس زبان میں اس کا کوئی نسخہ بھی موجود نہیں ہے اور یہ صرف یہود کی تاریخ بن کر رہ گئی ہے اور الہامی انداز سے عاری ہے مگر اسے کتاب وحی سمجھنے والے آج بھی عظیم اکثریت میں ہیں لہذا ہم اس کی کچھ عبارت نقل کرنا چاہتے ہیں تا کہ مقام مصطفی ﷺ کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ پہلے عہد نامہ قدیم (تورات) کی عبارات ملاحظہ ہوں، کتاب مقدس یعنی پرانا و نیا عہد نامہ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور (۱۹۶۲)

ا) خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اسکی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں مرجاؤں، اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں میں ان کے لیے اپنا تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہ وہی کرے گا اور ان سے کہے گا۔ استثناء ۱۸ ۱۵-۱۹ کتاب مقدس صفحہ ۱۸۴

اس عبارت سے یہ حقائق سامنے آگئے:۔

ا) آنے والا نبی اسرائیلیوں کے بھائیوں یعنی اسماعیلیوں سے ہوگا عبارت بالکل واضح ہے یعنی تیرے بھائیوں میں سے۔ پھر ارشاد ہوا اپنے بھائیوں میں سے اس سے مراد نبی اسماعیل کے بغیر اور کوئی نہیں ہوگا۔

ب) آنے والا نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی مانند ہوگا، مانند سے کئی مطالب ومفاہیم سامنے آتے ہیں مگر سب سے عظیم مماثلت یہ ہے کہ آنے والا نبی بھی صاحب شریعت ہوگا اور یہی مفہوم عبارت سے واضح ہے

ج) جو کلام آنے والا نبی پیش فرمائے گا وہ منزل من اللہ ہوگا وہ کلام ربانی ہوگا، باقی کتب کی طرح اس میں ملاوٹ نہیں ہوگی۔
آگے چل کر ہم بھی ثابت کرنے والے ہیں کہ وہی کتاب اور یہی نبی سدا کائنات کے ساتھ رہنے والے ہیں اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حقیقی علوم وہی ہیں جو اس عظیم نبی اور ان کی لائی ہوئی کتاب سے اخذ ہونگے، اور یہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ تصوف مذھب کی روح ہے لہذا حقیقی تصوف یہی ہے جس پر کتاب اور سنت کی تہہ ہے۔

۲۔ *"اور مرد خدا موسیٰ نے جو دعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے، اور اس نے کہا۔ خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے ان پر آشکار ہوا۔ وہ کوہ فاراں سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا، اس کے داھنے ہاتھ پر انکے لئے آتشی شریعت تھی، وہ بیشک قوموں سے محبت رکھتا ہے" استثناء ۳۳ ۳ ا کتاب مقدس ۲۰۱*

کوہ فاراں سے سید کل علیہ السلام کے سوا اور کون جلوہ گر ہوا ہے، قدسیوں کا آقا آپ علیہ السلام کے سوا اور کون ہے، موسیٰ علیہ السلام کے بعد آتشی شریعت کون لایا جس نے سب باطل جلا کر رکھ دیئے اسی مفہوم کو قرآن نے " ليظهره على الدين كله" (تا کہ اللہ تعالیٰ اسے سب دینوں پر غالب فرمادے) کے مبارک الفاظ ادا فرمائے، ساری قوموں سے محبت کر سکتا ہے۔

۳۔ *حبقوق نبی کی دعا ملاحظہ ہو" شگایوت کے سُر پر حبقوق نبی کی دعا۔ اے خداوند میں نے تیری شدت سنی اور ڈر گیا، اے خداوند اسی زمانہ میں اپنا کام بحال کر۔ اسی زمانہ میں اس کو ظاہر کر۔ قہر کے وقت رحم کو یاد فرما۔ خدا تیمان سے آیا اور قدوس کوہ فاراں سے۔ سلاہ۔ اس کا جلال آسمان پر چھا گیا، اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی، اسکی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی، اسکے ہاتھ سے کرنے نکلتی تھیں، اور اس میں اس کی قدرت نہاں تھی وبا اس کے آگے آگے چلتا تھا، اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرا گئی، اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں، ازلی پہاڑ پارہ پارہ ہو گئے، قدیم ٹیلے جھک گئے، اسکی راہیں ازلی ہیں" حبقوق باب ۳ صفحہ ۶ کتاب مقدس ۸۷۸/۸۷۷*

یہ نتائج سامنے آئے ا) حضرت حبقوق چاہتے ہیں کہ انکے دور میں سید کائنات ﷺ کا ظہور ہو جائے، وہ آجائیں تو قہر رحم سے بدل جائے وہ قدوس (سراپا تقدس و طہارت) ہیں۔

ب) وہ فاراں سے طلوع ہونگے۔ ج۔ ان کا جلال جلدی آسمان پر بھی چھا جائے گا۔ چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا۔ سورج پلٹ آئے گا۔ اشاروں سے بادل چھٹ جائیں گے۔

د) وہ خود محمد ﷺ حماد ہیں اور انکی امت حمادون (بہت زیادہ۔ کرنے والے ہیں) انکی لائی ہوئی کتاب الحمد سے شروع ہوتی ہے۔

ہ۔ وہ سراپا نور ہیں انکی جگمگاہٹ سے سیدنا صدیق اکبرؓ سے لے کر آج تک مومنین کے سینے جگمگا رہے ہیں انکے مبارک ہاتھوں سے بھی انوار کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں ان ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔

Marfat.com

ہم نے اپنی کتابوں۔زندگی قرآن وسنت کی روشنی میں اوراسم بامسمیٰ وغیرہ میں اسکی بھرپوروضاحت کی ہے۔

د۔ قدرت خداوندی کاظہورانکی ذات پاک سے ہوتاہےاصل عبارت میں پہلالفظ اس ہےجس سے ذات نبوی مراد ہےاور دوسرالفظ اُس ہےجس سے مرادذات ربانی ہے۔مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام میں ذات خداوندی کی قدرت چھپی ہوئی ہےدرخت بھاگتے آرہے ہیں پتھرسلام کررہے ہیں قلب ونظروجد میں ہیں جانورسجدے میں ہیں۔

ن۔وبائیں اورمصیبتیں انکے پاس سے بھاگتی ہیں یثرب کے بخارات بھاگ جاتے ہیں مبارک ہاتھ لگانے سے بیماریاں ختم ہوجاتی ہیں۔

ح۔مبارک قدموں سے دشمنوں پرخوف کے تیر برستے ہیں وہ مہینے کی مسافت پر ہوں تب بھی ڈرتے رہتے ہیں قدموں کی رفتارالگ معجزہ ہے۔

ط۔وہ اٹھیں توزمین کیا پہاڑ تھراجاتے ہیں آپ ٹھوکر مارکرانہیں پرسکون رہنے کاحکم دیتے ہیں،پہاڑ نگاہوں کی تاب نہیں لاتے ٹیلے جھک جاتے ہیں۔

ی۔انکی راہیں ازلی وابدی ہیں صراط مستقیم ہیں اقوم ہیں،دائمی ہیں یہ وہ سورج نہیں ہیں جوچڑھ کرغروب ہوجائے،آپکی شریعت دائمی ہےآپکی صفات دائمی ہیں جن کاعکس انسانیت پرپڑتا رہاہےاورپڑتارہےگاوہ بےمثل ہیں بےمثال ہیں،نبوت کی روح ہیں رسالت کی جان ہیں توحید کی شان ہیں،مومن کاایمان ہیں،جس انداز سےآپ نےاللہ تعالیٰ کی محبت کوعام کیااوردلوں میں اتارااس کی مثال اولین آخرین کے پاس نہیں ہےاوریہی حقیقی تصوف ہے۔

مسلمانوں کی شان

تورات مقدس سےہم چاہتے ہیں کےمسلمانوں کے بارے میں بھی ایک پیش گوئی تحریرکردیں۔

"وہ جلال میں ظاہرہواہے۔اس نے بیکسوں کی دعاپرتوجہ کی،اورانکی دعاکوحقیر نہ جانا،یہ آئندہ نشیت کے لیے دیکھاجائے گا۔اورایک قوم پیداہوگی جوخداوندکی ستائش کرےگی۔کیونکہ اس نےاپنے مرنےوالوں کوچھڑایا" زبور صفحہ ۱۰۲/۲۰-۱۶

فرمایئےمسلمانوں کےبغیروہ کون سی قوم ہےجوستائش(حمد)کرتی ہےانہوں نےہی اسیرکاکراہنامرنےوالوں کوزندگی دی اورتورات کی اس عبارت نےانہیں تابندگی وپائندگی دی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تورات مقدس(عہدنامہ قدیم)سےحوالےکافی ہیں ہماری یہودی برادری کوغورکرناچاہئےاوربانی اسلام ﷺ کی دشمنی اورمخالفت ترک کردینی چاہئےانکی تعلیمات پرگہری نگاہ ڈالنی چاہئےتاکہ دل کی دنیاسےکفروشرک اوربغض کے بادل چھٹ سکیں۔

Marfat.com

انجیل اور رحمت عالم ﷺ

سب سے پہلے متی کی انجیل سے یہ عبارات ملاحظہ ہوں

۱۔ "اس وقت یسوع نے منادی کرنا اور کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی آگئی ہے، متی ب ۴ آیت ۱۷ انجیل آسمان کی بادشاہی کی بشارت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دی واضح بات ہے کہ آپ کے بعد آسمان کی بادشاہی حضور اقدس ﷺ کے سوا کسی کی نہیں۔

۲۔ یسوع نے ان سے کہا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا، وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا، اور ہماری نظر میں عجیب ہے، اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے گی، اسے دی جائے گی، اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اسے پیس ڈالے گا۔ متی باب ۲۱ یت ۴۴-۴۲ انجیل مقدس نیا عہد نامہ ص ۲۶،۲۵

کونے کا پتھر یعنی خاتم الانبیاء، فرمائیے نبی رحمت ﷺ کے بغیر اور کونے کا پتھر کون ہے کس کتاب میں آپ ﷺ کو خاتم النبین کہا گیا؟ کتاب قرآن ہے اور آقا علیہ السلام خاتم النبین (کونے کا پتھر) ہیں۔ انکے آنے پر یہود کی حکومت گئی اور پھل لانے والی قوم صحابہ کرامؓ آ گئے، ان سے ٹکرانے والے پاش پاش ہو گئے جن کے خلاف وہ میدان میں آئے، وہ پس گئے، شک ہو تو ابو جہل اور عقبہ سے پوچھ لو۔

۳۔ "جب ابن آدم اپنے جلال میں آئے گا اور سب فرشتے اس کے ساتھ آئیں گے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا، اور سب قومیں اسکے سامنے جمع کی جائیں گی اور وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا جس طرح چرواہا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے" متی باب ۲۵ آیت ۳۳-۳۱ ص ۳۶

جلال کے ساتھ سید کل ﷺ ہی میدان جنگ میں تشریف لے جاتے رہے آپ کے لئے ہی حسب ارشاد قرآن فرشتے نازل ہوتے رہے، قومیں آپکے سامنے حاضری دیتی رہیں لہذا وصال سے تھوڑی دیر پہلے حسب عقیدہ عیسائیاں، آپ نے سید کائنات علیہ السلام کے لئے یہ پیشگوئی فرمائی آیت نمبر ۴۶ تک پورا پیراگراف قابل مطالعہ ہے۔

Marfat.com

انجیل مرقس

ا۔انجیل متی والا حوالہ نمبر۲ مرقس کے باب ۱۲ آیت ۱۱ میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ موجود ہے۔

ا۔انجیل لوقا میں یہی حوالہ ب ۲۰ آیت ۱۸-۱۷ ص ۷۵ پر درج ہے۔

۲۔جیسا کہ یسعیاہ نبی کے کلام کی کتاب میں لکھا ہے کہ "بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو، اسکے راستے سیدھے بناؤ، ہر ایک گھاٹی بھر دی جائے گی اور ہر ایک پہاڑ اور ٹیلہ نیچا کیا جائیگا اور جو ٹیڑھا ہے سیدھا اور جو اونچا نیچا ہے ہموار راستہ بنے گا اور ہر بشر خدا کی نجات دیکھے گا" لوقا ب ۳ ص ۶-۴ ص ۵۵

یہ کس کی آمد ہے جو ٹیڑھوں کو سیدھا کر دے گی ہر گھاٹی مجاہدین اور زائرین اور حجاج سے بھر جائے گی پہاڑ اور ٹیلے سرنگوں ہوں گے۔وہ دیکھو مصطفی کریم ﷺ اسی اندازِ یکتائی اور اسی طرز دلربائی سے تشریف لا رہے ہیں۔

انجیل یوحنا

ا۔*بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں کیا وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں"* یوحنا ب ۱ آیت ۲۲-۲۰ ص ۸۱

پتا چلا مسیح اور ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کے علاوہ ایک اور نبی کا بھی انتظار تھا وہ رحمت عالم ﷺ کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔وہ نبی کے الفاظ انجیل میں کئی جگہ آئے ہیں اسی کا ترجمہ آنحضرت ہے جو سید کل علیہ السلام کے لئے مستقل ہے اسی مندرجہ عبارت سے آگے ص ۲۵ میں پھر یوں عبارت ہے "*انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے*"

۲۔اور میں باپ سے درخواست کرونگا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی نہ جانتی ہے تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہوگا یوحنا ب ۱۴ آیت ۱۷-۱۶ ص ۹۹۔

لطف کی بات یہ کہ جب مددگار تشریف لایا تو نسلی بغض کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا گیا جو آج تک جاری ہے مگر ۱۴۰۰ سال گذر گئے اور کوئی مددگار پھر رحمت کائنات علیہ السلام کے بغیر نہیں آیا سدا ساتھ دینے والے بھی حضور علیہ السلام ہی ہیں کیونکہ انکی لائی ہوئی کتاب اور شریعت سدا باقی ہے یہی مددگار روح حق ہے جن کے اسم گرامی کو تورات اور انجیل میں بار بار بدلا گیا ہے۔

۳۔" میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہ تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلاؤں گا" ایضاً ص ۲۵-۲۶

Marfat.com

مددگار ہی روح حق ہے، روح القدس ہے بقول مسیح علیہ السلام وہ ہی مسیح ہے'
۴۔ 'اسکے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں' ایضا ص ۳۰
دینا کا سردار سرور عالم ﷺ ہیں اور جوانکی عظمتیں ہیں وہ کسی اور نبی میں موجود نہیں لہذا سیدنا عیسیٰ فرماتے ہیں "مجھ میں اس کا کچھ نہیں'
۵۔ 'لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا' یوحنا ب ۱۵ آیت ۲۶ ص ۱۷۵
سید کل علیہ السلام نے ہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی گواہی دی ان سب الزامات کی تردید فرمائی جو یہود نے ان پر اور انکی والدہ پر لگائے تھے کاش عیسائی دنیا یہ ایک احسان یاد رکھتی!
۶۔ 'لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راست بازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا' یوحنا ب ۱۶ آیت ۸-۷ ص ۱۰۱
سیدنا عیسیٰ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق سولی دیئے جانے سے پہلے اپنے حواریوں کو یہ فرمارہے ہیں، اس سے پتا چلا کہ انکے بعد سیدنا مصطفیٰ علیہ السلام آنے والے ہیں قرآن نے بھی تائید فرمائی "یاتی من بعدی اسمہ احمد" الصف آیت ۶ بعد آنے والے ہیں ان کا نام احمدؐ ہے۔ انہوں نے دنیا میں جو کام کرنے ہیں ان کی تفصیل بھی ارشاد فرمادی کہ عیسیٰ علیہ السلام پر لگنے والے الزامات کو ختم فرمادیں گے انجیل یوحنا تینوں کی ان آیات سے آگے تفصیل ہے۔
۷۔ 'مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم انکی برداشت نہیں کرسکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا وہ میرا جلال ظاہر کردے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے تمہیں خبریں دے گا' یوحنا ب ۱۶ آیت ۱۵-۱۲ ص ۱۰۱
عبارت سے یہ حقائق سامنے آئے سچائی کے حقیقی نمائندے رحمۃ للعالمین علیہ السلام ہیں، سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرمایا گیا اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوگا یہی' ومابنطق عن الھوی' کا مفہوم ہے، وہ آئندہ کی خبریں دیں گے قرآن وسنت گواہ ہیں کہ مولائے کائنات علیہ السلام کا خاصہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام اور انکے بعد آنے والے نمائندوں میں نہیں تھا۔ مجھ ہی سے حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا اصل ایک ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے نمائندے ہیں۔
چاروں انجیلوں سے ہم بعونہ تعالیٰ بارہ حوالے پیش کردیئے ہیں، یہ سب حوالے عظمت رسول علیہ السلام کے گواہ ہیں وہی

سے نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ خلافت راشدہ کے بعد سے نہیں ہے۔ اموی قرآن کی پشت پر قوت نہیں تھے عباسی قرآن کی پشت پر قوت نہیں تھے۔ عثمانی قرآن کی پشت پر قوت نہیں تھے۔ ہندوستان کے مغل قرآن کی پشت پر قوت نہیں تھے۔ کہ انہوں نے مختلف معاملات میں قرآن کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کی لیکن قرآن کے پیچھے خود چلنے کی کوشش نہیں کی تو اس کے باوجود انفرادی انداز سے کیا یہ قرآن کا معجزہ نہیں ہے کہ ایک عالم دین جس کے پاس مادی ذرائع نہیں ہوتے ایک مفکر جس کے پاس مادی ذرائع نہیں ہوتے آپ امام ابوحنیفہ کو ہی لے لیں ان کے پاس کوئی مادی ذرائع نہیں تھے لیکن فکری دنیا میں آپ پوری اسلامی تاریخ کو کھنگال لیں میں دعوے سے کہتا ہوں کہ رومن دور میں پھر جدید دور میں جو طویل حکومتیں جمہوری انداز سے قائم رہی ہیں مثلاً برٹش حکومتیں، امریکی، فرانسیسی حکومتیں ہیں۔ انہوں نے صدیوں میں قانون کا اتنا کام نہیں کیا جتنا ابوحنیفہ نے اپنے چند ساتھیوں کو ملا کر چند سالوں میں کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سرکاری قوت سے ہٹ کر انفرادی انداز سے قرآن پاک کی خدمت کیلئے مختلف لوگ سامنے آئے تو عجیب سماں باندھ دیا۔

ایک چھوٹی سی مثال پیش کرتا ہوں تفنن طبع کیلئے حضرت ابو یوسفؒ کو لے کر ان کی والدہ حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ بچے کو اپنے پاس داخلہ دے دو آپ نے فرمایا تو قرآن کا حافظ ہے انہوں نے کہا نہیں جواب ملا کہ میں آپ کو اس لیے داخل نہیں کر سکتا کہ جب میں حوالہ قرآن دوں گا تو میں اس بات سے رہا کہ میں قرآن کو کھولوں پھر متعلقہ جگہ تلاش کروں میں نے جو حوالہ دیا ہے آپ کو یاد نہیں ہے تو آپ میرے ساتھ نہیں چل سکتے۔ ماں واپس چلی گئی اور روتی جا رہی تھی کہ اتنے بڑے محقق آدمی کی خدمت میں لائی تھی کہ بچے کو کچھ فیض مل جائیگا لیکن انہوں نے تو مایوس کر دیا کہ یہ حافظ قرآن نہیں ہے یہ بات ابو یوسفؒ کو لے ڈوبی اور آپ یہ سن کر حیران ہوں گے رات دن ایک کر کے زبان تو عربی تھی ہی اس لئے سات دنوں میں قرآن یاد کر لیا یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سات دنوں میں ابو یوسفؒ نے جن کا اصلی نام یعقوب تھا قرآن یاد کر لیا اگلے ہفتے والدہ پھر ان کو لے کر گئیں امام اعظمؒ کے پاس آئیں اسے داخلہ دے دیں پچھلے ہفتے آپ آئیں تھیں میں نے کہا تھا کہ حافظ قرآن نہیں ہوگا تو میں داخلہ نہیں دوں گا ابو یوسفؒ بولے حضرت میں نے قرآن یاد کر لیا ہے جہاں سے چاہیں سن لیں امام اعظمؒ مسکرائے بڑھیا نے خیال کیا کہ آج بھی داخلہ نہیں دیں گے۔ ان کے تیور بتا رہے ہیں آپ نے کہا کہ حضرت مہربانی کریں یہ خندہ استہزاء ہم پر نہ فرمائیں مہربانی کر کے داخلہ دے دیں آپ نے کہا کہ نہیں میں آپ کی بات سے نہیں ہنس رہا ہوں میں نے ابھی دیکھ لیا ہے کہ یہ دو بادشاہوں کے درمیان بیٹھا ہے اور وہ اسے فالودہ کھلانے کی پیشکش کر رہے ہیں یہ مستقبل کا کتنا بڑا عظیم انسان ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ یہ اٹھا ہے اور شہزادے اس کے جوتے اٹھانے کیلئے بھاگ رہے ہیں پھر ایک عجیب منظر ابو یوسفؒ کے سامنے آیا کہ مامون الرشید ایک طرف بیٹھا ہے اور امین الرشید دوسری طرف وہ فالودہ پیش کرتے ہیں

کائنات کے ہادی ہیں رب کریم کے قرب کا وسیلہ ہیں اور یہی تصوف ہے۔ آخر میں ایک حوالہ اعمال میں سے بھی لیں جس کا مفہوم تورات میں بھی گزر چکا ہے:۔

ا۔ ''چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی پیدا کرے گا جو کچھ تم سے کہے اسکی سننا اور یوں ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنے گا وہ امت میں نیست و نابود کر دیا جائے گا بلکہ سموئیل سے لیکر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا ان سب کی خبر دی ہے۔۔۔ جب ہام سے کہا کہ تیری اولاد دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے'' کتاب مقدس اعمال ب ۳ آیت ۲۵-۲۲ ص ۱۱۰

انجیل برناباس اور عظمت مصطفیٰ علیہ السلام

عیسائیوں نے انجیل برناباس کو غیر معتبر قرار دیا ہے حالانکہ یہ واحد شخص ہیں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواری (صحابی) ہیں باقی چار انجیلوں کے مرتبین کو یہ اعزاز نہیں اور وہ اپنے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا واسطہ بھی بیان نہیں کرتے ان انجیلوں کے قدیم نسخے بھی چوتھی صدی سے پہلے کے نہیں ان چار صدیوں میں ان نسخوں پر کیا بیتی ہوگی ارباب دانش سے مخفی نہیں پھر اہل کتاب حضرات اپنی کتابوں سے جو سلوک کرتے ہیں وہ بھی کسی صاحب علم سے مخفی نہیں، ان حالات میں سب سے معتبر انجیل برناباس کی ہی ہوسکتی ہے۔ اسے نابود کرنے کی کوششوں کی داستان طویل ہے پھر اس کا ظہور کیسے ہوا اور مختلف زبانوں میں اسکے تراجم کیسے ہوئے یہ محققین سے مخفی نہیں اردو میں بھی اس پر کافی معلومات آچکی ہیں، مولانا مودودیؒ نے سیرت کی کتاب 'سیرت سرور عالم' میں اس کی تفصیلات دی ہیں ملاحظہ صفحہ ۱۵۲- ۱۴۴

حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے برناباس نے سید کائنات علیہ السلام کے بارے میں بہت ساری پیش گوئیاں نقل فرمائی ہیں، ہم چند نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:۔

ا۔ '*تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی انہوں نے الہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کو نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈال دے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے'* انجیل برناباس باب ۱۷

۲۔ ''*فریسیوں اور لادیوں نے کہا، اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس نہ کوئی اور نبی تو پھر کیوں نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے، ورنہ درحقیقت میں تو اس خدا کے رسول کے موزے کے بند یا اس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو، جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا اور صداقت کی باتیں لیکر آئے گا۔ تا کہ اسکے*

دین کی کوئی انتہا نہ ہو" ایضا باب ۴۲

پہلے پیراگراف سے پتا چلا کہ سیدنا مسیح علیہ السلام اپنے سے بڑا مسیح نبی پاک ﷺ کو قرار دے رہے ہیں اور یہود بھی آخری نبی کو مسیح ہی کہتے تھے کیونکہ یہ صفاتی نام ہے ذاتی نہیں ہے لہذا کئی افراد کا ہو سکتا ہے۔

اس پیراگراف نے دو حیثیتوں سے عظمت مصطفےٰ علیہ السلام ظاہر فرمائی کہ یسوع فرماتے ہیں کہ میں خود کو ان کے جوتوں کے تسمے کھولنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا، دوسری عظمت یہ ہے کہ وہ مسیح علیہ السلام سے پہلے بنے ہیں البتہ آخر میں تشریف لائیں گے بہت ساری احادیث میں سرور عالم ﷺ نے خود بھی اسے واضح فرمایا ہے۔

۳۔" بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ نبی جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت انسان بن کر پیدا ہوا ہے، اس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے، مگر خدا کا رسول جب آئے گا، خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے گا۔ یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اسکی تعلیم پائیں گی نجات اور رحمت پہنچا دے گا، وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا، تو اسکے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰ توضیح کرتے ہیں کہ وہ نبی بنی اسماعیل میں سے ہوگا۔ ایضا باب ۴۳

اس پیراگراف سے ثابت ہوا کہ سب کائنات کے ہادی حضرت سیدنا مصطفےٰ علیہ السلام ہیں، بے خدا اور بت پرست عرب تھے اور جس انداز سے حضور علیہ السلام نے بت پرستی ختم فرمائی وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ جس سے شیطان بیحد پریشان ہوا۔

۴۔"اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسول وہ رونق ہے جس سے صرف خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی کیونکہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاض اور رحمت، عدل اور تقوی، شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے، خدا نے ان میں یہ صفات، تمام چیزوں کی بنسبت تین گنی پائی ہیں، جنھیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا۔ یقین جانو، میں نے اس کو دیکھا اور اسکی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبی نے اس کو دیکھا ہے اور اسکی تعظیم کی ہے، اس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے انکو نبوت دی۔ اور جب میں نے اس کو دیکھا تو میری روح سکینہ سے بھر گئی کہ اے محمد! خدا تمہارے ساتھ ہو، اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنادے، کیونکہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبی اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہو جاؤں گا" ایضا باب ۴۴

پیراگراف کسی تبصرے کا محتاج نہیں اس سے یہ بات بالخصوص ثابت ہوئی کہ سب انبیائے کرام نے نبی علیہ السلام کی زیارت کی اور حدیث معراج میں یہی بات آتی ہے جناب عیسیٰ علیہ السلام جوتے کے تسمے باندھنے کی التجا جس اشتیاق سے کر رہے

ہیں وہ ارباب ذوق سے مخفی نہیں ہے، اللہ ہمیں اپنے محبوب کا سچا محب بنا دے۔ (آمین)

۵۔آگے باب ۷۲ میں ان مضامین کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے، عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انکی علامت یہ کہ ان کے سر مبارک پر بادل سایہ کرے گا، میرا حقیقی مقام وہ واضح فرمائیں گے۔

۶۔"خدا کا عہد یروشلم میں، معبد سلیمانؑ کے اندر کیا گیا تھا نہ کہ کہیں اور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر میں نازل فرمائے گا، پھر ہر جگہ اسکی صحیح عبادت ہو سکے گی، اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز کو قبول فرمائے گا۔۔۔یوں میں اصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں، مگر میرے بعد مسیح آئیگا، خدا کا بھیجا ہوا، تمام دنیا کیطرف، جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے، اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی، اور اسکی رحمت نازل ہوگی" ایضا باب ۸۳

پیراگراف میں دوسرے شہر سے مراد مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ ہے، یہ بھی پتا چلا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں اب مسیحی برادری سینہ زوری سے انہیں ساری دنیا کا رسول ثابت کرنے کی سعی نامشکور میں مصروف ہے، یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضور کریم علیہ التسلیم کو مسیح فرما رہے ہیں جو سب دنیا کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اور سب دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی آپکے دور اقدس میں ہوئی جو آج تک جاری ہے۔

۷۔"یسوع نے سردار کاہن سے کہا زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام قومیں انتظار کر رہی ہیں جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیم علیہ السلام سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ تیری نسل کے وسیلہ سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی (پیدائش ۱۸-۲۲) مگر جب مجھے خدا دنیا سے لے جائیگا تو شیطان پھر بغاوت برپا کردے گا کہ ناپرہیز گار مجھے خدا کا بیٹا مانیں اسکی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے گا یہاں تک بمشکل تیس صاحب ایمان باقی رہ جائیں گے اس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسول بھیجے گا جس کے لئے اس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئیگا اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کردے گا جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے وہ خدا کی رحمت ان لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہیں وہ جو اسکی باتوں کو مانیں" ایضا باب ۹۶

قسم کھا کر حضرت یسوع نے فرمایا کہ ساری دنیا کا رہنما مسیح تشریف لا رہا ہے ساری دنیا اسکی منتظر ہے اور اس کا وعدہ اللہ کریم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، ارشاد ہوا میری تعلیمات مسخ ہو جائیں گی مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانا جائے گا عیسائی دنیا اس پر خصوصی غور کرے کیا آج اناجیل میں انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانا جارہا؟ اور کیا اس عقیدے سے حضور خاتم الانبیاء علیہ السلام نے ہی آکر نہیں روکا بتوں اور بت پرستوں کو آپ نے ہی نہیں للکارا اور تباہ کیا وہ ہی جنوب

سے تشریف نہیں لائے۔ کیا کائنات کی تخلیقات کا سبب وہی نہیں ہیں، کیا شیطان کا اقتدار انہوں نے ہی نہیں چھینا اتنی واضح پیش گوئی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمائی کہ کسی قسم کے شک کی گنجائش ہی نہیں عیسائی دنیا کو ہم غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے! (آمین)

۸۔ "سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسول کے بعد دوسرے نبی بھی آئیں گے یسوع نے جواب دیا اس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبی آجائیں گے جس کا مجھے بڑا غم ہے کیونکہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے ان کو اٹھائے گا اور وہ جو میری انجیل کے پیرو ہیں اپنے آپکو چھپائیں گے" ایضا باب ۹۷

مسیلمہ کذاب سے لیکر مرزا غلام احمد تک سب کے چہرے جناب یسوع علیہ السلام نے انسانوں کو دکھا دیئے تا کہ لوگ گمراہی میں مبتلا نہ ہوں اور گمراہوں کو نبی نہ مانیں۔

۹۔سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا کیا نشانیاں اسکی آمد کو ظاہر کریں گی، یسوع نے جواب دیا اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہوگا کیونکہ خدا نے جب اسکی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں اسے ایک انوکھی شان میں رکھا گیا تھا، خدا نے کہا اے محمد! انتظار کر، کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کرونگا اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دوں گا، یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اسے برکت دی جائے گی اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی، جب میں تجھے دنیا کی طرف بھیجونگا تو میں تجھکو اپنے پیغام بر نجات کی حیثیت سے بھیجونگا تیری بات سچی ہوگی یہاں تک زمین وآسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا، سو اس کا مبارک نام محمد ہے" ایضا ب ۹۷

پیش گوئی کے مبارک الفاظ بالکل واضح ہیں، نثر میں یہ نعت مصطفی ﷺ ہے، اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ باعث تخلیق کون ومکان آپ ﷺ ہی ہیں ہمارے کچھ نام نہاد محققین اس موضوع کی احادیث کو ضعیف یا وضعی کہتے ہیں وہ انجیل کی اس پیش گوئی پر غور فرمالیں، دین مصطفی ﷺ کو کوئی قوت کبھی ٹال نہیں سکی، کتنی واضح بات ہے کہ نام نامی محمد ﷺ ہے جسے دوسرے لفظوں میں قابل تعریف سے معنی بتا کر واضح کیا گیا ہے۔

۱۰۔"برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں سے ایک (جو بعد میں یہودا سکریوتی نکلا) مجھے تیس سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ دیگا پھر فرمایا

"اسکے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اوپر اٹھائے گا اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں تاہم جب وہ ایک بری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی مگر جب محمد ﷺ خداوند کا مقدس رسول آئے گا تو میری وہ بدنامی دور کردی جائیگی اور خدا یہ اسلئے کرے گا

Marfat.com

کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اس ذات کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ایضاً باب ۱۱۳

پیراگراف میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو قرآن فرماتا ہے "وما قتلوه يقيناً بل رفعه الله اليه" ان یہودیوں نے عیسیٰ علیہ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ النساء آیت ۱۵۷-۱۵۸

عیسائی یہی کہتے رہے کہ وہ قتل ہوگئے تھے اس ذلت کی بات سے سید کل علیہ السلام نے آکر جناب مسیح کو بری قرار دیا۔ یہ انعام ہے اس بات کا کہ حضرت یسوعؑ نے صداقت مصطفی ﷺ کا اقرار فرمایا تو سید کل علیہ السلام نے انکی زندگی کی حقیقت بیان فرما کر لوگوں کا عقیدہ درست کر دیا۔

۱۱۔ (شاگردوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) "بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کی کتاب مسخ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤد علیہ السلام کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا اور اگر داؤدؑ کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا کیونکہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اس نے اب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے لہذا جب اللہ کا رسول آئیگا تو وہ اس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کر دے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کر دیا ہے"

برناباس باب ۱۲۴

سابقہ کتابیں تحریف اور تغیر وتبدل کا شکار ہوگئیں سیدنا عیسیٰؑ فرماتے ہیں یہی کچھ مری کتاب سے بھی ہوگا اور رسول برحق ﷺ تشریف لا کر ان آلودگیوں سے میرا اور میری کتاب کا دامن صاف فرمادے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ روح کائنات علیہ السلام تشریف لا کر سب انبیاء کے مذاہب میں درآنے والی خرابیوں کو دور فرمادیں گے مذہب درست ہوگا تو قرب خداوندی کا حصول ممکن ہو جائے گا اور یہی روح مذہب یعنی تصوف بھی چاہتا ہے یہی تزکیہ ہے جو ہر مذہب چاہتا ہے۔ اور تزکیہ کا دوسرا نام تصوف ہے۔

ہندو کتب اور مقام مصطفی ﷺ

اس مقالے کے آخر میں ہندو کتب سے بھی رفعت مصطفی ﷺ کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں ہندو عظماء کے بارے میں مسلمان مفکرین دو رائیں رکھتے ہیں کچھ حضرات انہیں نبی مانتے ہیں جو برصغیر کے لوگوں کی ھدایت کے لئے مبعوث ہوئے اور کچھ حضرات انہیں نبی نہیں مانتے، ہم سمجھتے ہیں کہ انکی کتابیں اگر مسخ نہ ہوگئی ہوتیں تو اصلیت واضح ہو جاتی مگر مسخ ہونے کے بعد ان کی کتب میں بہت سے حقائق اب بھی موجود ہیں۔

بڑی کوشش کر کے ابن اکبر الاعظمی صاحب نے ہندو کتب سے صرف وہ حوالے اکٹھے کئے ہیں جو امام الانبیاء علیہ السلام کے متعلق

ہیں۔ ہمارے اس مقالے کا ماخذ یہی کتاب ہے کتاب کا نام ہے "محمد ﷺ ہندو کتابوں میں" انتخاب جدید پریس ایبٹ آباد لاہور نے شائع کی ہے، ترتیب امیر حمزہ ایڈیٹر مجلہ الدعوۃ نے دی ہے، کتاب خاصے کی شے ہے۔

کرنے کا کام

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں جس کثرت سے سرور عالم ﷺ کا ذکر پاک آیا اس کثرت سے تورات وانجیل میں نہیں ہے وہ اس تفصیل سے ھندوؤں کے ہاں ہے کہ اسے سامنے رکھ کر آقا علیہ السلام کی حیات طیبہ پر مشتمل کتاب لکھی جاسکتی ہے ابن اکبر الاعظمی کی مذکورہ بالا کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی کتابوں کو ھندوؤں کی مختلف زبانوں میں نقل کیا جائے اور یہ تراجم ھندوؤں میں بڑی کثرت سے پھیلائے جائیں تاکہ انہیں پتا چل سکے کہ نبی رحمت ﷺ کا تفصیلی ذکر پیش گوئیوں کے طور پر انکی کتابوں میں موجود ہے پھر آپ علیہ السلام کی مخالفت تو حماقت ہوگی اور اس ضمن میں مسلمانوں کی دشمنی بھی احمقانہ حرکت ہوگی، یہ تحریریں اداروں اور نچلی ذات کے ہر گھر میں ہونی چاہئیں تاکہ ھندو معاشرے سے تنگ یہ غریب طبقہ اسلام کی پناہ میں آکر مساوی حقوق پا سکے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ حکومت پاکستان منظم انداز سے یہ کام کرے تو اس کے بے شمار مذھبی اور سیاسی فائدے ہونگے خصوصاً جنوبی ھند کے ستائے ہوئے اسلام کی طرف لپکیں گے اور شمالی ھندوستان کے ھندوؤں کی سوچیں بدلیں گی سندھ کی ھندو اقلیت بھی مسئلے پر خصوصی غور کریگی اللہ کرے حکومت توجہ دے اور پاکستان کی مختلف تنظیمیں بھی اسلام کے لئے آگے بڑھیں۔

ا۔ ہندوؤں کے ہاں اولین کتابیں چار وید ہیں انکے نام یہ ہیں۔ رگ وید۔ یجروید۔ سام وید اور اتھروید چاروں ویدوں میں حضرت مصطفیٰ کا ذکر پاک ہے، لیکن سب سے تفصیلی ذکر اتھر وید میں ہے پہلے یہ یاد رکھیں کہ وہاں حضرت مصطفیٰ علیہ السلام کا ذکر پاک ہے۔ نراشنس۔ نر کا معنی انسان ہے اور اشنس کا مطلب ہے کثرت سے تعریف کیا گیا، اب پورے لفظ کا معنی ہوگا وہ شخص جس کی کثرت سے تعریف کی جائے یہی محمد ﷺ کا معنی ہے۔ اس تمہید کے بعد اتھر وید کانڈ نمبر ۲۔ سوکت ۱۲۷۔ منتر ایک تا چودہ سید کل علیہ السلام کے ذکر سے معمور ہے ہم اس سے کچھ منتر لیتے ہیں:۔

ساٹھ ہزار نوے دشمن

منتر ایک کی عبارت ملاحظہ ہو "*لوگو! احترام سے سنو! نراشنس کی تعریف کی جائے گی ہم اس مہاجر یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے کے درمیان محفوظ رکھیں گے*"

ابتداء میں لوگوں کو متوجہ کیا گیا تاکہ قابل غور مسئلہ کو سمجھ سکیں، پھر بتایا گیا کہ نراشنس (محمد علیہ السلام) کی تعریف کی جائے گی سید کائنات علیہ السلام کی جتنی تعریف کائنات میں ہوئی کسی اور کی اتنی تعریف کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ہوئی آپ ﷺ

کی تعریف سمندر ہے تو دوسروں کی قطرہ ہے، یہ بھی پتا چلا کہ اتھرو ید کی تصنیف کے وقت ابھی رحمت عالم ﷺ دنیا میں تشریف نہیں لائے تھے۔
منتر میں آپ علیہ السلام کو 'کورم' کہا گیا ہے اس کے دو معنی ہیں، مہاجر اور امن کا علمبردار، دونوں معنی سید عالم علیہ السلام پر صادق آتے ہیں آپ نے ہجرت بھی فرمائی اور امن جس طرح قائم فرمایا اس سے تاریخ کے اوراق منور ہیں، اب رہی آخری بات کہ ساٹھ ہزار نوے دشمنوں میں اللہ کریم آپکی حفاظت فرمائیں گے تو اسکی تفصیل بھی ملاحظہ فرمالیں؛
قریش انکے حلیف بنوغطفان وغیرہ دس ہزار تھے جو جنگ خندق میں آئے، یہود کے مختلف قبائل کے جنگی مردوں کی تعداد بھی دس ہزار تھی جو خیبر میں اکٹھے تھے رومی جو مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے اور آقا علیہ السلام تبوک تشریف لے گئے یہ چالیس ہزار تھی، اب یہ مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تھے، اب یہ مجموعی تعداد ساٹھ ہزار ہوئی، منافقین جنہوں نے تبوک جانے سے معذرت کی، اسی تھے، جو تبوک گئے وہ بارہ تیرہ تھے دو یا تین متذبذب تھے انہوں نے توبہ کر لی دس باقی رہ گئے، یہ نوے ہوئے اب دشمنوں کی تعداد ساٹھ ہزار نوے ہوئی جو جنگجو تھے۔ سرور عالم ﷺ کے لئے کتنی صحیح پیش گوئی اتھرو ید میں آگئی، ھندوں کو اس پر غور کر کے روح و جسم کے آقا علیہ السلام کو مان لینا چاہئے۔
چالیس ہزار تھی اب یہ مجموعی تعداد ساٹھ ہزار تھے، اب یہ مجموعی تعداد ساٹھ ہزار ہوئی، منافقین جنہوں نے تبوک جانے سے معذرت کی، اسی تھے، جو تبوک گئے وہ بارہ تیرہ تھے دو یا تین متذبذب تھے انہوں نے توبہ کر لی دس باقی رہ گئے، یہ نوے ہوئے اب دشمنوں کی تعداد ساٹھ ہزار نوے ہوئی جو جنگجو تھے۔ سرور عالم ﷺ کے لئے کتنی صحیح پیش گوئی اتھرو ید میں آگئی، ھندوں کو اس پر غور کر کے روح و جسم کے آقا علیہ السلام کو مان لینا چاہئے۔

معراج برحق ہے

(دوسرے منتر کی عبارت) ''اسکی سواری اونٹ ہوگی اور اسکی بارہ بیویاں ہونگی اس کا درجہ اتنا بلند اور اسکی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھونے کی پھر اتر آئے گی'' منتر بھاگوت، پوران اسکند ۱۲ ادھیائے ۲ اشوک ۲۰-۱۹ میں تفصیل ہے ''کلکی اوتار کو اڑنے والا گھوڑا دیا جائیگا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا اور یہ اس پر سوار ہو کر زمین کی اور ساتوں آسمان کی سیر کرے گا۔''
پتا چلا کہ وہ موٹروں، کاروں، ریل گاڑیوں اور جہازوں کے دور سے پہلے ہونگے اور اونٹ پر سوار ہونگے اب یہ دور گزر رہا ہے لہذا وہ تشریف لا چکے ہیں ھندو اب کسی اور کے آنے کا انتظار نہ کریں، اونٹ عرب کی سواری ہے لہذا آنے والے نے ہندوستان میں نہیں آنا تھا، لہذا نہ وہ آریہ ہوگا اور نہ ہی برہمن۔
وہ کامل زندگی والے ہوں گے بارہ شادیاں فرمائیں گے یہ بات بھی فخر موجودات علیہ السلام کے بغیر کسی اور پر صادق نہیں آتی [illegible] تعداد ازواج پر تفصیلی بحث اپنی کتاب ''عظمت سید المرسلین'' میں کی ہے اسے پڑھا جائے۔
ہم تبرکا سب ازواج کے نام مبارک بھی لکھ دیتے ہیں:۔
سیدہ خدیجہ الکبریٰ، سیدہ عائشہ بنت ابوبکر صدیقؓ، سیدہ حفصہ بنت عمر فاروق، سیدہ زینب بنت خزیمہ۔ سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ، سیدہ زینب بنت جحش، سیدہ ریحانہ بنت زید، سیدہ جویریہ بنت حارث، سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان، سیدہ صفیہ بنت حیی سیدہ میمونہ بنت حارث، سیدہ ماریہ قبطیہ سلام اللہ علیہن۔ کتنی صحیح پیش گوئی ہے۔ آپ ﷺ کے مقام رفیع کا ذکر آپکی سواری کی

Marfat.com

عظمت سے کیا جارہا ہے اس دور میں کوئی فضا میں بلند نہیں ہوسکتا تھا بھلا وہ آسمانوں پر کیسے جاسکتا تھا مگر آپ کی سواری پیش گوئی کے مطابق ایسی ہوگی جو آسمانوں کی سیر بھی کرے گی اور آپ ﷺ کو لیکر پھر واپس زمین پر بھی آجائے گی آپ ملاحظہ فرمائیں سابقہ انبیاء میں سے کسی کی سواری آسمان پر نہیں گئی؟ اور نہ ہی ہندو رہنما سواری لیکر کبھی آسمان پر گئے ہیں، کائنات میں صرف ایک ہی ذات اقدس ہے جن کا اسم گرامی محمد (نراشنس) ﷺ ہے جن کی سواری آسمانوں کو روندتی عرش الٰہی اور سدرۃ المنتھیٰ کو پیچھے چھوڑتی آگے نکل گئی اور سوار لامکان کی سیر کرکے واپس تشریف لائے۔

اگر کسی میں ذرہ بھر بھی دیانت ہے تو اسے اتھرویدکی اس پیش گوئی کو تسلیم کرکے اس سوار کے قدموں سے لپٹ جانا چاہئے۔

ہم اپنے قارئین سے عرض کرینگے کہ یہ چودہ منتروہ ضرور پڑھیں تاکہ مقام رسول غیروں کی کتابوں سے معلوم ہوسکے۔

۳۔ سب سے پہلی اور قدیم کتاب رگ وید ہے اس کا منڈل ا سوکت ۱۳ اور منتر ملاحظہ فرمائیں۔

سرور عالم علیہ السلام کا وسیلہ

''اے محبوب نراشنس! میٹھی زبان اور قربانیوں والے، میں تیری قربانیوں کا وسیلہ پکڑتا ہوں''

رحمت عالم ﷺ کی شیریں زبان ہر موافق اور ہر مخالف سے داد تحسین وصول کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی، عروہ بن مسعود نے کہا، ان جیسی بات کسی کی نہیں ہے، صحابہؓ کرام اس شیریں گفتاری پر قربان تھے، جہاں شریں گفتاری ہوتی ہے وہاں ہر دلعزیزی لازماً پیدا ہوتی ہے اور یہی محبت کا پیش خیمہ بنتی ہے رحمت عالم ﷺ سے محبت کا انداز تو یہ تھا کہ آپ ﷺ کا تھوک مبارک زمین پر گرنے نہیں دیا جاتا تھا آپ کے کھنکار مبارک ہاتھوں اور چہرہ پر مل لیا جاتا آپ ﷺ کا خون مبارک احد میں چاٹ لیا گیا زمین پر گرنے نہیں دیا آپ کے پچھنوں کا خون منور پی لیا گیا، پسینہ مبارک اپنی خوشبوؤں میں ملالیا جاتا۔ آپکے وسیلہ جلیلہ سے آج بھی ساری امت دعائیں مانگ رہی ہے۔ رگ وید میں تو آپکی قربانیوں کو وسیلہ بنایا گیا ہے ان قربانیوں کی فہرست بہت طویل ہے اصحاب فکر کے سامنے کیا کیا رکھا جائے ہم تو آپ کے وسیلہ جلیلہ سے مغفرت طلب کرتے ہیں، ایمان طلب کرتے ہیں جہنم سے امان طلب کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ رگ وید منڈل ا سوکت ۱۰۶ منتر ۴ بھی ملاحظہ ہوں تاکہ ایمان تازہ ہوجائے، ارشاد ہے ***''ہم عظیم نراشنس کی جو بہت بڑا رہنما ہے تعریف وثنا کرتے ہیں اے کرم والے تو ظاہر ہو تاکہ ہمیں گناہوں سے پاک کرے اور کٹھن راستے سے ہمارا رتھ پار کرے''***

وہ آئے تو [illegible] عل گئے یہی بات قرآن نے ''ویزکیھم'' کے الفاظ سے ادا فرمائی، کٹھن اور تاریک زندگی کے راستے انہی کے نور سے منور ہوتے ہیں قرآن نے فرمایا'' وانک لتھدی الی صراط مستقیم'' (بالیقین آپ راہ راست دکھاتے

Marfat.com

ہیں) زندگی کی تاریک راہیں تبھی منور ہوتی ہیں جب عشق رسول علیہ السلام کا چراغ نگاہوں میں جل رہا ہو۔

خلفائے راشدین حق ہیں

۴۔کلکی پورا ادھیائے ۲ اشوک ۵ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"کلکی اوتار اپنے چار مددگاروں کے ذریعے شیطانوں کو کچلے گا" چاروں خلفائے راشدین (سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم) نے آقا علیہ السلام کے ساتھ بھی جہاد فرمائے اور آپکے بعد دنیا کی دو سپر پاور (قیصر وکسریٰ) کی عظمتوں کو خاک میں ملا دیا سب سیاسی لٹیروں اور معاشرتی غنڈوں کا خاتمہ کر دیا

وہ خاتم الانبیاء ہیں

بھاگوت پوران پرتھم اسکنذ ادھیائے ۳ اشوک ۲۵ کی عبارت ملاحظہ ہو:۔

''بڑے بڑے پیغمبر چوبیس ہیں کلکی اوتار آخری پیغمبر ہوگا جو سارے پیغمبروں کا خاتمہ ہوگا''، پیغمبروں کی پوری تاریخ میں کسی نے بھی خاتم النبیین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا یہ دعویٰ صرف رحمۃ للعالمین علیہ السلام نے فرمایا لہذا آپ ﷺ ہی خاتم الانبیاء ہیں جو بھی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب اور دجال ہے، مسیلمہ ہو یا قادیانی، کل بمعنی سیاہی ہے، یعنی سیاہ دور میں آ کر وہ اوتار (نبی روشنی پھیلائے گا یہی روشنی دل کا نور اور قرب ربانی کا ذریعہ ہے اور یہی تصوف کا نکتہ خیال ہے ہم پر زور سفارش کرتے ہیں کہ اس کتاب 'محمدؐ ھندو کتابوں میں' کا مطالعہ کیا جائے حضور کی ساری زندگی ھندو کتابوں میں بھری پڑی ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

تصوف اور ہندو ازم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ مذاہب پر نگاہ ڈالیں تو ہر مذہب اپنے آغاز میں توحید کا قائل نظر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو واحد لاشریک اور بے مثل و بے مثال مانتا ہے اس کی صفات ازلی و ابدی کا قائل ہوتا ہے، روح کی بالیدگی کے لئے قرب خداوندی کا متلاشی ہوتا ہے اس قرب کے طریقے عبادت و ریاضت کی شکل میں تلاش کرتا ہے۔

مذہب کے بانی اور اسکے پیروکار بڑی تیزی سے اس مذہب کے عقائد و نظریات اور اعمال و افعال کو پھیلاتے اور بڑھاتے ہیں، آگے چل کر مذہب میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں جو مادیت کے جلوؤں سے مسحور ہوتے ہیں، وہ مذہب کے صاف چشمے میں مٹی ملا دینے کی کوشش شروع کر کے عوام کو جدت پسندی کے مرعوب کن نعرے سے مسحور کرتے ہیں اور انہیں اپنے دام تزویر و مکر میں پھانسنا شروع کر دیتے ہیں۔

اب مذہب عوامی نظریات کے تابع ہو جاتا ہے اور ہر آنے والا نام نہاد علمبردار مذہب میں خرافات و لغویات کی بھرتی ڈالتا چلا جاتا ہے اور مذہب چند جعلی خود ساختہ روایات کے تابع ہو جاتا ہے، ہندو مذہب کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ بات مخفی نہیں کہ اس مذہب پر بھی یہی واردات گزری۔

ہندو مذہب کی قدامت

ہماری معلومات کے مطابق ہندو مذہب ایشائی مذہبوں میں سے ایک قدیم مذہب ہے اور اس کی بنیاد بھی توحید پر استوار ہوئی تھی قرب ربانی کے لئے انہوں نے بھی تصوف کے گلشن کی سیر کی، ان کا تصوف بھی شرک سے پاک تھا، انکے مصلحین بھی انسانوں کو راہ راست کی دعوت دینے والے تھے وہ قرب خداوندی کے متلاشی تھے اور انہوں نے اس راستے کو صحیح انداز سے عبور کیا تھا، آئے انکی قدیم کتابوں کی آپ کو سیر کرائیں اور انکے تصوف سے آپ کو متعارف کراتے چلیں:۔

اپنشد

تصوف پر یہ ہندوؤں کی قدیم کتابیں ہیں۔ اپنشد کا لفظی معنی ہے، کسی کی خدمت میں باادب بیٹھنا، چونکہ تصوف میں کسی کو اپنا رہنما مان کر اسکی خدمت میں بیٹھا جاتا ہے لہذا اس موضوع پر لکھی ہوئی کتب کو بھی اپنشد کہا گیا ہے۔

اپنشد کی کل تعداد ایک سو آٹھ ہے (ہندوستان کا ثقافتی ورثہ صفحہ ۱۴۱-۱) بقول شری شنکر اچاریہ گیارہ اپنشد اہم ہیں۔ اچاریہ نے

Marfat.com

فالودہ کا وہ پیالہ پکڑ کر ابو یوسف" مسکرا دیئے انہوں نے کہا کہ آپ کو آداب محفل کا پتہ نہیں ہے آپ بادشاہوں کے درمیان بیٹھے ہیں اس طرح بادشاہوں کی موجودگی میں ہنسنا سوئے ادب ہوتا ہے آپ نے کہا کہ میں کسی محفل میں کھو گیا تھا مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں آپ کے پاس بیٹھا ہوں محفل کیا تھی میرے استاد نے فرمایا تھا کہ دو بادشاہوں کے درمیان بیٹھ کر تو فالودہ کھا رہا ہوگا۔ مجھے ان کی وہ بات یاد آ گئی ہے جب یہ اٹھے تو مامون اور اس کا بھائی امین ایک دوسرے سے آپ کو جوتا پہنانے کے لیے آگے بڑھے تو انہوں نے کہا کہ قربان جاؤں علوم قرآنیہ کے کہ جنہوں نے مجھے اس عظمت پر پہنچا دیا ہے۔

اب کیونکہ علوم قرآنی ایسے رخ موڑ دیئے گئے ہیں کہ ان حقائق کو پیچھے چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ضروری بات ہے کہ قرآن پر باطل حملہ اب پچھلے دور میں کرنا چاہے یعنی عقب سے یعنی سرکارؐ کے تشریف لے جانے کے بعد سے حملہ کرنا چاہے تو قرآن کا اپنا اعلان یہ ہے کہ باطل اس پر تسلط نہیں جما سکے گا اب اگر وقتی طور پر طوفان بدتمیزی اٹھا کر غبار اڑا کر، قرآن کے چہرے کو مکدر کیا جائے تو یہ وقتی بات ہوگی جیسے ہی قرآن کی روشنی پڑے گی اس غبار کو اڑا دے گی، اس لیے کہ!

"بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ"o

تورات کا مطالعہ کیجئے کیا تورات نے کہیں دعویٰ کیا ہے کہ وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے نہیں دوسرے مقام پر فرمایا!

"انّا نحن نزّلنا الذّکر"o

ذکر کا معنی یاد ہوتا ہے یہاں ایک علمی لطیفہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں کہ قرآن یاد ہے اس کا مطلب کیا ہے جب آپ اس مادی دنیا میں مادی جسم کے ساتھ نہیں تشریف لائے تھے تو آپ خالص روح تھے۔ اس وقت اللہ کے قریب تھے۔ وہاں کی کچھ باتیں تھیں اب یہاں قرآن انہیں یاد کرانے کے لیے آیا ہے کہ

ے بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل

تو راستہ چھوڑ گیا ہے تو راستہ بھول گیا ہے اب یہ لوح محفوظ میں بھی موجود ہے اور اس کا یہ معجزہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے سینے میں بھی محفوظ ہے لیکن اس نے ایک اور دعویٰ کیا کہ اگر ہم اسے پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا اب عجیب سا خیال سامنے آتا ہے کہ پہاڑ پر نازل کرتے تو ریزہ ریزہ ہو جاتا اب 12 یا 14 سال کا بچہ تراویح میں جا کر کے سنا بھی رہا ہے سن بھی رہا ہے وہ کبھی ریزہ ریزہ نہیں ہوتا اس کی حکمت کیا ہے تو قرآن نے اسکا خود جواب دیا ہے۔

"انّما یسّرناہ بلسانک"o

محبوب جب یہ آپ کی زبان سے ہو کر گزر رہا ہے تو یہ آسان ہو گیا ہے اگر آپ کی زبان سے نہ گزرتا تو پھر اس کی جلالی کیفیت ہوتی۔ پتہ چلا کہ قرآن مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سے گزر کر آ جائے تو جلال نہیں جمال بن جاتا ہے۔ سرکارؐ

Marfat.com

ان سب کی شرح لکھی ہے اور برہم سوتر کی شرح میں چار مزید اپنشدوں کا حوالہ دیا ہے اسطرح اسکے ہاں پندرہ اپنشد ہیں ڈاکٹر رادھا کرشنن نے تین مزید اپنشد شامل کئے ہیں لہذا تعداد اٹھارہ ہوگئی ہے۔

شہزادہ داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ ۱۰۵۶ء میں باون اپنشدوں کا ترجمہ فارسی میں کیا تھا، اس فارسی ترجمے کو ۱۸۰۱ء میں لاطینی میں ڈھالا ۱۸۰۵ء میں یہ جرمن زبان میں ڈھالا گیا، ھندی میں اس کے فارسی ترجمے کو ۱۷۲۰ء میں شائع کیا گیا ۱۸۶۱ء میں اس نے اردو کا لباس پہنا۔ فقیر سیالوی کو اس کا اردو ترجمہ کہیں سے دستیاب نہیں ہوا۔

عرفان حقیقت

اپنشدوں میں اصل بات عرفان حقیقت (برہمہ گیان) ہے اس حقیقت کا نام خدا ہے۔ خدا کا عرفان ہو جائے تو ساری کائنات کا عرفان ہو جاتا ہے، فلسفہ ہو یا مذھب سب کے ہاں اہم اور آخری مسئلہ ہی عرفان حقیقت ہے، اس واحد حقیقت کو اپنشدوں میں واجب الوجود اور واحد لاشریک مانا گیا ہے، اس عرفان کا منبع وحی خداوندی ہے اسی عرفان کا نتیجہ اطمینان قلب اور سرمدی سرور ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ھندو تصوف کا اصل توحید ذاتی وصفاتی ہے اور خدا سے انسان کا رابطہ وحی ہے۔ اس حقیقت کو پا کر انسان اطمینان قلب اور سرور سرمدی پاتا ہے میں نے کچھ اس سلسلہ میں بھی کہنا ہے

اپنشدوں کی تعلیمات ونظریات

ہمارا مطمع نظر اپنشدوں کو پوری تعلیمات کو نقل کرنا نہیں ہے مشتے نمونہ از خروارے چند چیزیں نقل کریں گے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ مذھب وتصوف کی حقیقی تعلیمات سب مذاہب میں یکساں ہیں اور ان تعلیمات کے مسخ ہونے پر عقائد ونظریات مشرکانہ ہوتے رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں:۔

ا۔ حقیقت الواحد و یکتا ہے کائنات اس کا مظہر ہے، حقیقتاً کوئی شے موجود نہیں ہے وہی حق ہے، لامتناہی ہے، وہ مختار مطلق ہے کائنات جس طرح چاہی بنائی۔

۲۔ ذات خداوندی واجب الوجود ہے حقیقۃ الحقائق ہے نور الانوار ہے وہ باطن بھی ہے اور ظاہر بھی ہے، وہ زمان ومکان اور علت ومعلول سے بالاتر ہے اس کا تصور وتعقل نہیں کر سکتے، اصل وجود وہی ہے باقی سب نمود ہے اس ذات کا عرفان اسکے فضل وکرم پر موقوف ہے۔

۳۔ دنیا سے دل نہ لگاؤ یہی بہترین طرز حیات ہے دنیاوی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ مگر مقصد حیات نہ بناؤ، فانی چیزوں سے دل لگانے والا خود فنا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

۴۔انسان کے حقیقی دشمن اس کے اندر ہیں اور وہ یہ پانچ ہیں شہوت،غضب،حرص،طمع،تکبر۔ان پانچ چیزوں کا مرکز نفس امارہ ہے جب تک وہ قابو نہ آئے عرفان نہیں حاصل ہوسکتا،عرفان حاصل ہوجائے تو انسان میں صفات خداوندی منعکس ہونے لگتی ہیں۔

۵۔عارف میں یہ صفات ہوتی ہیں :۔اطمینان،ہمت،خدمت خلق اور طاعت،وہ دوسروں کے فائدے کا طلبگار رہوتا ہے،وہ ہر شے میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دیکھتا ہے دوسرے کا خیال ہرگز نہیں کرتا اللہ کریم انہی کو ملتا ہے جو اسکے لئے بیتاب ہوتے ہیں

۶۔اللہ تعالیٰ کو پانے کی شرطین یہ ہیں ضبط نفس۔ایثار۔شفقت۔ذکر،مجاہدہ۔مراقبہ

۷۔علم کتابوں سے اور معرفت عشق سے حاصل ہوتی ہے یہ ضروری نہیں کہ عالم شریعت عارف بھی ہو۔عرفان نعمت ہے تو یہ صرف عشق سے حاصل ہوتا ہے عرفان ان انسان کو غیر فانی بنادیتا ہے یہ عرفان مرشد کے چرنوں میں بیٹھنے سے ملتا ہے یہی پیغام آزادی ہے خدا صرف عاشقوں کی صحبت سے ملتا ہے مقصد حیات اس کا دیدار ہے ورنہ زندگی بیکار ہے۔

۸۔عرفان ذات قیل وقال سے برتر ہے اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا بس مل کر دیکھ لو۔

۹۔وہ ذات اقدس ہر شے میں پوشیدہ ہے اور ہر شے سے جلوہ گر ہورہا ہے اور ہر شے سے ظاہر ہورہا ہے۔

۱۰۔اطمینان قلب اعمال حسنہ،عشق اور مراقبے سے حاصل ہوتے ہے۔مذہب کی روح یہ ہے کہ اللہ میرے اندر جلوہ گر ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اپنشدوں کی تعلیم میں وحدۃ الوجود کا نظریہ پوری طرح واضح ہے مگر وہ حلول کے قائل نہیں۔اسلامی صوفیہ کی عظیم تعداد بھی وحدۃ الوجود کی قائل ہے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی اسکے ترجمان ہیں مگر ان کا نظریہ اپنشدوں سے ماخوذ نہیں ہے انہوں نے کبھی اپنشد نہیں پڑھے،ان سب صوفیہ کے سوچنے کا انداز الگ ہے مگر نتیجہ ایک ہے۔

اپنشدوں میں عارفوں نے کوئی فلسفیانہ نظام پیش نہیں کیا صرف اپنی واردات قلبی اور مشاہدات روحانی کو بیان کیا،البتہ خدا اور کائنات کی وضاحت کے لئے نظریات پیش کئے ہیں لہذا اپنشدوں کے شارحین اور برہم سوتر کے شارحین نے چار نظریات کے علمبردار چار گروہ پیش کئے:۔

ا۔ہمہ از اوست (سب اس سے ہے)

ب۔ہمہ با اوست (سب اسکے ساتھ ہے)

ج۔ہمہ اوست (سب کچھ وہی ہے ممکنات کا وجود ظلی ہے)

د۔ہمہ اوست کہ وجود کائنات وہمی ہے

ان اصطلاحات کی تشریح یہ ہے

۱۔ ہمہ از اوست کا مطلب یہ موجودات بذات خود قائم ہیں مگر ان کا وجود خدائے برتر اعلیٰ کا عطا فرمودہ ہے یہ حق تعالیٰ سے الگ ہیں۔ مدھواچاریہ اور مسلمان متکلمین اسی نظریہ کے قائل ہیں۔

۲۔ ہمہ از اوست کا مطلب ہے کہ ممکنات حق تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں بذات خود قائم نہیں ہیں، یعنی یہ اعراض ہیں اور اللہ تعالیٰ جوہر ہے لہذا ان کا وجود اسی ذات اقدس سے قائم ہے، یہی شنکر اور ولبھ کا نظریہ ہے۔

۳۔ ہمہ اوست (سب وہی ہے) یہ شہودی ہے مطلب یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں صرف اللہ تعالیٰ ہی موجود ہے، ممکنات کا وجود حقیقی نہیں بلکہ ظلی ہے اور ہر شئے مظہر حق ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے سے ظاہر ہو رہا ہے (مرئی فی الکل) اسی کا ہر شے میں جلوہ ہے یہ رام نوج اچاریہ کا مسلک ہے، سیدنا مجدد الف ثانی سرہندیؒ کا بھی یہی نظریہ ہے برصغیر میں اسی کو وحدۃ الشہود کہا جاتا ہے۔

۴۔ ہمہ اوست وجودی کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ موجود ہے کائنات کا وجود وہمی ہے، شعلہ جوالہ کی گردش سے جو دائرہ بنتا ہے اس کا وجود حقیقتاً نہیں ہوتا، ہوا سے پانی کی سطح پر جو لہریں بنتی ہے اس کا وجود حقیقتاً نہیں ہوتا، شنکر اچاریہ کا یہی نظریہ ہے اور مسلمان عرفاء میں سے سیدنا ابن عربی شیخ اکبر کا یہی مسلک ہے۔

اپنشدوں کی شروح اور اچاریہ

شنکر اچاریہ کے علاوہ متعدد، لوگوں نے اپنشدوں کی شرحیں لکھی ہیں مگر چار حضرات کے مدارس فکر نے شرف قبولیت پایا:۔
شنکر اچاریہ، رامانج، مدھوا اور ولبھ۔ مگر قبول عام کی مسند صرف اچاریہ کی ہے۔

شنکر اچاریہ کا دنیا کے عظیم حکماء اور مفکرین میں شمار ہوتا ہے۔ عمر صرف بتیس سال پائی مگر اس مختصر زندگی میں دس اپنشدوں، برہم سوتر اور بھگوت گیتا کی جو معرکۃ الآراشرحیں لکھی ہیں انکی وجہ سے اس عظیم مفکر کا نام قیامت تک زندہ رہے گا۔

مغرب کے بہت سارے مفکرین اس کے خوشہ چین ہیں فختے (Fichte) اس حد تک متاثر ہے کہ
''تصوف مشرقی اور مغربی'' میں پروفیسر ریوڈالف اوٹو نے لکھا ہے ''اگر کوئی شخص فختے کے افکار کا بغور مطالعہ کرے گا تو اسے یہ محسوس ہوگا کہ اس جرمن مفکر کے قالب میں شنکر کی روح آگئی ہے'' نویں صدی عیسوی سے لیکر آج تک بھارت کے ویدانتی ڈاکٹر رادھا کرشنن سمیت اسکے پیروکار ہیں۔

شنکر کا فلسفہ

شنکر کا فلسفہ ''اودیت ویدانت کے نام سے مشہور ہے یعنی ویدانت کی وہ تشریح و تعبیر جس میں دوئی (ثنویت) کا شائبہ تک نہیں ہے چونکہ اس کا فلسفہ ویدانت پر مبنی ہے لہذا پہلے ویدانت کے چند اصول پیش خدمت ہیں۔ا۔حقیقت صرف ایک ہے جسے برہمن کہتے ہیں اسی سے کائنات صادر ہوئی ہے۔وہ واجب الوجود ہے یہی حق ہے وہ نہ مخلوق ہے نہ مولود ہے نہ معلول ہے، ازلی ہے ابدی ہے ہر شے کی بنیاد و اصل ہے اس سے جدا ہو کر ہر شے معدوم ہو جاتی ہے کوئی شے مستقل بالذات نہیں بلکہ ہر شے کی حقیقت اضافی اور عارضی ہے۔

۲۔ہر شے غیر حق ہے کہ یہ پہلے نہیں تھی پھر موجود ہوئی پھر معدوم ہو جائے گی تو جود و عدموں کے درمیان ہے تو اسکی ہستی اضافی اور اعتباری ہوتی ہے لہذا کائنات سنسار (حرکت و تغیر) ہے جو حرکت و تغیر سے عبارت ہے لہذا جو کچھ اس میں ہے اسے ثبات، قرار یا دوام نہیں ہے اسی کو اسلامی فلسفے میں حادث کہا جاتا ہے۔

۳۔برہمن (خدا حق ہے ادراک و شعور اور سعادت یعنی واجب الوجود، علیم، خبیر، غنی اور صمد ہے ہر شے کی اصل ہے اسی کے سہارے ہر شے کا قیام ہے وہ کائنات میں جاری و ساری بھی ہے اور اس سے جدا بھی ہے وہ ازلی۔ابدی اور غیر محدود ہے وہ واحد ہے مگر اپنی مرضی سے اپنے آپ کو کائنات کی کثرت میں ظاہر فرما رہا ہے۔

۴۔انسان اپنی تقدیر کا خود معمار ہے کہ اپنی مرضی سے اپنے آپ کو سکھی بنائے یا دکھی، جب انسان اپنے وجود کے اعلی قوانین سے انحراف کرتا ہے تو گناہ یا بدی کا ظہور ہوتا ہے لہذا برہمن بدی اور شر کا خالق نہیں ہے عرفان سے پتہ چلتا ہے کہ جسے میں باہر تلاش کر رہا تھا وہ میرے اندر یعنی انائے مقید، بلحاظ وجود عین انائے مطلق ہے یہ مقام حاصل ہو تو پھر دنیا قریب نظر دکھائی دیتی ہے لیکن جب تک دوئی کا احساس باقی ہے کائنات کا خارجی وجود تسلیم کرنا لازمی ہے اور سماجی قانون، اخلاق، معاشرتی رسوم اور مذھب (دھرم) کی پابندی ضروری ہے۔

۵۔انائے مقید (کائنات کی ہر شے انسان سمیت) انائے مطلق ہے متعین ہونے کی وجہ سے مقید ہو گیا ہے لہذا ہر شے غیر خدا ہے لہذا حلول کا فلسفہ باطل ہے۔خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس نظریہ میں شنکر اچاریہ، شیخ اکبر، امام رومی، علامہ اقبال (علیہم الرحمۃ) متفق الخیال ہیں کہ عینیت کے ساتھ غیریت بھی موجود ہے۔

آپ ان نظریات کو ارمعان نظر سے مطالعہ فرمائیں آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ قرآن و سنت کے نظریات ہیں۔تصوف کے میدان میں ہمارے اسلاف نے یہی کچھ تحریر فرمایا ہے لہذا ہمارا یہ دعوی مبنی بر حقیقت ہے کہ سب مذاہب کی بنیاد عقیدہ توحید اور حسن اخلاق پر ہے۔

Marfat.com

شنکر اور اپنشدوں کی تعلیمات

۱۔ برہمن یا پرم آتما صرف ایک ہے وہ وجود خالص ہے جسے ہم شعور، اور ادراک یا فکر خالص کہہ سکتے ہیں وہ صاحب ادراک نہیں ہے بلکہ خود ادراک ہے خود فکر ہے وہ بسیط اور اجزاء سے پاک ہے، دنیا برہمن کی قدرت کا کرشمہ ہے انسانی عقل سے باہر ہے اس قدرت کا اصطلاحی نام مایا ہے۔ یہ مایا مبدء توھم ہے کیونکہ نہ یہ وجود ہے اور نہ ہی عدم ہے یہ وجود حسی یا وہمی ہے بظاہر مشہود اور بباطن معدوم ہے۔

۲۔ جب برہمن کی شان تخلیق کا ہم اعتبار کرتے ہیں تو اسے ایشور (خالق) کہتے ہیں، اور تخلیق اسکے سہارے سے قائم ہے۔ ویدانت میں حلول یا اتحاد کی تعلیم نہیں دوئی کی نفی ہے ہر شے سے خدا ظاہر ہوتا ہے مگر کوئی شے خدا نہیں، فنائے نفس کا مطلب ہے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ میں تبدیل کیا جائے یعنی آتما (نفس) کو اتنا بلند کیا جائے کہ وہ پرم آتما (خدا) سے ہم آہنگ ہو جائے اور ساری کائنات قدموں میں آجائے، نفس پر جب یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ خدا کہ سوا اس کائنات میں کسی کا وجود نہیں ہے تو پھر کسی مادی شے کی خواہش ہی نہیں رہتی۔

۳۔ علم استدلال سے خدا تک نہیں پہنچ سکتے حقیقی علم (ودّیا) ہے یہی نظریہ شنکر کے علاوہ فلاطینوس، شیخ اکبر، سعدی، رومی، جامی، اور اقبال (علیہم الرحمۃ) کا ہے۔

شنکر کے فلسفہ کی اہمیت

شنکر کے فلسفہ میں مفکرانہ جرات بھی ہے اور منطقیانہ ذکاوت بھی، بلند پایہ عقلیت بھی ہے اور حریت فکر بھی، لہذا دنیائے عقل میں اس کا نظام بیحد مقبول ہے، مفکرین نے تسلیم کیا ہے ویدانت کا کوئی مکتب فکر اس کا ہم پلہ نہیں ہے۔ ہم آہنگی، کاملیت اور گہرائی میں وہ سب ھندی مدارس کا سرتاج ہے یہی کچھ ڈاکٹر تھی باٹ Thibaut اور ایلیٹ Eliot نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ کوئی نظام فکر اس کا مدمقابل نہیں ہے صرف مختصر خلاصہ ملاحظہ فرمالیں۔

برہمن (خدا)

حقیقت سے رابطہ مشاہدے سے ہوسکتا ہے قیاس اور استدلال سے نہیں یہ وجدانی مسئلہ ہے اسکی تعریف اسکی تحدید [illegible] ہے وہ حواس کی گرفت سے بالا ہے پھر اسکی منطقی تعریف کیسے ہو ایک کہنا بھی تحدید کہ ایک صورت ہے لہذا ہم اسے لاثانی کہیں گے وہی وجود مطلق ہے اس عالم کا قیام اسی وجود سے ہے وہ ذات اقدس ازلی، ابدی، واجب الوجود، قائم بالذات، یکتا، مستقل ہے اضافات وتعینات کی بنا پر وجود مطلق مختلف اشکال میں ظاہر ہوتا ہے اشیائے کائنات اسکے مظاہر ہیں۔ یہ [illegible] (وجود) سراپا ادراک و شعور ہے یہ وہ نور ادراک ہے جس سے یہ عالم شعور [illegible]

Marfat.com

شک وانکار نہیں ہوسکتا

اپنی ذات کے شعور سے یقین کامل حاصل ہوتا ہے ہم ہر شے کے وجود میں شک کر سکتے ہیں اس کا انکار بھی کر سکتے ہیں لیکن اپنے وجود میں نہ شک ہے نہ انکار، ہم اپنے وجود کا انکار کریں تو ایک منکر ہمارے اندر پیدا ہو جائے گا جو یہ انکار کر رہا ہے معدوم نہیں کر سکتا تو پھر آتما (روح) کا وجود بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں ہے تو پھر حقیقت اصلیہ مجہول نہیں ہے کیونکہ وہ ہماری خودی کا اصل ہے۔

۱۹۔ برہمن وجود مطلق، لامتناہی شعور اور سعادت اعلیٰ ہے یہی برہمن کی ذات ہیں وہ مدرک بالذات ہے جب اس کا تصور بحیثیت برہمن کرتے ہیں تو اسے نرگن برہمن (بغیر صفات) کہتے ہیں لیکن جب اس کا تصور بحیثیت خالق کرتے ہیں تو اسے سوگن (صاحب صفات) یا ایشور کہتے ہیں، برہمن اور ایشور ایک ہی ہستی کی دو شاخیں ہیں۔

کائنات کیا ہے

کائنات اسلئے حقیقی نہیں کیونکہ حقیقی صرف برہمن (حق) ہے معدوم اس لئے نہیں کہ وہ مشہود محسوس ہے عدم کو نمود حاصل نہیں ہوتا پھر اس کا وجود حسی یا وہمی ہے، وجود یا تو حقیقی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ہے یا حسی وہمی ہوتا ہے جس طرح کائنات کا ہے۔ یا وجود ذہنی ہوتا ہے جس طرح خواب میں شکلیں ہوتی ہیں، وجود وہمی یا اختراعی (مثلاً بانجھ عورت کا بیٹا ہونا) کائنات موہوم ہے یہ فریب نظر ہے۔

آتما (خودی) فریب نظر نہیں خود برہمن ہے جو بشکل آتما نظر آرہا ہے یعنی پرآتما (خدا) تعین پا کر آتما (خودی) بن جاتا ہے تو انا (خودی) باطل نہیں حق ہے گیان (عرفان) دھیان (مراقبہ) اور سمادھی (استغراق) سے کام لیکر آتما اور پرآتما کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ پھر من تو شدم کا اظہار ہوتا ہے۔

تعلیمات شنکر کا خلاصہ

۱۔ حقیقت اصلی صرف اللہ تعالیٰ ہے وہی واجب الوجود ہے کائنات کے مشہود ہونے کا سبب وہی ہے سنسار (عالم) اسکی مایا (قدرت تخلیق) کا کرشمہ ہے وہ اپنی مایا سے نیست کو ہست کرتا ہے (اگر وہ اپنی مایا روک لے تو یہ عالم غائب ہو جائے۔ وہی واحد، موجود حقیقی بشکل خودی ظاہر ہوتا ہے تعین کی وجہ سے ہم اسے خود سمجھتے ہیں، عالم حق نہیں متھ (فریب نظر) ہے۔

۲۔ خودی عین حق ہے تعین پا کر خودی بنکر ایک الگ وجود بن گیا ہے اسکی مثال اندھیرے میں رسی ہے جسے سانپ سمجھ لیا گیا ہے۔ کائنات وجود حسی کے لئے خدا کی محتاج ہے لیکن خدا اپنے وجود کے لئے کسی کا محتاج نہیں اسی مسلک کو Appearance کہتے ہیں جسے اردو میں ظہور یا بروز کہتے ہیں مگر خودی ایشور کی ایک شان یا تغیر یا تحدید ہے اسے انگریزی میں Modification

Marfat.com

کہتے ہیں۔
۳۔برہمن اگر چہ کائنات کی اساس Ground ہے مگر وہ اس سے وراء الوراء ہے وہ غیر متغیر ہے، کائنات ہر دم متغیر ہے برہمن کی ذات علت ومعلول سے بھی پاک ہے یہ سلسلہ کائنات میں ملتا ہے یہ عالم خواب نہیں، خواب میں نظم وترتیب نہیں ہوتی جبکہ کائنات ایک نظم وترتیب سے عبارت ہے۔
۴۔دنیا ہے کیا، ہم اس راز کو نہیں پا سکے یہ حواس خمسہ سے محسوس ہوتی ہے، لہذا معدوم نہیں ہے مگر غور وفکر سے پتا چلتا ہے کہ اسکی کوئی حقیقت نہیں تو پھر اصلاً یہ معدوم ہے تو پھر یہ واقعی اور رسمی ٹھہری۔

ایک سوال

حقیقت اقصیٰ یا خدا جو واجب الوجود، قدیم اور واحد ہے اس کا اس کائنات سے کیا تعلق ہے جو غیر حقیقی ہے ممکن ہے حادث اور کثیر ہے؟
جواب:۔شنکر کے سارے متبعین وشارحین متفق ہیں کہ خدا اور کائنات کے درمیان ربط کو ہم ہر گز نہیں سمجھ سکتے یہ انسانی طاقت سے باہر ہے، کوئی شخص نہیں بتا سکتا کہ یہ دنیا خدائے قدوس سے کیسے ظاہر ہوئی، اللہ کریم اور کائنات میں تباین، تخالف، اور تضاد ہے لہذا اس سلسلہ میں سب انسانی کاوشیں بے کار ہیں سب حکماء نے اپنی بے چارگی کا اعراف کیا ہے یہ بیچارگی ہی مایا ہے۔

مایا کے معانی

۵۔یہ کائنات کیا ہے جواباً عرض ہے کہ یہ ایشور (خالق) کی مایا ہے، اس کی ابتداء، انتہاء ماھیت، نوعیت، اسکے ظہور، فروغ، حسن و جمال اور اس کی بے ثباتی سب انسانی فہم سے بالاتر ہیں۔دوسرے معنی میں مایا ایشور کی قدرت ہے جس کی وساطت سے وہ ہر شے سے ظاہر ہو رہا ہے۔اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مایا صور علمیہ یا اعیان ثابتہ کے مجموعے کا نام ہے جس سے کائنات کا صدور وظہور ہوتا ہے۔

خدا اور خودی

۶۔خدا اور خودی کے باہم ربط کو بھی ہم منطقی انداز سے بیان نہیں کر سکتے، عرفان کے لئے ہمیں منطقی استدلال سے کچھ حاصل [illegible] اوذیا (جہالت) کے طلسم کو باطل کرنا ہوگا، مایا کے سبب سے یہ سنسار ہمیں ست معلوم ہوتا ہے۔اودیا (جہالت) کے سبب سے خودی ہمیں غیر حق معلوم ہوتی ہے۔
۷۔ہم مایا کا ابطال نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایشور کی سچائی ہے ہم ایشور سے نہیں پوچھ سکتے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے کوئی نہ ٹوک سکتا ہے نہ روک سکتا، ہمیں جہالت (اودیا) کو دور کرنا ہوگا پھر پتا چلے گا کہ انائے مقید اور انائے مطلق (خدا) میں بحیثیت وجود کوئی غیریت نہیں، سورج گرہن کے وقت سورج کے درمیان زمین حائل ہوگئی ہے ورنہ سورج تو

Marfat.com

سومت سے چاند تارے اور سورج کے درمیان سے ہٹ جائے گا تو راز کھل جائے گا اسی طرح اگر آتمائے مطلق اور آتمائے مقید کے درمیان سے جہالت (اودیا) کا پردہ ہٹ جائے گا تو ان میں غیریت نہیں رہے گی۔

اودیا (جہالت) کیسے دور ہو

شری شنکر نے عمل دستور میں پیش کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ عقیت کے ساتھ روحانیت میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ ویراگ یعنی دنیا سے بے رغبتی ان امور سے قطع تعلق کرنا جو خدائے کریم سے غافل کردیں یعنی تجلی ہو، ویراگ چار باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۔ فانی اور باقی میں تمیز کرتے ہوئے فانی سے قطع نظر کرنا۔ ۲۔ لذات دنیوی سے کنارہ کش ہونا۔ ۳۔ اپنے اندر یہ چھ صفات پیدا کرنا۔ سکون قلب۔ پرہیزگاری، لایعنی امور ترک کرنا، ہمیشہ مردانہ، یکسوئی اور ذوق یقین۔ ۴۔ حریت کاملہ کا حصول۔

۲۔ تزکیہ نفس، کے تین مراحل ہیں: ا۔ مرشد کامل کی صحبت اختیار کی جائے۔ ب۔ ذکر وفکر۔ تفصیل یہ ہے سب سے پہلے موجود ہے ہندی صداقت کا علم حاصل کیا جائے پھر یہ قال حال بن جائے۔

ج۔ مراقبہ (دھیان) دل کی آنکھ سے اس کے درشن کرو کیونکہ مقصود صرف علم خدا نہیں دیدار خدا ہے، یعنی یہ مشاہدہ کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی نہیں ہے۔

اس مشاہدے سے اسے حقیقی حریت حاصل ہوتی ہے اور سارے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں صرف ذات خدا کا خوف رہ جاتا ہے کسی سے اس کے بغیر توقع نہیں رہتی اب حریت نفس میں کامل ہو کر وہ مخلوقات کی خدمت میں لگ جاتا ہے جس سے اسے حق الیقین حاصل ہوتا ہے کہ ہر شے مظہر ذات ہے جس میں اسے اپنا محبوب نظر آرہا ہے اب وہ سب سے محبت کرتا ہے کہ غیر کوئی نہیں ہے۔ جب سب میں اسی کا جلوہ ہے تو پھر کسی سے عداوت نہیں نفرت نہیں وحدۃ الوجود کا یہی فائدہ ہے کہ سب کی خدمت ہے سب سے الفت ہے کسی سے نفرت نہیں کسی سے عداوت نہیں سب مظہر خدا ہیں ایک لڑی کے موتی ہیں۔

ویویک چودامنی

شری شنکر کی مایہ ناز تصنیف ہے چند نظریات خلاصہ کے طور پر ملاحظہ ہوں:

۱۔ خدا کا عرفان صاحب عقل اور ذہین وفطین کو حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ اسے اس کا شوق ہو۔

۲۔ اطمینان قلب سے محروم، دنیا کا قیدی، تزکیہ نفس سے محروم، حواس پر کنٹرول نہ کر سکنے والا اور مشاہدہ و مراقبہ نہ کر سکنے والا عرفان سے محروم رہتا ہے۔ ۳۔ حصول عرفان کے لیے یکسوئی اور توجہ اشد ضروری ہے۔

Marfat.com

۴۔ اگر مقصود خدا (برہمن) ہو تو اس سے محبت کرو اسکی یاد سے لذت حاصل کرو اسی طرح حواس پر قابو ہوگا اس نعمت سے من (نفس امارہ) قابو آئے گا۔ من قابو آئے تو خود بینی اور تکبر سے رہائی ملے گی۔ خود بینی جائے تو خدا بینی حاصل ہوتی ہے۔

۵۔ خدا تمہارے اندر موجود ہے اس کا دھیان (مراقبہ) کرو۔ یقیناً تمہیں مل جائے گا۔ تم اسکی ذات میں کھو جاؤ گے۔

۶۔ تصوف کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اندر اور باہر اسکے درشن ہونگے۔

۷۔ مرشد رہنمائی تو کرے گا مگر اودیا (جہالت) کے سمندر سے نکلنے کے لئے تمہیں خود مجاہدہ کرنا ہوگا جب مجاہدہ کرو گے تو فضل خدا تمہارا ہاتھ پکڑے گا۔

۸۔ خدا ہر طرف جلوہ گر ہے دل کی آنکھ کھولو تا کہ جہالت دور ہو اور ہر شے میں اس کا دیدار کرو۔

قارئین آپ نے ملاحظہ فرمایا یہاں صرف توحید ہے اور یہی کچھ اسلام اور ہمارے صوفیہ نے کہا ہے اگر ہندو برادری شنکر صاحب کی تعلیمات کو اپنائے تو تو وہ اسلام کے بہت قریب آسکتی ہے ھندو مفکرین قوم کو بت پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لائیں تو یہ انسانیت کی خدمت ہوگی۔

شریمد بھگوت گیتا اور توحید و تصوف

ہندو کہتے ہیں کہ شری کرشن مہاراج نے مہابھارت کی جنگ میں ارجن کو اپدیش دیا تھا رشی ویاس نے اسے کتابی صورت دیدی اور اس کا نام بھگوت گیت رکھا عرف عام میں یہ بھگوت گیتا ہے یہ پانچویں صدی قبل مسیح سے لیکر دوسری صدی مسیحی تک لکھی گئی تھی۔

اس کتاب میں فلسفہ (برہم ودیا) بھی ہے اور تصوف (یوگ شاستر) بھی دونوں پہلوؤں کا اس میں بیان ہے کہ حقیقت (خدا) کیا ہے اور انسان اس تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی کے تین راستے بتائے گئے ہیں:۔ ا۔ طریق علم (جنان مارگ) ب۔ طریق عشق (بھگتی مارک) د۔ طریق عمل (کرم مارگ)

ہندو ویدوں کو مذھب کی اگرچہ بنیاد مانتے ہیں مگر ان کی مرکز توجہ یہ تین کتابیں ہیں:۔ اپنشد، برہم سوتر اور گیتا، وہ انہیں پرستھان تریا (تین بنیادی کتابیں) کہتے ہیں، گیتا کے بنیادی تصورات اپنشدوں سے لئے گئے ہیں، ایشور، سنسار اور آتما کے بارے میں وہی تعلیم ہے جو اپنشدوں میں ہے۔

شری کرشن نے گیتا میں خدا، خودی اور کائنات کے بارے جو تعلیم دی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے

Marfat.com

گیتا کی اصل روح

۱۔اس فانی دنیا کی دلچسپیوں اور لذتوں سے قطع نظر کر کے خدا (پر آتما) سے لو لگاؤ، اسے محبوب بناؤ، دوسروں کو فائدہ پہنچاؤ، کسی شخص سے اپنی نکوکاری کے معاوضے کی توقع نہ رکھو، عمل بے غرض رکھو۔

۲۔خدا تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں لہذا دوسروں پر اعتراض نہ کرو، اصل محبت الٰہی ہے، خدا کا سچا طالب کسی کو برا نہیں کہتا سب کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۳۔جو خدا سے ملنا چاہتا ہے اسے رضائے خدا کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہوگا یہی شرنا گتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر شے میں پوشیدہ اور ہر شے سے ظاہر ہے۔

پرم آتما (خدا)

گیتا کی تعلیم یہ ہے کہ کائنات میں حقیقی معنی میں کوئی شے موجود نہیں ہے، یہ سب خدا کی جلوہ گری ہے، یہی وحدۃ الوجود ہے ہر شے مظہر ذات وصفات ہے سورج میں اسی کی چمک اور پھول میں اسی کی مہک ہے ہر طرف وہی جلوہ گر ہے، ذرا ان عبارات کو ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔سورج کی چمک دمک میرا ہی نور ہے چاند کی چاندنی میں، میں ہی ہوں آگ میں گرمی اور روشنی میرے ہی دم سے ہے۔

۲۔سب کے دلوں میں پوشیدہ ہوں انسانوں میں قوت حافظہ اور قوت ادراک مجھی سے ہے۔(15-15)

۳۔اے ارجن خوب سمجھ لے میرے سوا کسی کا وجود حقیقی یا اصلی نہیں ہے جس قدر موجودات نظر آتے ہیں یہ سب مجھ سے کم تر ہیں اور میں تمام مخلوقات کو قائم رکھے ہوئے ہوں جیسے تاگا موتیوں کو ایک لڑی میں قائم رکھتا ہے یعنی میں قیوم، عالم ہوں (7-7)

۴۔ اے ارجن، میں ہی پانیوں میں ذائقہ (رس) ہوں، چاند سورج میں نور ہوں، میں ہی فضائے کائنات میں آواز ہوں میں ہی مردوں میں مردی ہوں (7-8)

۵۔میں ہی مٹی میں خوشبو ہوں میں ہی آگ میں روشنی ہوں اور گرمی ہوں ہر ست میں زندگی ہوں اور زاہدوں میں زہد ہوں۔

۶۔(اے ارجن) میں ہی تمام موجودات کا ازلی بیج (اصل کائنات) ہوں میں ہی صاحبان ادراک میں ادراک (بدھی) ہوں اور میں ہی اشیاء کی تابش ہوں 7-10

۷۔موجودات کی جتنی حالتیں ہیں (وہ تین ہیں) خواہ ست گن (نیکی، اطمینان، اعتدال) کی حالت، یا رجس (جذبات) کی یا

Marfat.com

کی زبان سے نکل کے رحمت اور جمال بن جاتا ہے تو آپ قرآن کے احیاء کے لیے نہیں وہ تو ہمیشہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اپنے احیاء کے لیے علم قرآن کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔

اب تک قرآن پر بات ہو رہی تھی اب قرآنی علوم پر بات کرتے ہیں کہ اس نے کس کس انداز سے انسان کی رہنمائی کی ہے عقیدے کی دنیا میں، عمل کی دنیا میں، سیاست کی دنیا میں، اقتصادیات کی دنیا میں، بین الاقوامی تعلقات کی دنیا میں، فرد سے لے کر امور سلطنت کے چلانے تک کی دنیا میں، قانون کی دنیا میں، تعلیم و تربیت کی دنیا میں، فوج کی دنیا میں، قرآن نے کسی موضوع کو ادھورا نہیں چھوڑا۔ ویسے بھی آپ جب قرآن پڑھ کے فارغ ہوتے ہیں اور کھلے دل و دماغ کے ساتھ اسے پڑھ رہے ہوتے ہیں تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ایک چھوٹا سا تنکا ہوں۔ مجھے خود یہ احساس ہوتا ہے میں نے خود ان علوم کو پڑھا ہے انسان ساری زندگی طالبعلم رہتا ہے علوم کا کنارہ پاتا نہیں لوگ تو کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے یہ پڑھا ہے شاہ صاحب نے وہ پڑھا ہے پانچ مضامین میں ایم اے کیا ہے۔ دینی علوم پڑھے ہیں یہ ساری باتیں ٹھیک ہیں لیکن جب میں قرآن پاک کے مطالعہ کے لیے جاتا ہوں تو بہنو اور بھائیو! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک وسیع سمندر میں ایک تنکا ہوں۔ اس کا کنارہ کہاں ہے مجھے نہیں پتہ۔ البتہ اسکی لطافتیں میں محسوس کر رہا ہوں اور انہی لطافتوں کے سہارے میں جی رہا ہوں۔

(و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمين)

Marfat.com

تمس (سستی، کاہلی، برائی) کی، ان سب حالتوں کا تعلق میری ہی ذات سے ہے مگر میں ان صفات سے بالاتر ہوں یہ مجھ سے

ضرور ہیں مگر میں ان سے متاثر نہیں ہوں فطرت کے ان تینوں گنوں (پہلوؤں سے دھوکا کھا کر لوگ مجھ سے غافل ہو جاتے ہیں میں ان مادی صفات سے بالاتر ہوں اور قابل فنا نہیں ہوں لازوال ہوں (7-13)

۸۔ رے ارجن! خدا کی ذات ازلی اور ابدی ہے، نہ اسکی ابتدا ہے نہ انتہاء اور وہ ست اور است دونوں مقولوں سے بالاتر ہے اس کا چہرہ چاروں طرف ہے اسی کے ہاتھ پاؤں چاروں طرف ہیں، اسکی آنکھیں ہر طرف ہیں وہ سارے عالم کو محیط ہے (13-13)

یہی تو اسلامی تصوف ہے

۹۔ مجھی سے سارے دیوتاؤں اور رشیوں کی ہستی ہوء ہے۔ مجھی سے ہر شخص کو وجود ملا ہے۔ 10-2
جو مجھے پہچان لیتا ہے۔ دھوکے اور بدی سے پاک ہو جاتا ہے۔ (10-3)

۱۰۔ فہم، علم، معرفت، عفو، صبر، صداقت ضبط نفس، اطمینان، راحت و رنج، لذت والم، ہستی و نیستی شجاعت اور خوف، قناعت اور زہد تسلیم ورضا (سنتوش) شہرت، خواص (بھاؤ) مجھی سے پیدا ہوئے ہیں ان کا مبدا میری ہی ذات ہے۔ 10-4-5

۱۱۔ اے ارجن! میری صفات (وبھوتیوں) کی کوئی حد نہیں ہے، میں ہر انسان کے اندر آتما (خودی) ہوں میں ہی سب پرانیوں (جانداروں) کی پران ہوں میں ہی سب جانداروں کا اول درمیان اور آخر ہوں۔ (20,19,10)۔

ھوا لاول والآخر والظاہر والباطن کا نظریہ بیان ہوا۔

۱۲۔ میں ہی سورج میں ہوں، میں ہی اندر میں ہوں، میں ہی من ہوں، میں ہی انسانوں میں شعور ہوں میں ہی سام وید ہوں شنکر میں ہوں، میں اوم ہوں، ہمالیہ میں ہوں، میں آغاز ہوں، میں انجام ہوں، میں زمان و مکان ہوں، میں پھولوں کی بہار ہوں، میں صداقت ہوں، میں دانائی ہوں، میں قوت و جلال ہوں، مجھی سے یہ سارا جہان معمور ہے، میرے ظہور کی کوئی انتہا نہیں ہے میں قیوم کائنات ہوں 10- 21 تا 42

شاند ھندوؤں نے مظاہر کا اس طرح بیان پڑھ کر انہیں معبود بنالیا ہو اور اس طرح بت پرستی کا آغاز ہو گیا ہو، جو پھیل کر وہ شکل اختیار [illegible] موجود ہے۔

۱۳۔ فاعل حقیقی خدا ہی ہے اگر تم اپنے آپ کو فاعل حقیقی سمجھتے ہو تو تم جہالت میں مبتلا ہو ایسا سمجھنا تکبر کی نشانی ہے 3-70
انسان کو لازم ہے کہ اپنی زندگی خدا کے لئے بسر کرے 3/27

۱۴۔ آتما (روح) قائم، دائم، لازوال ہے حوادث سے متغیر نہیں ہوتی اور نہ اسے موت آتی ہے 2/18 سب راستے خدا تک پہنچ سکتے ہیں 4-11 جو خدا کو مقصود بنائے گا وہ اسے ضرور پائے گا 9-25 خدا سے محبت کے لیے کسی ذات کی قید نہیں (9-32 تا 30) عارف وہ ہے جس کی نظر میں سب یکساں ہوں جو

Marfat.com

دوسروں کے دکھ سمجھے اور ہردم اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہے، جب عارف کو اطمینان قلب ہو تو یہی وصال ہے عرفان دل کا توازن ہے۔

۱۵۔کوئی شخص جب یوگ (تصوف) اختیار کر کے تزکیہ نفس کرلیتا ہے تو اسے خدا کا دیدار نصیب ہوتا ہے یہ قیام بالحق (برہم استھ) ہے۔

عارف ہی انسان کامل ہے اسے یوگی (واصل باللہ) بھگت (طالب مولیٰ) جنانی (عارف) اور استھ برجنیۃ (مستولی علی الحکمہ) کہتے ہیں۔

انسان کامل

انسان کامل وہ ہے جس کی نگاہ میں دکھ اور سکھ برابر ہو جائیں، نہ اسے کبھی غصہ آئے، نہ وہ کسی سے ڈرے، نہ دنیا کی کسی شے سے دل لگائے یہ تھا گیتا کی تعلیمات کا خلاصہ۔ یہ آپ نے جان لیا کہ یہ اپنشدوں کی تعلیمات کا ہی خلاصہ ہے، اپنشد اگر باغ ہیں تو گیتا اس باغ کے پھولوں کا گلدستہ ہے، گیتا میں ویدانتی تصوف کے سب اسرار و رموز بیان ہوئے ہیں خلاصہ یہ ہے۔

گیتا کے تصوف کا خلاصہ

۱۔دل فانی دنیا سے نہ لگاؤ

۲۔اللہ تعالیٰ کو اپنا مقصود بنالو۔

۳۔اللہ کریم سے محبت کروتا کہ اسے حاصل کرسکو۔

۴۔خدا اپنے عاشقوں کے دلوں میں رہتا ہے۔

۵۔جو اسے چاہتا ہے وہ اسے اپنے درشن دیتا ہے۔

۶۔ساری زندگی اسکے لئے بسر کرو۔

۷۔اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے نیک اعمال بجالاؤ

۸۔سب انسانوں سے محبت کرو۔

۹۔یہ دنیا خدا کی جلوہ گاہ ہے ہر شے مظہر خدا ہے۔

۱۰۔عارف کو ابدی مسرت اور سعادت حاصل ہو جاتی ہے یہی تصوف کی روح ہے اور یہی گیتا کا فلسفہ و تبلیغ ہے۔

ہم نے اپنشدوں کا پیش کردہ تصوف، برہم سوتر کا خلاصہ، شنکراچاریہ کی تعلیمات اور گیتا کے نظریات انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کردیئے ہیں ھندوؤں کے ہاں اپنشد برہم سوتر اور گیتا انتہائی اہم کتابیں اور معتبر لٹریچر ہیں اور یہی ہر دور میں تصوف کا منبع

Marfat.com

رہی ہیں، آپ نے دیکھا ان میں توحید خالص ہے، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے انسانیت کی نجات کا سامان ہے اللہ کریم سے محبت کا درس ہے، غریب پروری ہے انسانیت نوازی ہے، وحدۃ الوجود ہے، وحدۃ الشہود ہے، تزکیہ نفس ہے، افکار کی پاکیزگی ہے یعنی وہ سب کچھ ہے جو اسلام نے بڑی حفاظت سے پیش کیا ہے پھر ھندو معاشرہ ان اصولوں سے کیوں کٹا اور راہ ہدایت سے کیوں ہٹا اس پر غور ضروری ہے انہیں اپنی اصلیت کی طرف پلٹنے کی دعوت دینا بیحد ضروری ہے۔

ھندو شرک کے راستے پر

آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ھندو رہنما توحید پرست تھے انکی انتہائی معتبر کتابیں توحید سے لبریز ہیں پھر ھندو بت پرستی کی طرف کیوں مائل ہوئے، ہم سمجھتے ہیں کہ مظاہر فطرت کی جس انداز سے عظمت انکی کتابوں میں بیان ہوئی تھی وہ انہیں مناظر و مشاہد سمجھنے کی بجائے عین خدا سمجھنے کی غلطی کھا گئے، اور اس طرح آہستہ آہستہ ان میں بت پرستی راہ پانے لگ گئی۔

پھر چونکہ مناظر فطرت بے شمار تھے لہذا وہ سب کے سب معبود ٹھہرے حتی کہ انسانی شرم گاہوں کی عبادت ہونے لگی کیونکہ وہ تخلیق کا ایک سبب تھیں، بتوں کی وہ فراوانی ہوئی اور انکی یوں عبادت ہوئی کہ انسانیت شرم سے منہ چھپانے لگ گئی، ہر گھر بتوں سے بھر گیا، ایک دور تاریخ ھند پر وہ بھی گزرا ہے کہ ہر ھندو کے حصے ساڑھے چار خدا آتے تھے، ایک جدید محقق کہتا ہے کہ ھندو کے ہاں ۳۳ کروڑ بت ہیں ملاحظہ ہو اسلام اور مذاہب عالم صفحہ ۴۳ از اسرار الرحمن

عربوں میں بھی اسلام سے پہلے بت پرستی تھی خود کعبہ مقدسہ بتوں سے بھرا پڑا تھا مختلف کاموں کیلئے مختلف خدا تھے مگر ھندو عربوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے اور بتوں کی وہ دنیا بسائی کہ انسانیت بھارت میں سرنگوں ہوگئی۔

اس دور زوال میں بھی ھندوؤں میں بہت سے دانشور پیدا ہوئے مگر انہوں نے یا تو قوم کو اپنے رہنماؤں کی تعلیمات کی طرف موڑنے کی کوشش نہیں کی یا وہ اس گمراہی کو خود بھی قبول کر بیٹھے۔ اور اس گنگا میں خود بھی نہانے لگ گئے۔

ایک حد تک ھندو جوگیوں نے گیان دھیان کا عمل جاری رکھا مگر توحید کا وہ تصور جو ویدوں اپنشدوں اور گیتا میں تھا وہ انکی زندگی سے نکل گیا ان مناظر فطرت میں یوں گرے کہ وہی مقصود ٹھہرے۔

اسلام آیا تو اس نے عربوں کے ذہنوں اور دلوں سے بت نکالے اس نے بت فروش نہیں بت شکن پیدا کئے اسکی تعلیمات کا لاشعوری اثر یہود اور عیسائیوں نے بھی قبول کیا اور وہ سیدنا عزیر اور سیدنا عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنے سے کنی کترانے لگے یا تاویلات کا سہارا لینے لگ گئے مگر ھندو جہاں کھڑا تھا اسلام کی ضیاء باری کے بعد بھی وہیں کھڑا رہا اور چمگاڈروں کی طرح روشنی سے منہ موڑتا رہا، آج تک وہی انداز جاری ہے۔

سید کائنات علیہ السلام نے انکی اس فطرت کا مشاہدہ فرمایا، ارشاد ہوا میری امت کے سب سے افضل مجاہد وہ ہیں جو میرے ساتھ

مل کر جہاد کر رہے ہیں پھر وہ ہوں گے جو سیدنا امام مہدی کے ساتھ مل کر جہاد کرینگے پھر وہ ہوں گے جو ہندوستان کے خلاف جہاد کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ محض انکی بت پرستی کی وجہ سے ہے،

کرنے کا کام

مسلمانوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ ھندوؤں کی اصل تعلیمات کو انکے لکھے پڑھے لوگوں میں عام کیا جائے درس توحید دیا جائے، انکی خودی کو بیدار کیا جائے رحمت عالم ﷺ کے بارے میں انکی کتابوں کی پیش گوئیوں کو ان میں پھیلایا جائے تاکہ یہ حقیقت کی طرف واپس پلٹیں، اور اخلاق محمدی کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ ویدوں اور اپنشدوں کی تعلیمات کا آئینہ انہیں دکھا کر انکے موجودہ تصوف واخلاقیات کو زندہ کر کے انہیں حقیقت اصلیہ (اللہ تعالیٰ) کے لئے کھڑا کیا جائے اور ان کو بتایا جائے کہ اب اس حقیقت کی طرف جانے کا واحد راستہ رسول عربی علیہ السلام کی اطاعت اور اتباع ہے <u>اللھم وفقنا لما تحب و ترضی</u>

☆☆☆☆☆

Marfat.com

یونانی تصوف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھندی تصوف کے بعد یونانی تصوف کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے اور تاریخ تصوف میں یونانی تصوف کو بہت اہمیت حاصل ہے مگر اسلامی تصوف سے کڑیاں ملانے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ یہودی اور عیسائی تصوف کی طرف بھی کچھ اشارات کر دئے جائیں یہ دونوں قومیں یونانی نہیں ہیں سیدنا موسیٰ علیہ السلام مصر میں اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام فلسطین میں پیدا ہوئے دونوں اللہ کریم کے اولوالعزم رسول تھے تورات موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

دونوں کتابیں قرآنی فرمودات کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتی تھیں اور ہر قسم کے شرک سے پاک تھیں ذات وصفات ربانی کی ان میں تفصیل تھی اور یہی چیز حقیقی تصوف کی بنیاد ہے سیدنا موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے عملاً یہی تصوف قوم کو سمجھایا تھا۔

پھر کیا ہوا

یہودیوں نے سیدنا عزیر علیہ السلام کو محض اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیدیا کہ بخت نصر کی تباھیوں اور بربادیوں کے بعد انہوں نے یہودیوں کو تورات کا ایک نسخہ عطا فرمایا تھا باپ بیٹے کا یہ تصور عقائد میں وہ خرابیاں لایا جو محتاج بیان نہیں ہیں، اس سے تصوف کی بنیاد بھی اکھڑ گئی جو توحید پر قائم تھی پھر موسوی تعلیمات بھی تو صرف یہود تک محدود تھیں لہذا ان کا تصوف بھی اسی برادری تک محدود ہو کر رہ گیا۔

عیسائی میدان میں آگئے

یہودیوں کی کج رویوں کی اصلاح کے لئے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کریم نے مبعوث فرمایا انہوں نے وحی کے ذریعے اصلاح فرمائی مگر یہود نے انکی شدید مخالفت کی اللہ کریم نے انہیں آسمان پر اٹھالیا، یہود تو اپنی راہ پر رواں رہے مگر عیسائی عیسوی شریعت اور انکے تصوف پر قائم رہے۔

آگے چل کر عیسائیوں نے چلہ کشیاں شروع کیں، جنگلوں میں رھنا شروع کر دیا انکے عارف معاشرے سے کٹ گئے شادیاں کرنی چھوڑ دیں معرفت کے حصول کے لئے یہ طریق زندگی انہوں نے لازمی قرار دے دیا، ھندی عارفوں کا بھی تو یہی انداز تھا یہ عوامی زندگی نہیں تھی وہ عوام سے بالکل کٹ گئے اور اللہ تعالیٰ کی تلاش میں ایسا انداز اپنایا جو عام انسانوں کی دسترس سے باہر

Marfat.com

تھا یہ ترک دنیا یعنی رھبانیت کا درس تھا، تبتل اور دنیا سے لاتعلق ایک حد تک تو جائز ہے مگر انسان ہوتے ہوئے سب انسانی اداؤں کو چھوڑ دینا قابل تعریف بات نہیں ہے اسی لئے قرآن حکیم نے انکی اس ادا کو پسند اور رضا کی نظر سے نہیں دیکھا ارشاد ہے

رہبانیت کیوں

ثم قفينا على اثارهم برسلنا وقفينا بعيسى ابن مريم و اتينه الانجيل و جعلنافى قلوب الذين اتبعوه رافة و رحمة ورهبانية ابتدعوها ما كتبنها عليهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعايتها الحديد ۲۷

ترجمہ: *پھر انکے بعد انکے نقش پا پر ہم نے اور اپنے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے اسے انجیل عطا فرمائی اور اسکے پیروکاروں کے دلوں میں رافت اور رحمت ڈال دی انہوں نے رھبانیت کو خود گھڑ لیا ہم نے تو اسے ان پر لازم قرار نہیں دیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسے اختیار کیا سو انہوں نے اس (رہبانیت) کی صحیح طرح رعایت نہ کی"*

اس سے پتا چلا کہ رھبانیت محض رضائے ربانی کے لیے اختیار کی گئی تھی آگے چل کر اسکی کچھ اور اغراض ہو گئیں جعلی تقدس کا سکہ چلانے کی کوشش کی گئی اور اس جعلی تقدس کے سہارے لوگوں کی جیبیں صاف کی گئیں گرجوں میں خواتین کو بھی رھبانیت کا لباس پہنا کر رکھا گیا اور پھر جوان راھبوں نے انکی عصمت کو تار تار کیا اور گرجوں کے اندر اردگرد گڑھوں سے نوزائیدہ بچوں کی گلی سڑی لاشیں نکلنے لگ گئیں قرآن حکیم نے فما رعوھا حق رعایتھا کے جامع اور بلیغ الفاظ سے اس طرف اشارہ فرمایا ہے اور تاریخ نے ان مکروہات کا تفصیل سے ذکر کیا۔

مگر اصل مقصد تو اس رھبانیت سے رضائے خدا اور قرب الٰہی تھا اور یہی وہ تصوف تھا جسے عیسائی راھب دور اول میں اپنے عظیم رسول علیہ السلام کی پیروی میں حاصل کرنا چاہتے تھے۔

وہ تصوف جو آسمانی کتابوں کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے وہ فکری اور عملی آلائشوں سے پاک ہوتا ہے اور اسی کی پیروی قرب خداوندی کا ذریعہ ہوتی ہے مگر سابقہ امتوں نے ان کتابوں کو بھی اپنے رنگ میں ڈھال لیا اور تصوف بھی قرب ربانی کا ذریعہ نہ رہا بلکہ قرب مال کا ذریعہ بن گیا اور خواہشات نفس کا اسے وسیلہ بنا دیا گیا۔

ہم افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے افکار سے قطع نظر کرتے ہوئے ایک اور عظیم مفکر کے علمی افکار کے ساتھ کے نظریات سے بحث کرنا چاہیں گے تاکہ یونانی (عیسوی) تصوف کے نظریات بھی مختصراً معلوم کر کے آگے بڑھیں۔

Marfat.com

فکر فلاطینوس Plotinos

پہلے مختصر سے حالات زندگی پر نظر ڈال لیں جو اسکے شاگرد فرفریوس Porpyry نے ۳۰۳ء میں تحریر کئے تھے، شاگرد کہتا ہے میرے عظیم استاد نے اپنے حالات کا اظہار کبھی نہیں کیا لیکن یونانی سوفسطائی یونے پی اس (Eunapius) نے بیان کیا ہے کہ یہ عظیم مفکر مصر کے ایک شہر لائیکا پولس (Lyco polis) ۵-۲۰۴ء میں پیدا ہوا، ابتدائی ۳۷ سال کے حالات معلوم نہیں ہیں۔ ۳۸ سال کی عمر میں تلاش حق کے لیے اسکندریہ گیا اسے اساتذہ سے تسلی نہ ہوئی ایک دوست سے ذکر کیا وہ اسے Ammonius Saccas ایمونیسس سیکیس کے درس میں لے گیا، فلاطینوس نے اس کا پہلا لیکچر سن کر کہا کہ مجھے ایسا ہی استاد چاہیے تھا

ایمونیسس ایک عظیم استاد

اپنے دور کا بہت بڑا فلسفی تھا بقول فرفریوس وہ عیسائی والدین کے گھر پیدا ہوا مگر جوانی میں غور فکر کرنے کے بعد عیسائیت کو چھوڑ دیا اس نے افلاطون اور ارسطو کے افکار میں تطبیق دی اسکی شہرت کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے۔

فلوطین گیارہ سال تک اس عظیم استاد کی خدمت میں رہا اس زمانے کے سب متداول علوم پڑھے گیارہ سال کے بعد استاد مر گیا تو فلوطین ایران گیا تا کہ ھندی مفکرین کے افکار معلوم کر سکے اسی دور میں گارڈئین قیصر روم نے ایران پر حملے کا ارادہ کیا فلوطین فوج میں بھرتی ہو کر عراق پہنچا قیصر کو اسکے سرداروں نے قتل کر دیا اور فلوطین ہندی افکار معلوم نہ کر سکا۔

انطاکیہ اور روم کا سفر

عراق سے بڑی دقتوں کے ساتھ فلاطینوس انطاکیہ پہنچا وہاں چند ماہ ٹھہرا اور ۲۴۴ء میں روم آیا پھر پوری زندگی وہاں گزار دی۔ فرفریوس لکھتا ہے کہ جب فلاطین کی عمر اٹھاون سال تھی اور میری عمر تیس سال تھی تو میں اسکی خدمت میں حاضر ہو۔

تصانیف وتالیفات

فلوطین اس وقت تک مختلف عنوانات کے تحت اکیس رسائل لکھ چکا تھا۔ اگر چہ اس نے خود عنوانات نہیں دیئے تھے (فرفریوس) نے یہ رسالے اسکے شاگردوں سے حاصل کئے اور بغور مطالعہ کیا سات سال تک میں مسلسل اسکی خدمت کرتا رہا اور مختلف رسالوں پر بحث وتمحیص جاری رکھی، فلوطین نے اس عرصے میں مزید رسالے لکھے اس طرح رسالوں کی کل تعداد چون ہوگئی فلوطین کی عمر چھیاسٹھ سال تھی سن وفات ۲۷۰ء تھا اور قیصر کلدڈیس کی حکومت کا دوسرا سال تھا کہ اسکی وفات ہوئی یوس ٹوکیس نے بتایا کے اسے گلے میں تکلیف تھی میں عبادت کے لئے گیا تھا جب آیا تو بولا میں بڑی دیر سے تمہارا منتظر تھا

Marfat.com

تھوڑی دیر کے بعد میری طرف دیکھا اور کہا ''میں اپنی الوھیت مقیدہ کو الوھیت مطلقہ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں'' پھر آنکھیں بند کیں اور وفات پا گیا، الوہیت مقیدہ سے مراد خودی تھی۔

طرز تحریر

دولفظوں کو ملا کر لکھ دینا ہجوں کی غلطیاں اسکی عام خامیاں ہیں طرز تحریر بھی اچھا نہی تھا نظر کمزور ہوگئی تھی اپنی تحریروں پر نظر ثانی نہیں کر سکا، بحث کو ذہن میں مرتب کرتا پھر انتہائی عجلت میں اسے لکھ دیتا کوئی بندہ کچھ پوچھنے آتا تو قلم چھوڑ کر اسے جواب دے کر پھر لکھنے لگ جاتا۔

وہ بیداری میں بھی ہر وقت افکار میں مستغرق رہتا۔ بہت کم سوتا اور بہت کم کھاتا تھا اسکی شخصیت کی عظمت اور سیرت کی پاکیزگی کا اندازہ اس نے لگایا جاسکتا ہے کہ رومیوں کی اکثریت اپنی اولاد کی اخلاقی تربیت اور استفادے کے لئے اسکے ہاں بھیجتے ہیں، عادات درویشانہ تھے مگر رہائش ایک محل میں تھی

اس علمی انہاک کے باوجود وہ ہزاروں طلبہ وطالبات کے اخراجات کی خود دیکھ بھال کرتا تھا۔ کاش آج ہمارے اساتذہ وطلبہ میں ایسا علمی اور عملی انہاک پیدا ہو سکے۔

روحانی قوت وانداز گفتگو

حقیقتاً فلوطین عظیم روحانی قوت لیکر دنیا میں آیا تھا، ایک مصری کاہن اسکے سامنے روحانی قوت کا مظاہرہ کرنے آیا کہنے لگا اگر اجازت دیں تو آپ کی محافظ روح کو بلاؤں۔ اجازت ملنے پر کاہن نے عمل شروع کیا نتیجہ یہ نکلا کہ محافظ روح کی بجائے الوھیت مجسم ہو کر ظاہر ہوئی، کاھن بولا آپکی محافظ روح تو الوھیت کی ہم پایہ ہے اور دنیا میں بہت کم آدمیوں کو ملتی ہے، اس نے اپنے زیر تربیت کے لیے جو پیش گوئیاں کیں وہ بالکل صحیح ثابت ہوئیں یہ روحانی کمال تھا۔

فرفریوس کہتا ہے میں نے ایک دفعہ خودکشی کا ارادہ کیا روحانی قوت سے فلوطین کو اس کا علم ہو گیا وہ میرے پاس آکر مجھے کہنے لگا تمہارا اس خودکشی کے ارادے کا اصلی سبب استدلال نہیں ہے یہ مایوسی کا شدید غلبہ ہے لہذا فوراً روم چھوڑ کر کسی دوسرے ملک چلے جاؤ میں صقلیہ چلا گیا کیونکہ وہاں ایک علم دوست شخص رہتا تھا جس کا نام پروبس تھا، اس طرح میں خودکشی سے بچ گیا مگر وفات کے وقت فلوطین کے پاس رہنے سے محروم ہو گیا۔

قیصر گیلی نس اور اسکی بیوی اس حد تک اسکے عاشق تھے کہ پرستش کا گمان ہوتا تھا فلوطین نے اس شاہی قرب سے دوسروں کو بہت فائدہ پہنچایا گفتگو کے وقت چہرے سے ذہانت عیاں ہوتی تھی اس طرح جمال ظاہری میں اضافہ ہو جاتا تھا اعتراضات

وسوالات کا خندہ پیشانی سے جواب دیتا۔ جواب بہت عالمانہ ہوتا ایک دفعہ میں (فرفریوس) نے جسم وروح کے متعلق اس سے تین دن رات سوالات کئے مگر وہ چیں بجیں نہ ہوا میں خود ہی تھک گیا بہت ہی اختصار پسند تھا جملوں میں الفاظ کم، معانی زیادہ ہوتے لہٰذا کوئی شخص اسکی کتابوں کو سمجھ نہیں سکتا۔

علمی بحثیں

اسکی تصانیف رواقی (stoic) اور مشائی (peripatetic) فلسفے کی آمیزش رکھتی ہیں، اس نے خاص طور پر ارسطو کی عظیم تصنیف مابعد الطبعیات کی پوری روح اپنی تصانیف میں کھینچ دی ہے، ریاضی، ھندسہ، اقلیدس، علم المرایا اور موسیقی وغیرہ سے بھی واقفیت تھی مگر دلچسپی نہیں تھی، وہ ہر وقت خدا، خودی اور کائنات کی ہیئت اور باہمی ربط کی نوعیت پر غور کرتا رہتا تھا، اسکی علمی بحثوں میں افلاطون اور ارسطو کی علمی و فلسفی کتب پر بحث ہوتی مگر وہ ان کا اندھا پیروکار نہیں تھا ہر مسئلے میں اسکی ذاتی رائے تھی۔

لونگی نس کا تبصرہ

لونگی نس کا یہ تبصرہ فلوطین کے لئے قابل مطالعہ ہے''افلاطون کے متبعین سے صرف افلوطین اور املی ایس Amelius نے فلسفیانہ تصانیف میں مہارت کا ثبوت دیا ہے انہوں نے جس انداز سے افلاطون کے فلسفیانہ مسائل کو پیش کیا ہے اس میں بڑی جدت فکر پائی جاتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ افلوطین نے فیثاغورث اور افلاطون کے فلسفے کے بنیادی اصول کو جس خوبصورتی اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اس میں کوئی فلسفی اس کا حریف نہیں ہے عصر حاضر کے حکماء میں املی ایس Amelius دانستہ طور پر افلوطین کا اتباع کرتا ہے میری رائے میں آج یہی دو فلسفی اس پائے کے ہیں کہ انکی تصانیف کا بامعان نظر مطالعہ کیا جائے۔ یہ افلوطین کی عظمت فکر کی واضح دلیل ہے۔

روحانی واخلاقی عظمت

میں (فرفریوس) چھ سات سال انکے پاس رہا، اس طویل عرصہ میں وہ مبارک شخص ہمیشہ نیک، مہربان، اور حد درجہ شریف النفس انسان ہی نظر آیا، ہمہ وقت خدا کے وصل کا جویا رہا، وہ سراسر خدا کی محبت میں ڈوبا رہا۔ پوری زندگی مادی دنیا سے بالاتر ہونے کی کوشش میں رہا اس کا مقصد وحید اپنی ہستی کو خدا کی ہستی میں گم کرنا تھا، اس نے کئی دفعہ قرب خدا پایا اور مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہوئی۔ یہ ہیں اس کی زندگی کے مختصر حالات۔

تصنیفات کی ترتیب وتدوین

میں نے اس (فرفریوس) کی چون تصانیف کو موضوعات کے حساب سے مرتب کیا ہے ہر جلد میں نو رسالے اکٹھے کئے ہیں لہٰذا چھ

کتابیں بن گئی ہیں میں ان کا The Enneeds (التسع نو) رکھا ہے۔ یونانی میں Enner نو کو کہتے ہیں، استاد گرامی کی وصیت تھی کہ میں انکی کتابوں کو مرتب کروں لہذا میں نے انکی وصیت پوری کر دی ہے۔

کچھ فرفریوس کے بارے میں

یہ نامور فلاسفر و حکیم ۲۳۳ء میں ٹائر Tyre میں پیدا ہوا ۲۶۳ء فلوطین کے پاس گیا ۲۶۹ء تک اس سے علم حاصل کیا اسکی وفات کے بعد اس کا جانشین ہوا اسکی کتاب "باب عالم روحانی" فلوطین کی تعلیمات کا خلاصہ ہے، عیسائی مذہب کا یہ سب سے بڑا نقاد ہے ردعیسائیت میں اسکی تحریریں ابھی تک لاجواب ہیں، اس نے عیسائیت کے اصول و عقائد کا عقلاً ابطال کیا ہے ناقابل تردید دلائل سے ثابت کیا ہے کہ عقائد و رسوم متھرا کے مذہب سے ماخوذ ہیں، عیسائیت کا دوسرا عظیم ناقد نطشے ہے جس کی کتاب Antichrist نے عیسائیت کے عمرانی نظریات پر وہ ضرب لگائی ہے کہ یہ مذہب عقلائے دہر کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے

فرفریوس کی شادی

ادھیڑ عمر میں اس نے اپنے دوست کی بیوی سے صرف اس لئے شادی کی کہ سر چھپانے کے لئے اس کے پاس کوئی گھر نہیں تھا اس عورت کا نام 'مارسیلہ' تھا۔ اسکی روحانی تربیت کے لئے فرفریوس نے ایک رسالہ "بپاس خاطر مارسیلہ" لکھا ۳۰۴ء میں ستر سال کی عمر میں یہ دانا فوت ہوا۔

ہر کتاب کے نو رسائل

فلوطین کا نظام فکر جسے نو فلاطونیت یا فلسفہ اشراق بھی کہتے ہیں کسی حد تک فیثا غورث، افلاطون اور ارسطو کے افکار سے متاثر ہے۔ فیثا غورث کے فلسفے میں اعداد بہت اہم ہیں، کچھ اعداد کے مخفی اثرات و خواص اس میں ہیں، تین کا عدد کامل ہم آہنگی، چھ کا عدد کامل تثنیہ اور نو کا عدد کامل جمع کے لئے ہے اسی لئے فرفریوس نے پوری کتاب کو نو نو فصول کے چھ ابواب میں مدون کیا ہے نو کا عدد تمام اعداد میں کامل ترین اور بڑے خواص کا حامل مانا گیا ہے دراصل یہ سب سے بڑا عدد ہے نو کو نو سے ضرب دیتے جائیں تو مجموعہ نو ہی رہتا ہے۔ دو سے ضرب دیں 18 آئے گا آٹھ اور ایک کو جمع کریں تو پھر نو ہوگا اسی طرح آگے بڑھتے جائیں ہر عدد سے نو پیدا ہوتا جائے گا۔

قرآن نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کیا ہے؟

الحمد للّٰہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ٥

امّا بعد فاعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم ٥

بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ٥

"لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ" ٥

محترم المقام دوستو، عزیزو، بہنو اور بچیو!

گزشتہ درس کا موضوع تھا قرآن خود کیا ہے؟ آج کا موضوع ہے کہ قرآن نگاہ مصطفیٰ ؐ میں کیا ہے؟ اس سلسلے میں آغاز یہاں سے کریں گے۔ کہ سرکارؐ کا مقام رفیع قرآن پاک نے کیا بیان کیا ہے؟

قرآن نے کہا ہے "تمہارے لیے ذاتِ رسول کامل ترین نمونہ ہے"۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ زندگی کی تابانیوں کو اگر آپ نے حسن و جمال کے پھولوں سے بھرنا ہے تو حضورؐ کے انداز حیات کو اپنانا ہوگا۔ دوسرے مقام پر قرآن پاک نے یہ مقام رفیق عطا فرمانے کے بعد یہ بات کہی کہ!

"وما آتا کم الرّسول فخذ وہ ومانھا کم عنہ فانتھوا" ٥

ترجمہ: "جو چیز بھی تمہیں رسول اللہ عطا فرمائیں اسے لے لو، جس سے وہ روک دیں اس سے باز آجاؤ"

یعنی دو بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ حیات مصطفیٰ ؐ کائنات کیلئے قیامت تک ہدایت کا معیار اور نمونہ ہے، دوسری یہ کہ تلاش حق کیلئے، تلاش انسانیت کیلئے، تلاش عظمت کیلئے، تلاش اخلاق کیلئے، جب بھی آپ آگے بڑھیں تو سرکارؐ کی دی ہوئی بات کو ماننا ہے اور جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے ہٹ جانا ہے۔ چونکہ آج کا موضوع میں نے یہ رکھا ہے۔ کہ قرآن نگاہ رسولؐ میں کیا ہے؟ تو پہلے یہ بات کرنا چاہوں گا۔ کہ نگاہ رسولؐ ہم تک کس انداز سے پہنچی ہے نگاہ رسولؐ ہم تک سرکارؐ کی حدیث پاک کے ذریعے پہنچی ہے، مجھے آپ کے سامنے علمی انداز سے یہ بات کہنی ہوگی کہ بذات خود حدیث کیا ہے؟ تا کہ بحث کو آگے بڑھایا جاسکے۔

135331

حدیث کیلئے امت نے جو بات کہی جس پر ساری امت کا اتفاق ہے کہ وہ حدیث کی تعریف ہے وہ یہ ہے کہ جو کچھ سرکارؐ زبان سے فرمائیں وہ حدیث ہے، جو سرکارؐ امت کے سامنے عملاً کر کے دکھائیں وہ بھی حدیث ہے، تشریع کے انداز سے (تشریع کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کو شریعت قرار دے دینا) سرکارؐ کی ذمہ داری تھی کہ آپ کے سامنے کوئی بات ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی

Marfat.com

فلوطین کا علمی مقام

دنیا کے عظیم مفکرین میں سے ایک ہے وھیکر، ڈریوس اور ریوائیل نے اسے شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ارسطو اور ڈیکارٹ کے درمیان یہ سب سے بڑا مفکر ہے۔

ڈین انج نے ساری زندگی اس کا مطالعہ کیا وہ اسے تاثیر، دروبینی، ژرف نگاہی اور روحانی عظمت کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا روحانی رہنما مانتا ہے، زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ وہ بتاتا ہے اسکے نزدیک عقل اور عقلی تربیت پاکیزہ زندگی کے خادم ہیں اس کا فلسفہ انسانوں کو خدا سے ملاتا ہے۔

فلوطین عقلی استدلال کی تنگ وادی سے نکال کر روحانی دنیا کی وسعت سے متعارف کراتا ہے یہ دنیا اندار مطلقہ، خیالات، مقدسہ، افکار پاکیزہ، روحانی اطمینان وسرور کی دنیا ہے فلوطین اس دنیا میں داخلہ کیلئے کہتا ہے ظاہری آنکھیں بند کرنے، باطنی آنکھیں کھولنے کو کہتا ہے، اگر تم نیک بندوں کو اپنے لئے نمونہ بناؤ گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ظل کے ظل یا عکس کے عکس پر قناعت کر لی ہے، یہ پست ہمتی ہوگی خدا کو اپنی آغوش میں لوا سکے ہو جاؤ یہی بقول رومی 'منزل ما کبریا ست' (ہماری منزل خدا ہے) اس کا طریق یہ ہے کہ اپنی خودی پر غور کرو خود فکر بن جاؤ مگر جمال نظر نہ آئے تو جدو جہد کرو جیسے سنگ تراش کرتا ہے۔

عیسائیت پر فلوطین کا اثر

مس گریس ٹون بل نے 'التسعات' کا خلاصہ شائع کیا ہے وہ مقدمے میں لکھتی ہے یوکین (Eucken) کی طرح ڈی انج کا بھی خیال ہے کہ کسی انسان کا عیسائیت پر فلوطین سے بڑھ کر اثر نہیں ہے۔ جرمنی کا مشہور مفکر ٹرولس Troelish ۱۸۸۵ء تا ۱۹۲۳ء کا خیال ہے کہ مسیحی انجیل اور نوفلاطونیت کو ملا دیا جائے تو عصر حاضر کے سب مسائل حل ہو جا سکتے ہیں۔

عیسائی کلیسا نے عمدا نوفلاطونیت کو اپنے اندر جذب کیا تا کہ عقلائے دہر میں اپنا اعتبار پیدا کر سکے اسی طرح عیسائیت نے متھرائیت Mithrism کی تمام مذہبی رسوم کو اپنایا تا کہ اس رقیب کا مقابلہ کر سکے، فلوطین اس روحانی قافلے کا عظیم ہیرو ہے جس میں سقراط، افلاطون، ارسطو، اگسٹن، ٹامس، ویلوتاس، پیکل، اسپنوزا اور برونو جیسے حکما شامل ہیں موخر الذکر کو رومی کلیسا نے ۱۶۰۰ء میں زندہ جلا دیا کہ اس نے کلمہ حق کہا تھا، ہر کلیسا مذہبی آزادی کا پھر بھی علمبردار ہے یورپ کے سارے صوفی فلوطین کے شاگرد اور ہم نوا ہیں، ڈانتے، انجیلو، شکر اسپسر، کالرج، ورزورتھ، ایمرسن اور ٹینی وغیرہ اسی کے خوشہ چیں ہیں۔ کیمرج کے ہیرو

Marfat.com

ان افلاطون دور حاضر کے برگاں اور وہائٹ ھیڈ وغیرہ اسی کی شخصیت اور فلسفہ کے عاشق ہیں، فلوطین کہتا ہے صرف علم (فلسفہ) سے ہی انسان زندہ نہیں رہتا اطمینان قلب کی وہ نعمت جو فلسفہ سے حاصل نہیں ہوتی اس عالم میں ہے جو عقل سے ماوراء ہے۔

فکر فلوطینی کی روح

۱۔الواحد سے بیشی کی تمام صورتیں ہوتی ہیں اور الواحد کے قریب رہنے کے لئے کوشاں ہوتی ہیں۔

۲۔الواحد ہی وجود اول وہی المطلق وہی الخیر، وہی لامتناہی اور وہی الاب ہے۔

۳۔الواحد سے عقل کلی کا صدور ہوا اور عقل کلی سے نفس کلی کا صدور ہوا ہے اور نفس کلی سے کائنات ظاہر ہوئی۔

متھراازم اور عیسائیت

ڈاکٹر فیبل مان نے اپنی شاندار کتاب مذہبی فلوطونیت Religious Platonism 1959ء کے صفحات 142,43 پر لکھا ہے۔

۱۔متھراازم ایک پرانا مذھب ہے جس کا بنیادی تصور آفتاب پرستی تھا اس مذہب اور عیسائیت میں شدید مماثلت ہے دونوں مذہبوں میں بپتسمہ کی رسم ہے۔

۲۔دونوں میں پاک رفاقت کی رسم ہے۔

۳۔دونوں میں منشاء ربانی ہے۔

۴۔دونوں مذھبوں میں منجی عالم کا یوم پیدائش پچیس دسمبر ہے۔

۵۔دونوں اتوار کو سبت قرار دیتے ہیں،

۶۔دونوں مذہبوں میں رھبانیت کی تعلیم ہے۔

۷۔دونوں مذہبوں میں لوگاس Logos (۵۰تا۲۰) کا عقیدہ ہے یہ لوگاس خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ ہے۔

۸۔دونوں مذہبوں کا منجی مصلوب ہو کر بندوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔

جب قسطنطین نے سلطنت کا مذہب عیسائیت کو قرار دیا تو عیسائیوں نے متھرا کو ظلم کا نشانہ بنایا قیصر جولین نے عیسائیت ترک کر کے متھرائیت قبول کی تو دوبارہ اسے عروج ملا جولین کی موت کے بعد عیسائیت برسر اقتدار آئی اور چوتھی صدی میں بزور شمشیر میتھرائیت کو ختم کر دیا۔ کتاب مذکور صفحہ 142۔ کیا یہی عیسائیوں کی مذہبی آزادی ہے۔

Marfat.com

فلوطین بحیثیت فلسفی

۱۔فلوطین وحدۃ الوجود کا قائل ہے منطقی زبان مین وجود جزئی حقیقی ہے اور الواحد میں منحصر ہے۔

۲۔یہ واحد وحدت مطلقہ ہے بسیط ہے لامتناہی ہے جسمانیت اور صور سے پاک ہے، تمام صفات اور تعریفات سے بالاتر ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہم وحدت اور خیر کے تصورات بھی اس سے منسوب نہیں کر سکتے کیونکہ اس طرح تحدید لازم آتی ہے۔

۳۔یہ عظیم مفکر حلول واتحاد کا قائل نہیں یہ سب کثرت الواحد بن گئی ہے وہ ھمہ (کائنات) میں مبدل نہیں ہوتا بلکہ وہ سدا کائنات سے وراء الوراء رہتا ہے۔

۴۔ایسا نہیں کہ کثرت الواحد سے بطور تقسیم ذات ظاہر ہوئی ہے اسی طرح تو الواحد کی وحدت ختم ہو جائے گی اور یہ محال ہے یہ سب کچھ وجود کے ادنی مراتب کا ظہور ہے اور یہ مراتب الواحد کی ذات میں داخل نہیں ہیں، الواحد، الخیر اا اول ہے۔جس کی ذات کا تقاضا ہے کہ اضافہء وجود کرے تاکہ اس غیر پر جود و کرم کی بارش برسائے۔

۵۔الواحد سے صدور پانے والی میں وحدت نہیں کثرت ہوگی کیونکہ یہ مبدا یا اصل اول نہیں جس کے لئے وحدت شرط ہو یہ مبدأ اول کی پستی کا نتیجہ ہے لہذا اس میں کثرت کا پایا جانا ضروری ہے۔

۶۔الواحد سے بلاواسطہ صادر ہونے والی شے عقل۔۔۔۔ ہے جو الواحد کا عکس Image ہے یہ ہالہ نور کی طرح الواحد کے ارد گرد منتشر ہے اس کا وجود ذاتی ہے مبدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہذا اصاحب ادراک ہے اور اس پر عقل کا اطلاق درست ہے اس میں شان الوہیت ہوتی ہے۔

۷۔اس عقل کلی سے نفس کلی کا صدور ہوا ہے اور نفس کلی کائنات کے صدور کا اصل و مرکز ہے یہ عقل اور نفس الواحد کے مراتب داخلی ہیں یعنی ایک ذات معلق کی تین شاخیں ہیں مگر عیسائیوں کے تین خداؤں کی طرح الگ وجود نہیں رکھتے ایک ہی ذات کے تین انداز یا تین شانیں ہیں۔

فلوطین کے اس فلسفہ کی وضاحت مطلوب ہو تو علامہ یوسف سلیم چشتی کی کتاب تاریخ تصوف کے صفحات 79/87 ملاحظہ ہوں۔

ڈاکٹر انج سے شرح سنیں

ڈاکٹر انج نے اپنی عمر کے تیس سال فلوطین پر تحقیق کرتے گزارے، لہذا وہ فلوطین پر اتھارٹی ہیں اس نے فلسفہء فلوطین جیسی اہم

کتاب لکھی اس پر لیکچر دیئے جو فلاطون کے نام سے چھپ گئے ہیں، لندن میں ایک علمی مجلس جس کے ممبر بڑے عالم لوگ ہی بن سکتے ہیں، وہ ہر سال کسی عظیم الشان انسان پر لیکچر کے لئے کسی عظیم عالم کو مدعو کرتے ہیں۔

1924ء میں وہاں ڈاکٹر انج نے فلوطین پر شہکار لیکچر دیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ Eunadius یونے پی اس ، اس نے پندرہ سوسال پہلے لکھا تھا کہ'' آج بھی فلوطین کی قربان گاہوں پر آگ جل رہی ہے'' میں کہتا ہوں، آج بھی وہ آگ جل رہی ہے اور شاید شمع کبھی بھی گل نہیں ہوگی۔

۲۔ فلوطین ایک فلسفی تھا مگر اسکی زندگی اولیاء جیسی تھی وہ بیحد زاہد اور متقی تھا وہ اکثر اوقات مراقبے میں رہتا تھا۔

۳۔ فلاطون نے تین صداقتوں کا اثبات کیا ہے۔

ا) مادہ پرست کہتے تھے کہ حقیقت مادی ہے فلوطین نے کہا وہ روحانی ہے اور اس پر دلائل کے انبار لگا دیئے

ب) پیروان مجلس جدید کہتے تھے کہ صداقت یا حقیقت اقصیٰ کا علم حاصل نہیں ہو سکتا، فلوطین کا دعوی ہے کہ ہو سکتا ہے۔

ج) مسلک ومعرفت والوں کا نظریہ تھا کہ خباثت مادے کی ذات میں داخل ہے لہذا کائنات ناپاک اور قبیح ہے، فلوطین نے ثابت کیا کہ کائنات ایک مربوط ومنظم وحدت ہے اس میں بھلائی بھی پائی جاتی ہے اور پاکیزگی بھی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوطین نے مادیت، لاادریت اور محویت تینوں کے مانے ہوئے نظریات کی تردید کو مقصد حیات بنالیا۔

نظام فکر کی دو تثلیثیں

۴۔ پہلی تثلیث تو اصول الوھیۃ کی تثلیث ہے:۔ ا۔ ذات مطلق یعنی الاول، الواحد یا الخیر، ۲۔ روح جسے عموماً حکماء عقل سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں ۔۳۔ نفس کل۔

دوسری تثلیث، انسان کی تقسیم سہ گانہ ہے یعنی روح، نفس، جسم مادی،

۵۔ اسی وجہ سے عالم بھی تین ہیں،

ا۔ عالم مادی جس کا نمائندہ جسم ہے اور اسے حواس خمسہ کے ذریعے محسوس و معلوم کر سکتے ہیں۔

۲۔ عالم عقلی جس کی نمائندگی عقل کرتی ہے اسے معلوم کرنے کا ذریعہ فہم ہے۔

۳۔ عالم روحانی، اس کی نمائندہ روح ہے ۸اس عالم کو وجدان کے ذریعے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ ہم بذریعہ وجدان حقیقت کو پا سکتے ہیں۔

۷۔ مادہ صورتوں کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

۸۔ یہ کائنات بدی اور برائی کا گھر ہے مگر اس کا رخ نیکی کی طرف ہے ایک وقت آئیگا کہ نیکی بدی پر غالب آ جائے گی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ رحمت عالم ﷺ کا دور اقدس پر اس فلسفے کا عملی ظہور ہو گیا تھا۔

۹۔ یہ کائنات فریب نظر نہیں ہے صفات خداوندی کا پرتو ہے، لیکن خدائے قدوس کی طرح حقیقی نہیں ہے فلوطین کے فلسفہ، حقیقت وصداقت کے مدارج ہیں لہذا یہ کائنات ادنی درجہ میں حقیقی ہے مطلب یہ ہوا کہ عدم کی سرحد کو چھو رہی ہے بس اسکے بعد عدم محض ہے۔

۱۱۔ اگر اضافہ وجود ہو، کائنات کا صدور ہو تو اس سے مطلق یا عقل کلی میں کوئی نقص نہیں ہوتا کیا ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلانے سے پہلے چراغ میں کوئی کمی ہوتی ہے۔

۱۲۔ نفس کلی کی فاعلی قوت کا نام فطرت ہے اگرچہ ذی شعور نہیں مگر مادے پر ان صور علمی کا عکس ڈالتی رہتی ہے جو اسے عالم روح سے ملتی ہیں۔

۱۳۔ فلوطینی فلسفے کا مرکز نفس کلی ہے وہ ایک اعتبار سے اشراقی تثلیث میں اقنوم ثالث ہے اور دوسرے اعتبار سے وہ کائنات کا خالق اور منتظم ہے۔

خدا تو ایک ہے مگر اسکے داخلی مراتب تین ہیں باعتبار ذات تصور کریں تو وہ الواحد ہے اگر اسی ذات اقدس کا قصد صفات سے کریں تو عقل کلی کہتے ہیں۔ اور اس کا تصور بطور خالق کریں تو نفس کلی کہتے ہیں یہ تثلیث صرف اعتباری ہے عیسائیوں کی تثلیث نہیں اور نہ ہی مرزا غلام احمد کی پاک تثلیث ہے۔

فلسفہ فلوطین

ڈاکٹر انج نے مذکورہ بالا حقائق کو اپنے انداز سے سمجھایا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

۱۔ فلوطین نے خدا کو الواحد، الخیر اور الجمال کہا ہے، یہ انسانی شخصیت کے تین پہلوؤں کی تسکین کا سامان ہیں۔

الف۔ عقلی پہلو اس کی تسکین توحید (الواحد) سے ہوتی ہے۔

ب۔ جذباتی پہلو اسکی تسکین جمال سے ہوتی ہے۔

ج۔ عملی پہلو اسکی تسلی خیر سے ہوتی ہے۔

۲۔ الواحد کثرت کے ظہور کا منبع ہے۔

۳۔ الواحد (خدا) موجود ہے بس یہی کہہ سکتے ہیں، وہ ذات وجود، جوہر فعلیت، ارادہ، اور شعور سب سے بالاتر ہے۔

۴۔ مرتبہء احدیت میں، ہم خدا کے بارے کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن جب مرتبہ واحدیت میں اس کا تصور کرتے ہیں تو صفات سے

Marfat.com

اسے متصف کر سکتے ہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بحیثیت الواحد علت اولی ہے اور بحیثیت الخیر اس کائنات کی علت غائی ہے۔

۵۔وحدت سے کثرت کیسے ظاہر ہوئی؟ بقول فلوطین عقل انسانی اس سلسلے میں عاجز ہے اس کا جواب نہ فلسفے اور منطق کے پاس ہے اور نہ سائنس کے ہاں ہے وارڈ کہتا ہے ہمیں معلوم نہیں خدا نے یہ دنیا کیسے بنائی، جدید تحقیقات میں اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہیں۔

۶۔بقول فلوطین تخلیق دراصل افاضہء وجود ہے جیسے آفتاب سے روشنی، اس صدور سے آفتاب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

۷۔الواحد کائنات سے بے نیاز ہے اللہ الصمد کا یہی مطلب ہے۔

۸۔ہم نہیں جان سکے کہ خدا نے یہ دنیا کیسے بنائی۔

۹۔وہ کائنات کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔(وہ تو آخرت کی کھیتی ہے، دین اسلام)

۱۰۔انسان کا مقصد حیات فنائے ذات نہیں ہے بلکہ خدا سے اتصال کامل یعنی قرب کا حصول ہے وہ زہد کی تعلیم دیتا ہے مگر نفس کشی کو پسند نہیں کرتا، وصل کے لئے تزکیہء نفس شرط اولین ہے۔

فلوطین اور صوفی ازم

فلوطین صرف فلسفی نہیں صوفی بھی ہے اس کے افکار، مقصد خدا کو جاننا نہیں بلکہ دیکھنا ہے دوسرے لفظوں میں وہ مذہبی فلسفی ہے اور اس کا مذھب بقول ڈی انج فلسفیانہ فکر اور ذاتی مشاہدہ کے دو مستقل عناصر سے مرکب ہے آیئے اس کے صوفیانہ افکار پر بھی نگاہ ڈالتے چلیں۔

۱۔وجود کلی طبعی نہیں جزئی حقیقی ہے جو فرد واحد میں منحصر ہے وہ اسے الاول کہتا ہے، وہ واجب الوجود ہے، حقیقت -- احد اور صمد ہے، یہ حقیقت اقصی محیط کل ہے، کوئی شے وہ (خدا) نہیں ہے تمام موجودات اس کے ظہورات کے مراتب ہیں۔

۲۔فلوطین اسے الاول، الواحد، الخیر، فکر مجرد اور فعل تام کہتا ہے، مگر وہ ذات اقدس ہمارے وہم، قیاس، عقل اور خیال سے ماوری ہے۔

۳۔ وہ مثل افلاطونی (Platonic Ideas) کو مانتا ہے افلاطون کہتا ہے خیر مطلق عالی ترین مرتبہء مثل ہے لیکن فلوطین کے نزدیک خیر مطلق تمام مثل سے بالاتر ہے یہی اسکے نزدیک مصدر اول (خدا) ہے۔

۴۔یہ مصدر یا مبداء اول کامل ہستی ہے وہاں بخل نہیں ہے لہذا تخلیق اسکی ذات کا تقاضا ہے خالق اور فیاض ہے۔

افاضہء وجود تخلیق) اسکے لئے ضروری ہے تمام موجودات اسی سے صادر ہوئی ہیں۔

۵۔صادر اول عقل اور عالم معقولات ہے اس عقل سے نفس یا روح کا صدور ہے الاول، عقل اور نفس اقانیم ثلاثہ ہیں ہر اقنوم

لاہوتی ہے یاد رہے کہ عقل اور نفس الاول کی دوشانیں ہیں لہذا خدا ایک ہے تین نہیں۔

۶۔نفس کل نفوس جزئیہ کا منشا ہے وہ اجسام میں داخل ہے یہ جسمانی عالم ذات احدیت کا ضعیف ترین پرتو ہے۔

۷۔سیر مراتب وتنزلات میں وجود کو آپ ایک قوس سے تشبیہ دے لیں جس کی ایک جانب وجود اور دوسری طرف مادہ ہے۔ مبداء اصلی کی طرف رجوع کے لئے دوسری قوس فرض کرلو اور ان دو قوسوں (کمانوں) کو ملا کر فرضی دائرہ وجود بن سکتا ہے قوس اول قوس نزول اور قوس دوم قوس صعود ہے۔

۸۔نفس یا روح انسانی ،قوس نزول میں عالم مجردات وملکوت سے عالم ناسوت میں نزول کرتی ہے اور مادے میں گرفتار ہو جاتی ہے اب اگر وہ پورے طور پر مادیات میں کھو جائے تو سعادت اخروی وابدی سے محروم ہو جاتی ہے اور صعود کی بجائے ادنیٰ مراتب میں نزول کر کے حیوانی سطح پر آجاتی ہے۔

جو روحیں خدمت خلق بھی کرتی ہیں اور کچھ خوبیاں بھی اپنے اندر پیدا کر دیتی ہیں وہ جسم کی موت کے بعد دوبارہ انسانی اجسام سے متعلق ہو جاتی ہیں یہ تناسخ ارواح کا عقیدہ ہے جو شنکر اچاریہ نے بھی اختیار کیا ہے، یہاں یہ دونوں مفکر حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

جن لوگوں کی ارواح اپنے اصلی وطن کی طرف واپسی کا شوق رکھتی ہیں وہ قوس صعودی کیطرف مائل ہوتی ہیں ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ عالم مادی اور علائق دینوی سے قطع نظر (تبتل) کریں اور نفس کی تہذیب وتزکیہ میں مشغول ہوں۔

تزکیۂ نفس کے تین مراتب

الف۔تصفیہ نفس: اسکا مطلب ہے نفس کو تمام صفات رذیلہ سے پاک کرنا۔

ب: تجلیۂ نفس، میل کچیل دور کر کے نفس کو صیقل کرنا اسے جلا دینا تا کہ وہ صفات جمیلہ قبول کر سکے۔

ج:۔تحلیۂ نفس۔نفس کو صفات حمیدہ سے آراستہ و مزین کرنا، تحلیہ کا لفظی معنی ہے زیور پہنانا۔

سلوک معنوی کے تین مراتب

پہلا مرحلہ۔ہنر یا آرٹ ہے ہنر سے مراد طلب حقیقت اور زیبائی ہے یہ دونوں (Truth and Reality) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں کیونکہ حقیقی ہی جمیل وزیبا ہے۔حقیقت کے بغیر جمال کا کہیں وجود نہیں، حقیقت ہی جمال اور جمال ہی حقیقت ہے، مشہور شاعر شیلے Shelley کہتا ہے صداقت حسن ہے اور حسن صداقت ہے جمال دراصل صورت ہے جو مادے پر متصرف ہو کر اسے وحدت عطا کرتی ہے جمال تابش روح کا دوسرا نام ہے جو اجسام، پر ضوفگن ہو کر ان میں دلکشی پیدا کرتی ہے، روح پرتو

عقل اور عقل پرتو ذات حق ہے۔ ذات حق حسن و جمال کا منبع ہے۔ ذات حق سے عقل میں شان جمال پیدا ہوتی ہے، اب عقل سے نفس اور نفس سے اجسام مادی مین شان جمال جلوہ گر ہوتی ہے۔

زیبائی یا جمال کا مشاہدہ کرنے سے روح یا نفس میں جوشوق، الفت اور وجد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ان کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ نفس یا روح کو دوسری اشیاء میں اپنا ہم جنس نظر آتا ہے، جب اسے اپنی خوبی اپنے مقابل میں نظر آتی ہے تو وہ روح خود بخود اسکی طرف مائل ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہوا کہ طلب حقیقت ہر شخص میں موجود ہے ہاں کسی میں کم اور کسی میں زیادہ ہوتی ہے۔

دوسرا مرحلہ:۔ پاکیزہ نفوس کے سیر و سلوک کا دوسرا مرحلہ عشق ہے، طریقہ یہ ہے کہ ارباب ذوق وھنر ہمیشہ جمال کی محسوس تجلیات کی جستجو میں رہتے ہیں جو جمال حقیقی کا پرتو ہے جس کا ادراک عقل سے ہو سکتا ہے صورت ہی تو زیبائی کی اصل ہے۔ جسمانی جمال نفس یا روح کی بدولت ہوتا ہے اور یہ جمال روحی عقل کی بدولت ہے اور عقل بذات خود جمال ذات کا عین ہے، لہذا اہل ذوق و ہنر کے دل میں جمال ظاہری کے مشاہدے سے جوشوق برپا ہوتا ہے اہل معنی کو وہی ذوق وشوق جمال معنوی اور کمالات روحانی کے مشاہدے سے ہوتا ہے لیکن ان مشاہدات سے ابھی عشق کامل نہیں ہوا آگے بڑھنا ہوگا۔

تیسرا مرحلہ حکمت یا عشق کامل ہے اب سالک کی نگاہ مادیات کے حسن و جمال سے بلند ہو کر مادہ و اجسام کے خالق کے جمال پر مرتکز ہو جاتی ہے۔ عشق پختہ ہو جائے تو سالک محسوس کرتا ہے کہ میرا مقصود و مطلوب مادی حسن و جمال نہیں ہے، اب وہ اس ہستی سے متحد ہونا چاہتا ہے جو خالق جمال ہے کیونکہ ہمارا حقیقی وطن وحدت ہے اور ہماری سب سے بڑی آرزو اسکی طرف بازگشت ہے ضروری ہے کہ سالک کی ظاہری آنکھیں بند ہوں اور دل کی آنکھیں کھلی ہوں دل کی آنکھیں کھلیں گی تو مطلوب دل ملے گا اور اقبال یوں رہنمائی فرمائیں گے :۔

اگر خواہی خدارا فاش بینی خودی را فاش تر دیدن بیاموز

مرشد روم فرمائیں گے:۔

تو مکانی اصل تو در لامکاں ایں دکاں بربند، بکشا آں دکاں

یہ وصل بالحق ہے مجاہدے ہی حاصل ہوتی ہے اس حالت کو بے خودی Ecstacy کہتے ہیں۔ اس حالت میں سالک صرف کائنات سے ہی نہیں اپنے آپ سے بھی بیگانہ ہوتا ہے جسم و جان، زمان و مکان، غور و فکر، عقل و خرد سب سے بے خبر ہوتا ہے۔ سراپا مستی۔ سراپا ذوق وشوق بن جاتا ہے اب محبوب اور اس میں کوئی حائل نہیں ہوتا جمال یار بے پردہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ عالم ہے جہاں مادہ باقی نہیں رہتا یہ عالم ربوبیت سے مختص ہے یہ عالم طویل محنت اور مجاہدہ سے ملتا ہے فرفریوس کہتا ہے فلوطین پر یہ

Marfat.com

حالت صرف چار دفعہ طاری ہوئی۔

درجہ کمال

فلوطین کہتا ہے میں بسا اوقات بدن سے قطع تعلق کر کے جوہر مجرد بن جاتا ہوں پھر اپنے اندر ایسا جمال دیکھتا ہوں کہ حیران ہو جاتا ہوں اور اس حالت میں مجھے خیال آتا ہے کہ میں عالم بالا سے تعلق رکھتا ہوں پھر اس حالت کو مزید ترقی دیتا ہوں اور عالم فوق العقول میں چلا جاتا ہوں۔۔یہ سیر عالم لاہوت ہے۔۔۔۔وہاں ایسا نور دیکھتا ہوں جس کی توصیف سے زبان عاجز ہے۔
اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فلوطین کے فلسفے کا مقصود اصلی روح کی تہذیب اور تکمیل ہے اس تہذیب و تکمیل کا طریقہ نہ برہانی ہے اور نہ ہی عقلی بلکہ وجدانی اور کشفی ہے۔

عالم کی اصل حقیقت

فلوطین، شنکر اور شیخ اکبرؒ کا مسلک یہ ہے کہ یہ عالم اگر بلحاظ وجود عین حق ہے کہ غیر تو موجود ہی نہیں ہے تو بلحاظ تعین غیر حق ہے ؛ شئی متعین ہے لہذا وہ غیر حق ہے غیریت کی وضاحت کے لئے حق اور خلق کا موازنہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔حقیقت حق ہے جود ہے	۱۔دنیا نمود ہے جو فریب نظر ہے
۲۔حقیقت وحدت محضہ ہے	۲۔کائنات کثرت ہے
۳۔اضافت ونسبت سے پاک اور منزہ ہے	۳۔سراسر اضافت ونسبت ہے
۴۔حقیقت (خدا) لامحدود ہے	۴ کائنات محدود ہے
۵۔زمان ومکان سے بالاتر ہے	۵۔زماں ومکاں میں محدود ہے
۶۔غیر متغیر ہے	۶۔ہر لحہ متغیر ہے
۷۔واجب الوجود ہے	۷۔ممکن الوجود (بین العدم والوجود ہے)
۸۔موجود بالذات ہے	۸۔معدوم بالذات ہے
۹۔بسیط ہے	۹۔مرکب ہے
۱۰۔قدیم ہے باقی ہے	۱۰ حادث ہے فانی ہے

اس موازنے سے ثابت ہوا کہ فلوطین۔شری شنکر۔اور شیخ اکبر میں سے کوئی بھی حلول Pantheism کا قائل نہیں، جو لوگ ان پر حلولی ہونے کی تہمت لگاتے ہیں انہوں نے انکی کتابیں امعان نظر سے نہیں پڑھی ہیں مخالفین کی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ

Marfat.com

الزام لگا دیا ہے اور پھر ان لوگوں نے وحدۃ الوجود اور حلول میں فرق نہیں سمجھا۔ تیسرا وہ تعصب ہے جو اعتراف حق سے دور رکھ رہا ہے علامہ محمود شبستری نے فیصلہ فرما دیا ملاحظہ ہو:۔

حلول و اتحاد این جا محال است   که در وحدت دوئی ، عین ضلال است

حلول واتحاد اس جگہ محال ہے کہ وحدت میں دوئی تو سراسر گمراہی ہے

وحدۃ الوجود کے مخالفین ان حضرات کو حلولی اور اتحادی کہہ رہے ہیں جو سراسر جھوٹا الزام ہے ایسے الزامات ہر دور میں جاری رہے ہیں، لوگ مشہور فلسفی اسپنوزا کو منکر خدا اور حلولی کہہ کر مطعون کرتے رہے ہیں اور وہ بیچارا چیخ چیخ کر کہتا رہا ہے کہ میں نہ تو منکر خدا ہوں اور نہ ہی حلول کا قائل ہوں۔

اسی طرح شنکر کائنات کو است (معدوم) نہیں کہتے بلکہ متھ (نمود بے بود) کہتے ہیں مگر انکے مخالفین خواہ مشرقی ہوں یا مغربی آج بھی یہی رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ وہ کائنات کو معدوم سمجھتے ہیں اہل علم وفکر اور فلاسفہ وصوفیہ کو ہر دور میں ایسے الزامات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

توحید پرستی

ہمارے ناظرین نے گزشتہ صفحات میں ملاحظہ فرمایا کہ شنکر اور فلوطین نے اپنی قوموں کو خدائے واحد کا راستہ دکھایا ، نرالے انداز سے توحید کا اثبات کیا جس کا اثر اخلاق واعمال پر پڑنا ضروری تھا ان نظریات پر قائم قوم موحد ہونی چاہئے تھی، انکے اخلاق بے مثال ہونے چاہئے تھے انکے اعمال سے وحدۃ فکر اور وحدتِ عمل کے ساتھ ساتھ روحانیت کی مہک آنی چاہئے تھی۔ ان مفکرین کے افکار کو صرف کتابوں اور لیکچروں میں محدود کر کے الماریوں کی زینت نہیں بنانا چاہئے تھا مگر افسوس کہ ان مفکرین کی قومیں انکے جادۂ مستقیمہ سے ہٹ گئیں توحید سے کٹ گئیں اخلاق واعمال کے حسن کو سبوتاژ کر کے حیوانات کے مقام کی طرف بڑھیں۔

تصوف یونان پر کیا بیتی

یونانی حضرات نے صرف تصوف کو ہی نہیں بگاڑا بلکہ عیسائیت کا حلیہ بھی بگاڑ دیا یہ طویل موضوع ہے ایک مختصر سے مقالے کے تنگنائیاں اسکی تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتیں، مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوؤں کی طرح یونانیوں نے بھی اس عظیم مفکر فلوطین سے اکتساب فیض نہیں کیا، مذہب وتصوف کو اپنے رنگ میں ڈھال کر شرکستان میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور جدید سائنس نے بھی انہیں حقائق کی طرف مڑنے میں کوئی مدد نہیں کی۔

Marfat.com

منشا کے خلاف ہو یا منشار سالت کے خلاف ہو تو آپؐ اس سے فوراً روک دیتے، یہ تیسرے نمبر کی حدیث ہے۔ حدیث تین طرح کی ہوتی ہے حدیث قولی وہ حدیث ہوگی جو زبان سے صادر ہوئی ہو یا حدیث فعلی ہوگی جو عمل رسولؐ سے ثابت ہوگی۔ یا حدیث تقریری ہوگی جو کام سرکارؐ کے سامنے ہوا ہو اور رحمت للعالمین نے اس سے منع نہ کیا ہو۔

سرکارؐ کے ارشاد کی اہمیت کیا ہے؟ اسے ایک اور انداز سے ہم نے سوچنا ہے۔ وہ انداز یہ ہے کہ قرآن سرکارؐ پر نازل ہوا اور جب سرکارؐ پر قرآن پاک نازل ہوا تو سرکار نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے، مجھ پر نازل ہوا ہے یہ فقرہ قرآن میں نہیں ہے یہ فقرہ حدیث ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سنت رسول یا حدیث رسول کی کتنی اہمیت ہے؟ کہ قرآن بھی زبان رسول سے مانا جاتا ہے لہذا اس اہمیت کے پیش نظر دور اول میں ہی بے شمار صحابہ کہا کرتے تھے کہ سرکارؐ جو آپؐ نے فرمایا ہے اسے ہمیں لکھنے کی اجازت دے دیجئے۔ یمن سے ایک صاحب محفل رسول میں آخری حج کے موقع پر اس وقت آئے جب سرکارؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضورؐ یہ مجھے لکھ کے دے دیا جائے۔ حدیث کی ساری کتابوں میں یہ فقرہ ملتا ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا۔

"اکتبوا لابی شا" ٥ (جو میں کہہ رہا ہوں ابو شا کو لکھ کے دے دو)

حضور حیدر کرارؑ کے پاس قصاص و دیت وغیرہ کے جتنے احکام تھے، وہ ایک رسالے کی شکل میں لکھے ہوئے تھے۔ اور مولائے کائنات کو یہ اتنا پیارا تھا کہ اسے آپ نے زندگی بھر اپنی تلوار کے ساتھ باندھ کر رکھا اور فرماتے تھے اللہ نے ہمیں قرآن دیا ہے اس کے ساتھ فہم قرآن دیا ہے اور تیسرا سرکارؐ کے یہ ارشادات ہیں جو میں نے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

حدیث کی اہمیت بیان کرنے کیلئے اگر میں یہ کہوں کہ مجھے حدیث رسول پڑھنے کا شوق ہے تاکہ حضورؐ کی محفل مجھے مل سکے اگر ہمیں حدیث پڑھنے کا اشتیاق ہے تو کیا حضرت حیدر کرارؑ کو شوق نہیں ہوگا؟ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کو حدیث شریف پڑھنے کا شوق نہیں ہوگا؟ وہ تو پاس رہتے تھے۔ وہ ہر بات یاد کر لیتے تھے، البتہ اس بات کا بے حد اہتمام تھا کہ کوئی حدیث قرآن کے اندر نہ مل جائے۔ قرآن کہیں حدیث کے اندر مل کے حدیث نہ بن جائے۔ اس کیلئے فکری طور پر کتنا اہتمام ہوا ہم اسے سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس موضوع پر بے شمار علمی مواد ہے جو اسلامی دنیا میں پھیلا ہوا ہے البتہ اس کے نتے قرار دے دیئے گئے۔ جو آپ کے علم میں لانا اس لئے ضروری ہے تاکہ حدیث کی وسعت کا پتہ چل سکے۔

اگر سرکارؐ کے دور میں کسی بات کو صحابہ میں سے دس گیارہ صحابہ یا اہل بیت نے روایت کیا ہے۔ اگلی نسل میں سے بھی دس پندرہ افراد سے زیادہ نے اس کو روایت کر دیا ہے اور وہ سلسلہ ہم تک اسی کثرت کے ساتھ پہنچ گیا ہے تب اسے حدیث متواتر کہتے ہیں قرآن کے بعد اسلام کا سب سے اہم ماخذ **حدیث متواتر** کو کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے نمبر پر وہ حدیث آتی ہے

Marfat.com

تصوف اور اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصوف کا بنیادی نظریہ قرب خداوندی کا حصول ہے گزشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ شنکر اور فلوطین اسی تصوف کے داعی ہیں، اسلام چونکہ توحید ہے اور اسکے عقائد کی بنیادی جز ہی لا الہ الا اللہ کا مقدس جملہ ہے لہذا اللہ کریم سے رابطہ، اس ذات اقدس سے تعلق اور اسی ذات کا قرب ہی اسلام کے نزدیک مذہب کی بنیاد ہیں، جتنا زور قرآن میں عقیدہ توحید پر دیا گیا ہے کسی اور سابقہ کتاب میں اسکی مثال تو کیا عشر عشیر بھی بیان نہیں ہوا۔

انسانی جسم کا تعلق زمین سے ہے لہذا وہ اپنی اصل کو پسند کرتا ہے۔ اسکی غذا، اسکے لباس اور اسکے مکان کا دارومدار زمین پر موقوف ہے اگر انسان صرف جسم کا نام ہوتا تو اسے مزید کسی شے کی ضرورت نہیں تھی مگر انسان کے اندر ایک اور شے ہے جسے روح کہتے ہیں، روح کا تعلق اس مادی دنیا سے نہیں بلکہ ایک اور دنیا سے ہے جسے کچھ لوگ روحانی دنیا کہتے ہیں، کسی کی زبان پر عالم امر کا لفظ آتا ہے اور محققین اسے لامکاں یا لاھوت سے تعبیر کرتے ہیں۔

روح جسم میں آکر مقید ہو جاتی ہے اس گھر میں وہ تنگ پڑتی ہے اسے اپنے اصلی گھر کی یادیں ستاتی ہیں بقول حضرت رومی۔

وز جدائیہا شکایت می کند (وہ جدائیوں کی شکائت کرتی ہے)

اور حسب ارشاد **کل شئی یرجع الی اصلہ** (ہر شے اپنے اصل کی طرف پلٹتی ہے)

روح چاہتی ہے کہ لامکاں کی طرف پلٹے دیدار سے سکون پائے لطف پروردگار سے رعنائیاں سمیٹے، خالق کے قرب سے جمال پائے، کریم کے کرم کے گلستان میں چہچہائے مگر نفس انسانی اسے اصل سے ہٹا کر عکس کی رعنائیوں کے جال میں پھنسانا چاہتا ہے، کئی روحیں تو پوری زندگی میں اس نمود بے بود کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں سراپا خیر اور مجسمہ نور ہوتی ہیں مگر کچھ روحیں خیر و شر کی دورنگی میں پھنس کر تڑپتی پھڑکتی رہتی ہیں اور اس کشمکش میں پھر ایک دن حیات جسمانی کی ایک دن مسافت ختم ہو جاتی ہے، کچھ روحیں جسم کی کثافت میں دھنس جاتی ہیں، دنیا کے عارضی وفانی حسن و جمال میں کھو جاتی ہیں اصل حسن کی طرف نہیں اٹھتیں، اسی کیچڑ میں رہتے رہتے آخری سانس لیکر جسم قبر کو جاتا ہے اور روح بیقراریوں کے سمندر میں غرق ہونے لگ جاتی ہے۔

Marfat.com

اسلام سب روحوں کو جسم کا حاکم بنانا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ بہت طویل سفر ہے، راستے کے نشان نہیں ہیں، نقوش پا نہیں ہیں اگے کیسے بڑھا جائے، اس راستے پر بے شمار لوگ پھسلے ہیں گرے ہیں ڈوبے ہیں پھر نکل نہیں سکے، ہمارے معزز قارئین فکری طور پر شنکر اور فلوطین کے نظریات کو پڑھ چکے ہیں مگر عملی دنیا میں کیا وہ یا انکے پیروکار کوئی ایسا انقلاب لا سکے جو انسانیت، کی رہنمائی کر سکتا۔ امعان نظر سے دیکھیں تو انکے افکار میں کئی خامیاں ہیں اور جھولیں ہیں۔

نجات کا ایک ہی راستہ ہے

اسلام نے کہا وہ محبوب لامکانی ہے، جسم نہیں، ظاہر آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، خالق ہے مخلوق نہیں، اس کی ذات منزہ عن العیوب ہے وہ سراپا تقدس ہے، تو خاک ہے گناہوں کی گٹھری ہے مخلوق ہے فانی ہے راستہ طویل اور بے نشان ہے انسانیت کا کوئی رہبر ہونا چاہئے جو اسے اٹھا کر لامکانی سے متعارف کرا کے راستے دکھا دے، اسلام نے کہا ایسی ہستی صرف ایک ہے یعنی وہی ہستی جس کے لئے کہنے والے کہہ گئے:۔ **تجھے اک نے اک بنایا**، سیدنا حسان گویا ہوئے،

کانک قد خلقت کما تشاء (گویا کہ آپ ﷺ کی تخلیق یوں فرمائی گئی جیسا کہ آپ کی مرضی تھی)

اللہ کریم نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (اللہ کا رسول تمہارے لئے حسین نمونہ ہے) سوال ہے رسول کا کام کیا ہے یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ (الجمعۃ ۲)

(انکے سامنے آیات پڑھتا ہے انہیں پاک کرتا ہے، کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے) آیات اور کتاب وحکمت کی تعلیم نے علم کی روشنی سے دماغ کو روشن کر دیا زندگی کے جادۂ مستقیمہ پر چلا دیا، انبیاء کا راستہ دکھا دیا، اب صلاحیت پیدا ہو گئی کہ روح اوپر اڑنے لگے جس کے لئے قرآن نے فرمایا تھا۔

عالم بالا سے رابطہ

ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنہ اخلد الی الارض (الاعراف ۱۷۶) اگر ہم چاہتے تو اسے آیات کے ذریعے اوپر اٹھاتے مگر وہ تو سدا زمین سے چمٹا رہا۔

رحمت عالم ﷺ نے ہاتھ پکڑا دل کی دنیا کے جالوں کو اجالوں میں بدلا، دل کے غبار کو انوار سے بدلا روح نے مصطفوی تزکیہ کا لباس پہنا، اتباع مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی اتباع میں معراج کو چلی، قرب خدا کے لئے نکلی، انوار سمیٹنے کو اٹھی۔

توحید کی تعلیم

اللہ کریم سے تعلق پیدا کیا رابطہ ہوا بندہ اسی کا ہو گیا، جدھر دیکھا اس کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا، اسکی ذات اور اسکی صفات میں یوں گم

Marfat.com

ہُوا کہ اپنی بھی خبر نہ رہی۔ جو توحیدی نظریات شنکر اور فلوطین کے پڑھ چکے ہیں ہمارے صوفیہ ان سے آگے بہت آگے نکل گئے، انہوں نے کہا ذات ایک ہے صوفیہ بولے اسکی ذات کے لاتعداد پہلو ہیں کہ اس کا ارشاد ہے کل یوم ھو فی شان (الرحمٰن ۲۹) اسکی ہر روز ایک شان ہے۔ مگر وہ ذات واحد ہے ارشاد ربانی ہے:۔

هو الاول والآخر والظاهر والباطن وهو بكل شئى عليم الحدید ۳

"وہی ہر شے سے اول ہے وہی ہر شے سے آخر ہے وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے وہ ہر شے کو جانتا ہے"

اس سے پہلے کوئی نہیں ہے تو پھر وہی ہر شے کی تخلیق کا باعث ہے وہی ہر شے سے آخر ہے تو پھر وہ فانی نہیں ہے ظاہر بھی وہ ہے کہ ساری مخلوق اسی کے حسن جمال کا پرتو ہے اور اس کا ظہور ہے وہی باطن ہے کہ دل کی دنیا اسی سے آباد ہے وہ نہ ہو تو دل کی دنیا اجڑ جائے وہ خالق ہے تو پھر ہر شے کو جانتا بھی ہے، خالق ہو کر نہ جانے تو یہ بات خلاف عقل ہے خلاف حقیقت ہے۔ ذات حق نے قرآن میں ہمہ جہتی توحید کو بیان فرمایا ہے تاکہ سالک کی توجہ اسی ایک مرکز پر مرکوز ہو جائے اور وہ مناظر فطرت میں کھو کر انہیں آلہ نہ مان لے، اس کریم نے اگر کسی کو صفات کریمہ سے نوازا ہے تو اسے خدا نہ مان لے، آپ سورۃ اخلاص کی عبارت کو ملاحظہ فرمائیں:۔

قل هو الله احد. الله الصمد . لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد

فرمادیجئے اللہ ایک ہے، اللہ مقصود ہے، نہ اس نے جنا اور نہ وہ جنا گیا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں،

شرک عدد میں ہوتا ہے کہ ایک نہ ہو دو ہوں پہلے جملے نے اسکی نفی کر دی کہ عدد میں اس کا کوئی شریک نہیں دوسرا ہے ہی نہیں، عارف اب ایک کی ہی تلاش کرے گا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مرتبے اور منصب میں بھی اس کا کوئی شریک ہے تو جواب ملا مرتبہ اسی کا ہے وہی مطلوب ہے وہی مقصود ہے وہ ہم مرتبوں سے بھی بے نیاز ہے تو اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد ہوا نہ اسکی اولاد ہے نہ اسکے آباء واجداد ہیں وہ ان انسانی لوازمات سے بری ہے یہ مخلوق کی خصوصیات ہیں اور وہ مخلوق کی خصوصیات سے بالاتر ہے نسب میں ایک دوسرے کی احتیاج ہوتی ہے اور وہ ان احتیاجوں سے پاک ہے نہ بیٹے کو پالتا ہے اسکی تربیت کرتا ہے اور بیٹا بڑھاپے میں باپ کی خدمت کرتا ہے وہ ذات اقدس ان ضرورتوں اور ان صفتوں سے پاک ہے، اب ایک اور سوال یہ ہے کہ کام اور تاثیر میں کیا کوئی اسکا شریک ہے؟ تو سورۃ مقدسہ میں آخری آیت نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں ہے وہ افعال میں بھی واحد و یکتا ہے قرآن نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ دوسرا دکھاؤ جس نے زمین و آسمان بنائے ہوں، اس صورت نے چار جہتوں سے توحید بیان کر کے شرک کی تردید فرمائی یوں تو پورا قرآن توحید سے بھرا پڑا ہے ہر ہر آیت میں توحید ہے مگر آپ مزید تسکین کے لئے آیت کرسی کا مطالعہ فرمالیں جس میں ذات خداوندی اور صفات خداوندی کو بڑے جامع

انداز سے بیان فرمایا گیا ہے مزید برآں سورہ حشر کی آخری تین آیات کو ملاحظہ فرمائیں ان میں توحید ذاتی اور توحید صفاتی کا جامع بیان ہے حاصل کلام یہ ہوا کہ اسلامی تصوف کی بنیاد توحید پر ہے اور اللہ کریم کی محبت اور اس ذات پاک کا عشق تصوف کا اصل ہے۔

تصوف اور قرآن/ زندگی کا مقصد اللہ سے ملنا ہے

بہت سارے لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تصوف قرآن سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ اس کا ماخذ ھندوؤں، ایرانیوں اور یونانیوں کے صوفیہ اور فلاسفہ کے اقوال ہیں اور وہ ہمارے لئے حجت نہیں اور نہ ہی عقلاً اور فکراً درست ہیں۔

ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں کہ تصوف کا مقصد اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے اس ذات پاک سے محبت اور عشق ہے اسی کی ذات میں انہماک واستغراق ہے اسی کا ہو کر رہنا ہے، اسی میں کھونا اور حقیقت کو پانا ہے، جب تصوف یہ ہے تو پھر قرآن وحدیث میں کیوں نہ ہوگا اور اسلام اس کا اثبات کیوں نہیں کرے گا، توحید کے بارے میں کچھ آیات اوپر ذکر ہو چکی ہیں تصوف کے اصول وماخذ کے بارے میں مزید آیات ملاحظہ ہوں:۔

ان الذين لا يرجون لقائنا ورضوا بالحياة الدنيا واطمئنوا بها والذين هم عن آياتنا غافلون ۔یونس۔۷۔

وہ لوگ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر ہی راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہیں اور وہ لوگ جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔

آیت مقدسہ نے زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی ملاقات قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنا اصل ہے دنیاوی زندگی اور اسکی رعنائیوں میں کھو جانا گویا راہ راست سے بھٹکنا ہے اس دنیا کا اطمینان حقیقت میں بے اطمینانی ہے، آیات ربانی سے غفلت حقیقی زندگی سے دوری ہے، آیت شریفہ نے بتادیا کہ تمہارا اصل مقصد قرب ربانی ہے ذات حق سے ملاقات ہے اسکی رویت وزیارت ہے پھندوں سے نکل کر اسکی طرف اڑنا ہے۔

دل اندھے ہوجاتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دوری کا کیا نتیجہ ہوتا ہے، دل کے دروازے کھول کر حکم خداوندی سماعت فرمائیں ارشاد ہے:۔

فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور ۔الحج۔۴۶

تو یقیناً آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ عارف کو دل کا تزکیہ کرنا ہوتا ہے تاکہ اس پر تاریکی نہ چھائے وہ اتنا پاکیزہ ہو کہ عرش خداوندی بن سکے اور رحمت عالم ﷺ کا ارشاد عملی صورت پا سکے قلب المومن مقر اللہ۔ مومن کا دل اللہ کے رہنے کی جگہ ہے۔

قلندر لاہوری نے فرمایا:۔

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں

قرآن نے ،سنت نے اور اولیائے امت نے روحانیت کے لئے ،قرب خداوندی کے لئے ،لطف مصطفوی ﷺ کے لئے دل کے تزکیہ،وطہارت کو بیحد ضروری قرار دیا ہے اسلامی تصوف اسے روحانیت کا بنیادی پتھر قرار دیتا ہے تا کہ اس پر قرب خداوندی کا بلند و بالا محل تعمیر کیا جاسکے۔

مجاہدہ کا فائدہ

بندہ طہارت قلبی کے لئے تزکیہ کرتا ہے، مجاہدہ کرتا ہے، ریاضت کرتا ہے، بیداری اختیار کرتا ہے، جنگلوں میں رہتا ہے کم کھاتا ہے، روزہ رکھتا ہے، چلہ کشی کرتا ہے، کیوں؟ صرف قرب خداوندی اور نگاہِ مصطفوی کا طالب ہوتا ہے آیئے اللہ کریم سے عرض کرتے ہیں کہ ان جان جوکھوں کا فائدہ کیا ہے تو ارشاد ہوتا ہے:۔

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا و ان الله لمع المحسنین (العنکبوت۔۶۹

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی اور مجاہدہ کیا ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بیشک اللہ محسنوں (نیکوکاروں) کے ساتھ ہے۔

مجاہدہ و ریاضت کا انعام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک جانے والے سارے راستوں کا پتا چل جاتا ہے، سالک کسی راستے پر چل پڑتا ہے اور انوار اسے منزل مقصود ومطلوب تک لے جاتے ہیں، وہ نیکی کے راستے پر ہے احسان کے راستے پر ہے حسن سلوک کے راستے پر ہے تو اللہ تعالیٰ کی معیت، اسکی رفاقت اسے نصیب ہو جاتی ہے، اب وہ ملاقات سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ زیارت سے مشرف ہے انوار کی بارش میں نہار ہے، سابقہ امتوں کے صوفیہ اپنی طرف سے خداوندی رفاقت کا دعویٰ کر رہے تھے، مسلمان صوفیہ کو اللہ تعالیٰ کی اپنی رفاقت کا خود یقین دلا دیا،

ببیں تفاوت راہ از کہالت تا بکجا

یہ فرق کتنا بڑا فرق ہے سبحان ربی ایک اور انداز سے اسی مفہوم کو بڑے دلنشین انداز سے یوں بیان کرتے ہیں، فرمایا!

ومن یومن بالله یهد قلبه (التغابن ۱۱)

اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اسکے دل کو راستہ دکھا دیتا ہے

ایمان اللہ پر اٹوٹ یقین کا نام ہے، اسے رحمت عالم ﷺ نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا!

اعبد الله کانک تراه و ان لم تکن تراه فانه یراک

Marfat.com

اللہ کی عبادت یوں کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے

آپ اللہ کو دیکھ رہے ہوں یا خود اللہ کریم کی نگاہ میں ہوں یا جناب اقدس میں حاضر ہوں تو آپ کو ہدایت ملے گی، راستہ ملے گا جو قرب خداوندی کا ذریعہ ہوگا، یہی تو تصوف ہے یہی تو قرب خداوندی ہے، یہی تو کمال ہے زندگی ہے، یہی تو جمال میں کھو کر جمال بن جانا ہے، یہی وہ حسن ہے جس کا طالب بذات خود حسن بن جاتا ہے، یہی مقام رفیع ہے جہاں پہنچ کر بندہ صفات ربانی کا مظہر بن جاتا ہے، اس کا ہاتھ اللہ کریم کا ہاتھ بن جاتا ہے، اس کے کان اللہ کریم کے کان بن جاتے ہیں۔

دعوت محمدی ﷺ

انسانوں کو اس مقام رفیع تک پہنچانے کے لئے اللہ کریم نے اپنے محبوب رحیم علیہ التسلیم کو حکم دیا:۔

وادع الی ربک (الحج۔۶۷۔) اور آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت ونصیحت سے بلائیں۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ (النحل۔۱۲۵) آپ ﷺ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت ونصیحت سے بلائیں۔

واضح ہوا کہ رسالت محمدی کا مقصد اللہ کریم کی طرف دعوت دینا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستے کا سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کی ذات اقدس ہی کو علم ہے لہذا اس راستے کے قائد ودلیل بھی آپ ہیں اس دعوت کو لبیک کہنے والے کامیاب ہیں جس نے دربار سدا بہار ربانی میں جانا ہے، دعوت محمدی کے ذریعے جانا ہے اس راستے سے جانا ہے جو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے، اسی راستے کیطرف آپکی امت کے اولیاء عرفاء بھی دعوت دیتے ہیں کہ مقصد وحید ذات ربانی کا قرب وحید ہے سب سے کٹ جانا ہے اور ایک کا ہو جانا ہے۔ اس کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:۔

و تبتل الیہ تبتیلا۔ المزمل۔۸

اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو

سب سے ٹوٹ کر اللہ کریم کا بنانا یہ دعوت محمدی اسی کا حصول انسانیت کی عظمت ہے۔

قرب خداوندی اور قرآن

تصوف کی تلاش ہی قرب ربانی ہے کیونکہ وہی ذات پاک اصل ہے باقی سب کچھ فرع اور فانی ہے۔ پہلی امتوں کے صوفیہ اسکی تلاش میں رہے ہیں مگر انکی مذہبی کتابوں میں قطعاً ایسی کوئی آیات اور عبادات نہیں ہیں جیسی قرآن میں ہیں، اضافہ مقصود نہیں نمونہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

واذا سئلک عبادی عنی فانی قریب ۔(البقرۃ ۔۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو آپ انہیں جواب دیں) کہ بیشک میں قریب ہوں۔
خداوہ ہے جو بندوں سے دور نہیں ہوتا بندے ہی اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اس سے دور ہو جاتے ہیں گناہ اندھیرا ہے ظلم ہے اللہ تعالیٰ نور ہے، روشنی ہے عدل ہے، اندھیرا وہاں کیسے راہ پا سکتا ہے ظلم اس عدل وحسن کی سرکار میں کیسے جا سکتا ہے، مقدس جملے میں ک حاضر کی ضمیر فخر موجودات علیہ السلام کے لئے ہیں آپ سے پوچھیں تو میں قریب ہوں نتیجہ واضح ہے کہ آپ کو چھوڑ کر کوئی قرب کے راستے پر نہیں چل سکتا مزید ملاحظہ ہو:۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید ق ۔۱۶

ہم اس (انسان) کی شاہرگ (رگ دل) سے بھی زیادہ قریب ہیں
جو رگ جان سے زیادہ قریب ہے اس کے قرب کو الفاظ کی تنگنائیوں میں کیسے سمویا جا سکتا ہے دوسرے لفظوں میں وہی تو روح ہے وہی تو جان ہے جس نے تشخص کا پردہ ڈال کر غیریت کا سماں پیدا کر دیا ہے، اسی کو علامہ اقبال خودی کہتے ہیں جہاں تک ہمارے مطالعہ کا تعلق ہے کسی مذہبی کتاب نے قرب خداوندی کا ایسا اظہار نہیں کیا۔

لاتحزن ان اللہ معنا ۔توبہ۔۴۰

میرا غم نہ کیجئے یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معیت خداوندی کا درس انکے رسول کس پیارے انداز سے دے رہے ہیں،

ان معی ربی سیھدین ۔الشعراء ۔۶۲۔ **یقیناً میرے ساتھ میرا رب ہے مجھے راستہ دکھائے گا**

اسرائیلی دیکھ رہے ہیں سامنے دریا کا پانی ہے پیچھے فرعون اور اسکا لشکر ہے اسرائیلی تنگ پڑ گئے ہیں موت کے خوف سے گھبرا گئے ہیں تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام اس مقدس جملے سے انکی تسکین اور تسلی کا سامان فراہم فرما رہے ہیں۔

دونوں جملوں کا فرق

الف:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے معی کا لفظ پہلے استعمال فرمایا ہے اور سید کل علیہ السلام نے اپنے ذکر سے پہلے اللہ کا مبارک لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ب:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے رب کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور آقا علیہ السلام نے اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ رب صفاتی لفظ ہے اور اللہ ذاتی نام ہے، رب میں شرکت ہے کہ اللہ کے بغیر کسی اور کو رب کہہ سکتے ہیں، سیدنا یوسف علیہ السلام نے یہ لفظ

Marfat.com

حاکم مصر کے لئے قرآن میں استعمال فرمایا ہے، مگر اللہ کا لفظ صرف ذات ربانی پر استعمال ہوتا ہے ایک ہستی صفات میں محو ہے تو دوسری ذات کے حسن میں کھوگئی ہے۔ کتنا واضح ہے۔

ج:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ضمیر واحد متکلم (ی) استعمال فرمائی ہے کہ ایک معی میں مذکور ہے اور دوسری سیھدین میں محذوف ہے، کہ اصل لفظ سیھدینی ہے مگر سید کل علیہ السلام نے معنا کا لفظ فرمایا ہے، معنا میں نا ضمیر جمع استعمال فرمائی ہے کہ ہم دونوں کے ساتھ اللہ ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی معیت ربانی سے اسرائیلیوں کو خارج کردیا ہے مگر رحمت عالم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو معیت الہیٰ میں شامل فرما کر واضح کردیا ہے کہ میرے غلام صفات سے نکل کر قرب ذات حاصل کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ غار میں صرف صدیقؓ ساتھ تھے لہذا لفظاً نا تثنیہ پر اطلاق ہو رہا تھا مگر اسکی معنوی وسعت میں قیامت تک کے آنے والے سارے اولیائے امت شامل تھے اسی جملے سے موسویؑ اور محمدیؐ تصوف کے فرق کو بھی واضح کردیا۔ اقبال کیا خوب فرما گئے۔

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں غلغلہ ہائے الدماں بت کدہء صفات میں

کمال پر پہنچ کر ہمارا عظیم صوفی کہتا ہے:۔

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

معیت اور قرب خداوندی پر بیسیوں آیات قران میں موجود ہیں اب آگے بڑھیں

محبت خداوندی اور قرآن ؑ

آپ اس وقت تک کسی نظریہ کو دل کی گہرائیوں سے قبول نہیں کرسکتے جب تک آپکو اس سے عشق اور محبت نہ ہو اللہ تعالیٰ سے جب تک گہری محبت اور اٹوٹ عشق نہ ہو آپ اس کے قرب کی بندش میں جدوجہد نہیں کرسکتے اسکے لئے دنیا کا آرام نہیں چھوڑ سکتے اسکے لئے بھوکے پیاسے نہیں رہ سکتے اسکے لئے بیداری سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے اسکے لئے صحرا کے کانٹوں کو پھول نہیں کہہ سکتے اس۔

جہاں ہر قدم پر تھے پابوس کانٹے وہ صحرا بھی تیرے لئے چھان میرے

اسے بھی کھو گے خطائے محبت اگر دل تڑپ کر تمہیں کو پکارے

یہ تبھی ممکن ہے کہ آپ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اسی کے ہو رہیں قرآن نے ارشاد فرمایا:۔

قل ان کان آبائکم و ابنائکم و اخوانکم وازواجکم و عشیرتکم و اموال ن اقترفتموھا و تجارة تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ

Marfat.com

ط واللہ لایھدی القوم الفاسقین۔توبہ۔۲۴۔

اے رسول! آپ مسلمانوں کو فرمادیں کہ اگر تمہیں، اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنی برادریاں اور اپنے وہ جو تم نے کمائے ہیں اور اپنی وہ تجارت جس کے مندے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ تمہیں اللہ سے، اسکے رسول سے اور اسکے راستے میں جہاد سے عزیز تر ہیں اور محبوب ترین ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے اللہ فاسقوں کو ھدایت نہیں دیتا۔

آیت مقدسہ نے واضح کردیا کہ راہ خدا پر چلنے والے محبت خداوندی اور محبت رسول علیہ السلام میں کسی اور کو شریک نہیں کرتے۔ حقیقت صرف خدا اور رسول کی محبت ہے، باقی سب مجاز ہے حقیقی محبت نہ ماں نہ باپ سے نہ بہن نہ بھائی سے، نہ برادری اور مال و منال سے نہ جائیداد و وطن سے ہوتی ہے اور نہ ہی کسی اور علاقہ و نسبت سے بلکہ صرف اللہ اور اسکے رفعت وعظمت مآب رسول سے ہی ہوتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

آیت مقدسہ کا مطلب رھبانیت نہیں، اسلام ایسے تجرد کا قائل نہیں کہ شادی سے منہ موڑا جائے، ماں باپ اور اعزاء واقرباء سے رشتہ توڑا جائے معاشرے سے اور ملک کو چھوڑا جائے اسلام صرف یہ چاہتا ہے کہ انکی الفت، محبت اور عشق کو اپنے او پر مسلط کرکے محبت خداوندی اور عشق رسول ﷺ سے ہٹانہ جائے، آیت مقدسہ کے اندران رشتوں کا اثبات ہے، اسلام توازن و اعتدال چاہتا ہے، ہمارے عظیم صوفی کی یہ سب رشتہ داریاں تھیں مگر یہ محبت خدا میں حائل نہیں تھیں، بیٹا اندر آیا کہا میں محی الدین ہوں، باپ نے کہا کون محی الدین، بیٹے نے کہا آپ کا بیٹا، باپ کون آپ کا بیٹا؟ یہ ہے محبت کی وہ بے خودی جو اسلام چاہتا ہے۔یہ بات یادر ہے کہ آیت میں اللہ کریم نے اپنی محبت کے ساتھ اپنے محبوب رحیم علیہ التسلیم کو بھی شامل فرمایا ہے، ایک اور آیت پر بھی غور فرمالیں، والذین آمنوا اشد حبا للّٰہ،البقرۃ۔۱۶۵۔

وہ لوگ جو ایماندار ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت آگے ہیں

یہ اہل ایمان کا دعویٰ نہیں اللہ کریم کا ارشاد ہے اور جو اپنی ساری مخلوق کے اعمال وافعال جانتا ہے، وہ شہادت دے رہا ہے، کہ لوگوں کی محبتیں اولاد سے ہیں آباء سے ہیں، مال و دولت سے ہیں، ملک و ملت سے ہیں، خودساختہ معبودوں سے ہیں اور وہ ان محبتوں میں منہمک ہیں، مستغرق ہیں، مگر ایک محبت ایسی ہے جو اہل ایمان کے پاس ہے، اولیائے امت کے پاس ہے

Marfat.com

انکی اس شدید اور گہری محبت کے مقابلے میں کوئی اور محبت نہیں ہے کیونکہ یہی حقیقی محبت ہے جو دل کی گہرائیوں اور روح کی پہنائیوں سے اٹھتی ہے اور زندگی کی سب وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے۔ پتا چلا کہ اسلامی تصوف محبت خداوندی کا داعی ہے۔

محبت خداوندی کے بہت سے پہلو ہیں مگر ہم اس لئے بات کو ختم کر رہے ہیں کہ ہم ایک مقالہ لکھ رہے ہیں کتاب نہیں لکھ رہے، اس تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کریم کا قرب روح کی طلب ہے یہی نجات کا راستہ ہے، محبت بے مثل ہی محبوب بے مثل سے ہوسکتی ہے اور وہ اسلام کا محبوب ومقصود واحد لاشریک ہے یہ تصور توحید ہے جسے اسلام نے بڑی تفصیل اور جزئیات سے بیان کیا ہے، مقصد حیات اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے اسی کا ہوکر رہنا ہے، دل کے اندھیروں کو نور سے بدلنا ہے مجاہدہ کرنا ہے یہی دعوت محمدی ہے قرب خداوندی کی تلاش میں زندگی گزارنی ہے اس سے اٹوٹ محبت کرنی ہے جب محبت اسکی ہے تو اطاعت بھی اسکی ہوگی، فرمانبرداری بھی اسی کی ہوگی، محبت کے خلاف سب باتوں کو چھوڑنا ہوگا، کیونکہ یہ رذائل ہیں بدی ہیں اور گناہ ہیں، یہ حقائق تصوف کی روح ہیں اور یہ سب قرآن پاک نے بیان کئے ہیں، لہذا قرآن نے ذات ربانی کے بارہ میں سارا تصوف بیان فرمادیا ہے۔

مقام رسول علیہ السلام اور قرآن

رسول اقدس ﷺ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے اس سے ملانے اور اس کا بنانے کا ذریعہ ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں عظمتوں سے نوازا ہے انکی زبان وبیان کو اپنی زبان وبیان قرار دیکر فرمایا۔

وماینطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحیٰ (النجم۔۴۔۳) وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے (ان کا بول) تو صرف وحی ہے جو انہیں وحی کی جاتی ہے۔ کتنی بڑی عظمت ہے جس کی نشان دہی اس آیت نے فرمادی۔ آپکے ہاتھ مبارک کو ذات خداوندی نے اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے۔

یہ ہاتھ تو رسول مکرم ﷺ کا ہے مگر اللہ کریم اسے اپنا ہاتھ قرار دیا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، لوگوں کے ہاتھ پکڑ پکڑ کر خدائے قدوس سے ملارہے ہیں۔

انکے ہاتھ کا عمل بھی خدائے برتر واعلیٰ کا عمل ہے، ارشاد ہے۔

ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (الانفال۔۱۷) محبوب! جب آپ ﷺ نے پھینکا تو آپ ﷺ نے کافروں کی طرف مٹھی بھرمٹی اور کنکریاں پھینکیں وہ ہزاروں کافروں کی آنکھوں میں پڑیں یہ ناممکن معاملہ تھا لہذا اللہ کریم نے اسکی نسبت اپنی طرف کردی۔

Marfat.com

کہ کسی مرحلے پر بھی اسے بیان کرنے والے تین سے کم نہ ہوں اسے **حدیث مشہور** کہا جاتا ہے۔ اگر کسی مرحلے پر دو ہوں اور دو سے کم نہ ہوں اسے **حدیث عزیز** کہا جاتا ہے۔ اگر سرکارؐ کے اور ہمارے درمیان کسی مرحلے پر بیان کرنے والا ایک رہ جائے تو اسے **حدیث غریب** کہتے ہیں۔

آپ بھائیوں سے ایک درخواست ہے آپ لکھے پڑھے لوگ ہیں اور جانتے ہیں کہ دنیا میں آجکل جہاں بھی بات چل رہی ہے وہ ایک آدمی پر چل رہی ہے کتاب کا مصنف ہے تو ایک، کوئی آگے بیان کرنے والا ہے تو ایک، یہاں مدار ایک پر ہے۔ لیکن اسلام میں روایت کے لیے سب سے نیچے والا معیار ایک پر ہے۔ اب اگر اس کے بعد کوئی اسلامی علوم پر جرح کر کے یہ کہہ دے کہ یہ معتبر نہیں ہیں تو میں اسے کھلے لفظوں میں کہوں گا کہ جس انداز سے ہم نے یہ ترتیب رکھی ہے اور چودہ سو سال تک اس حسین ترتیب کو نبھایا ہے آپ غیر مسلموں کی صرف اوپر والی چار پشتیں لے لیں اور چار پشتوں میں اس کے اندر علمی تواتر ثابت کر دیں تو یہ جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہوگا۔ لہذا یہاں بھی ہم منفرد کھڑے ہیں۔ اس موضوع پر میں نے ابھی تازہ تازہ ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام رکھا ہے ''حدیث سید الانام'' میری بہنوں اور بچیوں میں ایک عزیزہ بیٹھی ہیں جو اس کی نگرانی کر رہی ہیں انشاءاللہ دو چار ہفتوں میں یہ کتاب چھپ کر آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔ حدیث پاک پر جدید انداز سے جتنے بھی اعتراضات کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اعتراض کو میں نے علمی سان پر چڑھا کر کھنگھالنے کی کوشش کی ہے اور ان کی کوئی ایسی بات نہیں جسے ختم نہ کیا گیا ہو۔ البتہ جو بات آپ کے ذہن میں موضوع پہ آنے سے پہلے خاص طور پر ڈالنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کچھ مغربی مفکرین نے جنہیں ہم ''مستشرقین'' کہتے ہیں نے کہا کہ بخاری تو تیسری صدی میں تھے، یا یہ کہ صحاح ستہ والے تیسری صدی میں تھے۔ تو سرکارؐ سے لے کر ان تک تسلسل نہیں ہے۔ اردو لٹریچر میں اس موضوع پر کوئی کتاب نہیں ہے حدیث کی اہمیت پر، اس کے مختلف موضوعات پر، بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن بخاری سے لے کر سرکارؐ تک یا مسلم سے لے کر سرکارؐ ہی تک علمی تسلسل کو ثابت کیا جائے، میں نے اس سلسلے میں بے پناہ کاوش کی اسلامی یونیورسٹیوں سے رابطے کئے۔ ان سے لٹریچر مانگا۔ الازہر یونیورسٹی اس سلسلے میں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوئی۔ انہوں نے بہت مدد دی۔ جتنے پرانے مخطوطے تھے۔ ان کی فوٹو سٹیٹ انہوں نے مجھے بھی بھیج دی۔ میں اشارتاً کنایۃً اختصاراً یہ بات عرض کروں گا کہ دورِ نبویؐ میں چوالیس صحابہ نے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ میں نے وہ سارے ریفرنس اپنی کتاب میں دیئے ہیں۔ تابعین کے دور میں یہ چھیاسی تک پہنچ گئے۔ اور جب تبع تابعین کی بات آئی یہ ایک سو چوالیس تھے۔ آپ کو اس بات کا پتہ ہے کہ حنفی فقہ کے مشہور امام، جنہیں حنفی حضرات ''امام اعظمؒ'' کہتے ہیں۔ تابعین میں شامل تھے، امام مالک، امام شافعی، تبع تابعین میں شامل

عمر مبارک کی قسم

اللہ کریم نے اپنے حبیب ﷺ کی عمر مبارک کی قسم کھائی ارشاد خداوندی ہے:۔

"لعمرک انهم لفی سکرتهم یعمهون" ۔الحجر۔۷۲ محبوب علیہ السلام آپکی عمر کی قسم یقیناً وہ (کافر) اپنی مدہوشیوں میں سرگرداں ہیں" کتنی عظیم ہے وہ عمر جس کی قسم خود اس کا خالق کھا رہا ہے، اس عمر نے صرف تیئس سال کے مختصر سے عرصہ میں انسانیت کی ساری تاریخ بدل ڈالی بلکہ اصل مسئلہ تو ہجرت کے بعد شروع ہوا، ان دس سالوں میں انسانی زندگی کی سب اداؤں کو بدل دیا، عقائد، عبادات، معاشرت، سیاست، قانون، تعلیم، اخلاقیات م طرز حکومت، فلسفہ امن و جنگ، سب کچھ بدل دیا، اور نہج مستقیم اس طرح قائم فرمائی کہ قیامت تک انسانیت کا قافلہ اس پر چلتا رہے گا کھو جانے اور گمراہ ہونے کا اندیشہ باقی نہیں رہے گا، کائنات میں صرف یہ ایک عمر ہی بے مثل ہے، جس کی قسم اللہ کریم نے کھائی ہے، اب آگے بڑھیں۔

بات اور کلام کی قسم

فرمان عالی شان ہے" وقیله یارب ان هوء لاء قوم ل یومنون ۔الزخرف۔۸۸" اور محبوب کے اس کہنے کی قسم، اے میرے پروردگار یہ قوم ایمان نہیں لاتی، هوء لاء قوم لا یومنون ایسا جملہ ہے جس میں کافروں کے ایمان نہ لانے کا ذکر ہے، تو اچھی خبر نہیں ہے، قابل تعریف بھی نہیں، مگر محبوب علیہ السلام نے یہ خبر دینے سے پہلے اپنی عرضداشت میں یارب کا محبت بھرا جملہ بھی عرض کر دیا ہے اس محبت خیز جملے کا جواب دیتے ہوئے اللہ کریم نے اس عبارت کی قسم کھائی ہے اور رسول ﷺ کی عظمت و رفعت پر مہر لگا دی ہے۔ قرآن حکیم نے نبی محترم ﷺ کی عظمتوں کا ذکر مختلف اندازوں سے اپنے کلام اقدس میں ذکر فرمایا ہے۔ جس محبوب کی یہ عظمتیں ہیں انہیں دیکھ کر راہ حق کا مسافر ان کا قرب اور انکی محبت زندگی کا شعار بنانا چاہتا ہے اور اللہ کریم انکی محبت کی تاکید فرماتا ہے۔

محبت مصطفےٰ ﷺ علیه التحیة والثناء

اتنی عظمت و رفعت والے رسول ﷺ کی محبت اور عشق کے بغیر قرب خداوندی اور محبت خداوندی کا حصول ناممکن ہے رابطہ کرنا ہے اللہ کریم سے قرب حاصل کرنا ہے، وہ ذات اقدس جسم سے پاک اور ہم جس کے پنجرے میں گرفتار، قرب کیسے ہو رابطہ کیسے ہو، جسے دیکھا نہیں اس سے محبت کیسے ہو، لہٰذا اللہ کریم نے طریقہ بتا دیا کہ پہلے میرے محبوب سے محبت کرو اس طویل راستے کے پیچ و خم ان سے دریافت کرو، چلنے کا طریقہ سیکھو، پھر چل پڑو میں تمہیں مل جاؤں گا، تمہاری باطن کی آنکھیں مجھے دیکھ لیں گی، تمہارے وجود پر میرے انوار چھا جائیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ فکری اور فلسفی انداز سے میرے محبوب کو نہ سمجھو، ان

Marfat.com

سے اٹوٹ محبت کرو اور پہلی آیت یعنی سورہ توبہ کی ۲۴ میں اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی محبت کو بھی لازم قرار دیا اور قرآن نے متعدد آیات میں اسے دھرایا۔ آل عمران ۳۱

رحمت عالم ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں خود اسکی جامع وضاحت فرمائی، حدیث کی سب کتابوں میں یہ احادیث موجود ہیں ہم صرف سب سے زیادہ معتبر اور صحیح کتاب بخاری سے صرف دو احادیث نقل کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

۱. عن ابی هریرة ان رسول الله علیه صلی الله علیه وسلم قال والذی نفسی بیده لا یومن احدکم حتی اکون احب الیه من والده و ولده۔ بخاری۔ صفحہ ۷/۱ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی۔

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اسکے باپ اور اس کے بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

۲. عن انس قال قال رسول الله ﷺ لا یومن احد کم حتی اکون احب الیه من والده و ولده والناس اجمعین۔ ایضا۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے باپ اور بیٹے اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔

دونوں حدیثوں سے یہ حقائق سمجھ میں آئے کہ سید کل ﷺ سے محبت اتنی اہم ہے کہ آپ ﷺ نے اسے بیان فرمانے کے لئے قسم کھائی ہے۔ ان کی قسم کی اہمیت کا اندازہ اس فقرے سے لگائیں کہ ارشاد ہوا' مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے' کتنی اہم قسم ہے کتنا اہم انداز بیان ہے کتنی لطافت ہے اس قسم میں، اب ارشاد ہوا مجھے اپنے والد یعنی اپنی اصل سے بڑھ کر محبوب بنانا ہے، اپنی اولاد یعنی اپنی فرع سے بھی بڑھ کر محبوب قرار دینا ہے، سب لوگوں سے بھی بڑھ کر محبوب سمجھنا ہے، اب سب لوگوں میں ہر قسم اور ہر نوع کے لوگ انبیائے کرام علیہم السلام سمیت شامل ہیں، مطلب یہ ہوا کہ اللہ کریم کے بعد مجھے ہی اپنی محبت کا مرکز، اپنی محبت کا اصل اور اپنی محبت کا منبع قرار دینا ہے۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو ایمان نہیں ملے گا۔ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سلام علیک، باقی سب کی بات سمجھ لی اپنی جان سے بڑھ کر آپ کی محبت لازم ہے؟ ارشاد ہوا' استفت قلبک' یا عمر۔۔۔۔۔ 'عمر اپنے دل سے پوچھ لے' انہوں نے دل کی طرف سر جھکا کر پھر سر اٹھایا اور عرض کیا' الآن' یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول ﷺ اب بات سمجھ آ گئی۔ یعنی دل نے بھی فتویٰ دیدیا ہے کہ جب تک آپ جان سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں ایمان دل میں قرار نہیں پاتا۔

اسلئے اگر ہم نے اللہ کا قرب پانا ہے اور یہ قرب رحمۃ للعالمین کے واسطے اور وسیلے کے بغیر نہیں مل سکتا لہذا آپ سے اٹوٹ

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

اطاعت و اتباعِ رسول ﷺ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [illegible]

[illegible] تم سے محبت فرمائے گا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔ الحشر: 7

اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں اسے پکڑ لو اور جس سے وہ روک دیں اس سے رک جاؤ

[illegible] وہ جو عطا فرماتے وہ قرب ربانی کا ذریعہ ہوتا ہے اور جس سے روکتے ہیں [illegible]

روکنے کا سبب ہوتا ہے۔

Marfat.com

بہت ہی وسیع کام

سب انبیائے عالی مقام قرب خداوندی کے داعی تھے مگر وہ محدود دور اور محدود لوگوں لے لئے مبعوث ہوئے تھے کوئی تو صرف بنی اسرائیل کے لئے تھے اور کوئی الی مائة الف او یزیدون۔ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ کے لئے۔ مبعوث تھے مگر سید کل ﷺ پر اللہ کریم کی وہ نوازشات تھیں جو کسی اور کے لئے نہیں تھیں، وہ ساری دنیاؤں کو قرب خداوندی کی نوید سنانے آئے تھے، ان کا دور محدود نہیں تھا انکی امت محدود نہیں تھی، وہ اولین وآخرین کے قائد تھے ان جتنا کام کسی اور کے ذمہ نہیں لگایا گیا تھا لہذا پہلے انکی خبریں دیتے گئے انکی زیارت کے متمنی رہے جب وہ آئے تو کس انداز سے آئے قرآن فرماتا ہے:۔

وما راسلناک الا رحمة للعالمین ۔الانبیاء ۱۰۷ ''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سب جہانوں کے لئے رحمت بنا کر'' فرمایئے کوئی اور بھی سب جہانوں کے لئے رحمت ہے؟ یہ اعزاز صرف نبی امی فداہ ابی و امی کا اعزاز ہے کہ انکی رحمت کی کملی کے نیچے ساری دنیائیں سما گئی ہیں، اسود وابیض کی کوئی تمیز نہیں عرب وعجم میں کوئی فرق نہیں، مزید ملاحظہ ہو ولکل قوم ھاد الرعد۔۷۔ ''آپ ﷺ ہر قوم کے ہادی ہیں'' یہ شرف بھی صرف آپ ﷺ کا ہے۔قل یاایھاالناس انی رسول اللّٰه الیکم جمیعا۔اعراف۔۱۵۸۔'' فرمادیجئے اے لوگو! میں بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' سب کی طرف جی ہاں بلا استثناء سب کو اللہ کریم سے ملانے والے ہیں، یہ اعزاز آپ کے سوا نہ کسی انسان کو ملا ہے نہ کسی فرشتہ کو ملا ہے نہ کسی اور مخلوق کو عطا ہوا ہے سچ ہے

تجھے اک نے اک بنایا

محبت کی ادائیں

آپ ﷺ نے سید الاولین والآخرین علیہ صلوات رب العالمین کا مقام رفیع ملاحظہ فرمایا اب یہ ادا بھی ملاحظہ ہو فرمائیں کہ جب بندہ ذات خداوندی مین فنا ہو جاتا ہے تو اللہ کریم اس پر کیسی نوازشات فرماتے ہیں، قبلہ بیت المقدس بن گیا ہے سید کائنات علیہ السلام کعبہ کو بطور قبلہ پسند فرماتے ہیں تو ارشاد ہوتا ہے ''فلنولینّک قبلة ترضاھا۔البقرة۔۱۴۴'' ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جو آپ ﷺ کو پسند ہے''، یعنی ہمیں آپ کی رضا اور آپکی خاطر مرغوب ہے لہذا اب قبلہ کعبہ ہوگا۔

موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے، قوم کو چھوڑ کر آپ آ گئے ہیں تو وہ عرض کرتے ہیں'' و عجلت الیک رب لترضی۔طہٰ۔۸۴۔''

Marfat.com

[illegible] تیری طرف دیکھتے [illegible] [illegible]

[illegible] محبت [illegible]

ومن آناء الليل فسبح واطراف النهار لعلك ترضى [illegible]

[illegible] آپ راضی [illegible]

[illegible] محبوب [illegible]

[illegible] ارشاد ہوتا ہے۔

ولسوف يعطيك ربك فترضى [illegible] آپ [illegible] ﷺ [illegible]

[illegible]

[illegible] محبوب [illegible] تسلیم [illegible]

[illegible] [illegible] ہے۔

غلاموں کو انعام

انکی اطاعت، انکی اتباع اور انکی محبت کا ثمر دیکھئے [illegible] وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔ الانفال۔۳۳۔) اور اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں جبکہ آپ ان میں ہوں [illegible] وہ اپنے اندر کی دنیا کو جگمگ [illegible] وہاں جلوہ افروز ہیں [illegible] تو پھر عذاب کا [illegible] آپ [illegible] اگر نہیں ہیں تو انہیں منت کر کے تشریف [illegible] کو عرض کریں، ان کا پروردگار [illegible] سفارش [illegible] کی قیمت تو جان دے کر بھی ادا نہیں ہوتی۔

ولا تعد عيناك عنهم۔ الکھف۔۲۸۔ محبوب! ان سے اپنی نگاہیں نہ ہٹائیے یہ تیری نگاہ کے پروردہ ہیں نگاہ [illegible] زندگی [illegible] گئی تو مر جائیں گے بھٹک جائیں گے، انہیں اپنی نگاہوں میں پالتے رہیں تاکہ یہ مجھ تک [illegible] ہو سکیں۔ اللہ کریم تک پہنچانے کہ یہ سارے راستے تھے جو رحمت عالم ﷺ [illegible]

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر

جب یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ قرب و وصل خداوندی سید کائنات ﷺ کی رہنمائی کے بغیر ناممکن اور محال ہے اور یہ راہ عشق و محبت آپکی اتباع واطاعت کے بغیر نہیں ہوسکتا تو پھر ضروری ہے کہ آپ کا ادب واحترام کیا جائے قرآن حکیم اور حدیث پاک میں اس بارے میں بھی واضح احکام ہیں سورہ حجرات کی ابتدائی آیات پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ احکام ملتے ہیں۔

Marfat.com

۱۔ نبی رحمت ﷺ کی آواز مبارک سے اپنی آواز ہرگز بلند نہ کی جائے۔

۲۔ آپکی جناب میں اس طرح نہ چلا کر بات کی جائے جس طرح ایک دوسرے کے سامنے محفل میں چلا کر کرتے ہیں۔

۳۔ رسول اقدس ﷺ کے سامنے آوازیں پست کرنے والے متقی و پرہیزگار ہیں۔

۴۔ افضل الرسل ﷺ کے سامنے بلند آواز باتیں کرنے سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

۵۔ آپ گھر تشریف فرما ہوں تو آپکے باہر تشریف لانے کا انتظار کیا جائے بلایا نہ جائے۔

۶۔ کسی معاملے میں آپ ﷺ سے آگے نہ بڑھا جائے۔ سورۃ حجرات۔۱/۴

۷۔ کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کا اختیار اللہ کریم اور رسول رحیم کے فیصلے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ الاحزاب۔۳۶

۸۔ حضور ﷺ جب بلائیں تو انکی خدمت میں حاضری لازمی ہے کیونکہ وہ زندگی کے اسباب کی دعوت دیتے ہیں۔ انفال۔۲۴۔

۹۔ جسے وہ حرام قرار دیں وہ اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ کریم حرام قرار دے۔ التوبہ۔۲۹۔

۱۰۔ انہیں ایذا دی جائے تو ایذا دینے والا دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ التوبہ۔۶۱۔

۱۱۔ وہ مسلمان کی جان کے حاکم اور جان کی طرح قریب ہیں انکی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں کوئی مسلمان نکاح نہیں کر سکتا۔

۱۲۔ حضور ﷺ جو عطا فرمائیں اسے لازماً خوشی اور محبت سے قبول کیا جائے۔ التوبہ۔۵۹۔

۱۳۔ آپ ﷺ سے اجازت لئے بغیر محفل مبارک سے اٹھ کر جانا منع ہے آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اجازت دیں چاہیں تو نہ دیں۔ کسی چیز کی آڑ لیکر آپکی محفل سے اجازت لئے بغیر چلے جانے سے عذاب الیم کا خدشہ ہے۔ النور۔۶۲/۶۳

۱۴۔ آپ ﷺ کا کسی کو بلانا عام آدمی کے بلانے کی طرح نہیں حاضری ہے۔ النور۔۶۲

آپ یاد فرمائیں تو نماز توڑ کر حاضر ہوں پھر جہاں سے نماز توڑی تھی وہیں سے شروع کر لیں۔

۱۵۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ آپ ﷺ پر صلوۃ وسلام کا ھدیہ پیش کریں۔ الاحزاب۔۵۲۔

۱۶۔ آپ ﷺ کو ایسے الفاظ سے عرض نہ کیا جائے جن کے کسی معنی سے بے ادبی کا احتمال ہو۔

ہم نے سالکان راہ خدا کے لئے ادب مصطفےٰ ﷺ کے یہ اصول بیان کر دیئے ہیں۔ قرآن وسنت میں ادب کے جو اصول و ضوابط ہیں ان سب پر عمل ضروری ہے کیونکہ گستاخی و بے ادبی ذرا شائبہ بھی پیدا ہو تو ایمان ختم ہو جاتا ہے، آپ، روح، قلب اور جسم کے ظاہری و باطنی امام ہیں ادب نہیں ہوگا تو نہ شریعت ملے گی اور نہ ہی تصوف و طریقت پائیں گے۔

Marfat.com

مرشد کی ضرورت

اسلام چونکہ ساری کائنات کے لوگوں کو اللہ کریم کا قرب عطا کرنا چاھتا ہے یہ ھندو دھرم کی طرح صرف برھمنوں کو وارث خدا نہیں سمجھتا، نہ ہی ذات پاک کو مذھب میں داخل کرنے کی اجازت دیتا ہے، لہذا رحمت عالم ﷺ نے سب صحابہ کو قرب و وصل خداوندی کی دولت سے مالا مال فرمایا اور پھر انہیں حکم ہوا " **بلغوا عني ولو آية** ۔میری طرف سے لوگوں تک پہنچا دو خواہ ایک آیت ہو۔

اب صحابہؓ جہاں گئے دولت اسلام بانٹتے گئے لوگ اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق آگے بڑھتے گئے ان میں عربی بھی تھے اور عجمی بھی، ایرانی بھی تھے اور افغانی بھی، ھندی بھی تھے اور چینی بھی، گورے بھی تھے اور کالے بھی، قبولیت پانے والے کچھ تو صرف ظاہری احکام بجالائے اور کچھ حقیقت اقصیٰ و عالیہ تک بڑھتے چلے گئے، یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے اللہ کریم نے شیطان لعین کو فرمایا" ان عبادی لیس لک علیھم سلطان بنی اسرائیل۔۶۵۔میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہوگا۔واضح بات ہے کہ ایسے لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت تھی جو قرب خداوندی کے بہار آفریں راستے سے واقف تھے، اسلامی اصطلاح میں انہیں اولیائے اللہ کہا جاتا ہے، انکی زندگیاں اسلامی تعلیمات کا سچا نمونہ ہوتی ہیں ان کا باطن انوار الٰھیہ اور محبت رسول ﷺ سے معمور ہوتا ہے۔یہ خدمت انسانیت کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔

لوگ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق انکے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں بیعت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب بیعت کرنے والا اپنے مرشد کی تربیت میں آگیا ہے وہ راہ شوق پر اب اسکی رہنمائی کے مطابق چلے گا، اسکی پیروی کرے گا تاکہ قرب خدا سے مستیز ہوسکے اس طرح وہ مرشد کی رہنمائی میں تصوف کے مختلف مراحل طے کرتا جاتا ہے۔

یہ سوال کہ مرشد کی کیا ضرورت ہ ہے سالک خود چلتا جائے، بیحد مہمل ہے کیا آپ دنیا کا کوئی کام استاد اور رہنما کے بغیر سرانجام دے سکتے ہیں؟ کیا کوئی بندہ طب پڑھے بغیر ڈاکٹر بن جاتا ہے؟ کیا کسی کو استاد بنائے بغیر کوئی وکیل یا جج ہوا ہے؟ کیا کوئی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ رکھے بغیر پی ، ایچ ، ڈی ہوا ہے؟ کیا کوئی کسی کے سامنے طویل عرصے تک درس میں شامل ہوئے بغیر شیخ القرآن، شیخ الحدیث، اور شیخ الفقہ بنا ہے؟ اور تو اور کامل مرشد کے بغیر کسی کو ڈرائیوری یا ہل چلانا بھی آیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر بتایئے کسی کامل مرشد کے بغیر اسے قرب الٰہی اور محبت رسول ﷺ کا راستہ کیسے معلوم ہوگا؟ تبھی تو اسلام میں کسی کامل کی بیعت ضروری ہے اقبال فرماتے ہیں:۔

کیمیا پیدا کن از مشت گلے   بوسہ زن بر آستان کاملے

انسان جو مٹی کی ایک مٹھی ہے اگر وہ کسی کامل کے دروازے پر پہنچتا ہے تو کیمیا بن جاتا ہے

سلاسل اولیائے اللہ

دور نبوی کے بعد صحابہ کرام اور آل بیت نبوت لوگوں کے مراجع تھے عرب وعجم میں لوگوں نے ان سے اسلام سیکھا،لہذا انکی سلسلے قائم ہو گئے ،دور حاضر کی طرح کے وہ مکاتب فکر نہیں تھے ان سب کا مقصد قرآن وسنت کی تعلیم تھی جو صحابہ نے رسول اقدس ﷺ سے سیکھی تھی اور ان کا سب سے بڑا مقصد تزکیہ اور دل کی طہارت تھی آگے چل کر صرف چار سلسلے بن گئے اور صوفیہ ان میں منقسم ہو کر تصفیہ اور تزکیہ کا درس دینے لگے ان سلاسل کے نام یہ ہیں:۔

سلسلہ قادریہ۔اس سلسلے کے موسس اعلیٰ حضرت اعلیٰ سید عبدالقادر جیلانی بغدادی غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

۲۔سلسلہ نقشبندیہ۔اس سلسلہ کے بانی حضرت اقدس خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

برصغیر میں سیدنا مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے اس سلسلہ کو بڑی ترویج ملی۔

۳۔سلسلہ عالیہ سہروردیہ۔اس سلسلہ کے قائد اعلیٰ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ ہیں برصغیر اس سلسلہ کی ترویج حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے ہوئی۔

۴۔سلسلہ عالیہ چشتیہ،اس سلسلہ کے امام اعلیٰ حضرت خواجہ ابواسحاق شامیؒ ہیں۔برصغیر میں اس سلسلہ کی امامت سیدنا معین الدین اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض ہوئی ہے،برصغیر میں یہی سلسلہ سب سے زیادہ مقبول ہے اسکی اشاعت میں حضرت بختیار کعکی،خواجہ فریدالدین گنج شکر،حضرت نظام الاولیاء حضرت فخر جہاں،خواجہ محمد سلیمان،خواجہ شمس العارفین،اور خواجہ مہر علی شاہ وغیرہم علیھم الرضوان جیسے عظیم رہنماؤں کے نام آتے ہیں،قیام پاکستان میں انؒ کے اخلاف کا بھرپور حصہ ہے بالخصوص سیدنا شیخ الاسلام سیالویؒ اور سیال شریف سے وابستہ خلفاء کی مساعی جمیلہ شامل ہیں۔

اسلامی تصوف کی اصل کیا ہے

ہم اوپر قرآن وسنت کے حوالے سے ثابت کر آئے ہیں کہ اسلامی تصوف کے ماخذ قرآن وحدیث ہیں جن پر صحابہ کرام اور دور اول کے صوفیہ عظام عمل کر کے ثابت کیا ہے کی صرف اسلامی تصوف ہی بدعات سے پاک ہے اور صرف یہی واحد ذریعہ ہے جو انسانی عقائد واعمال کو صراط مستقیم پر چلا سکتا ہے اس سلسلہ کو ہم تھوڑا آگے بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو کچھ مزید تفصیلات حاصل ہو سکیں۔

تصوف کے ترکیبی عناصر یہ ہیں:۔

۱۔مرکز عقائد کامل توحید ہے آپ قرآن کا مطالعہ فرمائیں،ہر ہر آیت توحید سے بھرپور ہے۔

Marfat.com

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انسان توحید ذاتی وصفاتی کو پوری طرح سمجھ لیتا ہے اور شرک، بدعت اور ضلالت سے پوری طرح منہ موڑ لیتا ہے۔

۲۔اس توحید کا درس اگرچہ سب انبیاء علیہم السلام نے دیا تھا مگر جو جامعیت اور کاملیت درس مصطفیٰ ﷺ میں تھی وہ کہیں بھی دستیاب نہیں ہے۔راز توحید کی محرم صرف آپ کی ذات اقدس ہے لہذا توحید کے بعد تصوف کا دوسرا ترکیبی عنصر ذات رسالتماب ﷺ ہے،ان دونوں ہستیوں سے محبت اور انکی اطاعت پر تصوف کا عظیم المرتبت محل قائم ہے۔

۳۔قرآن وسنت نے تقوی کو بڑی اہمیت دی ہے کیونکہ تقوی ہی قرب خداوندی کا ذریعہ ہے تقوی آتا ہے تو انعام میں معیت خداوندی ملتی ہے،ارشاد ہے:۔

ان اللّٰہ مع المتقین۔البقرۃ۔۱۹۴۔بے شک اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے" دوسرے مقام پر ارشاد ہے:۔

ان اللّٰہ مع الذین اتقوا۔النحل۔۱۲۸۔بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو متقی ہیں۔

پتا چلا تصوف کا پہلا ثمرہ تقوی ہے اور یہی وہ انسانی عظمت ہے جو قرب خداوندی سے نوازتی ہے اور یہی وہ معمول زندگی ہے جو انسان کا جادۂ مستقیمہ ہے۔

متقی ہر لمحہ چاھتا ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوجائے جو مجھے میرے کریم رب سے دور کردے یہی تصور اسے بدی سے دور رکھتا ہے، گناہ سے دور رکھتا ہے،وہ سمجھتا ہے کہ ہروقت میرے ساتھ میرا معبود ہے محبوب ہے بدی کرونگا تو قیامت کو اسکے سامنے کیسے جاؤنگا۔مطلب یہ ہوا کہ محبت اسے گناہ سے بچاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے گناہ کے قریب نہیں جاتا۔وہ محبت رسول علیہ السلام کی وجہ سے گناہ سے نفرت کرتا ہے اس کے دل میں خوف ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

تھے۔ان کی پھراپنی کتابیں آگئیں۔لیکن یہ ہماری علمی بے مائیگی کی ستم ظریفی ہے کہ ہمیں یہ پتہ ہی نہیں کہ اس سلسلہ میں امام اعظم کی، امام شافعی کی، امام احمد بن حنبل کی یا حضرت امام مالکؒ کی کون کونسی کاوشیں ہیں۔ بخاری سے بہت پہلے ''موطا'' لکھی گئی، یہ امام مالک کی تصنیف ہے۔ بخاری سے بہت پہلے ''الام''، لکھی گئی، جو امام شافعی کی تصنیف ہے۔ بخاری سے بہت پہلے ''مسند احمد''، لکھی گئی، جو حدیثوں کے حساب سے بخاری سے ساڑھے چار گنا بڑی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ جس کی سند مسند میں نہ ملے اس کا وجود کہیں نہیں ہے۔

میں نے اس سلسلے میں ایک اور کوشش کی ہے۔اللہ کرے کہ اس سلسلے میں مجھے کوئی وقت ملے کہ اسکو مرتب کر سکوں۔ جدید دور کے جتنے مسائل ہیں ان کا حدیث میں کیا حل ہے؟ اسلامی اقتصادیات کیا ہے؟ اسلامی سیاست کیا ہے؟ اسلامی علم اخلاق کیا ہے؟ اسلام کا طرز تعلیم کیا ہے؟ اس میں تربیت کا انداز کیا ہے؟ معصوم بچوں کیلئے کیا انداز ہو؟ خواتین اور مردوں کیلئے کیا انداز ہو؟ پھر اسلام کے اس سلسلے میں تقاضے کیا ہیں؟ اسلامی زندگی کو کامیاب زندگی کے انداز میں گزارنے کیلئے، اس سلسلے میں، میں نے جو حوالہ جات اُس مجموعے میں دیئے ہیں وہ تینتیس سو سے آگے نکل گئے ہیں۔ بخاری میں مجموعی حدیثیں صرف ساڑھے چار ہزار ہیں تو اس قسم کے حوالہ جات تینتیس سو سے آگے نکل گئے ہیں۔ایک علمی فکری شخص نے مجھے کہا کہ وہ میرے حوالے کردو، تاکہ میں اپنے انداز سے اسے چھپوادوں۔میری جوابی گزارش یہ تھی کہ میں نے طویل راتیں اس مطالعہ میں صرف کیں ہیں اپنے سارے کام چھوڑ کے صحاح ستہ کا ابتداء سے انتہا تک مطالعہ کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں

تب جا کے کہیں بات بنتی ہے کہ راتیں بیدار ہو کر گزارنی پڑتی ہیں۔کتاب آئے گی تو یہ ساری بحثیں انشاءاللہ بہت جلد سامنے آجائیں گی۔قرآن پاک نے یہ بات کہی کہ اسوہ رسول ؐ تمہارے لیے نمونہ کامل ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ جو کچھ وہ دے اسے لے لو، جس سے روک دے اس سے پیچھے ہٹ جاؤ۔

اب ہم سرکارؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں آقا قرآن آپؐ پر نازل ہوا تھا۔عظمت قرآن کیلئے کچھ باتیں آپ ارشاد فرمائیں گے تاکہ پتہ چلے کہ قرآن کی اصلیت کیا ہے؟ اس لیے کہ قرآن نے آپ کے لئے یہ بات کہی کہ محبوب آپ ہماری نگاہوں میں رہتے ہیں۔

میں بسا اوقات اس آیت کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کرتا ہوں تو خدا جانے خیالات کی دنیا سے کس کس انداز سے آگاہی ہوتی ہے۔ "فانک باعیننا "o

یقیناً آپ ہماری نظروں میں ہیں یہ اس کا لفظی ترجمہ ہے تو جس ذات اقدس کو اللہ کریم یہ بات ارشاد فرمائیں کہ آپ

Marfat.com

Marfat.com

دو آیات نے مل کر اس نماز کی اہمیت واضح کر دی، اور عمل مصطفی ﷺ نے ان نوافل کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت فرما دی، ہم پہلے بھی ایک مقام پر اشارہ کر آئے ہیں اور دوبارہ اشارہ کر رہے ہیں، آگے تفصیل آ رہی ہے کہ نوافل قرب خداوندی کے عظیم مقام پر پہنچا دیتے ہیں، کہ عظمت کی حدیں ختم ہو کر **'تو من شدی من تو شدم'** کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

۳۔قرآن نماز تہجد میں ترتیل سے پڑھو، ترتیل کا مطلب ہوتا ہے لفظ کو منہ سے درستی کے ساتھ سہولت کے ساتھ ادا کرنا ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھنا، لیکن سید کل ﷺ کی نگاہ ناز میں اس لفظ کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح پڑھنا کہ معانی و مطالب سمجھ کر پڑھنے والے پر رقت طاری ہو جائے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب معانی دل کی دنیا میں اتر کر ایک انقلاب پیدا کر دیں، حدیث پاک یوں ہے:۔

وقد روی الحسن ان النبی ﷺ مرّ برجل یقرء آیة ویبکی فقال الم تسمعوا الیٰ قول اللہ تعالیٰ و رتلّ القرآن ترتیلا۔احکام القرآن ابن عربی ص 4/836

''حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ نبی رحمت ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو قرآن کی آیت پڑھ رہا تھا اور (ساتھ ہی ساتھ) رو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے اللہ کریم کا ارشاد نہیں سنا 'ورتل القرآن ترتیلا' یہ ہے ترتیل) مطلب یہ ہوا کہ قرآن تہجد میں یوں پڑھو کہ قرآنی حقائق تم پر رقت طاری کر دیں۔

جب آپ یہ انداز اپنائیں گے تو اسکی ہر بات سے دل کے بند دروازے کھلیں گے معانی ذہن نشیں ہونگے اور اندر ایک طوفان، ایک انقلاب برپا ہو کر راہ حیات کو تبدیل کر دیگا۔

۴۔نفس امارہ کو مغلوب کرنا بیحد ضروری ہے مرشد حکم دیتا ہے کہ سحری ذکر و فکر میں گزاری جائے، مراقبہ کیا جائے، مجاہدہ کیا جائے اور ان دو اشغال میں یہ وقت گزارا جائے تا کہ نفس امارہ کی سرکشی ختم ہو اور وہ نفس مطمئنہ بن جائے۔قرآن کا یہ حکم نظروں میں رہے۔

ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا۔''یقیناً رات کا اٹھنا نفس کو کچلنے میں عظیم تاثیر رکھتا ہے، اور بات صحیح طریقے سے ادا ہوتی ہے، نفس آرام کرنا چاہتا ہے، مرشد حکم دیتا ہے کہ اٹھ تا کہ سو کر اٹھیں تو دل میں قوت ہوگی، اعصاب میں سکون ہوگا، توجہ نصیب ہوگی لہذا اولیائے امت نے اس وقت کو ذکر و فکر کے لئے خاص کر رکھا ہے، اندھیرے کا پردہ حائل ہے، مخلوق سوئی ہوتی ہے لہذا جاگ دل کے دروازے اپنے محبوب، مقصود، مرغوب، مطلوب اور خالق و مالک کے لئے کھول دے تا کہ مہمان عزیز اپنے انوار و تجلیات سے دل کی دنیا کو منور و معطر فرما دے۔

۵۔سالک کا سب سے بڑا وظیفہ ذکر اسم ذات ہوتا ہے، مرشد اسکی تلقین کرتا ہے، قرآن حکیم اور حدیث پاک میں لاتعداد

Marfat.com

مقامات پر اسکی تلقین کی گئی ہے، سورہ مزمل میں یوں ارشاد عالی ہے:۔

واذکر اسم ربک ،(اپنے رب کے نام کا ذکر کر) دوسرا اہم ذکر درود شریف ہے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے''

یا ایھاالذین آمنوا صلوا علیه و سلموا تسلیما ۔الاحزاب ۵۶''(اے ایماندارو!ان پر صلوۃ وسلام بھیجو) صحابی نے عمل پوچھا تو آپ علیہ السلام نے درود شریف کا ارشادفرمایا آخر میں اس نے کہا میں فرائض کے بعد سارا وقت درود شریف کو دونگا۔ پھر کوئی غم اندوہ باقی نہیں رہے گا۔اس ذکر میں ذکر کی وہ سب قسمیں شامل ہیں جو کتب تصوف میں تحریر ہیں۔ اولیائے امت کا معمول ہیں۔

۶۔**و تبتل الیه تبتیلا**(اور اللہ کی طرف سب مادی علائق سے قطع تعلق کرلیں) تبتل کا ثلاثی مجرد بتل ہے، جس کا مطلب قینچی سے کاٹ دینا ہے، تبتل قطع یا تفرد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے تفرد اختیار کیجئے، اکیلا ہو کر سب سے کٹ کر۔ لذات دنیا کو چھوڑ کر، خلوص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر، شریعت اس تبتل سے روکتی ہے، جسے رھبانیت کہا جاتا ہے اور عائلی زندگی (نکاح) چھوڑ دی جاتی ہے، مختصر لفظوں میں یوں سمجھیں کہ لذات دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کو مقصود بنالو۔

۷۔دنیا میں بے شمار سہارے ہیں، مال ودولت ہے، جائیداد ہے، اولاد ہے، والدین ہیں، برادری ہے، روابط ہیں، مگر یہ سہارے حقیقی نہیں ہیں، مجازی ہیں، مسافر راہِ خدا حقیقی وکیل کے لئے نکلا ہے، لہذا ان ذرائع سے منہ موڑ کر حقیقی کارساز سے تعلق پیدا کرنا ہوگا، قرآن حکیم میں ارشاد ہے:۔

'فاتخذہ وکیلا' (اللہ کریم کو 'وکیل' کارساز' بنالے) ۔کیا خوب ارشاد ہے۔

کارساز مابفکر کارما فکرِ مادر کارما آزارما

یعنی ہمارا کارساز ہمارے کام کی فکر میں خود لگا ہے تو پھر ہمارے کام کے لئے ہماری فکر ایک آزار اور ایک تکلیف ہے۔ کامیاب وہی ہے جو سب ذرائع اور وسائل سے کٹ کر ساری توجہ اللہ کریم کی ذات پر مرکوز کرلیتا ہے۔

۸۔اس راستے کے مخالفین کے اعتراضات اور لغویات پر صبر کرو انکی طعن وتشنیع سے نہ گھبراو وہ تمارے شکوے شکایات کریں تمہیں برے الفاظ سے یاد کریں، تو خاموشی سے برداشت کرو الجھو گے تو اپنا وقت برباد کرو گے، جب اللہ تعالیٰ کو کارساز مان چکے ہو تو اسے اپنا دفاع کرنے دو، تم صبر سے اپنا کام شروع رکھو، یہ کامیاب زندگی کے لئے سنہری اصول ہے، ارشاد ہے،

واصبر علی مایقولون۔ان کی باتوں پر (اے سالک) صبر کر''

۹۔ مخالفین سے کنارہ کشی تو کرو مگر ان سے بھی لڑائی جھگڑا نہ کرو، بدکلامی سے نہیں بڑے شاندار انداز سے الگ ہو جاؤ، نبی رحمت ﷺ کا انداز اپناؤ، حسن کلام اور حسن سلوک کا اسلامی انداز نہ چھوڑو، اس مقصد کے لئے قرآن حکیم کے اس حکم کو اپنی نگاہ میں رکھو

Marfat.com

واھجر ھم ھجرا جمیلا۔ ان (مخالفوں) سے خوبصورت انداز سے الگ ہو جا۔

۱۰۔ان جھٹلانے والوں، مخالفت کرنے والوں اور تمہارے طرز زندگی کی تردید کرنے والوں سے الجھنا، بحثیں کرنا، مناظرے کرنا، تمہارے راستے کی رکاوٹ ہیں ان کانٹوں سے دامن بچا کر آگے بڑھو! ارشاد ہے:۔

وذرنی والمکذبین مجھے جھٹلانے والوں کے لئے چھوڑ دو (کہ میں ان سے نمٹ لوں گا)

اسلامی تصوف کے دس اصول قرآن حکیم نے بیان فرما دیئے کچھ اصول بطور تمہید ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، کچھ مزید باتیں آگے آرہی ہیں، تصوف سارے کا سارا قرآن پاک اور سنت نبوی سے ثابت ہے پھر یہ کہنا کہ تصوف یونانیوں، ایرانیوں یا ھندیوں سے ماخوذ ہے لغو اور جھوٹا الزام ہے۔

تزکیہ نفس

تزکیہ نفس نہ ہو تو انسان عظیم مقاصد حاصل نہیں کر سکتا، دو قربانیوں کا اسلام مطالبہ کرتا ہے، اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تزکیہ ضروری ہے پہلا مطالبہ راہ خدا میں مال دینا ہے اگر تزکیہ نہیں تو شیطان مال دینے سے روکے گا اور مال کی محبت اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرنے دے گی۔

دوسرا مطالبہ راہ خدا میں جان دینا ہے، تزکیہ کے بغیر جان دینا بہت مشکل ہے صحابہ کرام تزکیہ پا چکے تھے لہذا وہ جان کی راہ خدا میں بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے، دائمی زندگی کا حسن راہ خدا میں شھید ہونے سے ہے اس حقیقت کو علامہ اقبال نے یوں بیان فرمایا ہے:۔

شھادت ھے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

غالب نے فرمایا:۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ھے کہ حق ادا نہ ھوا

تربیت کے قاعدے

تصوف کے کچھ قاعدے اور ضابطے ہیں ہم وہ بھی مختصراً بیان کرتے ہیں ان کا ثبوت بھی قرآن و سنت میں موجود ہے، تو وہ قواعد ثبوت سمیت پیش خدمت ہیں:۔

۱۔بیعت، مرید سب سے پہلے اپنے مرشد کی بیعت کرتا ہے، ہم اسے پیمان سرفروشی کہہ سکتے ہیں کہ بیعت کر کے وہ بک گیا، اب وہ مرشد کے ہر حکم کے تابع ہے یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

انّ الذین یبایعونک انّما یبایعون اللّٰہ ، یداللّٰہ فوق ایدیھم۔ الفتح،۱۰۔

[illegible]

[illegible] اعتکاف۔ اعتکاف کا مطلب ہوتا ہے روزے کے [illegible]

میں اعتکاف بیٹھتے ہیں رحمت عالم ﷺ ہمیشہ رمضان کے آخری عشرہ میں [illegible]

بھی اعتکاف بیٹھا کرتے تھے، مسلمان سال میں ایک دفعہ اعتکاف بیٹھ کر [illegible]

ہیں، اس سے دل کے گلشن میں بہار آتی ہے، مرشد اپنے سالک مرید کو اعتکاف [illegible]

اور اس طرح وہ قرب خداوندی کی نعمت پا سکے، اس راہ کے مسافر بار بار اعتکاف کرتے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ارشاد ہے" **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**۔ العنکبوت۔۶۹ جو لوگ ہمیں ملنے یا ہم تک پہنچنے کے لئے کوشش ومجاہدہ کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی طرف آنے کی راہیں دکھادیں گے" [illegible] کا کام ہے پھر محبوب کا جلوہ نما ہونا محبوب ومقصود کا کام [illegible] حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اس ذات اقدس تک پہنچنے کے راستے مخلوق کی سانسوں سے بھی زیادہ ہیں۔

۸۔ ذکر و فکر۔ مرشد برحق اپنے سالک مرید کو ذکر و فکر کی تلقین فرماتا ہے مخلوق کتاب کی طرح سامنے پڑی ہے یہ آئینہ حق نما ہے اس میں غور و فکر ضروری ہے۔ اپنے نفوس میں غور و فکر ضروری ہے، اللہ کریم نے مناظر فطرت میں غور و فکر کا ذکر قرآن میں لاتعداد مقامات پر فرمایا ہے۔ آل عمران ۱۹۱/۱۹۰۔

ان فی خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النهار لآیات لاولی الالباب. الذین یذکرون الله قیاما و قعودا و علی جنوبهم و یتفکرون فی خلق السموات و الارض، ربنا ماخلقت هذا باطلا " بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں، رات اور دن کے ادل و بدل ہونے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں، (پھر کہتے ہیں) اے ہمارے رب یہ سب کچھ تو نے بیکار نہیں پیدا فرمایا

غور و فکر کا نتیجہ ذکر ہوتا ہے، لہذا سالک کو سدا ذاکر رہنا چاہئے مرشد اس لئے تاکید کرتا ہے کہ حکم خدا ہے۔ "ولاتطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا۔ ق۔ ۲۸

یارسول اللہ! آپ اس کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے" اس سے پتا چلا کہ غفلت شعار لوگ قرب رسول علیہ السلام بھی نہیں پا سکتے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوتا ہے، دونوں بھائی فرعون کے پاس جاؤ مگر میری یاد سے سستی ہرگز نہ کرنا'

ہمارے عظیم المرتبت صوفیہ کرام نے اس پر اسی وجہ سے بہت زور دیا ہے، ارشاد ہے" یا ایها الذین امنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا وسبحوه بکرة و اصیلا۔ الاحزاب۔ ۴۲،۴۱ اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرو صبح اور شام اسکی تسبیح پڑھو، ذکر و تسبیح ایک ہی چیز کے دو رخ ہیں۔

مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی کہ اسلامی تصوف کا ماخذ صرف اور صرف قرآن و سنت ہے، یہ ھندی، ایرانی یا یونانی تصوف سے ہرگز ماخوذ نہیں اگر تطابق ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حقیقت ایک ہے جس کے سب متلاشی ہیں، اس بات کو غیر مسلم محققین نے کہا ہے، ڈاکٹر ڈونالڈسن، پروفیسر گب، اور ڈاکٹر تاراچند وغیرہ اپنی کتب وغیرہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں پھر یہ بھی تو خیال ضروری ہے کہ عرب جیسی ناخواندہ قوم ان مذکورہ بالا قوموں کے عام علوم کی بھی واقف نہیں تھی ان کے تصوف سے وہ کیسے واقف ہو کر نقل کر سکتی ہیں۔

رحمت عالم ﷺ سے محبت

اسلامی تصوف نے جس انداز سے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرایا ہے اسکی کہیں مثال نہیں اس نے اللہ کریم کو صرف معبود نہیں بلکہ محبوب و مقصود بنایا ہے، ہمارے صوفیہ نے صمد کا معنی ہی مقصود کیا ہے۔ یہ رحمت عالم ﷺ کی محبت ہے کہ اس راستے پر چلنے والا

Marfat.com

خود اللہ کریم کا محبوب بن جاتا ہے، ارشاد ہے "قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله۔

آل عمران۔۳۱

یارسول اللہ ﷺ آپ مسلمانوں سے فرمادیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا" آقا علیہ السلام کی پیروی سے بندہ محبوب الہیٰ بن جاتا ہے، تو پھر سید کل تو سب محبوبوں کے محبوب ہیں، لہذا اللہ کریم کی جو محبت رحمت عالم ﷺ سے ہے وہ بے مثل ہے، پھر آپ ﷺ سے محبت ہماری بھی بے مثل ہونی چاہئے، آپ ﷺ سے محبت کر کے ہم اللہ کریم کے عمل کی نقل کرتے ہیں۔

صوفیہ کی زندگیاں

ان حضرات نے اسلامی تعلیمات کو اپنے عمل سے ثابت کیا، اسلام انکی زندگیوں میں ڈھل جاتا ہے، وہ محبت الہی اور عشق رسول ﷺ کی زندہ تصویریں ہوتی ہیں، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ کریم نے اپنے محبوب ﷺ کی زبان اقدس سے فرمایا ہے:۔ قل ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین۔

الانعام۔۱۶۲۔

اے محبوبؐ آپ ﷺ فرمادیں کہ میری نمازیں، اور میری قربانیاں (ساری زندگی کی جدوجہد) میری زندگی اور میری موت سب جہانوں کے پروردگار اللہ کے لئے ہیں"

سالک کا یہی اتباع رسول ﷺ میں شعار ہوتا ہے۔ سالک عاشق ہوتا ہے، لہذا وہ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا طالب ہوتا ہے، اور اسی لئے اسے گناہ اور بدی سے نفرت ہوتی ہے، مکارم اخلاق اس میں پیدا ہوتے ہیں، اب وہ انسانیت کے لئے رحمت بن کر انکی خدمت میں مصروف ہو جاتا ہے، سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کفر و شرک کی دلدل سے نکالتا ہے، گناہ اور بدی کے صحراؤں سے بچاتا ہے، انکی صرف دنیوی زندگی کو نہیں بلکہ آخرت کی زندگی کو سنوارتا ہے، اللہ تعالیٰ کی دنیا میں لے جاتا ہے۔

محبت الہی سے انسانی زندگی میں مرکزیت پیدا ہوتی ہے، اسکی توجہ کا مرکز ذات ربانی بن جاتی ہے، اس کا احساس یہ ہوتا ہے کہ:۔

صد شکر ہم بھی ہیں کسی نگاہ میں

یہ شخص توجہ الی اللہ کی وجہ سے مستغنی مزاج ہو جاتا ہے سونا اور مٹی اسکے سامنے برابر ہو جاتے ہیں۔

شان استغناء

جب عارف نہیں تھا تو وہ دنیا کے پیچھے بھاگتا تھا، عارف ہوا تو دنیا اسکے قدموں پر گر پڑی مگر وہ ذکراللہ میں ڈوبا رہا، ان حضرات کی تو قبروں سے بھی ذکرالٰہی کی آوازیں آتی ہیں۔ جب وہ عالم تھا تو دنیا کے ظاہر سے واقف تھا، جب عارف ہوا تو اسکی حقیقت کو جان گیا، عالم تھا تو قرب شاہاں کا متلاشی تھا، عارف ہوا تو شاہ اسکی جھونپڑی کا طواف کرنے لگے۔ کوئی ننگے پاؤں اجمیر شریف گیا، کسی نے قطب الاقطاب خواجہؒ کعکی کے آستانے پر حاضری دی، کوئی فرید ملتؒ کے دربار سدا بہار کا بھکاری ہوا، انہیں رزق کی فکر نہیں تھی، کہ یہ رزاق کو پہچان چکے تھے، قرآن کا یہ درس وہ یاد کر چکے تھے کہ:۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ۲/۳

اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اسے (مصیبت سے نکلنے کا) راستہ بتا دیتا ہے اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہوتا ہے

یہ سچ ہے کہ:۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک　　اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم (اقبال)

بادشاہ نے فقیر سے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگ تیری خواہش خوشی سے پوری کرونگا، فقیر مسکرایا اور فرمایا میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگو، بادشاہ نے حیران ہو کر پوچھا کیا مطلب؟ فقیر نے کہا! ذرا سن لے تو حرص اور امیری کا غلام ہے اور یہ دونوں میرے غلام ہیں۔ پتا چلا تو میرے غلاموں کا غلام ہے۔ تعمیر خودی تبھی ہوتی ہے جب انسان اپنے آپ کو کسی کا محتاج نہ سمجھے، صرف اللہ کا محتاج سمجھے۔

اخلاق عالیہ

نبیوں کی بعثت کا مقصد ہی انسانوں کو با خدا بنا کر اخلاق عالیہ سے مزین کرنا ہوتا ہے اور رحمت عالم ﷺ کا تو اس سلسلہ میں خصوصی ارشاد ہے، بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں تا کہ اعلیٰ ترین اخلاق کی تکمیل کروں۔ وہ خود افضل الانبیاء والرسل ہیں تو انکے اخلاق بھی مکارم الاخلاق ہیں، آپ کے غلاموں صحابہ۔ اہل بیت۔ اولیائے امت نے آپ ﷺ سے ان اخلاق کا اکتساب کیا اور کامل ہو کر پھر ان اخلاق عالیہ کی دولت کو بانٹنے لگ گئے اور ان اخلاق عالیہ

Marfat.com

Marfat.com

ہماری نگاہوں میں ہیں، تو اس کے مقام رفیع کو کسی ایک تقریر میں یا کسی ایک حوالے سے ماپا نہیں جاسکتا۔ میں تو بسا اوقات سوچتا ہوں کہ سیدنا صدیقؓ اور سیدنا حیدرؓ سے لے کر آج تک کتنا سارا کام ہے، جو سرکارؐ پر ہوا۔ لیکن جب بھی آپ اس گلزار میں داخل ہوتے ہیں تو آپ اپنے آپ کو منفرد پاتے ہیں۔ وہی اقبالؒ والی بات مجھے یاد آتی ہے کہ قرآن کو یوں پڑھو کہ گویا وہ آج تم پر نازل ہو رہا ہے۔ اور ایک بڑی پیاری بات انہوں نے قرآن کے متعلق اور کہی، ان کا فارسی کا فقرہ ہے۔

"ایں کتابے نیست چیزے دیگر است" (قرآن کتاب نہیں، یہ کوئی اور شے ہے)

اور شے کیا ہے؟ اس پر بے شمار لمبی باتیں کی جاسکتی ہیں۔ لیکن جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ بات رہ جائے گی۔ سرکار کا پہلا ارشاد سامی جو فرمایا میں اس لئے زیادہ Direct احادیث کے ترجمے کروں گا۔ کہ مزید تشریح میں کہیں ایک آدھا حدیث میں اپنا وقت گزار کے رہ نہ جاؤں۔ تو کچھ افکار آپ کے ساتھ مل جائیں گے۔ سادہ سادہ الفاظ ہوں گے۔ آپ ان کی گہرائیوں میں اتر کر انشاءاللہ خود بہت دور تک چلے جائیں گے۔ ارشاد ہوا، حدیث بخاری میں موجود ہے۔

"خیر کم من تعلم القرآن و علمه"٥

ترجمہ: ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور اسے آگے سکھائے''۔

اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن سیکھیں گے۔ قوم کو سکھائیں گے تو بات بنے گی۔ اس لئے کہ اسلام کی بنیاد قرآن ہے۔ جب آپ خود اس کے ماہر ہوں گے، دوسروں کو سکھائیں گے۔ تو ایک زندگی کا انداز بن جائے گا۔ لہذا قرآن کی تعلیم ہر دور میں اپنے انداز سے ضروری ہے۔ اسی بات کو حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک اور انداز سے سرکارؐ سے روایت کرتی ہیں۔ کہ جو قرآن پاک میں مہارت حاصل کرتا ہے وہ تو کریم المرتبت اور عظیم الشان فرشتوں کے ساتھ رہ رہا ہے۔ اور اگر قرآن پڑھتے ہوئے قرآن کے الفاظ اس کی زبان پر نہیں چڑھتے۔ عربی ہماری مادری زبان تو ہے نہیں۔ لازمی بات ہے کہ ہم قرآن کے الفاظ اس انداز سے ادا نہیں کر سکتے، جس انداز سے مادری زبان والے ادا کرتے ہیں تو اس کیلئے سرکارؐ ارشاد فرماتے ہیں۔

"ویتتعتع فیه وهو علیه شاق له اجرانِ"٥ (جب پڑھتا ہے تو زبان سے الفاظ پھسل جاتے ہیں اس انداز سے ادا نہیں کر سکتا اور اس کو ادائیگی بڑی مشکل ہو جاتی ہے تو فرمایا اس کیلئے دو اجر ہیں) ایک قرآن پڑھنے کا اور ایک اس مشکل کو برداشت کرنے کا۔

سیدنا ابن عمرؓ، جو صحابہؓ میں ممتاز ترین عالموں میں سے ایک ہیں۔ جنہیں ہم عبداللہ بن عمرؓ کے نام سے یاد کرتے ہیں اس حدیث کے راوی وہ ہیں۔ یہ اوپر والی حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا سرکارؐ کے حوالے سے کہ دو آدمیوں پر رشک کرو۔ سرکارؐ نے فرمایا قابل رشک آدمی دو ہیں ایک وہ جسے اللہ کریم نے قرآن کی دولت سے نوازا ہے وہ دن کے لمحات

Marfat.com

Marfat.com

برپا کر دیا، علماء متکلمین دماغ کی آبیاری کر رہے تھے اور صلحاء دلوں کو صاف کر رہے تھے، اور فرما رہے تھے کہ اصل چیز تو دل ہے جس نے اسے سنوارا اسکی دنیا و آخرت سنور گئی تبھی تو سید کل علیہ السلام نے فرمایا کہ جسم انسانی میں ایک لوتھڑا ہے، وہ درست ہو جائے تو سارا جسم ٹھیک ہو جاتا ہے وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے سنو، سنو وہ دل ہے۔

۹۔علماء نے دلیلوں سے اسلام کی حقانیت واضح کی، صوفیہ نے باطنی مشاہدہ کر کے اسلام کو حق ثابت کیا اور الخلق عیال اللہ۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ کا درس دیکر سب سے حسن سلوک اور حسن عمل کا درس دیا۔

۱۰جب معاشرہ سرمایہ داری کے مفاسد میں مبتلا تھا تو اولیائے نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی اہمیت واضح فرمائی۔

۱۱۔صوفیہ نے ہر دور میں غیر اسلامی عقائد کی پوری قوت سے تردید کی، توحید کا درس دیا، شرک و بدعت اور اعمال بد سے بچایا۔

۱۲۔فقہاء دین ظواہر پر زور دے رہے تھے تو اولیاء باطنی اصلاح میں مصروف تھے قلبی طہارت ان کو مرغوب تھی، اسی طرح اعتدال قائم ہو رہا تھا۔

۱۳۔مسلمانوں میں عقلیت پسندی شروع ہوئی تو انہوں نے قرآن کو عقل کے تابع بنانا شروع کر دیا، اب صوفیہ میدان میں آئے اور محبت میں آئے اور محبت الٰہی کا پرچار کیا اور عقل پسندی کے مضر اثرات سے قوم کو بچالیا۔

۱۴،اولیائے کرام نے سب طبقات سے بڑھ کر دین کی تبلیغ بھی کی اور تعمیر سیرت کا کام بھی سرانجام دیا، وہ بادشاہوں کے سامنے بھی کلمہ حق کہتے رہے اور اس حدیث پر عمل کیا کہ سب سے افضل جہاد جابر و ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

۱۵۔اسلام کی جو پاکیزہ تعلیم کتابوں میں درج ہے اور دینی اداروں میں پڑھائی جاتی ہے اولیائے عالی مقام نے انہیں اپنی خانقاہوں میں اس پر عمل کر کے دکھایا، اور اس طرح علم و عمل کا حسین امتزاج ہو گیا۔

۱۶۔اسلام ایک زندہ مذہب ہے صوفیہ نے اپنے عمل سے اسکی تصدیق کر دی۔

۱۷۔علم ہمیشہ اس عملی صداقت کا معترف رہا، لوگوں نے حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ بشر حافی کے پاس بار بار جاتے ہیں حالانکہ وہ عالم دین نہیں ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ میں کتاب اللہ سے آگاہ ہوں، اور بشر حافی اللہ تعالیٰ کا عارف ہے لہٰذا ان کا مرتبہ مجھ سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہی حال امام رازی کا حضرت نجم الدین کبری سے ہے، ہم نے ہمیشہ علماء کو صلحاء کے دروازوں پر حاضری دیتے دیکھا ہے۔

کیا تصوف افیون ہے؟

کچھ لوگوں نے تصوف کو افیون قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ تصوف سستی، کاہلی، اور بے عملی کا داعی ہے، ایسے لوگوں نے حقیقی اولیائے امت کو نہیں دیکھا، نام نہاد جاہل صوفیوں کو دیکھا جو بھنگی اور چرسی ہیں اور قلندری کے داعی ہیں یا ایسے متصوفین اور جعلی

Marfat.com

صوفیوں کو دیکھا ہے جو کام سے بھاگ گئے اور جاہل لوگوں کی جیبیں کترنے کے لئے صوفی بن گئے۔آپ گذشتہ دو صدیوں پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو صرف پنجاب میں خواجہ نور محمد مہاروی۔خواجہ سلیمان تونسوی خواجہ شمس العارفین سیالوی، شیخ الاسلام محمد قمر الدین سیالوی، خواجہ محمد قاسم موہڑوی، خواجہ جماعت علی شاہ، خواجہ مہر علی شاہ گولڑوی، وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین، جیسے آسمان ولایت کے درخشاں ستارے ملیں گے، جنہوں نے عمل کی دنیا میں وہ کارہائے شاندار سرانجام دیئے ہیں جو پوری جماعتیں سرانجام نہیں دے سکتیں، تحریک پاکستان میں جو دباؤ جو مصیبتیں ان لوگوں نے برداشت کی ہیں وہ بے مثل ہیں، حضرت شیخ الاسلام سیالوی ۲۷ گھنٹے دو دو فٹ گہری گندگی مین کھڑے رکھے گئے، مگر انہیں انکے استقلال سے موڑا نہ جا سکا، پنجاب کے وزیر اعلی حضر حیات ٹوانہ کی گیدڑ بھبکی پر آپ نے فرمایا میں روزانہ اللہ تعالی کے ننانوے نام صبح سویرے ورد کرتا ہوں، ان میں خضر حیات نام شامل نہیں ہے۔

یعنی اللہ تعالی سے ڈرنے والے صاحب اقتدار سے نہیں ڈرا کرتے۔

تحریک پاکستان میں ان مشائخ عالی مقام کا عظیم حصہ ہے جس سے انکار تاریخ کا منہ چڑاتا ہے، کیا بے عملی کی تہمت ان نفوس قدسیہ پر لگائی جا سکتی ہے؟

مشائخ کی تصنیفات

مشائخ عالی مقام نے پوری اسلامی تاریخ میں بہت سارا علمی کام بھی کیا ہے، چیدہ چیدہ نام یہ ہیں:۔

حضرت حارث محاسبی، حضرت ابو سعید حراز، حضرت جنید بغدادی، حضرت محمد نفری، حضرت بونصر سراج، حضرت ابو بکر سہروردی، حضرت نظام الاولیاء، شیخ الاسلام سیالوی، حضرت سید مہر علی شاہ گولڑوی، حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری وغیرہم علیہم الرضوان۔

ان حضرات میں سے اکثر شاعر بھی تھے، بابائے چشتیہ حضرت فرید الدین گنج شکر رضی اللہ تعالی عنہ تصنیف و شاعری میں مقام رکھتے ہیں۔رہی بات علم حدیث میں یہ حضرات کمزور ہیں تو یہ اعتراض بھی لغو ہے کیا سارے علما محدث ہیں اگر نہیں تو پھر اولیاء پر یہ اعتراض کیوں ہے؟ دور حاضر میں حضرت تونسوی، حضرت شیخ الاسلام سیالوی، حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت پیر محمد کرم شاہ عظیم محدثین تھے ہم نے اپنی کتاب ''حدیث سید الانام'' میں محدث مشائخ پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اس باب دیکھ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

کا اہل اسلام کے دلوں میں یوں بیج بویا کہ آج تک مسلمان اپنی اخلاق سے اپنی انفرادیت قائم رکھے ہوئے ہیں اور یہی ان کا تعارف اور پہچان ہے۔

اولیائے امت کا ارشاد ہے کہ تصوف، نام ہی اخلاق کا ہے یہی حسن خلق ہے جس نے لاکھوں اور کروڑوں کو اولیائے کرام کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔

نبی مکرم، رسول محترم ﷺ نے ہر صحابیؓ کو ایک ایک خصوصی خلق عطا فرمایا، صحابہ کرامؓ کی مسلمانوں کے نزدیک تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی اور ڈاکٹر سپرنگر جرمنی کہتے ہیں کہ صحابہ کی کل تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار تھی، اس طرح جو اخلاق رحمت عالم ﷺ نے تقسیم فرمائے وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چالیس ہزار تھے۔ یہی اخلاقی دولت قیامت تک قیامت تک امت میں ہر دور میں آپکے غلام اولیاء تقسیم فرماتے رہیں گے۔ آپ اخلاق کی کتابیں ملاحظہ فرمائیں، اخلاق جلالی، اخلاق ناصری اور احیاء العلوم وغیرہ کا مطالعہ کرلیں، یہ اخلاق ایک سو سے زائد نہیں ہیں، فرمایئے پھر مکارم اخلاق میں کوئی بھی عظیم مصلح حضور ﷺ کی گرد کو بھی پہنچ سکتا ہے؟ تو اخلاق جو انسانیت کا زیور اور ولایت کا اوڑھنا بچھونا ہیں وہ اولیاء کے بغیر اتباع رسول علیہم السلام میں اور کون پھیلائے گا؟

معیار خدمت

اولیائے امت خدمت خلق کے لئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں انکے نزدیک یہ شیوہ پیغمبری ہے لہذا وہ ساری زندگی اس راستے پر چلتے ہیں۔

ا۔ وہ لوگوں کو کفر و شرک کی نجاستوں سے نکالتے ہیں، انہیں اخلاق محمدی کی تعلیم دیتے ہیں انہیں اسلاف کے رنگ میں رنگتے ہیں، انہیں اسراف سے بچاتے ہیں انہیں سادہ غذا اور سادہ لباس کی تلقین کرتے ہیں انہیں سادہ رہائشوں کی تعلیم دیتے ہیں، محلات سے بچاتے ہیں۔

۲۔ اولیاء کے ہاں سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے وہ کسی کا دل نہیں دکھاتے، وہ مسلم اور غیر مسلم کی اس سلسلے میں تمیز نہیں کرتے، انکے انداز کو دیکھ کر اور سب کے ساتھ حسن سلوک کو دیکھ کر عموماً کہا جاتا ہے کہ فقیر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، حالانکہ وہ ظاہر و باطن میں انوار مصطفےٰ ﷺ علیہ التحیۃ والثناء سے مستیز ہوتے ہیں، جو کام وہ کرتے ہیں وہ نہ علماء کر سکتے ہیں نہ فلاسفہ و مناطقہ کر سکتے ہیں نہ سیاست دان اور جج کر سکتے ہیں۔ یہ عطیہ خداوندی ہے جو اولیائے امت کو ملتا ہے سعدی فرماتے ہیں۔

~ طریقت بجز خدمت خلق نیست یہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

طریقت خدمت خلق کا نام ہے، تسبیح مصلی اور گدڑی طریقت نہیں ہے۔ حافظ شیراز کا قول ہے:۔

~ دل بدست آور کہ حج اکبر است وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

دل کو راضی کر کہ یہ حج اکبر ہے ہزار ہا کعبہ سے دل کا مقام برتر و اعلیٰ ہے کیونکہ قرار گاہ خدا ہے

Marfat.com

ارشاد نبوی ہے **قلب المومن مقر اللہ**۔ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کی قرار گاہ ہے۔
خلق کی خدمت کی جتنی صورتیں تصور میں آسکتی ہیں وہ اولیائے امت نے پوری فرمائی ہیں انکے نفوس قدسیہ نے قوموں کی قومیں اسلام کی آغوش میں ڈال دی ہیں پورے کے پورے ملک مسلمان کئے ہیں انڈونیشیا اس کا زندہ گواہ ہے، برصغیر میں سب سے زیادہ مسلمان صحبت اولیائے سے ہوئے ہیں، قیام پاکستان اولیاء کی مساعی کا نتیجہ ہے۔

آسمان نبوت کے ستارے اولیائے امت

اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس انداز سے اولیائے امت نے اپنے کارنامے امت محمدی کے سامنے پیش کئے اور کس کس انداز سے امت کے سامنے حقائق عملاً پیش کر کے امت کو صراط مستقیم دکھایا۔

۱۔ اولیائے کرام کی پوری تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی سازش نہیں کی اور کسی اسلامی خطے کو سازش سے غیروں کے حوالے نہیں کیا، سیاستدانوں سے نام نہاد فلسفیوں سے ایسی غلطیاں ضرور سرزد ہوئیں۔

۲۔ صوفیہ شاہی درباروں سے دور رہے مگر بادشاہوں کو ہمیشہ دینداری کی تلقین فرمائی۔

۳۔ قوم کو معتزلہ، متکلمین، اور فقہاء نے گروہوں میں تقسیم کیا مگر اولیائے امت نے انہیں ہمیشہ وحدت کا درس دیا، انہیں گروہوں کی دلدل سے نکالا، فقہاء لوگوں کو آپس میں جب لڑا رہے تھے تو ان نفوس قدسیہ کے ہاں محبت اور ہمدردی کی دولت بٹ رہی تھی۔

۴۔ متکلمین اور فقہاء جب مسلمانوں کو کافر کہہ رہے تھے تو یہ مقدس لوگ اپنی مقدس زندگیوں کے انوار سے کافروں کو مسلمان بنا رہے تھے، حضرت عبداللہ شاہ غازی، سیدنا علی ہجویری المعروف داتا صاحب اور امام الھند حضرت معین الدین اجمیری نے لاتعداد کافروں کو اسلام کی دولت سے نوازا۔

۵۔ فقہاء متکلمین اور معتزلہ فرقہ بازی کے نمائندے تھے مگر اولیائے نے شیرازہ ملت کو وحدت کا درس دیا اور انتشار و پراگندگی کو ختم کرنے کی مساعی جمیلہ فرمائیں۔

۶۔ علماء اور فقہاء بادشاہوں کے قرب کے متلاشی رہے مگر اولیاء شاہوں سے دور رہ کر ملوکیت کی خرابیاں عیاں فرماتے رہے، وہ تو بادشاہوں کو خوش کرنے کے لئے فاسد تاویلات کا سہارا لے رہے تھے، اور یہ بادشاہوں کو خوفِ خدا کا سبق پڑھا رہے تھے اور خود صرف خدا سے ڈرتے تھے۔

۷۔ مسلمان فلاسفر، متکلمیں اور معتزلہ ذات وصفات باری کی باریک بحثوں میں خود الجھ کر قوم کا ذھن پراگندہ کر رہے تھے مگر اولیاء فرمارہے تھے کہ منطق اور فلسفہ سے اللہ نہیں مل سکتا اسے ملنا ہے تو دل کے آئینے کو صاف کرنا ہوگا، تاکہ اس میں تصویر یار کو پاسکو۔

۸۔ دینی کتابوں کے مصنف علماء تھے اور اولیاء نے وہ انسان تیار کئے جنہوں نے ان کتابوں پر عمل کر کے ایک شاندار انقلاب

Marfat.com

ہمیں اختلاف کا حق ہے

ہمیں دور حاضر کے عظیم محقق۔۔۔جن کی تحقیق سے ہم نے استفادہ بھی کیا ہے۔۔۔پروفیسر یوسف سلیم چشتی اور کچھ دوسرے حضرات کے اس ارشاد سے شدید اختلاف ہے کہ تصوف میں عجمی اثرات در آئے ہیں اور پانچویں صدی کے بعد تصوف کا حلیہ بگڑ گیا، بصد ادب عرض ہے کہ علماء کے اختلاف سے اگر اسلام کا حلیہ نہیں بگڑا تو صوفیہ کے کچھ نظریات سے تصوف کا حلیہ کیوں بگڑ گیا؟ اگر کوئی خرابی کچھ ناسمجھ لوگوں کی طرف سے آئی ہے تو ہمارے عظیم اولیاء نے اسکی اصلاح کر دی ہے، اولیاء میں سلاسل کے بڑے بڑے مجدد پیدا ہوئے ہیں، جن کا انکار تصوف کا انکار ہے کاش یہ حضرات اس انداز سے بچ جاتے۔ان حضرات نے یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ مشائخ حدیث میں کمزور ہیں لہذا ضعیف حدیثوں کا سہارا لیتے ہیں ان حضرات سے صرف یہ درخواست ہے کہ دور حاضر کے علماء کی اکثریت کیا صرف صحیح احادیث پر عمل پیرا ہے؟ کیا وہ خود بھی قوی ہیں، اور انکی معمول کی احادیث بھی قوی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر مشائخ ہی مورد الزام کیوں ہیں؟

ہمیں حضرت علامہ سے شکایت ہے کہ انہوں نے عشق رسول علیہ السلام کو تصوف سے خارج کر دیا ہے اور جس تفصیل کا یہ متقاضی تھا اسے قلمزد کر دیا ہے۔(فاعتبروا یا اولی الابصار)

زبان رسالت سے خصوصی انعام

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ ان الله تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشئی احبّ الیّ مما افترضت علیه وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببته فاذا احببت فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصربه و یده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سألنی لاعطینّه و لئن استعاذنی لاعیذنّه۔۔۔

رواہ البخاری مشکوۃ 197 کتاب الدعوات سعید کمپنی کراچی۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری وجہ سے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے، میری طرف سے اسکے ساتھ اعلان جنگ ہے اور میری طرف میرا بندہ کسی شے سے میرا قرب حاصل نہیں کرتا اس سے بڑھ کر جتنا میرے فرضوں سے حاصل کرتا ہے، حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں (میرا بندہ میرے فرضوں کے بعد) سدا میرا قرب نوافل سے حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور

اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور بالضرور عطا فرماتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں لازماً اسے پناہ دیتا ہوں"
اسلامی تصوف نے لازم قرار دیا کہ اللہ کریم کے فرض فرمودہ اعمال کو ادا کرتا ہے، انکے بعد نوافل میں تسلسل رکھنا ہے نوافل میں نفل عبادات از قسم نماز، روزہ، صدقات، اور حج کے ساتھ خدمت خلق وغیرہ شامل ہیں۔ اب بندے پر صفات ربانی کا انعکاس ہوتا ہے اللہ کریم اسے سننے، دیکھنے، اور چلنے پکڑنے کی وہ صفات عطا فرماتا ہے جو باقی انسانوں سے ارفع و اعلیٰ ہوتی ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یہ بھی فرمایا:

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اولیائے امت پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے سے پہلے اس حدیث اقدس پر غور کر لیا جائے، شان اولیاء میں بہت سی آیات اور بے شمار احادیث موجود ہیں استیعاب مقصود نہیں کہ ایک مقالے میں صرف کچھ نمونے ہی پیش ہو سکتے ہیں۔
اللہ کریم کا کوئی بندہ الاولیاء فی الکتاب والسنۃ پر جامع کتاب لکھ کر امت پر احسان فرمادے تو بڑی جزا پائے گا۔

ولی نگاہ اولیاء میں

حدیث میں ابھی آپ شانِ ولی پر جامع حدیث پڑھ چکے ہیں اب یہ بھی پڑھتے جائیں کہ ان عظمتوں کے باوجود اولیاء اللہ کی زندگی کا انداز نگاہِ اولیاء میں کیا ہوتا ہے۔ اذا رؤی ذکر الله وانه ذو انس بالله وان یکون مع الله بلا فصل و وصل للحق حیّ فی قلبه تعظیم قلبه للحق سر آة، حلیم محتملی، فارغ عن الدنیا والآخرة، ذو دهش وحیرة، یاخذ اعماله عن الله و یرجع فیها الی الله بطنه جائع و بدنه عار، لا سف علی شئی اذ لا یریٰ غیر الله، طیار، تبکی عینه و یضحک قلبه، فهو کالارض یطأها البر و الفاجر، و کالسحاب یظل کل شئی و کالمطر یسقی مایحب ومالا یحب لاتمییز عنده، لایقضی وطره من شئی بکائه علی نفسه و ثناءه علی ربه.

شرح حکمت الصوفیه از محمود الغراب مطبع زید بن ثابت شام صفحه ۲۰۵،۶

مطلب خیز ترجمہ پیش خدمت ہے:۔
"جب بندۂ خدا کو دیکھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے، یقیناً وہ اللہ کریم سے انس کرنے والا ہوتا ہے وہ فصل و وصل کی حدود

وقیود سے بالاتر ہوکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے وہ فصل و وصل کی قیود سے بالاتر ہوکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے، وہ بڑا حیادار ہوتا ہے، اسکے دل میں عظمت خداوندی ہوتی ہے اس کا دل حق کا آئینہ ہوتا ہے وہ حلیم اور بردبار ہوتا ہے، وہ دنیا اور آخرت دونوں سے فارغ ہوتا ہے، یعنی اسکی توجہات کا مرکز صرف ذات خداوندی ہے اس پر دہشت اور حیرت طاری رہتی ہے وہ اپنے اعمال اللہ کریم سے لیتا ہے اور ان اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کا پیٹ خالی اور بدن ننگا ہوتا ہے، اسے کسی چیز کے چلے جانے کا افسوس اور صدمہ نہیں ہوتا، کیونکہ اسکی نگاہوں میں اللہ کریم کے بغیر کوئی شے نہیں ہوتی اسکی آنکھ روتی ہے اور دل ہنستا ہے وہ زمین سے مشابہ ہے کہ اسے ہر نیک اور بد روندتا ہے وہ بادل کی طرح ہے کہ وہ سب کو سایہ دیتا ہے وہ بارش جیسا ہے کہ وہ ہر شے پر برستی ہے وہ اس میں تمیز نہیں کرتی کہ وہ شے پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ ہے، وہ کسی شے سے اپنا مطلب پورا نہیں کرتا، اس کا رونا اپنی جان کے لئے ہوتا ہے اور اسکی تعریف اپنے رب کریم کے لئے ہوتی ہے"

ہم سمجھتے ہیں کہ عبارت اتنی واضح ہے کہ تبصرہ کی ضرورت نہیں صرف یہ دعا ہے کہ اللہ کریم ان صفات قدسیہ والے بہت سے اولیاء امت محمدیہ علی صاحبہا السلام کو عطا فرمائے (آمین)

حضرت مصنف نے اس مقام پر اولیائے امت کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور پھر حضرت شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ ولی کامل کے بارے میں خصوصی علمی، فکری اور تصوفی نظریات کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، علماء اصل کتاب کی طرف رجوع کریں اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو توفیق عطا فرمائے کہ اس کتاب کا ترجمہ کردے اس طرح اردو لٹریچر میں حسین اضافہ ہوگا اور اصحاب ذوق اسلامی تصوف کی عظمتوں سے واقف ہونگے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

حرفِ آخر

اسلامی تصوف کا مرکز ذات ربانی ہے اور وہاں تک رسائی کا ذریعہ حب رسول اور آپ [illegible] کی اطاعت واتباع ہے کتاب وسنت ہادی ہیں، عمل صحابہ واسلاف روشنی ہے، یہ راستہ کل بھی آباد تھا، آج بھی آباد ہے اور نگاہِ مصطفوی سے سدا آباد رہے گا، شراب محبت پینے والے ہمیشہ پیتے رہیں گے اور محبت خدا اور رسول کے سہارے جیتے رہیں گے۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضیٰ

فقیر محمد [illegible] حسین شاہ سیالوی

جامعۃ الزہراء اہل سنت [illegible]

مصریال روڈ راولپنڈی کینٹ

جمعہ ۷ ذوالحج ۱۴۲۴ء

بمطابق ۳۰ جنوری ۲۰۰۴ء صبح سوا سات بجے

کمپوزنگ اینڈ ایڈیٹنگ

حافظ عرفان علی (ایم اے اسلامیات)

جمعرات ۲۱/اکتوبر ۲۰۰۴

(الحمد للہ 'جمال الایمان فی تفسیر القرآن' کی **جلد** اول کی تکمیل ہوئی!)

Marfat.com

فہرست مطبوعات

ضیاء العلوم پبلی کیشنز

MOB 0333-5166587
FAX 051- 4580404

یو 128 بازار تلواڑاں راولپنڈی پاکستان

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن جلد اول	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	160/= [illegible] 120/=	دعوت الحق فی جواب معیار الحق	شیخ الحدیث سید غلام محی الدین شاہ	30/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن جلد [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	240/= [illegible] 180/=	تعظیم رسول اور گستاخ رسول کی سزا	مولانا اشرف قادری	18/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن جلد [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	جنوری 2005 [illegible]	حیلۃ الاسقاط	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	30/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن جلد [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	اپریل 2005 [illegible]	عمدۃ المفاتیح (اردو ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح) [illegible]	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	50/=
نجوم الفرقان من تفسیر آیات القرآن جلد [illegible]	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	240/= [illegible] 180/=	قدوری مع ترجمہ وتشریح [illegible]	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	50/=
شمع ہدایت	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	120/=	اربعین نقشبندی	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	48/=
مراح الارواح (اردو حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	36/=	شب قدر	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	27/=
تذکرۃ الانبیاء (مجلد خاص)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	360/=	فضائل صدقات	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	33/=
موت کا منظر مع احوال حشر ونشر (بڑا سائز)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	210/=	الوافیہ بتوضیح الکافیہ	حافظ محمد فضل الدین نقشبندی [illegible]	48/=
موت کا منظر مع احوال حشر ونشر (چھوٹا سائز)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	150/=	سیدنا محمد ﷺ (انگریزی)	مولانا محمد اکبر ہزاروی	36/=
اقامت بیٹھ کر سننا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	21/=	مکاشفۃ القلوب	حافظ محمد اسحاق ظفر (مترجم)	165/=
اسلام میں عورت کا مقام	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	150/=	خوبصورت نعتیں	جاوید اقبال اعوان	24/=
اذان کے ساتھ درود شریف مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	21/=	ذکر حبیب	مولانا سید حسین الدین شاہ	10/=
سبز عمامہ کی برکات سے کذاب جل اٹھے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	24/=	نور ہدایت	مولانا سید حسین الدین شاہ	فروری 2005 میں دستیاب ہوگی
انگوٹھے چومنا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	21/=	زیارت قبور حیات برزخی اور ایصال ثواب	پروفیسر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی	45/=
نماز کے بعد ذکر ودعا مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	40/=	عظمت سید المرسلین امہات المؤمنین	پروفیسر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی	36/=
تکریم والدین مصطفیٰ ﷺ	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	20/=	میلاد النبی ﷺ	مولانا محمد یعقوب ہزاروی	120/=
احکام مساجد	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	24/=	احکام رمضان	مولانا نعیم الدین مرادآبادی	12/=
نماز حبیب کبریاء	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	150/=	گیارہویں شریف	مولانا ابوالحسن محمد علی رضوی	12/=
نور الایضاح (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	69/=	مناقب روحی	محمد ریاض قادری	210/=
تسکین الجنان فی محاسن کنز الایمان	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	120/=	والضحیٰ نعتیہ مجموعہ (دو جلدیں)	حسان الہند پدم شری بیکل اتساہی	50/=
السراجی فی المیراث (اردو)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	33/=	فقہ حنفی اور حدیث رسول	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	45/=
تلخیص المفتاح (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	45/=	حقیقت قربانی	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	18/=
کنز الدقائق (عربی حاشیہ)	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	270/=	تذکرہ محی الدین	مولانا سردار احمد حسن سعیدی	80/=
المظہر النوری علی المختصر القدوری	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	150/=	انوار شریعت (جلد اول)	از افادات مجدد اسلام اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ	200/=
ایصال ثواب مستحب ہے	مولانا عبدالرزاق بھترالوی	27/=	انوار شریعت (جلد دوم)	مرتبہ مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی	مارچ 2005 میں دستیاب ہوگی
سیرت مصطفیٰ ﷺ (بڑا سائز)	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی	180/=	جنتی موتی مع زیور نسواں	مولانا اشرف قادری	36/=
سیرت مصطفیٰ ﷺ (چھوٹا سائز)	مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی	150/=	قانون شریعت	مولانا شمس الدین احمد	135/=
عقائد اہل سنت	مولانا مشتاق احمد نظامی	90/=	سیر برزخ	قاضی نور الحق از ہر نقشبندی	.....
			ماں باپ کے حقوق	قاضی نور الحق از ہر نقشبندی	.....

نوٹ: فہرست میں شامل کتب ہی کی ترسیل ہوگی۔

دسمبر 2004

Marfat.com

اور رات کے لمحات قرآن کی نذر کرتا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ آدمی قابل رشک ہے جسے اللہ کریم نے مال عطا فرمایا ہے اور وہ رات دن کے لمحات میں اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یہ دو آدمی قابل رشک ہیں۔ یہ حدیث بھی بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔

دو صحابہ کی دو روایات خاص طور پر آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں ایک تو سیدنا عمر فاروق ؓ کی روایت ہے اور دوسری حیدر کرار ؓ کی روایت ہے۔ حضرت عمرؓ کی جو روایت ہے اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

حدیث کی چھ کتابوں کو بے حد معتبر کتابیں سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ایک غلط فہمی ذہن سے نکال دیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کا مطلب ہے کہ کوئی حدیث غیر صحیح بھی ہوتی ہوگی۔ صحیح اس معنی میں حدیث میں نہیں آتا۔ حدیث میں صحیح اسے کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے لے کر ہم تک جو روایت آئی ہے اسے بیان کرنے والا علمی سطح پر معتبر ہو۔ حافظے کے اعتبار سے معتبر ہو، دیانت اور شرافت کے لحاظ سے معتبر ہو، اور علمی طور پر حدیث کے جتنے لوازمات ہیں ان سب کو جانتا ہو اور پانچویں بات یہ ہے کہ جس نے حدیث کا اتنا گہرا مطالعہ کیا ہو کہ سرکار کریمؐ کے مزاج کا شناسا ہو۔ تاکہ جب وہ بات روایت کرے اور اس سے اگلا روایت کرے اور اس سے اگلا روایت کرے اور اس سے اگلا روایت کرے اور اس سے اگلا روایت کرے اور اسے اگلا روایت کرے اور آج تک وہ اسی سلسلے سے بات چلتی آئے تو اس کو حدیث صحیح کہتے ہیں۔ یہ غلط کے مقابلے میں نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر یہ کہیں کہ یہ قول رسولؐ ہے اور اس کے بعد یہ کہیں کہ یہ غلط ہے تو عقل یہ بات مانتی ہی نہیں۔

قول رسولؐ کی حد بندی ہم اس انداز سے کریں گے۔ یہ متواتر ہے یہ مشہور ہے یہ عزیز ہے یہ خبر واحد (غریب) ہے لیکن اس انداز سے ہم کہیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے ہم بہت نیچے ہیں۔ اس کی حد تک ہم نہیں پہنچ سکتے ہیں اور نہ ہمیں یہاں تک پہنچنے کا قرآن حق دیتا ہے۔

سوال: حدیث ضعیف کیا ہوتی ہے؟

جواب: جی میں یہ عرض کروں کہ حدیث ضعیف نہیں ہوتی۔ در بیان روایت کرنے والا ان باتوں سے جو ابھی میں آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔ کسی بات میں کمزور ثابت ہوا ہے۔ مثلاً آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال بیان کرتا ہوں امام اعظمؒ نے سنا کہ فلاں بندے کے پاس رحمت عالمؐ کی ایک حدیث ہے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور کافی سفر کے بعد اس بندے کو جا کے ملے۔ کسی نے کہا وہ جا رہا ہے۔ اس شخص نے بکری پکڑی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ میں سبز رنگ کے کچھ تنکے تھے سے پیچھے ہٹاتا تھا، تو اسے دکھاتا تھا، قریب آجاتی تھی تو اسے کھلاتا نہیں تھا، آگے کر لیتا تھا۔ پھر آگے فاصلے پر کھڑا ہو کر اسے دکھاتا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ اسے کھلا کیوں نہیں دیتے۔ اس نے کہا کہ اسے کھلا دوں تو یہ میرے پیچھے نہیں چلے گی۔ آپ

Marfat.com

Marfat.com

فرمائیں کام کیا ہے؟ انہوں نے کہا میرا کوئی کام بھی تمہارے ساتھ نہیں ہے۔ کسی ساتھی نے کہا کہ حضرت آپ پانچ سات گھنٹوں سے اسے تلاش کر رہے تھے اب کہتے ہیں کوئی کام بھی نہیں ہے ان کا جواب یہ تھا۔ کہ جو بندہ ایک بکری کو دھوکا دے سکتا ہے وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی دھوکا دے سکتا ہے، لہذا میں اس کی بات قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوں۔ تو جب یہ انداز بن جاتا ہے تو اس وقت حدیث کو کہہ دیتے ہیں کہ راوی کی وجہ سے یہ ضعف کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے اب اسے حل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اگر آپ علم حدیث کے ماہر ہیں تو ایک اور سند کی تلاش کریں گے تاکہ یہ جو کمی پیدا ہوگئی تھی وہ دور ہو جائے۔ حدیث کا متن کبھی ضعیف نہیں ہوتا، اس بات کو نوٹ فرمائیں۔ ضعیف جب ہوتی ہے جہاں کوئی کمزور بندہ آ گیا۔ میں اکثر علماء حضرات کی محفل میں یہ بات کہتا ہوں کہ حدیث تو قوی تھی آپکی کمزوری نے اسے کمزور بنا دیا۔ اگر آپ کمزور نہ ہوتے تو حدیث کبھی کمزور نہ ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب! (ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) امید ہے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی۔

اب میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کروں گا۔ جو آپ نے بیان کی اور امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"انّ عمر ابن الخطاب قال قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ وسلم انّ اللّٰہ یر فع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین "O

ترجمہ: ''رحمت عالم ﷺ نے فرمایا کہ یہ کتاب مستطاب، جسے قرآن کہتے ہیں، یہ وہ عظیم کتاب ہے جس کے ذریعے اللہ کریم بے شمار قوموں کو، جو پستی میں گھری ہوئی ہوں گی۔ انہیں اٹھا کر بلندی پر پہنچائے گا اور بے شمار قومیں ایسی ہوں گی جو اس کتاب پر عمل نہ کرتے ہوئے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائیں گی''۔

آپ دیکھیں کہ کتنا جامع فقرہ ہے کتاب ایک ہے لیکن ہر دور کیلئے ہے۔ کتاب ایک ہے لیکن ہر نسل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کتاب ایک ہے لیکن اہل علم اس سے ایک الگ قسم کا ذوق لیتے ہیں، قراء الگ قسم کا ذوق لیتے ہیں، حافظ الگ قسم کا ذوق لیتے ہیں، ہماری ایک دیہاتی بچی جو عربی زبان سے بالکل نابلد ہے۔ قرآن کھول کر جب اسے تلاوت کرتی ہے تو اس سے اور طرح کا ذوق لیتی ہے، آپ مجھے بتائیے کہ کیا کائنات میں کوئی اور بھی کتاب ایسی ہے؟ جس میں یہ صفات موجود ہوں۔ لیکن یہ تو اس کے ظاہری الفاظ تک کیفیت تھی یا اس کے معانی تک تھی۔ کیا کوئی اور کتاب بھی ہے جو انسان کے اندر آئے اور اس کی زندگی کو تبدیل کر دے؟ اور باہر آئے تو کائنات کو بدل کر رکھ دے؟ یہ وہ بات ہے جو قرآن پاک میں ملتی ہے اور اسی کی طرف سرکار ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ کیا ہے جب یہ حدیث سیدنا عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں تو ایک بات اور اپنے دور حکومت میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ لوگو! آگاہ رہو۔ اپنے گورنروں کو یہ حکم دیا جا رہا ہے فوجی جرنیلوں کو بھی یہ حکم دیا جا رہا ہے آپ اسلام کی چار پانچ جو قدیم تاریخیں ہیں۔ ان سب میں یہ بات ملاحظہ فرما سکتے ہیں کہ آپ نے فرمایا! جرنیلوں کو مطلع ہونا چاہیے، گورنروں کو

Marfat.com

اس بات کا پتہ ہونا چاہیے کہ قوم قرآن پر یوں بھنبھنا رہی ہے، جیسے شہد کی مکھیاں شہد پر بھنبھناتی ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ کا فقرہ ہے۔ لہٰذا قوم کو قرآن کے شہد سے دور نہ ہٹنے دیا جائے۔ یہ حضرت عمرؓ کی قوم کو نصیحت ہے اب اس قرآن کے شہد کو ہم نے انشاء اللہ عام کرنا ہے۔ آپ آگے چل کر دیکھیں گے۔ کہ یہ فقیر بے مایہ زندگی کے سارے مسائل آپ کے سامنے قرآن حکیم کے کس کس انداز سے پیش کرتا جائے گا۔

حدیث کے موضوع پر یہ پہلا اور آخری لیکچر ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ آج ہم نے ثابت کرنا ہے کہ قرآن نگاہ مصطفیٰ ﷺ میں کیا ہے؟ اب لازماً اس موضوع پر ہمیں حدیث کا سہارا لینا ہوگا۔ اب آیئے سیدنا حیدر کرارؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں کہ مولا! آپ ارشاد فرمائیں کہ آپ کے سامنے سرکار کریم ﷺ نے قرآن کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا تھا۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور دارمی نے بھی روایت کیا ہے۔ حضرت حیدر کرارؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کا ایک خادم کہتا ہے کہ میں کوفے کی ایک مسجد سے گزرا وہاں دیکھا کہ لوگ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ حیدر کرارؓ نے ارشاد فرمایا کیا اسی دور میں ہی لوگ مسجدوں میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگ گئے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی حضور ایسا ہی ہوا میں ابھی سن کر آرہا ہوں۔ مولائے کائنات نے پھر ارشاد فرمایا، توجہ یہ دلانا چاہتے تھے کہ جب مسجدوں میں بیٹھو تو قرآن تمہارا موضوع سخن ہونا چاہیے، دنیا کی باتیں نہیں اسے ان لفظوں میں ذکر کیا۔

"انّی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول" ٥ (ترجمہ کے پیش نظر حدیث کے کچھ الفاظ کم ہیں)

میں نے رحمت عالم ﷺ سے یہ سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ کچھ لوگوں کی آزمائش ہوگی۔ حیدر کرارؓ یہ فرماتے ہیں کہ جب سرکار ﷺ نے یہ فرمایا کہ کچھ لوگوں کی آزمائش ہوگی تو میں نے عرض کیا کہ حضور اس آزمائش سے کامیاب نکلنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ تو سرکار ﷺ نے فرمایا کہ جب ایسے فتنے کھڑے ہو جائیں تو ان فتنوں کا حل کتاب اللہ ہے (اللہ کی کتاب ان کا حل ہے)۔

تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، ان کی خبریں بھی اسی کتاب میں ہیں اور تم سے بعد میں آنے والوں کی خبریں بھی قرآن میں موجود ہیں۔ اس فقرے پر غور کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قرآن کی وہ خبریں ہمیں معلوم نہیں ہو سکیں تو یہ ہماری کم فہمی کی دلیل ہے اس کیلئے ہمیں آگے بڑھنا ہوگا تا کہ قرآن کی اتھاہ گہرائیوں میں ہم اتر سکیں۔ وہاں تک پہنچ سکیں جہاں کیلئے اقبالؒ نے کہا تھا!

"صد جہان پنہاں ست در قرآن ہنوز" (ابھی قرآن کے اندر ہزار ہا دنیائیں چھپی پڑی ہیں)

ان دنیاؤں کو نکالنے کیلئے محبت قرآن کی آگ میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔ پھر وہ دنیائیں سامنے آجائیں گی۔ میں بسا اوقات سوچتا ہوں کہ ہماری محفل میں خان عبدالروف صاحب بیٹھے ہیں یہ ایک کتاب میرے پاس لائے تھے جو کسی غیر

مسلم نے بڑی جدوجہد سے مرتب کی ہے۔ مثلاً ''الحمد'' کا لفظ ہے تو حمد قرآن میں جتنی جگہ استعمال ہوا ہے، اس نے ان سب آیا ت کو اکٹھا کر دیا ہے۔ اس کی پیروی میں ایک مسلمان مفکر نے بھی لبنان سے اس کوشش کو پورا کرنے کیلئے سعی بلیغ کی۔ کیونکہ غیر مسلم کی عربی مادری زبان نہیں تھی وہ چند مقامات پر غلطی کر گیا۔ ان مقامات کی اس نے اصلاح کر دی ہے کچھ اور اضافے بھی فرمائے۔ پھر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ایک اور غیر مسلم مفکر اٹھا تو اس نے حدیث کو اس طریقے سے مرتب کر دیا۔ کہ یہ لفظ حدیث میں کتنی جگہ استعمال ہوا۔ "**المفهرس لا لفاظ الحديث الكريم**" یہ اس عربی کتاب کا نام ہے جو ضخیم آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہمارے علماء میں سے ستانوے فیصد لوگ ان پڑھ ہیں۔ جو تین فیصد لوگ پڑھے ہوئے ہیں میں انہیں یہ کتابیں دکھاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی

کیا ہم بحیثیت قوم اس حد تک مر گئے ہیں کہ قرآن و حدیث پر ریسرچ کا کام غیروں نے سنبھالا ہے؟ مجھے بخاری کی ایک حدیث یاد آتی ہے کہ سرکارؐ نے فرمایا'' بے شمار فاسق اور فاجر لوگ ہوں گے جن سے اللہ میرے دین کا کام لے گا''۔ واقعی دین کا کام اس انداز سے غیر کر رہے ہیں اور کتنے شاندار طریقے سے کر رہے ہیں۔

حضور حیدر کرارؓ کو سرکارؐ نے فرمایا کہ یہ قرآن وہ ہے جس میں پہلوں کی بھی اطلاعات ہیں۔ ماضی بھی اس کے اندر موجود ہے، مستقبل بھی اس کے اندر موجود ہے، اگر آپ اجازت دیں تو ایک علمی بات اور بھی عرض کردوں کہ جس کتاب میں ماضی موجود نہ ہو وہ مستقبل اور حال کی راہیں متعین نہیں کر سکتی۔ لہذا ماضی موجود ہو گا تو مستقبل کی عمارت قائم ہو گی۔ جو کتاب صرف مستقبل کی باتیں کرتی ہے وہ حاضر کی گرفت نہیں کر سکتی۔ لہذا حاضر کو اپنے حال پر چھوڑ دیتی ہے۔ کتاب وہ ہے جو ماضی کو بھی سمجھا سکے، حال پر بھی گرفت کر سکے۔ لیکن حال بڑا مختصر ہوتا ہے، وہ لمحاتی ہوتا ہے۔ جبکہ ماضی طویل ہے، مستقبل طویل ہے۔ حال آیا اور گزر گیا۔ چند لمحوں کے بعد حال ماضی بن جائے گا۔ کل کا دن ابھی تک تو مستقبل ہے۔ لیکن کل جب وہ حال میں تبدیل ہو گا تو چند گھنٹوں کے بعد ماضی کی شکل اختیار کر لے گا۔ لہذا ماضی بھی طویل ہے۔ اس طویل ماضی کو اگر ایک کتاب دو چار چھ سو صفحات میں اسطرح سمیٹتی ہے کہ اس ماضی کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل نہیں رہتا۔ مستقبل کے انسانی ذہن کو اس طرح اپنے قابو میں کرتی ہے کہ مستقبل کا کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کے اندر اب میرے لئے ہدایت کا پیغام نہیں رہ گیا۔ تو ہے کوئی اور کتاب جو اس مقام پر کھڑی ہو سکے؟ لہذا حیدر کرارؓ نے سرکارؐ کی زبان سے یہ بات کہی کہ اس میں ماضی بھی ہے، مستقبل بھی ہے اس کا عملاً مشاہدہ ذات نبوت نے بھی کروایا ہے۔ جب آپ معراج پر تشریف لے جارہے تھے۔ تو بیت المقدس میں سارے ماضی کے انبیاء موجود تھے، آپ نے دیکھا کہ ماضی آ گیا۔ اور جب آسمان کے کسی حصے میں تھے تو پہلے فرشتوں کو حاضری

Marfat.com

کے لئے جناب جبرائیل نے درخواست کی۔ فرمایا انہیں دو رکعت یہاں پڑھا دونگا۔ پھر ایک مقام پر یہ ارشاد ہوا کہ قیامت تک آنے والے اولیاء گرامی کی ارواح کو طلب کیا جائے، وہ بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں۔ یہ سارے کا سارا مستقبل تھا۔ میں بسا اوقات سوچتا ہوں کہ قرآن نے ماضی کو بھی سمیٹا اور مستقبل کو بھی سمیٹا۔ صاحب قرآن نے ماضی کو بلایا تو وہ لبیک کہتا حاضر ہو گیا اور مستقبل کو بلایا تو وہ بھی لبیک کہتا حاضر ہو گیا۔

مجھے ساری کائنات میں سے ایک اور کتاب ایسی بتائیے یا ایک ایسا انسان بتائیے جو ماضی کو بھی ساتھ لے کر چلے مستقبل کا بھی سارے کا سارا احاطہ کرلے یا ایک اور انسان بتا دیجئے جو ماضی کی طرف بڑھے تو ماضی اس کے سامنے آجائے اور مستقبل کو جب بلائے تو مستقبل اس کے سامنے آجائے۔ یہ عظمتیں صرف ایک انسان کے حصے میں آتی ہیں۔ اور تبھی خدا کہتا ہے کہ قیامت تک کیلئے نمونہ زندگی صرف ذات مصطفیؐ ہے۔ کوئی اور نہیں ہے۔

حضور حیدر کرارؓ کی روایت ہے۔

"ھو الفصل لیس بالھزل"○ (یہ فیصلہ کن کتاب ہے اس میں مذاق کی باتیں نہیں ہیں۔) مخول کی باتیں نہیں ہیں، ٹھٹھے اور تمسخر کی باتیں نہیں ہیں۔

"من ترکہ من جبار قصمہ اللہ"○ (بڑے بڑے جابروں میں سے کوئی اسے چھوڑ دیتا ہے تو اللہ اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے)

آپ ماضی قریب کو دیکھیں اسلامی دنیا پر نگاہ ڈالیں میں سیاسی آدمی نہیں ہوں، علمی آدمی ہوں۔ مجھے آپ یہ بتائیے کہ یہ جو آزادی کی تحریک عالم اسلام میں چلی تھی جنگ عظیم ثانی کے بعد یا جنگ عظیم اول کے بعد اور دیکھتے ہی دیکھتے چھیالیس اڑتالیس ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ وہاں ذلت کیوں ہے؟ ادبار کیوں ہے؟ تنزل کیوں ہے؟ اس کی بڑی وجہ یہی سرکارؐ کے الفاظ ہیں کہ جو جبار ہے (جبار کا معنی جس معانی میں ہم استعمال کرتے ہیں وہ نہیں ہے) جبار اسے کہتے ہیں جو ٹوٹی ہڈی کو جوڑ سکتا ہو وہ جبار ہے۔ اور ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑا نہیں تو یہ ظلم ہوتا ہے۔ فرمایا جو جبار ہے اس میں صفت جباریت موجود تھی۔ اس ٹوٹی ہوئی ملت کو وہ جوڑ سکتا تھا، اس نے جوڑا نہیں ہے۔ یہ 'ق' اور 'ص' سے ہے۔ ''قصمہ اللہ'' اللہ تعالیٰ اسے توڑ دیتا ہے پھر آپ نے کتنے لوگوں کو ٹوٹتا ہوا سامنے دیکھا ہے۔

"ومن ابتغی الھدیٰ فی غیرہ اضلہ اللہ"○

ترجمہ: ''جو ہدایت تلاش کرنے کے لیے قرآن کو چھوڑ کر کسی اور طرف جاتا ہے اللہ اسے گمراہ کر دیتا ہے''۔

میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ تنہائیوں کی مخلصانہ دعاؤں میں اللہ سے التماس کریں کہ اے اللہ! بڑی دیر تک ہم نے تیری کتاب کو چھوڑ کر ذلت اور ادبار کے گڑھوں میں گرنا سیکھا ہے اب ہمیں اس سے نکلنے کی توفیق بھی عطا فرما۔ ارشاد فرمایا!

Marfat.com

"وھو حبل اللہ المتین"o (یہ اللہ کی بے حد مضبوط رسی ہے)

مضبوط رسی وہ ہوتی ہے جسے توڑا نہ جاسکے۔ یہ وہ یاد ہے جو حکیمانہ یاد ہے۔ میں گزشتہ لیکچر میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ ذکر کا ایک معنی یاد ہوتا ہے قرآن ذکر ہے، مصطفیٰ ذکر ہے، حدیث پاک ذکر ہے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ افضل الذکر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ ہمیں اس ماضی کی یاد دلاتا ہے کہ جب ہم جسمانی آسائشوں سے پاک روحانی زندگی گزار رہے تھے۔ اللہ کے قریب تھے۔ Words Worth نے تو کسی اور انداز سے اس قرب کا ذکر کیا ہے آپ میں سے جن حضرات نے اسے پڑھا ہے انہیں پتہ ہے کہ وہ اپنی شہرہ آفاق غزلوں میں کیا مطلب لینا چاہتا ہے۔ لیکن جو بات میں عرض کر رہا ہوں وہ یہ ہے کہ ماضی کو یاد کرنا ذکر ہے اور جب آپ ماضی کو یاد کر کے مستقبل کیلئے روشنی حاصل کرتے ہیں تو یہ ذکر ہے، اسے یاد خدا بھی کہتے ہیں، یاد مصطفیٰ بھی کہتے ہیں۔ اسے قرآن کا مطالعہ بھی کہتے ہیں، اسے درود کا پڑھنا بھی کہتے ہیں۔ تو ارشاد فرمایا، یہ ذکر حکیم ہے جو آپ نماز میں بار بار سوال کرتے ہیں۔

"وھو الصراط المستقیم"o

سرکار نے فرمایا صراط مستقیم یہی قرآن ہے، قرآن صراط مستقیم ہے یہ وہ کتاب ہے۔

"ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء"o (یہ وہ کتاب ہے جسے خواہشات ٹیڑھا نہیں کرسکتیں)

اس فقرے پر خصوصی غور کی ضرورت ہے آپ بے شمار مفسرین کو چودہ سو سال میں دیکھئے، کچھ وہ ہیں جو قرآن کے پیچھے چلے، اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے قرآن کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کی۔ دور حاضر میں بھی یہ ہو رہا ہے۔ کیا حاضرین مجھے واہ واہ کر رہے ہیں، وہ خوش ہو رہے ہیں کہ نہیں؟ اگر اس نیت سے درس قرآن دیا جائے تو وہ درس قرآن نہیں ہوتا۔ درس قرآن وہ ہے کہ آپ قرآن کو اپنا قائد مان کر اس کے پیچھے چلنے کی کوشش کریں۔ آپ کے ذہن نے ایک مفروضہ قائم کر لیا ہے اور اسے زندگی کا اصول بنالیا ہے۔ لیکن مطالعہ قرآن کے درمیان آپ کو پتہ چلا کہ یہ زندگی کا اصول نہیں قرآن کے خلاف ہے۔ ایک لمحہ کے توقف کے بغیر آپ اسے چھوڑ دیں گے تو یہ قرآن کی اتباع ہوگی۔ اگر اس کیلئے تاویل کا دروازہ کھول کے اسے اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کریں گے تو قرآن کی معنوی تحریف ہوگی۔ لہذا قرآن کو آگے آگے چلانا ہے اور اسے آگے چلانے کیلئے آپ کو چند چیزوں میں مہارت حاصل کرنا ہوگی۔ سب سے پہلے عربی زبان ہے پھر قرآن کی اپنی اصطلاحات ہیں حدیث پاک ہے اصول حدیث ہے اصول قرآن ہے۔ تاکہ جب آپ قرآن کے گلزار میں داخل ہوں تو کلیوں کے چٹخنے کی آواز بھی آتی رہے۔ پھولوں کے کھلنے کی مہک بھی جان کو معطر کرتی رہے۔ یہ تبھی ہوگا جب آپ قرآن کے پیچھے چلیں گے۔ سرکار کے اس فقرے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بندہ بے شک قرآن کو اپنے پیچھے لگا کے تاویلات کرتا ہے، لیکن قرآن اس کی تاویلات کے تحت ٹیڑھا نہیں ہوگا۔ وہ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ

مقدمہ

جمال الایمان فی تفسیر القرآن

جلد اول

مؤلف

فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

جامعۃ الزہراء اہل سنت

ناشر ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان

Marfat.com

ایسی روشنی ہے جو اپنی روشنی کے انداز کو برقرار رکھے گی۔ خواہ جس انداز سے بھی کوئی بندہ اسے موڑنے کی کوشش کرے۔

"ولا تلبس به الا لسنة" ٥

یہ تورات نہیں ہے کہ اسے بدلا جائے۔ یہاں تو زبانیں لفظ کو ٹیڑھا نہیں کرسکتیں ایک جگہ یہودیوں نے کوشش کی تھی۔ کہ 'راعنا' کو اگر لمبا کر دیں تو وہ ایک قسم کی گستاخی پر معمول ہوتا ہے۔ میں اس کی تھوڑی سی وضاحت کر دوں گا۔ کہ اللہ اپنے محبوب کیلئے اتنی چھوٹی سی بات بھی برداشت نہیں کرتا۔ ''راع'' مراعات کا لفظ ہم اردو میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ مراعات کے امر کا لفظ ہے۔ 'راعنا' آپ ہمارا لحاظ فرمائیں، ہماری رعایت فرمائیں، ہمارا خیال فرمائیں۔ یہ لفظ تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اگر زیر کو تھوڑا سا کھینچیں تو عربی میں ''ی'' پیدا ہو جاتی ہے۔ زبر کو کھینچیں تو ''الف'' پیدا ہو جاتا ہے۔ پیش کو کھینچیں تو ''واؤ'' پیدا ہو جاتا ہے۔ یہودیوں نے زیر کو کھینچا تو ''ی'' پیدا ہو گیا اور زبان کو ٹیڑھا کر کے کہہ دیا کہ راعی تو راعی کا معنی ہوتا ہے چرواہا۔

سرکارؐ کا اپنا ارشاد عالی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی کائنات میں بھیجا ہے اسے بھیڑیں اور بکریاں ضرور چرانے کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ یہ انسانوں کے ریوڑ کو سنبھالنے کی ٹریننگ تھی۔ یہ بات ضرور ہوئی ہے، اب یہ حقیقت ہے، لیکن اللہ نے اس حقیقت کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا کہ خبردار تم مسلمان بھی آج کے بعد اس لفظ راعنا کو چھوڑ دو۔

"وقولو انظر نا" ٥ (تم کہو کہ محبوب ہم پر نگاہ کرم فرمایئے)

اللہ اللہ کیا لطیف بیان ہے کہ محبوب ہم پر نظر لطف فرمایئے، نگاہ کرم فرمایئے اور تم بھی پوری توجہ سے ان کی محفل میں بیٹھو یہ بات نہ ہو کہ تمہاری توجہ کسی اور طرف ہو۔ جب سرکار مصطفیٰؐ کی زبان سے پھول جھڑ رہے ہوں تو اس وقت توجہ کسی اور طرف نہیں جانی چاہیے وہاں توجہ کا حال یہ تھا کہ نگاہیں جھکی ہوئی ہیں دل خالی کر کے بیٹھے ہیں، دماغ خالی کر کے بیٹھے ہیں، کہ جو خیالات ہیں، جو نظریات ہیں، ان سے خالی نہیں ہوں گے۔ تو مصطفیٰؐ کی روشنی وہاں داخل نہیں ہو سکے گی۔ لہذا اس روشنی کو لینے کیلئے خالی الذہن، خالی القلب ہو اور نظریات سے بالکل خالی ہونا پڑے گا۔ نہیں تو بات نہیں بنے گی۔ تو ارشاد ہوا کہ یہاں زبان قرآن کو ٹیڑھا کرنا چاہے تو یہ ٹیڑھا نہیں ہوگا۔ اور ہم فوراً منع کر دیں گے۔ کہ یہ ٹیڑھا لفظ قرآن کی لغت سے نکال دو اور اپنی زبانوں سے اتار دو۔ یہ وہ معیار ہے کہ تورات کا مطالعہ فرمایا جائے۔ انجیل اور زبور کا مطالعہ فرمایا جائے ان کے لانے والے آپ کو اس مقام پر آتے ہوئے نظر نہیں آئیں گے۔ یہ صرف مقام مصطفیٰؐ ہے جو قرآن نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے سرکار نے فرمایا!

"ولا تلبس به الالسنة" ٥ (زبانیں اس میں خلط ملط نہیں کرسکیں گی)

Marfat.com

اور اگلی بات "ولا یشبع منه العلماء" ○ (اصحاب علم کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکیں گے)

آپ اندازہ لگائیں، چودہ سو سال میں تورات مختلف زبانوں میں Translate تو ہوئی، لیکن کیا تورات کی کوئی شرح آپ پیش کر سکتے ہیں جو پچیس تیس جلدوں پر مشتمل ہو؟ جی نہیں۔ زبور مختلف زبانوں میں ترجمہ تو ہوئی، لیکن کیا زبور کی شرح آپ دکھا سکتے ہیں جو پچیس تیس جلدوں پر مشتمل ہو؟ انجیل کی کیا شرح آپ دکھا سکتے ہیں جبکہ انجیل وتورات کو ماننے والے اس وقت سیاسی میدان میں دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی ایک تفسیر ہے ان کتابوں کی جنہیں تفسیر کبیر کے مقابلے میں رکھا جاسکے؟ جسے روح المعانی کے مقابلے میں رکھا جاسکے؟ جسے کشاف کے مقابلے میں رکھا جاسکے؟ کوئی ایک شرح بھی ان تین کتابوں کی ایسی نہیں ہے۔ پتہ یہ چلا کہ صدیق ؓ نے اسے پڑھا تو ایک اور ذوق تھا۔ علیؓ نے پڑھا تو ایک اور ذوق تھا۔ حسینؓ نے نیزے پر پڑھا تو ایک اور ذوق تھا۔ امام اعظمؒ نے رات کی تنہائیوں میں پڑھا تو ایک اور ذوق تھا۔ روایات میں یہ بات موجود ہے کہ مشہور اسلامی فقیہ حضرت محمد بن حسن شیبانی رات کو لیٹے ہوئے تھے تو سوتے ہوئے ان کا وصال ہوگیا۔ جب انہیں غسل دینے لگے تو تب بھی کوئی حرکت نہیں کی، دفن کردیا۔ یہ دور ایسے انسانوں کا تھا کہ وہ قبر والوں سے بات کرلیا کرتے تھے۔ یہ مسلمانوں کی میراث ہے کسی صاحب نے ان سے بات کی انہوں نے کہا میں جب مرا ہوں تو اسلام کے فلاں میراث کے مسئلے پر میں غور کررہا تھا، مجھے نہیں پتہ چلا کہ ملک الموت نے کب میری جان لے لی ہے۔ وہ جان تو مسئلہ سوچ رہی تھی مجھے تو اس وقت پتہ چلا کہ میں مر گیا ہوں، جب کفن پہنانے سے پہلے نہلانے لگے۔ تو مجھے پتہ چلا کہ اچھا میں اب دوسری دنیا میں ہوں۔ آپ علمی انہماک کا اندازہ فرمایئے کہ ایسی مثالیں کسی اور قوم کے پاس نہیں ہیں کہ مرنے والے کو پتہ ہی نہیں چلا کہ ایک مسئلے پر غور کرتے ہوئے اس دنیا سے گزر گیا۔ اقبالؒ نے کسی اور انداز میں اسے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

نشان مرد حق من باتو گویم چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

کہ آئیں آپ کو مرد حق کی نشانی بتائیں، جب موت آتی ہے تو اس کے ماتھے پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ یہ وہ انداز ہے جو ہمارے اسلاف نے قائم کیا تھا۔ اور عرض یہ کررہا تھا۔ کہ سرکارؐ نے فرمایا کہ اس سے علماء سیر نہیں ہوں گے۔ اور ایک کتاب کو دہرایا جائے تو پہلا ذوق نہیں ہوتا۔ تیسری دفعہ پڑھا جائے تو ذوق ختم ہوجاتا ہے بہت تھوڑا رہ جاتا ہے فرمایا۔

"ولا یخلق عن کثرۃ الرد" ○ (بار بار دہرانے سے یہ کتاب کبھی بھی پرانی نہیں ہوتی)

میں رمضان المبارک میں قرآن پر لکھنے بیٹھتا ہوں کیونکہ اس وقت میں فارغ ہوتا ہوں۔ علمی اداروں میں چھٹیاں ہوتی ہیں۔ میں اس وقت جب لکھنے بیٹھتا ہوں، تو سوچتا ہوں پچھلی دفعہ یہاں سے گزرتے ہوئے یہ نکتہ میرے ذہن میں کیوں نہیں آیا اگلے سال کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ ایک اور نکتہ چھپ کر بیٹھا تھا۔ یہ پچھلے سال ذہن میں نہیں آیا تو اس سال میرے ذہن

میں کیسے آیا؟ قرآن بار بار دہرانے سے پرانا نہیں ہوگا۔ جب بھی فکری دنیا میں آپ بڑھیں گے تو اس آیت کے الفاظ میں ایک نئی لچک پیدا ہوگی۔ جو تورات میں نہیں۔ میں گزشتہ خطبے کے دوران یہ عرض کر چکا ہوں کہ ان کی Text Books موجود نہیں ہیں؛ اصل کتاب موجود نہیں ہے، ترجمے موجود ہیں، ترجمے میں وہ لطافت کہاں سے آئے جو اصل کتاب میں ہوتی ہے۔ لہذا قرآن اصل کتاب کی شکل میں باقی ہے ہر ذہن اپنی بساط کے مطابق اس سے روشنی حاصل کرے گا۔ ارشاد فرمایا اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اللہ ان عجائبات کو درآمد اور برآمد کرنے کی سعی بلیغ کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آگے سرکار نے فرمایا کہ جنوں نے اسے سنا تو وہ کہنے لگے۔

"انّا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد فآمنّا بہ "o

یہ قرآن کا فقرہ ہے جو سرکارؐ نے حوالے کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس واقعے کو میں ذرا دو چار فقروں میں بیان کرتا ہوں کہ سرکارؐ مکے کی کسی وادی میں تہجد پڑھ رہے تھے۔ جنوں نے سرکارؐ کی خدمت میں قرآن کئی دفعہ سنا ہے۔ ایک مخصوص واقعے کو میں عرض کر رہا ہوں۔ جنات تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ایک جن نے آواز سنی تو دوڑا دوڑا قریب آکے بیٹھ گیا۔ پھر فضا میں اڑا اور فضا میں اڑ کر کہنے لگا۔

"ھلموا الیٰ مراد کم "o (آیئے مجھے مراد مل گئی تم بھی مراد تک پہنچ جاؤ)

اگر کبھی تنہائی میں اس فقرے کو سوچیں گے تو اس کی لطافتیں خدا جانے ایمان کی دنیا میں کیا کیا انقلاب لے آئیں گی؟ زور سے چلایا او جنات کے گروہ!

"ھلموا الیٰ مراد کم "o (آیئے مجھے مراد مل گئی تم بھی مراد تک پہنچ جاؤ)

ایک مرید ہوتا ہے ایک مراد ہوتی ہے۔ مرید مراد کو ساری زندگی تلاش کرتا ہے۔ جب مراد مل جائے تو روح اور دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے الفاظ میں نہیں بیان کیا جاسکتا اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے

"ھلموا الیٰ مراد کم "o

آیئے آیئے مراد کو میں نے پالیا۔ مراد کو پانے کا وقت سحری کا تھا۔ تنہائی تھی۔ عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں فاصلے پر بیٹھا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا۔ کہ فضاء سے چیلیں اتر رہی ہوں اور سرکارؐ کے اردگرد احاطہ کر رہی ہوں۔ میں بیقرار ہا سنتا رہا، سرکارؐ جو باتیں کہتے تھے۔ وہ بھی سنتا تھا۔ ان کی آواز بھی سنتا تھا۔ تو جب یہاں سے اٹھے تو پھر باقیوں کو تبلیغ کرنے کیلئے چل پڑے۔

"انّا سمعنا قرآناً عجباً "o (ہم نے ایک عجیب اور نرالہ قرآن سنا ہے)

"یھدی الی الرّشد"o (ہدایت کا راستہ بتاتا ہے)

Marfat.com

دوستو! فـآمنّا به (ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں) طویل بحث نہیں کی، طویل بحث کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں تھی کہ صاحب قرآن کی اپنی زبان سے سنا۔ اگر صاحب قرآن کی اپنی زبان سے کوئی سن لے تو کیفیت یہ ہوتی ہے، سرکارؐ نے فرمایا!

"من قال به صدق"o (جس نے قرآن کہا، یا قرآن سے کہا یا قرآن کو کہا اس نے سچ کہا)

اس میں کہیں جھوٹ بلا ہوا نہیں ہے۔ لہذا قرآن جو بیان کر رہا ہے وہ سچ بیان کر رہا ہے۔

"ومن عمل به اجر "o (جس نے اس پر عمل کیا اسے لازماً اجر ملے گا)

"ومن حکم به عدل "o (جس نے بطور حکمران اس کے مطابق فیصلے کئے بس عادل وہی ہے)

ورنہ کہیں عدل مل جائے گا۔ کہیں ظلم مل جائے گا۔ تو مخلوطہ بن جائیگا۔ تو معجون مرکب سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ

"من حکم به عدل "o (جس نے قرآن کے ذریعے حکم کیا اس نے انصاف کیا)

"ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم "o (جس نے اس کی طرف دعوت دی اس نے صراط مستقیم کو پالیا)

تو یوں کتنے خوش قسمت ہیں ڈاکٹر کفیل صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ، ہم سب کو انہوں نے دعوت دی ہے۔ ہم قرآن سننے سنانے کیلئے آ کے بیٹھ گئے ہیں تو ارشاد فرمایا!

"ومن دعا الیه هدی الی صراط مستقیم"o (جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس نے صراط مستقیم کو پالیا)

اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا، سرکارؐ فرماتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ فرشتوں نے قرآن کو سنا (یہ حدیث دارمی میں موجود ہے) تو انہوں نے فرمایا کتنی مبارک ہے وہ امت جن کیلئے یہ کتاب نازل ہوگی۔ اور کتنے مبارک ہیں وہ سینے اور وہ پیٹ جن کے اندر یہ قرآن موجود ہوگا۔ کتنی مقدس ہیں وہ زبانیں جن زبانوں پر یہ قرآن جاری ہوگا۔ یہ ہے وہ نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں قرآن کریم کی بات۔ ہمیں تاکیداً یہ فرمایا کہ قرآن پاک سے اس کے معانی کی گہرائیاں تلاش کرو اور اس کے غرائب کی پیروی کرو۔ کسی نے پوچھا کہ یارسول اللہ غرائب کیا ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو قرآن نے اپنے فرائض اور حقوق بیان کئے ہیں ان فرائض وحقوق کو اور حدود کو اپنے جسموں پر بھی نافذ کرو۔ اپنے ماحول پر بھی نافذ کرو۔ یہ حدیث امام حنفی نے روایت کی ہے۔ اگلے مقام پر ہمیں یہ ارشاد فرمایا، قرآن بار بار پڑھیئے۔ نہیں پڑھو گے تو دلوں کو زنگ لگ جائیگا۔ انہیں زنگ سے بچانے کیلئے قرآن پاک پڑھو۔ لیکن قرآن تدبر اور غور سے پڑھو۔ جب توجہ ہٹنے لگے تو تلاوت ترک کردو۔ کیونکہ تم قرآن پڑھتے ہوئے اللہ سے باتیں کر رہے ہو۔ اور جب اللہ سے باتیں کر رہے ہو اور تمہاری توجہ کسی اور طرف چلی جائے تو یہ بات

Marfat.com

ٹھیک نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ ارشاد فرماتے ہیں، سرکارؐ نے فرمایا "اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ"۔ قبرستان بنانے سے بچانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کے اندر قرآن پاک کی تلاوت کی جائے۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہاں نماز پڑھی جائے۔ مختلف سورتیں پڑھنے کا سرکارؐ نے حکم دیا۔ قرآن بنیادی طور پر چند عقائد بیان کرتا ہے۔ مثلاً توحید ایک عقیدہ ہے، قیامت ایک عقیدہ ہے، رسالت ایک عقیدہ ہے، رسالت کو ماننے کے ساتھ دو عقائد بذات خود مانے جاتے ہیں۔ کتاب رسول کے ساتھ آتی ہے۔ فرشتے رسول کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایمان کی پانچ بنیادیں ہیں انہیں سرکارؐ نے تین میں محدود کر دیا۔ ایک توحید کو ماننا، رسالت اور قیامت کو ماننا، لہٰذا ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۃ اخلاص پڑھتا ہے گویا اس نے قرآن کا ایک تہائی حصہ تلاوت کر لیا، مطلب کیا ہوا؟ توحید کا عقیدہ جس تفصیل سے یہاں بیان ہوا ہے اس سے ایک عقیدہ پختہ ہو گیا۔ وہ قرآن کا ایک تہائی ہے اب ایک اور صاحب آئے تو انہوں نے ایک یہ بات کہہ دی کہ سرکار مجھے سورۃ اخلاص پڑھنے کی بڑی چاہت ہے۔ فرمایا تو اس کو پڑھ کر جنت میں جائے گا۔ ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا قیامت کے میدان میں اللہ یہ کہے گا کہ یہ تیرا جنت کا مرتبہ ہے مقام ہے قرآن کو پڑھتا چلا جا اور ایک ایک مرتبہ اوپر چڑھتا جا۔ جہاں تیرا قرآن ختم ہو گا وہی تیرا آخری مقام ہو گا۔ اب جس کو سو آیات یاد ہیں، وہ سو مراتب بلند ہو گیا۔ جس کو چھ ہزار یاد ہوں وہ چھ ہزار مراتب بلند ہو جائیگا۔ اب اس یاد کو میں سمجھتا ہوں کہ تھوڑا سا پھیلا دیا جائے۔ ایک یاد ہے الفاظ کی یاد، یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے کہ اس کے الفاظ یاد رہ جاتے ہیں۔ کوئی بھی آپ کتاب یاد کر لیں، آپ لکھے پڑھے خواتین و حضرات بیٹھے ہیں آپ نے امتحانوں کے دوران کئی کتابوں کو دلجمعی سے پڑھا تھا۔ کئی کورٹ لیا تھا۔ مضامین کو یاد کر لیا تھا۔ وہ دور تو چلا گیا ختم ہو گیا۔ قرآن ایسی کتاب ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ میں جب خود طالب علم تھا تو عربی کی گرائمر کی کتاب "الفیہ" ہے جو نظم میں ہے یہ ساری کتاب مجھے یاد تھی۔ منطق کی ایک بڑی مشہور کتاب ہے۔ اسے مرقات کہتے ہیں وہ مجھے یاد تھی۔ بلاغت کی ایک کتاب ہے وہ مجھے یاد تھی۔ آج کوئی مجھے کہے کہ الفیہ کا پہلا شعر سنا دیں تو وہ بھی مجھے یاد نہیں۔ پتہ یہ چلا کہ وہی سینے محفوظ رکھتے ہیں، وہی دل محفوظ رکھتے ہیں اور وہی علم وہاں محفوظ رہتا ہے جس کا تعلق صرف جسم سے نہ ہو، وہ صرف ہمیں کلرک نہ بنائے۔ وہ ہمیں صرف سپرنٹنڈنٹ نہ بنائے، وہ ہمیں دنیا کا حاکم نہ بنائے، بلکہ جسم سے آگے بڑھ کر وہ روح پر چھا جانا جانتا ہو۔ جو علم روح پر چھا جانا نہ جانتا ہو اس میں دوام نہیں ہوتا، اس میں بقا نہیں ہوتی لہٰذا سرکارؐ نے فرمایا ترتیل کے ساتھ پڑھتا جا۔ جس طرح دنیا میں پڑھتا تھا۔ تو تیرا آخری مقام جنت میں ہو گا۔ جہاں تو آخری آیت تلاوت کریگا۔ اسے امام احمد نے، امام ترمذی نے، ابوداؤد نے اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ احادیث قدسیہ میں سرکارؐ نے قرآن پاک کو بے شمار اندازوں سے بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چند

Marfat.com

احادیث ترجمے کے ساتھ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیں تاکہ حدیث پاک جو مقام قرآن پاک کا متعین کرتی ہے وہ ہمارے سامنے آجائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان گزارشات سے یہ بات کھل کر ہمارے سامنے آگئی ہے کہ سرکارؐ زندگی کیلئے ایک

ہی کتاب کو کافی سمجھتے ہیں۔

اب ہم لفظ عاقب کی طرف بڑھیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ قرآن کا ساتھ وہاں پر بھی ہوگا۔ سرکارؐ کی ایک حدیث بیان کر کے آج کے موضوع کو ختم کر رہا ہوں۔ سرکارؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی قبر میں ہوتا ہے۔

ہم عقلی گھوڑے دوڑاتے ہوئے خدا جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں۔ لیکن بے شمار آدمی جو بے حد لکھے پڑھے تھے۔ انہیں اسلام کے بے شمار اصولوں پر اعتراضات تھے، لیکن جب انہوں نے موت کے پاؤں کی چاپ سنی تو ان کے خطوط میرے پاس موجود ہیں، وہ کہتے تھے۔ آخرت کیلئے کوئی ایسی بات ہو کہ مغفرت کا سامان بن جائے۔ وہ باتیں زندگی بھر جن پر شک تھا وہ حقیقت کا روپ دھار گئیں۔ سرکارؐ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اگر رات کو **"سورۃ ملک"** پڑھتا ہے تو یہ قبر میں پاس آ کر ایک شکل میں متشکل ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے عذاب دینے پر قادر ہے۔ تو یہ پکارتی ہے کہ تو خالق ہے، یہ تیری مخلوق ہے لیکن تو نے مجھے بھی تو کہا ہے کہ میں تیرا کلام ہوں۔ اگر میں تیرا کلام ہوں تو یہ مجھے روزانہ پڑھتا تھا۔ اس پر عذاب نہیں ہونا چاہیے یہ بات سورۃ ملک سامنے آ کر کہہ دیتی ہے۔ یہ انتیسویں پارے کی پہلی سورۃ ہے ایک دور میں ایک علمی بحث چل نکلی تھی اور اس بحث کا مرکزی خیال امام احمد بن حنبل تھے۔ وہ کہتے تھے۔ کہ قرآن رب کی صفت ہے اور رب کی صفات فانی نہیں ہوتیں۔ لہذا قرآن لافانی ہے۔ اس دور کے منطقی اور فلسفی کو یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ ہارون رشید نے، مامون رشید نے، ان کے درباری فلسفیوں نے، اور درباری جاہل قسم کے مولویوں نے، امام احمد کی شدت سے مخالفت کی۔ نو سال تک وہ جیل میں گلتے رہے۔ میں جب بھی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہوں طویل عرصے تک قید میں رہنے والا کوئی انسان بھی مجھے امام احمد کے مقابلے میں نظر نہیں آتا۔ روزانہ دس کوڑے پڑتے، پیٹھ سے گوشت چھیل کر نیچے سنکھیا کی ڈلیاں بھر دیتے اور جب اٹھنے کیلئے تیار ہوتے تو وہ کہتے کہ کہہ دے کہ قرآن مخلوق ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ جواب دیتے۔

"ایتونی بآیۃ من آیات اللّٰہ" ۵ (تم میرے سامنے قرآن کی کوئی آیت پیش کرو)

یہی تو ہے قرآن ماننے کا مزا

Marfat.com

"او بحديث من احاديث رسول الله حتى اقول به"ﻩ

ترجمہ: "یا سرکار کی کوئی حدیث پیش کرو میں فوراً مان جاؤں گا لیکن ڈنڈے سے مجھے نہیں منایا جا سکتا"۔

میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر حسینؓ حریت فکر کی شمع کربلا میں روشن نہ کرتے تو احمد بن حنبل کبھی یہ انداز نہ اپناتے۔ احمد یہ انداز نہ اپناتے تو برصغیر میں وہ گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے احمد جنہیں مجدد الف ثانی کہتے ہیں۔ پھر وہ یہ انداز نہ اپنا سکتے یہ حریت فکر قرآن نے انہیں عطا کی ہے۔ حریت عمل ہمیں قرآن نے عطا کی ہے۔ اور جتنا بھی قیامت تک مواد ملتا رہے گا۔ اس کے الفاظ میں وہ لچک ہے وہ وسعت ہے کہ یہ چشمے کبھی خشک نہیں ہوں گے۔ جیسے کہ ابھی آپ حدیثیں سن چکے ہیں اللہ کریم ہمیں اتباع قرآن، عمل قرآن اور فہم قرآن عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

عقیدہ توحید

(نمبر 1)

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰo

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیمo

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

کیف تکفرون باللہ ـــــــــــــــــ

خواتین وحضرات آج کی گفتگو کا موضوع ہے "قرآن مجید میں عقیدہ توحید کس طریقے سے ہم تک پہنچا ہے"۔

اس بات کا تو آپ کو علم ہے کہ اسلام میں جس عقیدے پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ توحید ہے۔ہم دو حیثیتوں سے عقیدہ توحید کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ایک ہے توحید ذاتی اور دوسری ہے توحید صفاتی۔

توحید ذاتی کا مطلب ہے کہ اللہ پاک کی ذات اقدس سے بحث کی جائے اور توحید صفاتی کا مقصد یہ ہے کہ صفات ربانی کو موضوع سخن بنایا جائے۔ایک نکتہ جو سمجھنے کیلئے بے حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے توحید ذاتی کی طرف صرف اشارے کیے ہیں۔اس کی وضاحت نہیں کی۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ذات ربانی انسانی سوچوں سے، انسانی شعور سے ماوراء ہے ہمیشہ انسان اس چیز کو زیر بحث لاتا ہے جس کا کوئی مادی وجود ہو۔کیونکہ انسان خود مادے سے مرکب ہے۔لہذا مادی وجود سے ہٹ کر جب کوئی چیز آتی ہے۔تو ہم پوری انسانی تاریخ دیکھتے ہیں کہ بے شمار لوگوں نے غیر مادی اشیاء کا انکار کیا ہے اور اس انکار کی زد براہ راست ذات خدا پر بھی پڑی ہے مثلاً قدیم دور میں بھی یہ بات تھی کہ لوگ اللہ کریم کی ذات کو نہیں مانتے تھے اس لئے نہیں مانتے تھے کہ کبھی بھی وہ ذات جسمانی انداز سے ان کے سامنے نہیں آئی تھی غالباً یہی بات تھی جسے مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے ایک اور انداز سے بیان کیا وہ اللہ کی ذات کو حقیقت منتظر کہہ کر عجب انداز سے ایک بات عرض کرتے ہیں ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

؎ کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

Marfat.com

اب دیکھیے نا جب تک وہ حقیقت منتظر ہے نظر نہیں آتی وہ ذات اقدس لباس مجاز میں آئے گی تو تب نظر آئے گی۔

پھر آگے نتیجہ کیا ہو!

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

اب ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو مذہبی مفکر ہیں۔ تو ان میں سے ایک عظیم قائد اس بات کا قائل نظر آتا ہے کہ میں تو موجود ہوں۔ لیکن مجھے پتہ نہیں کہ اللہ کی ذات موجود ہے یا موجود نہیں؟ یہ وہ انداز تھا جو مادی دنیا سے اوپر نہ اٹھ سکنے کا انداز ہے۔ گوتم بدھ اس بات کے قائل تھے۔ کہ میں گیان میں ہوتا ہوں تو اپنا تصور تو کر سکتا ہوں۔ لیکن تصور خدا مجھے معلوم نہیں ہوتا۔ یہاں پھر وہ فرق واضح ہو جاتا ہے جو ہمارے آقائے معلم اور باقی لوگوں میں ہے۔ وہ تصور یہ ہے کہ سرکار تو اجڈ اور گوار قسم کے لوگوں میں آتے ہیں اور کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کسی صحابی کے دل پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں تو وہ صحابی کہہ اٹھتا ہے!

"انظر الی اللہ تعالیٰ"ㅇ

مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا۔ کہ سرکار نے کہیں اٹھا کر مجھے کسی اور دنیا میں بھیج دیا ہے اور میں اللہ کریم کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں۔ ایک طرف کے قائد کا یہ حال ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں تو ہوں، اللہ ہے یا نہیں؟ اس کا مجھے پتہ نہیں اور دوسری طرف کے غلاموں کا حال یہ ہے کہ جب انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھ دیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ مجھے اٹھا کر انہوں نے کسی اور دنیا میں اللہ کریم کے سامنے پھینک دیا ہے۔ اگر آپ تاریخ کے ڈانڈے ملانے کی کوشش کریں گے تو یہ بات کھل کر سامنے آجائے گی کہ وہی علاقے جن پر براہ راست گوتم بدھ کا اثر تھا وہ علاقے آگے چل کر کمیونزم کا رنگ اختیار کر گئے۔ مثلاً چین، روس وغیرہ یہاں سے ہی سب سے پہلے یہ تحریک اٹھی کہ اللہ کا کہیں وجود نہیں ہے۔ یہ مذہبی Opium (افیون) ہے، جو صدیوں سے لوگوں کو کھلائی جا رہی ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بھی کمیونسٹ لیڈروں کا کمال نہیں ہے۔ بلکہ اصل میں وہ لاشعوری قوت ہے جو مذہب کے نام پر گوتم بدھ نے ایک اور انداز سے لوگوں کے دل و دماغ میں ڈال دی تھی۔ اور اسی کو سامنے رکھ کر وہ اللہ کے وجود کا انکار کر رہے تھے۔ اب ایک طرف تو یہ لوگ ہیں جو ذات خداوندی کے وجود کے انکاری ہیں اور دوسری طرف ہمارے سامنے وہ لوگ آتے ہیں جو یہ کہتے تھے کہ ایک خدا سے بے شمار کام نہیں ہو سکتے۔ لہذا مختلف کاموں کے لیے خدا بھی الگ الگ ہونے چاہئیں۔ یہ وہ نظریہ ہے جو قدیم دور میں یونان کا نظریہ تھا۔ مصر کا نظریہ تھا۔ ایران کا نظریہ تھا۔ ہندوستان کا نظریہ تھا۔ قدیم دور میں یہ چاروں علاقے مہذب علاقے شمار ہوتے تھے۔ اس دور کا مہذب انسان ایک خدا سے کام نہیں کروا سکتا تھا اس نے کئی خدا مانے اس دور میں جو غیر مہذب علاقہ تھا۔ وہ علاقہ ہے جسے ہم عربی دنیا کہتے ہیں۔ ان کا انداز یہ تھا۔ کہ ہر مقصد کے لئے الگ الگ خدا موجود ہے۔ کعبے کے اندر تین سو ساٹھ بتوں کا وجود تھا۔ یہ تاریخی حقیقت ہے لیکن علامہ ابن خلدون نے بڑی نفیس

بات کہی ہے وہ مقدمہ ابن خلدون میں فرماتے ہیں کہ جب سرکارؐ کی بعثت ہوئی تو عرب میں تین سو پینسٹھ قبیلے موجود تھے۔ لہذا خداؤں کی تعداد بھی تین سو پینسٹھ تھی۔ ایک قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کے خدا کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انگریز محققین اس بات کے قائل ہیں کہ بعثت نبوی کے وقت ہندوستان میں بتوں کی تعداد بائیس لاکھ تھی۔ ان کا خیال ہے کہ اس وقت برصغیر کی انسانی آبادی صرف چار لاکھ تھی ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر چار لاکھ پجاری ہیں اور بائیس لاکھ معبود ہیں تو ہر ہندو کے حصے میں ساڑھے پانچ خدا آتے تھے۔ یہ تھا وہ تصور جو اللہ کے متعلق اس دور میں موجود تھا۔ یعنی نظریے دو ہی آتے ہیں یا تو سرے سے اللہ کریم کی ذات کا انکار کر دیا جائے۔ یا اگر وہ وجود رکھتا ہے تو اس کے وجود کے کئی حصے کر کے اسے تسلیم کیا جائے۔ یہ وہ بات ہے جو قدیم تاریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے تیسری طرف وہ گروہ آتا ہے جسے گروہ انبیاء کہا جاتا ہے۔ اللہ کے نبیوں نے لوگوں کو توحید ربانی کی طرف دعوت دی۔ لیکن یہ آوازیں ماضی میں اتنی دھیمی رہیں کہ مادہ پرستوں کی آوازیں، منکرین خدا کی آوازیں ان پر غالب رہیں۔ سیدنا ابراہیم، سیدنا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ، حضرت ذکریا اور یحییٰؑ نے اپنے طور پر بے پناہ کوششیں کیں۔ لیکن انسانی فطرت اتنی پستی کی طرف گر چکی تھی۔ کہ حضرت موسیٰؑ چند دنوں کے لیے طور پر گئے اور پیچھے بچھڑے کو معبود بنالیا جاتا ہے یہ وہ کیفیت ہے جو ہمیں اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان ابھی توحید کی طرف صحیح انداز سے بڑھ نہیں رہا تھا۔ اس نے وہ انداز اپنایا جو مادیت کا انداز تھا۔ ایک بچھڑا ہے جسے اپنے ہاتھوں سے بنایا جاتا ہے۔ اور بنانے کے بعد اس کی عبادت شروع ہو جاتی ہے۔ بعثت نبویؐ کے وقت عربوں کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی خاتون کی ضرورت سے زیادہ گوندھا ہوا آٹا بچ گیا تو اس کا ایک بت بنا کر رکھ دیا اور اس کی عبادت شروع ہوگئی اور جب ضرورت پڑی تو پھر اسے گوندھ کر دوبارہ آٹے کی شکل میں تبدیل کر لیا۔

بخاری میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک صاحب کی جیب میں بت تھا۔ وہ اسی کیفیت میں گھر سے باہر نکلا کسی ضرورت کے تحت بت کو جیب سے نکال کر کسی جگہ رکھ دیا۔ اس پر ایک کتے نے آکر پیشاب کر دیا۔ وہ اسے اٹھا کر دھوتا پھر رہا تھا اور بار بار اس کے سامنے دوزانو ہو کر اس سے معافی مانگ رہا تھا کہ آج کے بعد آپ کو جیب سے نہیں نکالا جائیگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی پھر اسی طریقے سے توہین ہو جائے۔ ہندوستان میں ہر اس چیز کی پوجا ہوئی جو انسانی تصور میں کوئی بھی وجود رکھ سکتی ہے۔ یہ کیفیت تھی جب قرآن کا نزول ہوا۔

یہاں ایک بات جو واضح کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے مقدس دماغوں میں ڈالنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قرآن نے توحید کو کس طریقے سے بیان کیا۔ سب سے پہلا نکتہ آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ تورات کھول کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے ورقوں کے ورق آپ پڑھتے چلے جائیں گے اللہ کا ذکر نہیں ملے گا۔ انجیل کے ورقوں کے ورق پڑھ لیں اللہ کا ذکر نہیں ملے گا۔ کہیں ضمنی بات

135331

اشاعتی ضابطہ

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب: جمال الایمان فی تفسیر القرآن جلد اول
مؤلف: سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی
کمپوزنگ اینڈ ایڈیٹنگ: حافظ عرفان علی ایم اے (اسلامیات)
پروف ریڈنگ: مولانا نور محمد، مولانا قاری محمد شہباز سیالوی
سید محمد باقر شاہ، سید محمد ناصر شاہ
تعداد: گیارہ سو
طباعت: محرم 1426ھ فروری 2005
متن: بشکریہ مصری پریس، تاج کمپنی پاکستان
قیمت: ....
ناشر: ضیاء العلوم پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان
Fax-4580404 0333-5166587

ملنے کے پتے

جامعۃ الزہراء اہل سنت عثمان غنی کالونی مصریال روڈ راولپنڈی

مکتبہ ضیاء العلوم مین بازار صدر راولپنڈی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

فرید بک سٹال اردو بازار لاہور

شبیر برادرز اردو بازار لاہور

مکتبہ غوثیہ محلہ فرقان آباد سبزی منڈی کراچی

احمد بک کارپوریشن اقبال روڈ نزد کمیٹی چوک راولپنڈی

نیو مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی

Marfat.com

آجائے گی۔لیکن آپ قرآن پاک کو لے لیں اور قرآن کی عظمت باقی کتابوں پر ثابت کرنے کے لئے آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔کیونکہ آپ لکھے پڑھے لوگ ہیں لہذا آپ کے ذہنوں تک یہ بات پہنچانا بے حد آسان ہے۔قرآن کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو آیت کہا جاتا ہے آیت کا لفظی معنی معجزہ ہے اور وہ چھوٹا سا ٹکڑا کئی حیثیتوں سے معجزہ ہے۔الفاظ کے حساب سے معجزہ ہے،معانی کے حساب سے معجزہ ہے،ان پیشن گوئیوں کے حساب سے معجزہ ہے جو اس کے اندر مذکور ہیں۔اب آپ اندازہ لگائیں جو بھی آپ آیت قرآن کی پڑھنا چاہیں گے اس میں اللہ کریم کا نام آجائے گا۔ذاتی نام یعنی اللہ کا لفظ آجائے گا۔اگر اللہ کا لفظ نہیں ہے تو صفاتی نام آجائے گا۔رحمان آجائیگا۔رحیم آجائے گا،قہار آجائیگا۔غفار آجائیگا۔اگر صفاتی نام بھی نہیں تو ضمیر آجائیگی۔ضمیر بھی نہیں آئی تو اشارہ آجائیگا۔کہیں اشارہ نہیں ہے تو کنایہ آجائیگا۔کنایہ بھی نہیں ہے تو تلمیح آجائے گی۔وہ بھی نہیں ہے تو استعارہ آجائیگا۔غرض یہ کہ کوئی آیت آپ کو ایسی نہیں ملے گی۔جس میں اللہ کا ذکر Direct یا Indirect نہ ہو۔مثلاً میں آپ کے سامنے ایک آیت کی تلاوت کرتا ہوں۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" O

اس میں تین لفظ آگئے ہیں،اللہ بھی آگیا،رحمٰن بھی آگیا،رحیم بھی آگیا۔

"الحمد اللہ رب العالمین" O

''الحمد'' سے آگے ''اللہ'' کا لفظ بھی آگیا ہے،صفاتی نام ''رب العالمین'' بھی آگیا ہے۔اسی انداز سے آپ آزمائش کے طور پر قرآن کو سامنے کھول کر بیٹھ جائیں۔ذاتی نام آئے گا۔صفاتی نام آئیگا۔کسی اور انداز سے نام آئے گا۔اگر کوئی بھی آیت بالفرض محال خالی آگئی ہے تو اگلی آیت اس کی کو دو تین دفعہ اللہ کا نام لے کر پورا کردے گی،یہ خلا نہیں چھوڑے گی لیکن یہ بات تورات میں نہیں ہے۔انجیل میں نہیں ہے زبور میں نہیں ہے۔ویدوں میں نہیں ہے نہ ہی دیگر کتابوں میں ہے جنہیں مذہبی نکتہ نگاہ سے بے حد اہم کتابیں سمجھا جاتا ہے۔

سوال: سورۃ تبت یدا میں یہ کیفیت کیوں نہیں ہے؟

جواب: ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ سورۃ تبت یدا میں اس طرح ذکر نہیں آیا۔اس کے لئے گزارش یہ ہے کہ اس کی ابتداء میں بھی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے تین نام تو وہاں بھی آگئے ہیں۔لیکن اس کے بعد سورۃ اخلاص آگئی ہے۔اور اس میں جو کمی ایک کافر کے ذکر سے آگئی تھی،اس کمی کو خالص توحید نے آکے پورا کر دیا ہے اور میں یہ الفاظ عرض کر رہا تھا کہ اگر کسی مقام پر ایک آدھ آیت رہ گئی ہے تو اگلی آیت نے آکے اس کی تکمیل کر دی ہے،اس کی کمی کو پورا کر دیا ہے۔کیونکہ سرکارؐ پر قرآن نازل ہو رہا تھا،یہ نکتہ سرکارؐ کے سامنے تھا۔باقی کتابوں کا تقابلی مطالعہ بھی سامنے تھا۔یہاں ایک نکتہ عرض کئے بغیر آگے

Marfat.com

نہیں بڑھوں گا۔ کہ قرآن کے متعلق یہ ارشاد ہے کہ اس کے مضامین اور مطالب پہلے صحیفوں میں بھی موجود تھے۔ لہذا سرکارؐ پہلے صحیفوں کے بھی عالم ہوں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ایک اور بات جو ضرور عرض کرنی ہے اور جس پر ہمارے محققین نے بڑا زور دیا ہے کہ سرکارؐ پر جتنے جتنے ٹکڑے قرآن نازل ہوتا جاتا تھا بیان فرماتے تھے۔ تو کیا سرکارؐ کو اتنا ہی قرآن معلوم تھا۔ جتنا نازل ہوتا جاتا تھا؟ میرا نظریہ یہ نہیں ہے اور اصولی علماء کی بہت بڑی جماعت کا یہ نظریہ نہیں ہے۔ اس نظریے کے نہ ہونے کی وجہ بخاری شریف کی ایک بہت ہی جامع حدیث ہے۔ بخاری کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ ہر رمضان میں سرکارؐ قرآن پاک کا دور جناب جبرائیل کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ جو آخری رمضان ہے اس رمضان میں بھی پورا قرآن نازل نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد بھی نازل ہوتا رہا ہے اور قرآن پاک کی جو آخری آیات نازل ہوئیں ہیں وہ تو بالکل سرکارؐ کی حیات طیبہ کے آخری حصے میں ربیع الاول سن 11 ہجری میں ہیں۔ تو اس سے اب نتیجہ یہ اخذ کرنا پڑے گا۔ کہ جب قرآن پاک کا دور آپؐ فرماتے ہیں تو قرآن کے نزول سے پہلے جو لوگوں کو قرآن بتاتے تھے۔ اس کے علاوہ رسول پاک کو قرآن پاک یاد ہوتا تھا۔ لیکن لوگوں تک وہی پہنچاتا ہے جو جبرائیل لے کر آتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ رحمت عالمؐ قرآن کی تکمیل نزول سے پہلے بھی اس کے حافظ تھے اور اسی طرح سابقہ کتب کے بھی آپؐ عالم تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سابقہ کتب ایک مخصوص دائرے کے لئے تھیں اور جو لامحدود دائرے کے لیے ہیں انہیں محدود دائرے کا علم نہ ہو تو لامحدود کی بات ادھوری رہ جاتی ہے۔ لہذا ان سب چیزوں کا سرکارؐ کو علم تھا۔ پھر قرآن نے ایک بات خود ارشاد فرمائی ہے!

"لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" o

ترجمہ: "کوئی تر اور خشک شے نہیں ہے جو اس بیان کرنے والی کتاب میں نہ ہو"۔

آج تک لوگوں نے اس سے جتنا کچھ بھی اکتساب فیض کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جو سرکارؐ کو قرآنی فیض حاصل تھا۔ بلکہ سمندر میں ایک قطرے کے مشابہ ہے عرض یہ کر رہا تھا کہ سرکارؐ کو اس انداز کا پتہ تھا۔ کہ اگر قرآن کی کوئی آیت بھی ذکر خدا سے خالی نہیں ہوگی۔ تو عقیدہ توحید مسلمانوں کے دلوں میں راسخ رہے گا۔

پھر ایک اور بات حدیث میں لازم قرار دے دی گئی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ سب سے افضل ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے۔ اگر کسی اور نبی کے ہاں، جیسے ہمارے علماء اکثر بیان کرتے رہتے ہیں کہ فلاں نبی کا یہ کلمہ تھا، فلاں نبی کا وہ۔ اگر یہ بات حقیقت ہے تو ہمیں تسلیم کرنی ہوگی کہ ہمارے ان لوگوں کے پاس جو دیہاتوں میں رہتے ہیں اور بالکل ان پڑھ ہیں، جو نماز نہیں جانتے، روزہ نہیں جانتے، لیکن کلمہ جانتے ہیں۔ کیونکر جانتے ہیں؟ کہ یہ دین کی بنیاد ہے۔ اگر کسی اور نبی کے پاس بھی توحید کی یہ بنیاد ہوتی تو اس کی قوم میں بھی یہ بات ہونی چاہیے تھی۔ لیکن عیسائی کے پاس ایسا کوئی کلمہ نہیں ہے۔ یہودی کے پاس ایسا کوئی کلمہ نہیں ہے۔

Marfat.com

وہاں قرآن کی شہادت یوں ملتی ہے کہ نبیوں کو کہا گیا تم نے لوگوں کے سامنے اپنی اپنی نبوت کا اعلان کرنا ہے لیکن خود تمہارے لیے کیا حکم ہے؟

"لتؤمننّ به ولتنصرنّه"O (تم سب نے ہمارے محبوب پر ایمان لانا ہے اور ہر حال میں مدد کرنی ہے)

پتہ یہ چلا کہ وہ قوم کے لیے تو رسول ہیں، اللہ کی طرف سے بھی وہ رسول اور نبی ہیں لیکن جب سرکارؐ کی نبوت ہے تو وہ سرکارؐ کے امتی ہیں۔ اس لیے کہ ان کے پاس اپنا پڑھانے کے لیے کلمہ نہیں ہے۔ وہ خود "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایک اور مقام پر بھی ہمیں ملتی ہے۔ شب معراج جب سرکارؐ بیت المقدس میں تشریف لے گئے۔ تو سارے انبیاء اقتداء میں وہاں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جبرائیل کی زبان سے یہ روایت ہے بخاری میں موجود ہے کہ جب میں اذان میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہہ چکا تو خیال گزرا یہاں تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء موجود ہیں۔ اب کس نبی کی رسالت کا اعلان کروں؟ تو اوپر سے آواز آئی کہ ایک ہی رسالت کا اعلان کرنا ہے۔ کہ "اشھد ان محمد رسول اللہ" اس سے پتہ یہ چلا کہ جب سب انبیاء سرکارؐ کے سامنے موجود ہوں تو وہ اپنی نبوت کا اعلان کرانا بھی پسند نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اسی عظیم نبوت میں کھو جانا اپنی عظمت سمجھتے ہیں، جس آقا کے ہم غلام ہیں۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ جب اتنی اہم کتاب ہے کہ عقیدہ توحید ابتداء سے لے کر انتہا تک کتاب میں بھر دیا ہے اور لا الہ الا اللہ کو افضل الذکر کہہ کے ہماری زبانوں پر جاری کر دیا ہے۔ ہمیں اسے سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اسکے انداز پر عمل کرنے کے لیے ہمیں بار بار آمادہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے تو سرکارؐ کو پھر یہ کہنے کا حق حاصل ہے جب آپ اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے تو ایک کلمہ آپ نے ارشاد فرمایا جو بخاری میں موجود ہے۔ قرآن، قرآن سے حل کیا جائے، قرآن حدیث سے حل کیا جائے یہ دو بنیادی ماخذ ہیں۔ اجتہاد اس کے بعد آتا ہے۔ اب وہاں بات کیا ہوئی آپ اس دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے امت کو آخری وصیت تھی۔ ارشاد ہوا میں اس بات سے بے فکر ہو گیا ہوں کہ اب میری امت کو آکر شیطان شرک کا سبق پڑھائے۔ یہ بات اب کبھی نہیں ہوگی۔ باقی جتنی برائیاں ہیں اس میں امت کے لوگ اسی طرح برابر قوموں کے اتریں گے۔ جس طرح پاؤں کے دو جوتے ایک دوسرے کے بالکل برابر ہوتے ہیں۔ لیکن میری امت کے مزاج میں شرک نہیں رہ گیا۔ آپؐ نے یہ بات کیوں فرمائی؟ کیونکہ قرآن ابتداء سے لے کر انتہا تک توحید ہی توحید تھا۔ اسے ہم نے پڑھنا ہے۔ کلمہ طیبہ ہم نے پڑھنا ہے لہذا عقیدہ توحید سرکار نے بڑی پختگی کے ساتھ امت کے دل میں ڈالا اور ساتھ ہی تاکید کی کہ اس بات کی کوشش کرو جب تم دنیا سے جانے لگو تو آخری کلمہ تمہاری زبان پر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" آئے۔ جو یہ کہے گا وہ جنت میں چلا جائیگا۔

توحید کا ایک انداز تو یہ ہے کہ جو قرآن نے بیان کیا لیکن جب ہم قرآن کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں تو جو بات میں ابھی

Marfat.com

ابتداء میں عرض کر رہا تھا وہ یہ تھی کہ توحید ذاتی کی طرف صرف اشارے ملتے ہیں۔ انشاءاللہ کسی کتاب میں ان اشاروں پر تفصیل سے بحث ہوگی۔ لیکن جس توحید کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار بیان کیا ہے وہ توحید صفاتی ہے۔ یعنی اللہ نے اپنی صفتوں کے ذریعے اپنی ذات کی طرف دعوت دی ہے۔ اللہ رحمٰن ہے، اللہ رحیم ہے، اللہ قیامت کے دن کا مالک ہے، وہ عالمین کا پروردگار ہے، یہ وہ باتیں ہیں جو ہمارے مشاہدے میں آتی ہیں اور جس چیز کو انسان مشاہدہ میں پالیتا ہے اس کا اقرار کر لیتا ہے۔ یہ مشاہدہ میں کیسے آتی ہے اس مادی دنیا میں ہم بار بار دیکھتے ہیں کہ اللہ کی رحمتیں انسانوں کو کس طرح اپنی آغوش میں لیتی ہیں۔ میں تو جب بھی سوچتا ہوں تو قرآن مجھے کتاب رحمت نظر آتا ہے۔ میں جب بھی سوچتا ہوں تو مصطفیٰ ؐ کی ذات مجھے رحمت نظر آتی ہے۔

اب آغاز کرتے ہیں تو اللہ نے اپنا تعارف رحمٰن اور رحیم کے نام سے کروایا ہے۔ اور جب سرکارؐ سے پوچھتے ہیں تو وہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کے ہاں ایک سو رحمتیں ہیں۔ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اور جب یہ ختم ہو جائے گی۔ اس وقت تک صرف ایک رحمت استعمال ہوگی۔ اور باقی ننانوے رحمتیں جو ہیں وہ عالم آخرت کے لیے اللہ کریم نے رکھ چھوڑی ہیں۔ جب یہ بات ہے تو مجھے کہنے دیجیے کہ اللہ کی رحمت اللہ کے غضب پر ہمیشہ غالب رہی ہے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو جس انداز سے محدود ذہن والا انسان اپنے مفادات کے لیے ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ اگر اس کا اپنا تنخواہ دار ملازم اس کے خلاف ایسی حرکت کرے تو شاید وہ انسان اسے چوبیس گھنٹے کے لیے بھی برداشت نہ کرے۔ لیکن اللہ اسے ستر اسی سال تک برداشت فرماتا رہتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ میں یہی عرض کرتا ہوں کہ الٰہ العلمین جب تو نے ہمیں اپنی رحمت کا عادی بنایا ہے تو آخرت میں بھی اپنے غضب سے بچانا۔ وہاں بھی ہمیں اپنی رحمت کا عادی بنالینا۔ اگر یہ بات نہیں ہوگی۔ تو نجات نہیں ہوگی۔ جب اللہ کریم نے اپنی دعوت دی تو ارشاد فرمایا صفات کے دروازے کی طرف سے آؤ۔ اس لیے کہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے، جب دیکھ نہیں سکتے اسکی لطافت کی رعنائیاں ہیں کہ آپ اسے پا نہیں سکتے، لیکن اسے آپکی ضرور خبر ہے۔ تو صفات ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ہم رزق کھاتے ہیں ابتدائے زندگی سے لے کر مختلف انداز سے ہمارے سامنے رزق آتا ہے۔ اور اختتام زندگی تک اس کا ایک انداز رہتا ہے۔ چونکہ یہ چیزیں مشاہدہ میں آجاتی ہیں لہذا ہمارے مشاہدہ کو اللہ اپنے وجود کے لیے گواہی کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ کہ لوگو! جب وہ رزاق ہے تو اسکی طرف بڑھنے کی کوشش کرو، وہ رحمان ہے تو اسکی طرف بڑھنے کی کوشش کرو، وہ ستار ہے تو اسکی طرف بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم اسے پانے کے لیے جب صفاتی دروازوں سے آؤ گے۔ تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ پھر استدلال کا انداز ہوتا ہے۔ قرآن نے جس طرح استفہامی انداز سے حیرانی کے انداز سے پوچھا ہے کہ تم یہ بات کیوں نہیں مانتے ہو ارشاد ہوا!

Marfat.com

"کیف تکفرون باللہ "o (تم اللہ کا انکار کیسے کرتے ہو)

یہ تو حیرانی کی بات ہے تعجب کی بات ہے کہ تمہارا وجود تمہارے سامنے ہے۔ یہ موجود نہیں تھا۔ اور پھر ایک تسلسل آ رہا تھا۔ ایک علمی نکتہ سمجھانے لگا ہوں تاکہ بات واضح ہو سکے۔ عربی زبان میں دو لفظ آتے ہیں ایک ''ف'' زبر''ف'' ہے دوسرا ''ث'' اور ''م'' ثم ہے۔ جہاں ''ث'' اور ''م'' ثم آتا ہے وہاں وقفہ ہوتا ہے۔ پہلی بات چل رہی ہے درمیان میں وقفہ آ گیا ہے اور پھر آگے دوسری بات شروع ہوتی ہے جہاں ''ف'' آئے گی اسکا مطلب ہے تسلسل کے ساتھ بلا وقفے کے بات آئی ہے۔ البتہ ترتیب باقی رہ گئی ہے۔ پہلی کے بعد دوسری بات آ گئی ہے تو ارشاد فرمایا "فاحیاکم" (تم نہیں تھے) اس نے پھر دفعتا تمہیں یہ ظاہری زندگی عطا فرما دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس مادی وجود میں نہیں تھے۔ کسی اور وجود میں موجود تھے۔

میں جب اس بات پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے جو فلسفہ انسانی زندگی کا بیان کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تخلیق کی ظاہری تخلیق سے کروڑ ہا سال پہلے اس نے روحوں کی تخلیق فرما کے ارشاد فرمایا!

"الست بربکم "o (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں)

یہاں پھر وہی علمی لطافت ہے کہ "الست بالھکم "بھی نہیں کہا، "الست باللہ کم "بھی نہیں کہا۔ کیا میں تمہارا معبود یا اللہ نہیں ہوں؟ نہیں یہ بات نہیں کہی۔

"الست بربکم "o (کیا میں وہ نہیں ہوں جو تمہاری تربیت کرتا ہوں)

اگر ذاتی نام آتا تو اور کیفیت تھی۔ یہاں پھر وہی صفاتی نام آیا جب بھی تم نے آگے بڑھنا ہے تو صفات کے سہارے بڑھنا ہے۔ اور جب صفات کے سہارے بڑھتے ہوئے آپ ذات تک جا پہنچتے ہیں اور اس کمال کو پا لیتے ہیں تو پھر بات وہی ہوتی ہے۔ کہ وہ قلندر چیخ اٹھتا ہے۔

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں — اور غلغلہ ہائے الامان بتکدہ صفات میں

اس شعر پر مجھے دو اڑھائی گھنٹے لگانے چاہییں۔ جو ذہن میں بات آ گئی ہے ٹھیک ہے یہ قرضہ ہے پھر کسی وقت اتار دینگے۔ تو اب کیفیت یہ ہوئی کہ ذات تک پہنچنے کے لیے صفات کی ضرورت ہے اور جب صفات کے ذریعے صفات کے رنگ میں ڈھل کے آپ ان سے آگے نکل جاتے ہیں تو پھر ذات تک پہنچنا آپ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہ جاتا۔ لیکن یہ اتباع محمدیؐ میں ہوتا ہے۔ عقلی ذرائع سے یہ بات نہیں ہوتی۔ اگر عقلی ذرائع سے ہو تو عقل چاہتی ہے کہ وہ چیز مادیت کے راستے سے ہو کر گزرے، ورنہ عقل اسے سمجھ نہیں سکتی۔

انکا مادے سے تعلق اور نسبت ہے خواہ مالک ہونے کی نسبت سے لیکن وہ مادہ نہیں ہیں۔ کسی مادے سے بنے ہوئے نہیں

Marfat.com

ہیں۔ یہاں اسلام نے ہمارے سامنے تین چار باتیں کہی ہیں لیکن اکبرالٰہ آبادی نے اسے بڑی نفاست سے بیان کر دیا ہے۔

کہ جوذات اقدس دماغ میں گھر جاتی ہے　　دماغ تو محدود ہے وہ شے بھی محدود ہو جاتی ہے

جو شے محدود ہوتی ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔

اب یہاں اسلام نے نظریہ کیا رکھا کہ اللہ لامحدود ہے۔ اس کی ابتداء بھی نہیں اس کی انتہا بھی نہیں ہے۔ حدیث نے اسے ان لفظوں میں کہا!

"لا اول له ولا آخرله" ٥ (اسکا آغاز نہیں ہے اسکی انتہا بھی نہیں ہے)

جو جسم نہیں رکھتا عقل وہاں کونسا انداز اپنائے گی۔ لہٰذا صفات کے راستے سے وہاں پہنچنا ہوگا۔ جسم کیوں نہیں رکھتا؟ جسم دراصل ایک اور جسم کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اگر ہم جسم رکھتے ہیں تو زمین کے محتاج ہیں زمین نہ ہو تو آپ ٹھہر نہیں سکتے۔ ہر جسم دوسرے جسم کا محتاج ہے مثلاً زمین کا وجود ہے تو یہ خود سورج کی محتاج ہے اس کی کشش سے یہ قائم ہے۔ ستاروں کا وجود ہے تو وہ سورج کے محتاج ہیں۔ اسکی کشش سے قائم ہیں۔ ایک جسم لازمی طور پر ایک اور جسم کا محتاج ہے۔ لہٰذا جہاں احتیاج کا سلسلہ آجائے وہ خالق نہیں ہوسکتا۔ خالق وہ ہے جو کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور یہی بات ہے جو توحید کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے کہی!

"اللّٰه الصّمد" ٥ (اللہ بے نیاز ہے)

وہاں احتیاج محتاجی، بےبسی، بےکسی کسی طریقے سے بھی راستہ نہیں پاسکتی۔ تو جب کیفیت یہ ہے کہ وہ جسم نہیں رکھتا تو پھر دوسری بات یہ کہی کہ جو جسم رکھتا ہے اسے جہت کی ضرورت ہے۔ آپ بیٹھے ہیں تو چھ سمت نے آپ کو گھیر رکھا ہے۔ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچے، یہ چھ سمتیں آجاتی ہیں۔ تو جو جسم نہ رکھتا ہو اسے جہت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور جب جہت کی ضرورت نہ ہو تو پھر کسی کیفیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیفیت جسم اور جہت کی پیداوار ہوتی ہے۔ اسے دوسرے لفظوں میں آپ رنگ وروپ کہہ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مفسرین ایک نکتہ بیان کر گئے قرآن میں آتا ہے!

"اللّٰه نور السمٰوات والارض" ٥

نور ایک کیفیت کا نام ہے وہ خود نظر نہیں آتا۔ لیکن دوسری چیزوں کے لیے مظہر بنتا ہے۔ روشنی آئے گی۔ تو آپ کو زمین نظر آئے گی، روشنی آئے گی تو آپ کو فانوس نظر آئے گا۔ روشنی آئے گی تو چھت نظر آئے گی لیکن آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ روشنی خود کیا ہے؟ آپ اس کی تعریف نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ وہ کیفیت جو باقی چیزوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لیکن خود ظاہر نہیں ہوتی وہ نور ہے۔ جو اس نور کا خالق ہے وہ ساری کائنات کو تو ظاہر کر دے گا۔ لیکن خود پردوں کے پیچھے چلا جائے گا۔ اور وہ بھی اس طرح نظر نہیں آئے گا جس طرح نور موجود ہوتے ہوئے بھی نظر نہیں آتا۔

اس بات کو ایک اور انداز سے بھی آپ سمجھ سکتے ہیں چیز جتنی قیمتی ہوتی جاتی ہے۔ اتنی ہی پردے میں چلی جاتی ہے۔ آپ کے وجود کے حصے سامنے ہیں لیکن کیا دل سامنے ہے؟ جس پر زندگی کا دارومدار ہے۔ کیا جگر سامنے ہے؟ کیا دماغ سامنے ہے؟ کیا اعضائے رئیسہ سامنے ہیں؟ تو جس میں جتنی عظمت بڑھتی جائیگی۔ وہ اتنا ہی پردوں کے اندر لپٹتا چلا جائیگا۔ تبھی تو سرکارؐ نے فرمایا کہ لامکان میں ہوتے ہوئے اللہ کریم پانچ ہزار پردوں کے اندر موجود ہے۔ اور وہاں تک ان پردوں سے گزر کر پہنچنا ذات مصطفیٰؐ کا خاصہ تو ہوسکتا ہے۔ لیکن کسی اور انسان کی یہ جرأت اور ہمت نہیں ہوسکتی کہ اس دنیا سے آگے گزر کر وہاں تک پہنچ سکے۔ اس لیے کہ ذات مصطفیٰؐ کی تخلیق خصوصی انداز سے کی ہے۔ اور جب ان کی تخلیق خصوصی انداز سے کی ہے تو خصوصی انداز کے خالق کے قریب اس انداز سے جاسکتے ہیں جس انداز سے مخلوق کا کوئی اور فرد نہیں جاسکتا۔ لہذا ارشاد یہ ہوا کہ تم نہیں تھے پھر دفعتاً اس نہ ہونے کے ساتھ تمہارا ہونا ہوگیا۔ پھر درمیان میں ظاہری زندگی کا وقفہ آگیا تو رب نے فرمایا!

"و کنتم امواتاً فاحیا کم ثمّ یمیتکم ثمّ یحییکم ثمّ الیہ ترجعون"O

یہاں "ثم" استعمال کیا، "ف" استعمال نہیں کی۔ پھر اس کے بعد تم پر موت طاری ہوجائیگی۔ لیکن یہاں پھر وہی نکتہ ہے یہ توحید کے سلسلے میں ضمنی نکتے ہیں جو عرض کررہا ہوں۔ اور آپ حضرات سے اس سلسلے میں گزارش یہ کرنی ہے کہ اگر کوئی سوال پوچھنا ہو تو اس موضوع پر پوچھیں، جو میں بات کررہا ہوں اس تک سوال محدود رکھا جائے جو اس سے متعلق نہیں اس سوال کے جواب کے لیے مجھے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ درکار ہوگا۔ تو آپ سے درخواست یہ ہے کہ ترتیب کے ساتھ آگے بڑھیں۔

عقیدہ توحید آرہا ہے۔ مجھے لازماً اس پر پانچ سات خطاب کرنے پڑیں گے۔ آگے ذات رسولؐ آئے گی جو اس دنیا میں آئے تھے تو جسم رکھتے تھے۔ لہذا جسمانی لوگوں نے ان کی زیارت کی۔ اب انہیں سمجھنا آسان ہے اور انہیں سمجھ کر خدا کو سمجھنا آسان ہے۔ لہذا سرکارؐ کی ذات اقدس پر کئی خطابات ہوں گے۔ غیر مسلموں نے ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے شمار اعتراضات کیے ہیں اور پچھلی دو صدیوں میں تو مسلمان خود غیر مسلموں کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ان کے اعتراضات جب میں پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ خدا جانے ایمان کو کہاں رکھ کے یہ اعتراض شروع کیا گیا ہے۔

بارہویں صدی ہجری کے بعد یہ جو دو صدیاں گزری ہیں ان دو صدیوں میں ہمارے کچھ نام نہاد مفکرین نے ذات رسولؐ کو سمجھا نہیں ہے۔ اور نہ سمجھ کر انہیں اپنی سطح پر رکھ دیا ہے۔ اور اپنی سطح پر جو اعتراضات ہوسکتے تھے سارے کے سارے کیے ہیں میں نے انشاء اللہ غیروں کے اعتراضات کے بھی بخیے ادھیڑنے ہیں اور اپنوں کے اعتراضات کو تو ھباءً منثوراً غبار بنا کر اڑا دینا ہے۔ میں یہ سب کچھ ایک ترتیب سے سامنے لا رہا ہوں اگر اس ترتیب کو توڑ دیا جائے گا تو بات بن نہیں سکے گی۔ ان میں سے کوئی چیز اس دن آپ بیان کریں جب میں یہ کہوں کہ میں ذات رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اب بول چکا ہوں کوئی چیز رہ گئی

ہے تو آپ ضرور اعتراض کی صورت میں پیش کریں۔ اور پھر اگر کوئی نیا سوال کرنا ہے تو مرد حضرات اس کو لکھ کر ڈاکٹر کفیل صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں اور خواتین عزیزہ سلمٰی کفیل کے حوالے کر دیں۔ تا کہ آپ کا وہ سوال مجھ تک پہنچ جائے اور میں یہ دیکھ سکوں کہ میں نے اس کا جواب کس مقام پر عرض کرنا ہے۔

تو ارشاد فرمایا کہ تم نہیں تھے۔ پھر ہو گئے اور پھر نہیں ہو گے۔ یہ تین Stages تمہارے سامنے گزرے ہیں۔ چوتھی بات یہ رہ جاتی ہے کہ تمہیں مارنے کے بعد پھر کھڑا کر دینا ہے۔ تو کیا یہ بات ممکن ہے۔ کہ جب تین باتیں خدا کہتا ہے کہ میں اسے کر رہا ہوں اور تم اسے مشاہدے کی بنیاد پر تسلیم کر رہے ہو۔ تو ایک آخری بات رہ جاتی ہے جو ابھی آپ کے مشاہدے میں نہیں آئی ہے۔ تین مشاہدے میں آ گئی ہیں تو پچہتر فیصد تو مسئلہ حل ہو گیا۔ اب جو پچیس فیصد رہ گیا ہے اس پر خدا کا اعتبار کر لو تو مسئلہ حل ہو جائیگا۔ لیکن اللہ کریم نے بڑے پیارے انداز سے یہ بات کہہ دی کہ جب وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ جو چوتھا مرحلہ مر کے جی اٹھنے کا ہے تو ہمیں کون دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو قرآن نے کتنی لطافت اور انتہائی سادگی سے یہ جواب دیا!

" قل الذی فطرکم اول مرۃ "O

تو محبوب فرما دیں کہ وہ ہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس نے پہلے تمہیں زندہ کیا تھا۔ جب تم نہیں تھے۔ وہی تمہیں دوبارہ زندہ کر دے گا۔ لیکن اس کی قدرتوں کا انداز کیا ہے۔ قرآن نے کہا!

"ماخلقکم و لا بعثکم الا کنفس واحدۃ "O

ترجمہ: ''تمہاری تخلیق یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا صرف ایک جان کی طرح ہے''۔

ترجمہ پر ذرا خصوصی توجہ اور غور کی ضرورت ہے تا کہ اگلا مسئلہ سمجھ آ سکے تمہاری تخلیق اور تمہارا دوبارہ زندہ ہونا یہ ایسا ہی ہے ''کنفس واحدۃ''، جس طرح ایک جان کو زندہ کر دیا جائے اسی طرح ہے۔ سادہ الفاظ میں یوں ہوگا کہ ساری دنیائے انسانیت ایک درخت ہے تو جس طرح ایک درخت کو بڑا کیا جاتا ہے کہیں پھول لگ گئے کہیں ٹہنی بن گئی ہے کہیں پتہ لگ گیا ہے اسی انداز سے تم ایک درخت کی مختلف ٹہنیاں ہو۔ تبھی تو سرکارؐ نے جب کافروں سے بھی خطاب کیا ہے تو انسانیت کے مقام رفیع پر انہیں سامنے رکھ کے خطاب کیا ہے۔ اس لیے کہ جنس انسانی کی اصل ایک ہے جس طرح روح واحد ہوتی ہے۔

اس مسئلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے اولیاء امت تو کسی اور طرف منتقل ہو گئے تو یہ وحدۃ الوجود کا حکم ہے اور پھر جب اس مقام پر پہنچ گئے تو اقبالؒ وحدۃ الوجود کے قائل نہیں ہیں۔ وہ ایک بہت غضب کی بات کہہ گئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کون ہے؟ کیا ہے؟ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ خضر کیونکر بتائے؟ کیا بتائے؟ اگر مچھلی کہے دریا کہاں ہے؟ مچھلی پانی میں رہ رہی ہے اسکی زندگی پانی میں گزرتی ہے پانی سے باہر نکالیں تو وہ ختم ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر مچھلی بولے کہ دریا کدھر ہے تو خضر

Marfat.com

پانی کے بادشاہ وہ کیسے بتائیں گے کہ پانی کدھر ہے اور کہاں ہے؟ اسی طرح ہماری سانس اللہ کی وجہ سے قائم ہماری زندگی اللہ کے ذریعے قائم ہے ہمارا رزق اللہ کے ذریعے قائم ہے۔ ہماری بودوباش ذات ربانی سے وابستہ ہے۔

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید"o (ہم تو اسکی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں)

میں کئی مقامات پر جا کر رک جاتا ہوں۔ دروازہ کھول دیا کہ اندر سیر کرو۔ لیکن زبان پر وہ لفظ نہیں آ سکے اس لیے کہ حدود شریعت دامن پکڑ لیتی ہیں۔ کہ آگے نہ بڑھو یہ الفاظ کی شے نہیں ہے۔ مشاہدہ کی شے ہے، وجدانیت کی شے ہے۔ ایمانیت کی شے ہے۔ لہذا پیچھے ہٹ جاؤ اور کہہ دو کہ زیارت کر لیں۔

ہم شہ رگ سے قریب ہیں اب اس قرب کے لیے ہم الفاظ کہاں تلاش کریں میں یہی کہوں گا کہ آپ کا وجود اگر وجود ہے تو یہ ذات ربانی کے سہارے موجود ہے۔ اس سے الگ نہیں ہے، اگر آپ کہیں کہ ربّ کہاں ہے تو بات وہی ہوئی کہ!

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے اگر مچھلی کہے دریا کہاں ہے

تو پھر بات تو نہ بنی، تو قرآن نے کہا کہ یوں سمجھیں کہ تمہاری تخلیق بھی نفس واحد ہے۔ مطلب کیا ہوا کہ آدم آئے، ابھی تک اس درخت پر بیل بوٹے پھل پھول لگ رہے ہیں وہ ختم نہیں ہوا۔ تو جب دوبارہ زندہ ہونا ہوگا تو بس وہی ہے ایک نفس اٹھ کر بیٹھ گیا ایک انسان اٹھ کر بیٹھ گیا انسانوں کی قسمیں بتائیں تو وہ کس انداز سے ایک درخت سے وابستہ ہوں اس موضوع کو آج اس لیے نہیں چھیڑتا کہ اس میں بے حد علمی لطافتیں ہیں مجھے بڑا دور تک جانا ہوگا۔ آپ کو ساتھ لے کر چلنا بھی ضروری ہے ناں۔ اگر اکٹھا اکٹھا ہی سارا فلسفہ بہا دیا گیا تو بات بن نہیں سکے گی۔

اللہ تعالیٰ جسم نہیں رکھتا۔ وجود رکھتا ہے۔ نکتہ کیا ہوا اللہ تعالیٰ کے لئے جہت نہیں ہے کیونکہ جو جہت میں آجاتا ہے وہ چھ احاطوں میں گھر جاتا ہے۔ تو اللہ کریم کو کوئی گھیرنے والی طاقت نہیں ہے۔ وہ کیفیتوں سے پاک ہے حتیٰ کہ جب اسے نور کہا گیا تب بھی اسکا معنی منور کیا گیا کہ وہ کائنات کو روشن کرنے والا ہے۔ اب جب ہم کائنات میں آنکھیں کھول کر پھرتے ہیں تو جو قدیم فلسفیوں نے دلائل دیئے ہیں ادھر صرف اشارہ کروں گا۔ میں نے سب سے جدید فلاسفر کو لینا ہے۔ اور ان پر انشاء اللہ چار پانچ خطابات ہونگے۔ کہ جدید فلاسفر نے ذات ربانی کو کس طرح سے تسلیم کیا ہے۔ لیکن قدیم فلاسفر نے دلائل دیتے ہوئے ایک بات یہ کہی کہ جناب یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اللہ موجود ہے۔ کیسے تاریخی حقیقت ہے؟ کہ جب سے انسان نے دنیا میں قدم رکھا ہے وہ جب بھی بے قرار ہوتا ہے۔ بے کل ہوتا ہے، مضطرب ہوتا ہے تو ایک ذات کی پناہ میں جانا چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان تاریخ کے کسی دور میں بھی اللہ سے منقطع نہیں رہا۔

خروشیف صاحب سلامتی کونسل میں ایک بات کہہ رہے تھے۔ (حالانکہ وہ اللہ کے منکر ہیں) کہ امریکیو! دیکھو میرے

ہاتھ دیکھ لو۔ اللہ گواہ ہے کہ میرے پاس ایٹم بم نہیں ہے۔ اللہ گواہ ہے مطلب کیا ہوا کہ لاشعور بول رہا تھا۔ شعوری کیفیت میں وہ آ کر انکار کر رہا تھا۔ شعور کیوں انکار کرتا ہے؟ ڈاکٹر سمیع صاحب! شعور خود محدود ہے تو جو محدود ہے وہ لامحدود کی وسعتوں کو اندر کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ وہ تو تبھی سمیٹے گا جب لامحدود وسعتوں والے کے ساتھ روحانی تعلق قائم ہو جائے گا۔ پھر بسطامی یہ بول اٹھیں گے۔ بسطامی نے کہا کہ میرا ملک تو اللہ کے ملک سے بڑا ہے۔

ہمارے دور حاضر کے مولوی حضرات کے ہتھے چڑھ گیا۔ ایسے ہی لوگ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا کہ اسکا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے۔ اسے پھانسی دے دی جائے۔ ان کے پاس پھانسی کے علاوہ اور چارہ کوئی نہیں ہے۔ اللہ کی رحمت کو یہ عام کرنے والے نہیں ہیں۔ اللہ کے غضب کے یہ ترجمان ہیں۔ تو وہ حضرت بسطامی کو بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ یہ اس امت کے بہت بڑے ولی ہیں انہوں نے یہ کہہ دیا کہ میرا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے۔ چند فہمیدہ لوگ ان کے پاس گئے کہ حضرت آپ کی زبان سے یہ لفظ نکلا ہے۔ تو اس کا مطلب کیا ہے۔ ہم یہ سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کا ملک تو یہ کائنات ہے جو آپکو نظر آرہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑا ہے۔ لیکن آپ اگر کبھی مصطفیٰؐ کی محفل میں گئے تو سرکارؐ نے ارشاد فرمایا!

"قلب المومن مقر اللّٰہ"ہ (مومن کا دل اللہ کے رہنے کی جگہ ہے)

یعنی عرش الٰہی کون سی شے ہے؟ مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔ تو ارشاد فرمایا جہاں اللہ رہتا ہے وہ جگہ بڑی ہے یا یہ جو پتھروں والی، سمندروں والی جگہ بڑی ہے۔ اب نکتہ جب کھلا تو انہیں پتہ چلا کہ وہ جگہ بڑی ہے جہاں اللہ رہتا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میرے دل میں اللہ رہتا ہے میرا ملک بڑا ہے یا اللہ کا یہ حاضر ملک بڑا ہے اس وقت جب بات کھلی تو پتہ چلا کہ کتنا عظیم نکتہ تھا۔ جو ایک صوفی انسان نے بتا دیا۔ تو جب رب کے ساتھ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو مادیت سے آدمی اوپر اٹھ جاتا ہے۔ مادیت سے اوپر اٹھنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان بڑی آسانی کے ساتھ روحانی دنیا میں اللہ کریم کی ذات اقدس کی عظمتوں کو اپنے اندر سمیٹنے لگتا ہے تو قدیم فلاسفر نے یہ بات کہی کہ انسان تاریخ کے ہر دور میں ایک ذات کی طرف مائل رہا ہے۔ اسے انہوں نے جب زیادہ واضح کیا تو یہ بات بھی کہی کہ فطرت انسانی میں ذات ربانی کا تصور داخل ہوا۔ یہ اسکی فطرتی شے ہے کہ ایک اور قوت موجود ہے۔ اسے میں اتنے اختصار سے بیان کر رہا ہوں انہوں نے ایک دلیل صوتی دی۔ صوت عربی زبان میں آپ کی آواز کو کہتے ہیں۔ کائنات میں کتنے انسان ہیں کہ ان کی آواز کا مخرج ایک ہے لیکن آواز شرز اور اس کی کیفیت الگ الگ ہے۔ پتہ چلا پیچھے ایک حکیم مطلق بیٹھا ہے جو اس انداز کو اپنے طریقے سے چلا رہا ہے۔

کچھ فلاسفر جو یونان کے رہنے والے تھے اور انسانی فطرت کو انہیں قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل تھا۔ انہوں نے یہ بات کہی کہ دلیلیں توت کی دی جائیں۔ توت کا درخت ہوتا ہے انہوں نے کہا کہ اسے اونٹ کھاتا ہے تو اسکا انداز اور ہوتا ہے۔

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	حرف اول	02
2	قرآن پاک کیا ہے؟	05
3	قرآن پاک نگاہ مصطفیٰ میں	22
4	عقیدہ توحید (نمبر 1)	40
5	رب العالمین (عقیدہ توحید نمبر 2)	55
6	عقیدہ توحید (نمبر 3)	69
7	شرک کیا ہے؟	82
8	مقام رسالت (نمبر 1)	96
9	مقام رسالت (نمبر 2)	113
10	انا ارسلناک شاھدا (مقام رسالت نمبر 3)	127
11	نور و بشر۔ اقسام بشر	142
12	مقام رسول اور قرآن پاک	157
13	رسول، نگاہ رسول میں	172
14	لفظ 'یا' کی تحقیق	188
15	بشریت اور مثلیت کی تحقیق	202
16	واقعہ معراج	219
17	حقیقت تصوف	235

Marfat.com

بکری کھاتی ہے تو اسکا انداز اور ہوتا ہے۔ انسان ابالتا ہے تو اسکا انداز اور ہوتا ہے۔ لیکن جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اسکا انداز اور ہوتا ہے۔ معلوم ہوا چیز ایک ہے استعمال کرنے والے چار پانچ ہیں لیکن ہر ایک کے استعمال کا طریقہ اپنے اپنے طریقہ سے چل رہا ہے۔ نتائج انکے آپس میں مل نہیں رہے ہیں۔ پتہ چلا کہ پیچھے کوئی ایسی قوت موجود ہے۔ کہ اس قوت نے ایک طریقہ بنا رکھا ہے۔

قدیم فلاسفر نے ایک اور دلیل دیتے ہوئے حسن ترتیب کا ذکر کیا ہے کہ اس کائنات کو دیکھیں۔ موسم اپنے انداز سے آتا ہے، سورج اپنے انداز سے طلوع ہوتا ہے ایک حکیمانہ انداز ہے جو ساری کائنات میں ہے وہ جاری و ساری ہے لیکن یہاں ایک علت، معلول اور سبب اور مسبب کا چکر چلتا ہے اور وہ پھر آخر ایک نتیجے پر پہنچ کر آپ کو دعوت توحید دے جاتا ہے اس چیز کا سبب کیا ہے؟ آپ اسے تلاش کرنے نکلتے ہیں اسکا سبب کیا ہے؟ پھر آگے بڑھتے ہیں ایک سٹیج پر پہنچ کے آپ کو ایک آخری شے کو آخری ماننا پڑتا ہے جس سے اوپر سبب نہ ہو۔ ورنہ منطق کی زبان میں یا قدیم فلسفہ کی زبان میں تسلسل لازم آتا ہے۔ تسلسل کا مطلب یہ ہے کہ دلیل کہیں ختم نہ ہو۔ دلیل کے اندر سے اور دلیل پیدا ہوتی جائے سبب سے سبب پیدا ہوتا جائے۔ علت سے علت پیدا ہوتی چلی جائے اور وہ کسی مقام پر پہنچ کر ختم نہ ہو۔ وہ جو آخری علت ہے اسے خدا کہتے ہیں۔ یہ قدیم فلاسفر نے بات بیان کر دی تھی۔

اب اس کائنات میں مسلسل ایک حرکت ہے۔ ساری کائنات ایک حرکت کر رہی ہے۔ کیا اس کے پیچھے کوئی محرک ہے یا نہیں؟ اور اگر محرک ہے تو کیا وہ اس ترتیب کو اپنے کنٹرول میں رکھے ہوئے ہے یا نہیں؟ تھوڑی سی جگہ یہ وہ ہمیں گاڑیاں چلانے کا کنٹرول دے دیتا ہے تو ہم دن میں صرف پاکستان کی حد میں کتنے ایکسیڈنٹ کر دیتے ہیں اگر اسی طریقے سے اس حرکت کے پیچھے کوئی محرک نہ ہو تو روزانہ خدا جانے کتنے ایکسیڈنٹ ہوں جو اس کائنات کو تباہ کر دیں اسی کو اللہ نے یوں بیان کیا!

"لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا"o

اگر یہاں ایک خدا نہ ہوتا، کئی خدا ہوتے تو یہ قوتیں آپس میں ٹکرا کر مدت سے پاش پاش ہو گئی ہوتیں۔ تو اسے انہوں نے دلیل حرکی کہہ کر اللہ کے وجود پر پیش کیا۔ قدیم فلاسفر نے پھر ایک دلیل امتیازی بھی دی کہ ہر شے کا وجود دوسری شے سے ممتاز ہوتا ہے۔ مادہ ایک ہے۔ بنانے والا اگر چاہتا تو چند سانچے ہو سکتے تھے۔ یہ جو لاتعداد سانچے ہیں اور ہر سانچے کا امتیاز ہے کہ وہ دوسرے سانچے سے الگ ہے۔ اس کے پیچھے کوئی ایسی قوت ہے جو اسے چلا رہی ہے۔ آخری دلیل جو قدیم فلاسفر نے دی ہے وہ دلیل ارتقائی ہے کہ ایک چھوٹا سا مرحلہ آتا ہے پھر بڑھتا ہے مثلاً انسانی وجود ایک چھوٹے سے خلیے سے وقوع پذیر ہوتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے پھر جسمانی حیثیت سے کمال کو پہنچتا ہے ذہنی حیثیت سے اور اخلاقی حیثیت سے کمال کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس دنیا سے چلا

Marfat.com

جاتا ہے تو یہ جو ارتقائی دلیل ہے اس کو یورپ کے جدید مفکرین نے بھی کہا ہے ارتقاء اور فلسفہ ارتقاء میں فرق ہے ادھر میں فرق کو انتہائی خلاصے سے عرض کر رہا ہوں۔ یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارے سامنے پڑے ہیں۔ صرف انہیں ذہن میں لا کے ترتیب دینا ہے۔ ورنہ یہ ہمارے روز کے مشاہدات ہیں۔

اب ہمیں یہ پتہ چلا کہ قرآن حکیم نے ہمارے سامنے جو بات رکھی ہے وہ یہ تھی کہ ذات ربانی ان ساری صفات کا مجموعہ ہے۔ آپ قدیم عربی ادب یا قدیم فلسفے کی کتاب اٹھائیں تو لفظ ''اللہ'' کی شرح کرتے ہوئے انہوں نے یہ معنی کیا ہے۔

"ھو الذی ذاتہ واجب الوجود" ٥ (وہ ایسی ذات ہے جو بذات خود قائم ہے)

"جامعۃ صفات الکمال" ٥ (اسکے اندر ساری کمال والی صفتیں موجود ہیں)

یہاں ہمارے علماء نے ایک بحث چھیڑ دی تھی۔ جو پچاس سال پرانی کتابوں میں ملتی ہے۔ کہ جھوٹ بھی ایک شے ہے۔ تو کیا اللہ اس پر قادر ہے؟ یہ اللہ کے بندے گروہوں میں بٹ گئے اور اقبالؒ یہاں سے گزرے تو انہوں نے یہ فقرہ کسا کہ!

"دین ملائی سبیل اللہ فساد" ٥

کہ حقائق سے روگردانی کر کے ایسی باتیں یہ فی سبیل اللہ فساد کے مترادف ہے۔ اب اتنے فاضل ہو کے انہیں پتہ نہیں چلا کہ لفظ اللہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ کمال کی صفات کا مجموعہ ہے اور اگر انسان کی زندگی میں جھوٹ آ جائے تو اسکا اعتبار کوئی نہیں کرتا ہے۔ تو کیا آپ نجس صفت اٹھا کر اللہ کے ذمہ لگا دینا چاہتے ہیں یہ بات غلط ہوگی۔ اب میں آخر میں چاہوں گا قرآن پاک کی وہ چار پانچ آیات جن پر اس سارے خطبے کا مدار تھا۔ انکا ترجمہ کرتا جاؤں۔

ہم آغاز کرتے ہیں تو کہتے کہ **"الحمد للہ رب العالمین"** ٥ (ساری عظمتوں اور تعریفوں کا حقدار، ان سارے جہانوں کا پالنے والا ہے) وہ جہان کتنے ہیں یہ بھی ایک مستقل تقریر کا متقاضی ہے اور شان توحید بیان کرتے ہوئے عالمین پر انشاء اللہ سیر حاصل بات ہوگی۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ جب اگلا خطاب ہو تو عالمین کیا ہے؟ وہاں تربیت کا انداز کس طرح چلتا ہے؟ اگر اسے جامع انداز سے لیں جہاں تک انسانی عقل پہنچ چکی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھے دو در جن تقریریں عالمین پر کرنی پڑیں گی۔ لیکن میں صرف ایک یا دو تقریریں لفظ عالمین پر کروں گا۔ وہ رحمان بھی ہے۔ رحیم بھی ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا تمہارا معبود صرف ایک معبود ہے اس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی اسکا قرب کتنا ہے؟ قرآن نے کہا محبوبؐ جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کرنے لگیں تو انہیں فرما دیں کہ میں بہت قریب ہوں۔ اتنا قریب لیکن یہاں علمی نکتہ کیا ہے آپ غور فرمائیں گے۔ آپؐ سے پوچھیں تو میں قریب ہوں آپ کو چھوڑ کے کوئی مجھ تک آنا چاہے تو کبھی بھی نہیں آ سکتا۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

رب العٰلمین

(عقیدہ توحید نمبر 2)

حمد وصلوۃ کے بعد خواتین و حضرات گزشتہ محفل میں میں نے ایک بات عرض کی تھی کہ اللہ کریم نے اپنا تعارف قرآن پاک میں صفات کی بجائے ذات سے نہیں کرایا بلکہ ذات کی بجائے صفات سے کرایا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ تھی کہ کسی ایک صفت پر تفصیل سے بحث کی جائے تو پھر طے یہ ہوا تھا۔ کہ **"الحمد للّٰہ رب العٰلمین"** میں جو لفظ رب العالمین ہے اس پر ذرا تفصیل سے گفتگو ہو جائے گی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ یہ عقائد سے متعلق مسائل ہیں اور ان میں کچھ مقامات مشکل بھی آجاتے ہیں آپ سے صرف یہ درخواست ہے کہ کچھ اصطلاحات فوری طور پر سمجھ نہیں آئیں گی تو انشاء اللہ ساتھ چلتے چلتے یہ باتیں کھل کے سامنے آتی جائیں گی۔ "الحمد للہ رب العالمین" کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر قسم کی تعریفوں کا استحقاق اللہ کریم کو حاصل ہے۔ جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ سادہ سا ترجمہ ہے۔ اس ترجمے کی وسعتوں پر تھوڑی سی گفتگو کر کے پھر لفظ رب اور العلمین پر میں گفتگو کروں گا آپ سوچیں گے حمد کا معنی ہوتا ہے تعریف کرنا، تو الحمد کا معنی سب تعریفیں کیسے ہو گیا۔ جس طرح کسی انگریزی لفظ کا جو Common noun ہو آپ proper noun بنانے کیلئے اس پر The لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح عربی کے اسم نکرہ کو اسم معرفہ بنانے کے لیے ال لگا دیا جاتا ہے۔ البتہ یہ عربی زبان کی وسعتیں ہیں کہ یہاں یہ الف لام جو اسم معرفہ بناتا ہے اس کی بذات خود چار قسمیں بن جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کا نام لام استغراقی ہے۔ دوسری کا نام لام جنسی ہے۔ تیسری کا نام لام عہدی ہے (اور وہ عہد خارجی کہلاتا ہے) چوتھے کا نام عہد ذہنی ہے۔ یہاں یہ الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ لیکن ہمارے مترجمین نے اسے جب بھی لیا ہے استغراقی معنی میں لیا ہے۔ استغراق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بھی فرد ان افراد میں سے باہر نہ رہ سکے جن پر وہ لفظ بولا جا رہا ہے۔ لفظ حمد ہے تو اس پر الف لام آیا تو حمد کی کوئی قسم بھی اس سے باہر نہیں رہ جائے گی۔ لہٰذا اس کا معنی ہے ساری تعریفیں۔ اب بھی اردو میں وہ جامعیت پیدا نہ ہو سکی جو عربی کے لفظ الف لام میں یہاں آگئی تھی۔ لیکن سمجھانے کے انداز سے ہم یہ بات کہہ دیں گے۔ کہ اس کا معنی ہے جتنی بھی تعریفیں ہیں وہ اللہ کریم کیلئے ہیں اب یہاں ایک اور لفظ ہمیں محذوف ماننا پڑے گا۔ عربی گرائمر کے نکتہ نگاہ سے تھوڑی سی بات مشکل ہو جائے گی، لیکن میں نے آپ کو علم کا عادی بھی تو بنانا ہے۔ خشک تقریریں تو بازار میں عام تقسیم ہو رہی ہیں اور بڑے لچھے دار انداز سے بیان کرنے والے لوگوں کی بھی بڑی کثرت ہے۔ اب یہاں لفظ ثابت موجود ہے جو محذوف ہے وہ الحمد مبتدا کی خبر ہے اور جب بھی دو لفظوں میں نسبت پیدا ہوتی

Marfat.com

ہے تو عربی زبان میں اسے نسبت اسنادی کہا جاتا ہے دوسرا لفظ جو نسبت اسناد کے لیے ہے وہ یہاں محذوف ہے اور اکثر عربی جملوں میں وہ محذوف ہو جاتا ہے۔

معنی میں یہ کہہ رہا تھا سب تعریفوں کا استحقاق صرف اللہ کریم کیلئے ثابت ہے۔ یہ صرف کیوں ہوا؟ کہ جسے ذکر کرنا چاہیے تھا وہ ذکر نہیں کیا گیا یہ حذف ہو گیا ہے۔ تو میرے سامنے مولانا بیٹھے ہیں جو بڑے فاضل آدمی ہیں۔ جس چیز کا ذکر کرنا ضروری تھا اسے آپ نے حذف کر دیا ہے اس سے عبارت میں حصر پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ یہ بات ایسی ہی ہے اس کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتی۔ اب اسے جب ہم صیغہ لفظوں میں نقل کریں گے تو معنی یہ ہوگا کہ حقیقت میں جتنی بھی تعریفیں ہیں وہ ساری کی ساری اللہ کریم کیلئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم تعریفیں تو لوگوں کی بھی کرتے ہیں۔ تو یہاں آپ نے حصر پیدا کر دیا۔ اس کے جواب کے لیے گزارش ہے کہ جس کسی میں کوئی قابل تعریف صفت ہے اس کا خالق اللہ ہے۔ لہذا جس کی بھی آپ تعریف کریں گے اگر وہ ایسی صفت ہے جو قابل تعریف ہے (جو قابل تعریف نہیں ہے اسے صفت نہیں مانتے اس انداز سے) جو بھی قابل تعریف صفت ہے اس کا خالق اللہ ہے لہذا یا تو براہ راست وہ صفت اللہ کی طرف مڑ جائے گی اور اگر براہ راست نہیں ہے تو بالواسطہ جس آدمی میں وہ صفت اللہ نے پیدا کی ہے ادھر سے مڑ کے اللہ کی طرف چلی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عظیم مفکر نے ایک بڑے مزے کی بات کہی۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی جو تعریف کی جاتی ہے وہ دراصل اللہ کی تعریف ہے۔ کیونکہ سرکارؐ کی ذات میں اس عظمت کا خالق اللہ ہے۔ لہذا اس تعریف میں کسی مقام پر بھی شرک کا شائبہ نہیں آ سکتا۔ اس لیے کہ وہ دراصل تعریف خداوندی ہے اور وہی اس تعریف والی صفت کا سرکارؐ کی ذات میں خالق ہے۔ یہ بات ثابت ہوگئی کہ تعریفوں کا استحقاق اللہ کریم کی ذات کو ہے۔ اس کیلئے ہمیں دلیل درکار ہے۔

ساری تعریفوں کا حقدار صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟ قرآن نے دلیل دی۔ **"رب العالمین"**۔ وہ اس لیے ساری تعریفوں کا حقدار ہے۔ کہ وہ عالمین کا پروردگار ہے وہ عالمین کا رب ہے۔ رب کا لفظی معنی پالنے والا ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی گہرائی میں اتر جائیں تو آپ کو یہ پتہ چلے گا کہ رب کے معنی تربیت کرنے والا ہے۔ آپ ایک آدمی کو صرف پالتے ہیں تو اسے روٹی مہیا کر دیتے ہیں۔ ضرورت کے مطابق لباس مہیا کر دیتے ہیں، سونے کیلئے ایک بستر مہیا کر دیتے ہیں، آپ نے اسے پال تو دیا ہے۔ لیکن آپ نے اس کی تربیت نہیں کی ہے۔ لہذا پالنے اور تربیت کرنے میں بنیادی طور پر فرق ہے تو رب کا معنی یہاں تربیت کرنے والا ہے۔

تربیت کی کتنی قسمیں ہیں؟ جو اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں جسے بذات خود قرآن نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا!

"ان تعدوا نعمت اللہ لا تحصوھا"o

Marfat.com

ترجمہ: ''اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو گے تو انہیں احاطہ شمار میں نہیں لا سکو گے''۔

ایک مقام پر آ کر تم تھک جاؤ گے۔ پتہ چلا کہ تربیت کے انداز بے شمار ہیں۔لیکن جو موٹے موٹے انداز ہمارے سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر صحت ٹھیک نہ ہو تو تربیت رائیگاں جاتی ہے۔لہذا صحت اللہ کی نعمت ہے۔ پھر اس صحت کے ساتھ تعلیم جو آپ کے اخلاق کو، آپ کے کردار کو، آپ کے ذہن کو اور آپ کے دل و دماغ کو مختلف اندازوں سے آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہے۔ پھر اس تعلیم کی اعلیٰ ترین قسم وہ ہے۔ جو کسی نبی کی طرف سے ہمیں اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔انسانی تعلیم ہو سکتا ہے کہ چند نسلوں کے بعد نظریات کے بدلنے سے، ماحول بدلنے سے، انسانی افکار کے بدلنے سے تبدیل ہو جائے۔لہذا حقیقی معلم وہ ہو گا جس کی تعلیم کے پیچھے اللہ کریم کی ذات کارفرما ہو گی۔لہذا تعلیمی تربیت جو اللہ کریم فرمائیں گے یا محبوب رحیم ﷺ فرمائیں گے وہ بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہو گی۔اس تربیت کیلئے اللہ کریم نے تو سرکار ﷺ کو یہ فرمایا!

"وعلمک مالم تکن تعلم و کان فضل اللہ علیک عظیما" ٥ ''اللہ نے آپ کو تعلیم دی ہر اس چیز کی جو آپ کے علم میں نہیں تھی اللہ کا آپ پر یہ فضل عظیم تھا۔'' اس کا دوسرا ان ڈائریکٹ معنی یہ بنا کہ تعلیم رب کا فضلِ عظیم ہے اور جب وہ صراط مستقیم کی طرف جانے والی تعلیم ہو تو بات کا انداز ہی کچھ اور بن جاتا ہے۔لہذا اس سے یہ پتہ چلا کہ تعلیم فضلِ عظیم ہے۔سرکار صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے اس سلسلے میں ارشاد فرمایا!

"انما بعثت معلما" ٥ (مجھے خود تعلیم دینے کیلئے بھیجا گیا ہے)

یہاں بھی لفظ حصر کا ہے۔مولائے کائنات حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

"من علمنی حرفا فھو مولا ی" ٥ (جو مجھے ایک حرف بھی پڑھا دیتا ہے وہ میرا آقا ہے)

یہ تعلیم کی عظمت تھی، یہاں ایک بات اور بھی عرض کروں گا کہ جب وحی کا آغاز ہوا تو وہاں بھی اقراء سے آغاز ہوا تھا کہ آپ ﷺ پڑھیں۔تعلیم اتنی اہم تھی تو تربیت کا ایک جز و تعلیم ہے تربیت کا ایک جز و اعلیٰ اخلاق ہے جن کے لیے سرکار ﷺ کا اپنا ارشاد عالی یہ ہے کہ **"بعثت لا تمم مکارم الاخلاق"** ٥ (میری بعثت کی سب سے بڑی غرض یہ ہے کہ اخلاق عالیہ کی میں تکمیل کر دوں) لہذا اخلاق عالیہ کا وہ سمندر جو سرکار ﷺ سے شروع ہوا ہے، آج تک علوم اسلامیہ کی شکل میں لوگوں کو اپنے جلو میں لیے آگے بڑھتا جا رہا ہے۔اس میں قومی انداز سے کبھی ارتقاء ہوتا ہے ترقی ہوتی ہے، کبھی تنزل اور پستی آ جاتی ہے۔لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ یہ دروازہ پوری طرح امت میں بند ہو گیا ہو یا امت کی دو تین نسلیں اس سے کٹ گئی ہوں۔ایسا کبھی نہیں ہوا اور جب کبھی کوئی طوفان ایسا اٹھتا ہے جس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ یہ بات ختم ہونے والی ہے تو اللہ ایسے بندے امت کے اندر پیدا کر دیتا ہے جو اقتدار کے ایوانوں سے دور، اختیارات کے محلوں سے دور، چھوٹے چھوٹے گوشوں میں بیٹھے قوم کی تقدیریں بدلنے کے

Marfat.com

لیے بیٹھ جاتے ہیں۔کبھی وہ چٹائیوں پر ہوتے ہیں۔کبھی وہ کسی انداز میں ہوتے ہیں،کبھی کسی انداز میں ہوتے ہیں،لیکن وہ اس چراغ کو بجھنے نہیں دیتے۔جسے شرار بولہبی بجھانا چاہتا ہے وہ بجھ نہیں سکتا۔

تربیت کی مختلف اقسام ہیں،کبھی علمی میدان میں تربیت ہے،کبھی اخلاقی میدان میں تربیت ہے،کبھی معاشرتی میدان میں تربیت ہے۔سرکارؐ نے تربیت کے لیے جس معاشرے کی سرزمین پر قدم رکھا تھا وہاں تہذیب کی کرنیں کسی طرف سے بھی چھن چھن کر نہیں پڑی تھیں۔وہاں پرائمری سکول کوئی نہیں تھا۔ایک محقق نے نہایت لطیف بات کہی ہے کہ عرب کھجور کھاتے تھے،جو بے حد گرم ہوتی ہے اون کا کپڑا پہنتے تھے جو بذات خود گرم ہوتا ہے وہ گوشت کھاتے تھے۔جو بذات خود گرم ہوتا ہے۔اتنی گرمیاں مل جائیں تو نرمی کہاں سے پیدا ہوگی۔لیکن یہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعجاز ہے کہ اس گرم مزاج قوم کو،جو کھلی فضاؤں میں رہ رہی تھی اور جسے انسانی ذہن کی مکروہات نے کسی غلاظت والی وادی میں نہیں دھکیلا تھا۔جب اس قوم کو صحیح قیادت ملی تو صدیق اکبرؓ پیدا ہوگئے،فاروق اعظمؓ پیدا ہوگئے۔حیدر کرار اور عثمان غنیؓ جیسے عظیم اور جری انسان پیدا ہوگئے۔تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تربیت کے انداز میں ایک انداز معاشرے کی اصلاح ہوتی ہے،سیاست کی اصلاح ہوتی ہے،مالیات کی اصلاح ہوتی ہے۔کیا یہ عجیب واقعہ نہیں کہ وہی قوم جو کل تک ڈاکے ڈالتی تھی،اس قوم میں وہ لوگ پیدا ہوئے جو اپنی ساری کمائی صرف ایک فقرے پر پیش کر دیا کرتے تھے؟ مجھے اس صحابی کی بات بالکل نہیں بھولتی جس کے پاس کچھ نہ تھا۔جب محفل اقدس میں آیا تو پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا۔سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رحیم دل نے اس کے دل کی بات کو پالیا۔ارشاد فرمایا آپ بھی آگے آئیں جب وہ صاحب آگے آئے تو فرمایا جو تمہارے پاس ہے وہ پیش کردو کہ تیری جہد مقل رب کی نظر میں بہت پسندیدہ ہے۔جہد کا مطلب ہے ''کوشش'' اور مقل کا مطلب ہے ''جس کے پاس کچھ نہ ہو''۔جس کے پاس کچھ نہیں ہے اس کی تھوڑی سی کوشش رب کے ہاں بڑی مقبول ہے۔اسے ایک اور پیرائے سے سرکارؐ نے خود بیان فرمایا ہے کہ اے میری آخری امت! میری اس بات کو یاد رکھنا،امت کے پہلے حصے نے اگر میری سرکارؐ میں ایک مد جو پیش کیے ہیں اور تم آخری دور میں پہاڑ جتنا سونا پیش کر دو تو رب کے نزدیک ایک مد کی قیمت زیادہ ہے(ایک مد کو ہم آج آدھا کلو کہتے ہیں) کیوں زیادہ ہے؟ کیونکہ ناداری کے دور میں اپنے پیٹ کو کاٹ کے جو تربیت کیلئے وسائل پیش کرتا ہے اس کا مقام بے حد رفیع ہے۔

اب اس بات کو میں سمجھانے کیلئے چند اشارے کر رہا ہوں کہ اللہ تربیت کرتے ہیں ان کی صرف موٹی موٹی قسمیں کتنی ہیں؟ ورنہ جب آپ تنہائی میں بیٹھتے ہیں اور جب آپ اس دنیا میں آئے تھے۔اس وقت سے لے کر اس وقت تک رب رحیم نے آپ کی کس کس انداز سے تربیت کی ہے؟ آپ وہ لفظ زبان پر بے ساختہ لے آئیں گے۔جو آپ سجدے میں کہتے ہیں۔ **''سبحان ربی الاعلیٰ''** . کتنا ہی پاک ہے۔عظمتوں والا ہے،میرا پروردگار۔یہاں آپ نے اللہ نہیں کہا،ربی الاعلیٰ کہا،میرا

تربیت کرنے والا سب سے اونچا پروردگار کتنا عظیم ہے۔ یہ دل کی آواز ہوتی ہے۔ اور دل آواز اس وقت دیتا ہے جب اس کی توجہ ایک نکتے پر مرکوز ہو جاتی ہے ایک بات کو سوچنے کیلئے آپ اپنی ساری توانائیاں اس راستے پر صرف کر دیتے ہیں۔ اب تربیت ایک فرد کی نہیں ہے۔ ہم ایک فرد کی تربیت کرتے تھک جاتے ہیں۔ چند افراد ہوں تو اور تھک جاتے ہیں۔ جب لیڈر کے پیچھے ہزارہا آدمی ہوں تو اسے پھر ایک دن کہنا پڑتا ہے کیا کروں میری جیب تو کھوٹے سکوں سے بھری پڑی ہے اسے تھک کر ایک دن یہ کہنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ تربیت جو ہمہ گیر انداز سے ہو وہ نبھانا بے حد مشکل بات ہے اور پھر تربیت ایک دور کی نہیں ہے۔

کائنات کا کب آغاز ہوا ہے؟ اور کب تک اس کائنات نے چلتے رہنا ہے؟ اور کیا پھر صرف انسان کی تربیت ہے جی نہیں۔ صرف جنوں کی تربیت ہے؟ جی نہیں۔ صرف فرشتوں کی تربیت ہے؟ جی نہیں۔ یہاں تو تربیت میں بے جان بھی شریک ہیں کہ کسی پتھر کو کن کن مراحل سے کہاں کہاں لگنا ہے؟ یہ ساری باتیں تربیت کے اندر شامل ہیں پھر یہ تربیت کہاں تک پھیلی ہوئی ہے؟ عالمین پر پھیلی ہوئی ہے، دراصل آج کا خصوصی موضوع اس عالمین کی تشریح ہے۔ جس طریقے سے میں نے آپ کے سامنے گزشتہ خطاب کے دوران عرض کیا تھا۔

یہاں ایک لفظ کی دوبارہ تعریف چاہتا ہوں کہ عالمین پر بھی الف لام لگا ہوا ہے یعنی **"العلمین"** اس سے پھر معنی ہم نے وہی کیا کہ سارے جہانوں کا وہ تربیت کرنے والا ہے۔ یہاں پر بھی الف لام استغراقی بن گیا یہاں ہم نے تحقیق یہ کرنی ہے کہ یہ لفظ جمع ہے۔

اللہ کرے میں کوشش کرتا ہوں کہ اردو کے آسان الفاظ استعمال کروں لیکن ایک طویل عرصے سے علمی ماحول میں رہتے ہوئے ایک انداز بن گیا ہے۔ میں اپنے انداز سے بہت نیچے اتر کے بات کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ چند خطابات کے بعد آپ میرے ساتھ بڑی آسانی سے خاص طور پر معصوم بچیاں جو ہیں یہ چلنے لگ جائیں گی۔

"العلمین" پر ایک تو ہم نے ''ال'' کا تجزیہ کرنا ہے۔ وہ میں ابھی اشارتاً عرض کر چکا ہوں کہ یہ بھی استغراق کیلئے ہے۔ اس کا مطلب ہے سارے جہانوں کی تربیت کرنے والی وہی ذات ہے۔ اب دوسرا لفظ عالمین ہے یعنی لام کے نیچے زیر تو یہ لفظ بنتا ہے عالِم جس کا معنی ہوتا ہے علم والا، یہ سبجیکٹ ہے۔ جو علم مصدر سے بنا ہے۔ علم والا۔ اگر لام پر زبر ہو تو یہ عالَم ہے جس کا معنی عام طور پر ہم جہان لیتے ہیں۔ لیکن یہ اردو کا معنی تو ہو جائے گا عربی کی وسعتوں کے سامنے لفظ جہان ادھورا رہ گیا ہے۔ یہ عالم کا معنی حقیقتاً نہیں ہے۔ اب عالم کا معنی جاننے کیلئے میں لغت کا سہارا ان کتابوں کے ذریعے لوں گا، جو قرآن کی تفسیریں ہیں اور وہ ساتھ ساتھ لغت کی مستند کتابیں ہیں۔

اس سلسلے میں آپ کی معلومات کیلئے تاکہ ماضی کے ساتھ ہمارا تعلق بھی قائم رہے، آپ میں چند بڑے فہمیدہ مرد حضرات

اور میری بہنوں اور بچیوں میں اکثر لکھی پڑھی خواتین بیٹھی ہیں، میں اس کا تجزیہ اس تفصیل سے کرنا چاہتا ہوں کہ یہ لفظ اپنی ساری گہرائیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آجائے۔

قرآن پر جو تفسیریں لکھی گئی ہیں ان میں سے دو لغت کے حساب سے انتہائی اونچی تفسیریں ہیں۔ ایک ''کشاف'' کشف کالفظی معنی ہے کھولنا۔ کشاف کا معنی ہے بہت ہی زیادہ حقائق کو کھولنے والا۔ دوسری تفسیر کا نام ہے "اسرار التنزیل" لیکن اسے عام زبان میں بیضاوی کہتے ہیں۔ تنزیل کا معنی ہے قرآن اور اسرار کا معنی ہیں بھید۔ قرآنی بھید۔ کیونکہ بیضاء کے رہنے والے ایک عظیم مفکر نے اسے ترتیب دیا۔ مجھے ایران میں حاضری کے دوران ان کے مزار پر حاضر ہونے کا شرف بھی ملا تو انہیں بیضاوی بھی کہتے ہیں۔ کشاف میں فکری طور پر چند لغزشیں تھیں۔ جن سے میں بھی متفق نہیں ہوں اور باقی اہل علم بھی متفق نہیں ہیں۔ بیضاوی نے ان لغزشوں کو بھی دور کیا ہے۔ اور وہ لغزشیں کیا تھیں؟

ہماری تاریخ کا ایک دور تھا، ایک گروپ پیدا ہوا تھا۔ جنہیں معتزلہ کہتے ہیں۔ انہیں ایک عجیب سا ٹھرک لگا، وہ ٹھرک کیا تھا؟ کہ قرآن کو ہماری عقل کے مطابق ہونا چاہیے۔ اب انہوں نے اپنی ناقص عقل کے مطابق قرآن کو لانے کی کوشش کی تو قدم قدم پر انہوں نے ٹھوکریں کھائیں۔ ان ٹھوکروں کو بیضاوی نے حل کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب! اس نکتے پر خاص غور ہوگا۔ کہ بیضاوی نے ان ٹھوکروں کو دور کر دیا۔ آگے چل کے فخر الدین رازی نے ان دونوں کی خوبیوں کو لینے کی کوشش کی وہ تفسیر ''کبیر'' ہے۔ لیکن ایک اور کتاب جس کا نام ''مفردات امام راغب'' ہے انہوں نے قرآن کے ہر ہر لفظ کی الگ الگ لغت بیان کی ہے۔ آیئے ان تینوں کو، بلکہ چاروں کو سامنے رکھ کر ہم آگے بڑھتے ہیں۔

یہاں ایک نکتہ ذہن میں آرہا ہے۔ اہل علم کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ رازی ہمارے منطقی اور فلسفی علماء میں چوٹی کے بندے ہیں۔ لیکن اقبال'' کو ان کی یہی ادا پسند نہیں ہے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ان عقلی عظمتوں کے ساتھ دل کی وسعتیں بھی ملیں تو بات بنتی ہے۔ دل کی وسعتوں کو اقبالؒ محبت اسلام، محبت خدا اور محبت رسولؐ کے نام سے یاد فرماتے ہیں۔ اور عقلی وسعتوں کو منطق، فلسفہ یا سائنس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب بھی وہ موازنہ فرماتے ہیں تو حضرت رومی، جنہیں وہ اپنا مرشد کہتے ہیں، ان کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں حضرت رازی، جن کا اصل نام فخر الدین رازی ہے۔ ان کی لکھی ہوئی قرآن کی تفسیر اکتیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ آج کل ایرانیوں نے بڑے حسین انداز میں اسے چھاپا ہے۔ اور میری لائبریری میں موجود ہے۔ اگر کوئی اصل عربی مطالعہ کرنا چاہے تو میں کتاب پیش کر سکتا ہوں۔ اس دور تک سارے علوم کو انہوں نے قرآن کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑا کر دیا تھا۔ یہ سارے قرآن کے تابع علوم ہیں۔ میں بسا اوقات کہتا ہوں اور آج پھر قرآن کہہ رہا ہے۔ کسی اور محقق کو اٹھنا چاہیے جو رازی کے دور سے لے کر آج تک کے سارے علوم کو بھی ایک لائن میں قرآن کی خدمت میں کھڑا کر دے۔ دعا کریں

کہ ایسا محقق اللہ ہمیں جلد ہی عطا فرمائے۔

اب موازنہ کرتے ہوئے اقبالؒ کہتے ہیں! ؎ جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی

ہماری شکست کا دور اقبالؒ تسلیم کرتے ہیں۔ وہاں اتنا بڑا محقق پیدا ہوا ہے۔ کہ اس نے سارے علوم کو ایک صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ لیکن چونکہ خشک انداز سے بیان کیا ہے۔ اقبالؒ کے نظریے کے مطابق محبت کی گہرائیاں نہیں ہیں۔ لہذا اقبالؒ نے انہیں ہارا ہوا تسلیم کیا ہے۔ اب چار بندے میں نے آپ کے سامنے ذکر کئے ہیں۔ کیونکہ یہ ہماری خالص علمی اور فکری محفل ہے۔ اس میں کئی باتیں نئی ہوں گی، آپ کو انہیں سوچ کے آگے بڑھنا ہوگا، اگلی تقریروں میں اور مزید وضاحت ہوتی چلی جائیگی۔ میں نے ''مفردات امام راغب'' کا نام لیا ہے میں نے ''کشاف'' کا نام لیا ہے۔ میں نے اس کے ساتھ فخر الدین رازی کا ''بیضاوی'' کا نام لیا ہے۔ یہ چاروں اس عالم کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے بیک زبان کہتے ہیں۔

"العالم کل شئی ماسوی اللہ" ٥ (اللہ کی ذات کے بغیر جو کچھ بھی ہے وہ عالم میں ہے)

اب اس لفظ پر غور فرمائیں کہ اللہ کی ذات کے بغیر زمین ہے، آسمان ہے، سورج ہے، چاند ہے، سمندر ہے، صحرا ہے، وہ دنیائیں ہیں جو ہمارے علم میں ہیں، وہ دنیائیں ہیں جو ہمارے علم میں نہیں ہیں، یہ سب عالم ہیں۔ تو پھر اگر بات یہ ہے تو پھر لفظ عالم کو جمع کیوں کر دیا گیا ہے؟ جب یہ واحد لفظ سب کو اپنی بغلوں میں لئے ہوئے ہے، سب کو اپنی گود میں سمیٹ لیا ہے، تو پھر اس لفظ کو جمع کیوں کیا گیا ہے؟ پھر جمع کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ جمع جو جمع مکسر ہو، تھوڑی سی تشریح کر دوں گا کہ جمع کا لفظ واو نون سے ہو تو وہ عقل والوں کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً اردو میں بھی ہم کہتے ہیں کمرہ سے کمروں، جماعت سے جماعتوں، واو نون ہی آخر میں بڑھایا ہے۔ لیکن عربی میں اس طرح نہیں کہتے۔ عربی میں واو نون سے صرف وہ جمع ہوتی ہے جو عقل والوں کیلئے استعمال ہوتی ہے جنوں، انسانوں، فرشتوں کے لیے اور باقیوں کیلئے یہ لفظ ٹوٹ جاتا ہے۔ اب عالم کی جمع عالمون ہے۔ فاضل کی جمع فاضلون ہے اسی طرح معلمۃ کی جمع سالم معلمات ہے۔ الف تا سے یعنی مذکر کے لئے واو نون اور مونث کیلئے الف تا۔ اگر یہ واحد کی شکل ٹوٹ جائے تو اسے جمع مکسر کہتے ہیں۔ ناصر کی جمع انصار کہتے ہیں۔ کتاب کی جمع کتب کہتے ہیں۔ تو واحد کی ترتیب ٹوٹ گئی۔ تو جب بھی غیر عاقل کی جمع ہو تو وہ واو نون سے نہیں ہوتی۔ وہ الفاظ کی ترتیب توڑ کر بنتی ہے۔ اور عالم کی جمع عربی گرائمر میں عوالم موجود ہے۔ پھر سوال یہ ہے **"العلمین"** ایک تو آپ نے اسے جمع کرتے ہوئے استعمال فرمایا اور پھر اسے جمع مکسر کیوں استعمال نہیں فرمایا ہے۔ جمع سالم عالمون کیوں استعمال فرمایا ہے۔ جمع مکسر کیوں استعمال نہیں فرمایا۔ عوالم کو کیوں چھوڑا۔ اس نکتے کو حل کرنے کیلئے پہلی بات یہ عرض کرنی ہے کہ یہاں بہت بڑا نکتہ قرآن نے حل کر دیا ہے۔ کہ جہاں سائنس آج تک دوڑ دوڑ کر مبادی تک پہنچی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ واو نون سے جمع کیا ہے۔ یہ عقل والوں کیلئے ہوتی ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ہر دنیا

Marfat.com

میں کوئی نسل ایسی موجود ہے جو بات سمجھتی اور سمجھاتی ہے۔ وہ انسانوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔ جن بھی ہو سکتے ہیں، فرشتے بھی ہو سکتے ہیں، موکل بھی ہو سکتے ہیں، لیکن مولانا کچھ اور بھی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ قرآن نے اسے واونون سے جمع کر دیا ہے۔ اس کو اقبالؒ نے ایک اور انداز سے بیان کیا ہے۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

وہ جو سینکڑوں کارواں ہیں، وہ کس میٹریل سے بنے ہیں؟ یہاں پتہ یہ چلا کہ ہمارے سامنے جہاں تک ہمارا ذہن پہنچا ہے، کچھ چیزیں میٹریل سے بنی ہیں اور کچھ چیزوں میں میٹریل کی وحدت آ گئی ہے۔ یعنی ایک ہی جزو ہے مثلاً فرشتے، وہ صرف نور سے بنے ہیں۔ جن ہیں تو صرف آگ سے بنے ہیں۔ لیکن ایسے حقائق بھی ہیں۔ جو اس Material کے محتاج نہیں ہیں اور بذات خود ذات محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مادہ Material کی محتاج نہیں ہے۔ ان ذاتوں کو کہاں تک آپ پھیلاتے چلے جائیں گے۔ سرکارؐ کی ایک حدیث کو آپ وضاحت سے سن لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس کائنات کی وسعتوں میں اور کون سی مخلوق موجود ہے اور ہماری نظروں میں نہیں ہے۔ سرکارؐ نے فرمایا رب کی وسیع کائنات میں کوئی نہ کوئی سرسجدہ میں پڑا ہوا ہے۔ کسی کو تو ہم دیکھ سکتے ہیں اور کسی کو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ کسی کو سن سکتے ہیں اور کسی کو سن بھی نہیں سکتے۔

سرکارؐ کے اس نظریے نے مخلوق کی وسعتوں کا بھی ذکر کر دیا۔ اب جدید سائنس ہمارے سامنے کہتی ہے کہ کوئی چیز اڑ رہی تھی۔ لیکن اڑانے والا کون تھا؟ اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جدھر سرکارؐ نے اور قرآن نے اشارہ فرمایا ہے ابھی تک انسانی علوم اس کی ابتداؤں میں پھر رہے ہیں۔ اس کی انتہا کہاں ہوگی؟ میں اس سلسلے میں یہی کہوں گا کہ سائنس کے بالغ ہونے کا انتظار کیجئے۔ جب یہ بالغ ہوگی تو بات بن جائیگی۔

اب واونون سے جمع کر کے ہمیں نکتہ سمجھا دیا۔ یہ ساری کائنات بے جان نہیں ہے۔ یہ جانداروں کی گرفت میں ہے لیکن جانداروں کی قسمیں محدود نہیں ہیں۔ **"ان من شئی الا یسبح بحمدہ و لکنّ لا تفقھون تسبیحھم"O**

قرآن نے اسے ایک اور پیرائے میں بیان کر دیا کہ!

ترجمہ: ''کوئی ایسی کائنات کی جزو نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح نہ کر رہی ہو۔ لیکن تم ابھی اس کی تسبیح سننے کی صلاحیتیں نہیں رکھتے ہو''۔

اس سے پتہ چلا کہ جاندار بھی تسبیح کر رہے ہیں اور بے جان بھی۔ لیکن یہ تو ہماری اصطلاحات تھیں کہ بے جان تسبیح کر رہا ہے۔ کیا یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اس بے جان کی جان، ہماری جان کے انداز کی نہ ہو۔ وہ کسی اور انداز کی جان ہو۔

اب دیکھیں ناں سائنس آگے بڑھی تو اس نے کہا پہلے تو یہ تھا کہ جاندار میں حس ہے۔ لیکن شعور نہیں ہے۔ اب اس نے

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

حامداً ومصلیاً ومسلماً

حرف اول

علوم اسلامیہ پڑھاتے ہوئے ایک طویل عرصہ گزر گیا ہے، درس نظامی پڑھاتے ہوئے جلالین اور بیضاوی بھی زیر تدریس رہیں، کئی دفعہ دل کی گہرائیوں سے یہ آواز بھی آئی کہ خدمت قرآن پاک کی طرف بڑھا جائے، اس سلسلے میں مختلف اوقات میں مختلف عنوانات پر آیات کو ترتیب بھی دی، ایک رمضان میں پوری توجہ سے لاتعداد قرآنی آیات مختلف عنوانات پر جمع بھی کیں، خیال یہ تھا کہ ان کی تفسیر عربی زبان میں لکھی جائے اور علمائے گرامی سے درخواست کی جائے کہ اسے شامل نصاب فرمالیا جائے تاکہ علمی موضوعات پر طلباء کو اچھا مواد مل سکے اور اختلافی مسائل میں علمی اور تحقیقی انداز سے کوئی راہ اعتدال پیدا ہو سکے اور امت مرحومہ اتحاد کی شاہراہ پر چل سکے۔ مگر تا حال وہ کام ادھورا پڑا ہے اللہ کریم اپنی توفیق کو فقیر کا رفیق بنائے تو انشاءاللہ حضور کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے یہ کام ہو جائے گا۔

کچھ احباب کی دیرینہ خواہش تھی کہ اسلام آباد کے کسی موزوں مقام پر پندرہ روزہ درس قرآن کا اہتمام کیا جائے مختلف احباب نے وہاں درس قرآن شروع کیا مگر چند تقاریر سے آگے نہ بڑھ سکا۔

اللہ کریم نے اس مبارک کام کیلئے اپنے ایک بندے عالی جناب ڈاکٹر کفیل احمد صاحب قریشی اور ان کی بیگم سلمٰی کفیل قریشی صاحبہ کو توفیق ارزائی فرمائی۔ انہوں نے خدمت قرآن کیلئے کمر باندھی اور شاندار انداز سے 14 جولائی 1994ء بروز جمعرات درس قرآن کا آغاز ہوا، ان کی کوٹھی کا ہال اسکے لیے وقف ہو گیا۔

طے پایا کہ پندرہویں دن یہ درس نماز عصر کے بعد ایک گھنٹہ جاری رہے گا۔ وہ اب تک باقاعدگی سے بڑی خوش اسلوبی اور نفاست سے درس کے بعد پر تکلف چائے کا خواتین و حضرات کیلئے اہتمام کرتے ہیں۔ بعد میں بجائے جمعرات کے درس ہفتے کو ہونے لگا، کیونکہ ملازمین کو ہفتے کے دن اسلام آباد میں چھٹی ہوتی ہے۔

مجھے یہ خیال تھا کہ قرآن فہمی کیلئے کچھ ابتدائی لیکچر ہو جانے چاہیں تاکہ مطالب قرآن آسانی سے سمجھ آسکیں۔ اس طرح سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے پہلے پندرہ لیکچر ہو گئے۔ ڈاکٹر سلمٰی کفیل صاحبہ نے مستقلاً حافظ عرفان علی قریشی، ایم اے (اسلامیات) کو جامعۃ الزہراء کے کمپیوٹر سیکشن میں رکھا تاکہ جلد از جلد جمال الایمان فی تفسیر القرآن کی تفسیر کو کمپوز کر کے چھپوایا جا سکے۔

Marfat.com

کہا درخت میں بھی حس ہے یہاں تک تو سائنس آ گئی۔اب ہمیں انتظار کرنا ہوگا شاید پچاس سال کے بعد پتھر میں بھی جان اور حس نکل آئے۔اس بات کا انتظار کرنا ہوگا تا کہ حقائق ہمارے سامنے کھلے انداز سے آسکیں۔

اب قرآن نے جب لفظ واونون کے ساتھ جمع کیا تو اس کے سامنے حقائق کا ایک اور سمندر آ گیا۔جس کی طرف اس نے صرف اشارہ فرما دیا۔کہ کوئی بھی شے ایسی نہیں ہے جو تسبیح ربانی سے خالی ہو۔لیکن ان میں انسان مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ شعور کے ہوتے ہوئے، عقل کے ہوتے ہوئے، یہ دوامی تسبیح سے خالی رہتا ہے۔یہ دوامی تسبیح کب ملتی ہے؟ جب دریائے رحمت ربانی نبوت کے ذریعے سے انسان کو سیراب کرتا ہے، تو دوامی تسبیح مل جاتی ہے۔اب اصحاب عالی مقام دائم الذکر تھے۔وہ کوئی بھی کام کر رہے ہوتے ان کے اعضاء ذکر کر رہے ہوتے تھے، دل ذکر کر رہا ہوتا تھا۔ہم فلسفیانہ انداز سے یہاں تک تو بات سمجھا دیتے ہیں کہ ہاتھ وضو کیلئے اٹھ رہا ہے۔تو یہ ہاتھ کا ذکر ہے۔آپ مسجد کی طرف چل رہے ہیں تو یہ پاؤں کا ذکر ہے۔لیکن یہ ذکر کب تک قائم رہتا ہے؟ آپ تھوڑی دیر کیلئے مسجد کی طرف چلتے ہیں، وضو تھوڑی دیر کے لیے کرتے ہیں۔آپ قرآن سمجھاتے ہوئے اشارہ کر رہے ہیں۔تو یہ ہاتھ کا ذکر ہے، آپ کی زبان کا ذکر، لیکن یہ ذکر کتنی دیر قائم رہتا ہے؟ اس میں ہمیشہ کے لیے دوام تو نہیں ہوتا، یہ جاری تو نہیں رہتا۔

اب سرکارؐ کی محفل میں صحابہ بیٹھتے تھے۔کہ دل ہمیشہ ذکر کرنے لگ جاتا تھا۔وہ سو بھی رہے ہیں تو تب بھی اللہ اللہ کہہ رہے ہیں۔سانس اندر جا رہی ہے۔تو ''اللہ'' کہہ رہی ہے باہر نکل رہی ہے تو ''ہو'' کہہ رہی ہے۔لیکن یہ کب ہوتا ہے جب تربیت کیلئے نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ وسلم یا پھر تربیت کیلئے کوئی ایسا آدمی مل جاتا ہے جو نگاہ مصطفیٰؐ سے روشن ہو چکا ہوتا ہے۔منور ہو چکا ہوتا ہے۔تو اس کی محفل میں دل دائمی ذاکر بن جاتا ہے اب دائمی ذاکر نہ بنے تو میں بسا اوقات تنہائی میں سوچتا ہوں تو میں دنگ رہ جاتا ہوں۔میرا نام بھی ذاکر ہے میں کیسا ذاکر ہوں کہ میں تو غفلت میں ڈوبا ہوا ہوں اور جو کوئی پتھر میرے پاس پڑا ہوا ہے تو وہ دائمی اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔تو پھر میں اشرف کیسے ٹھہرا؟ اور وہ مجھ سے مرتبے میں نیچے کیسے گر گیا؟ اگر درمیان میں ذکر مصطفیٰؐ نہ ہو تو بتائیں مجھے اشرف ہونے کی دلیل کہاں سے ملے گی۔اللہ کرے اس دلیل کو آپ سمجھنے کے قابل ہو سکیں اور اس دلیل کو سمجھنے کے بعد آگے چلنے کے قابل ہو سکیں۔اب یہاں لفظ آ گیا عالمین عالموں کے واؤ کو کبھی یا سے بدل دیتے ہیں۔زیادہ گرائمر کی طرف نہیں جاتا کہ کہیں آپ گرائمر سے گھبرا نہ جائیں تو کبھی 'و' آتی ہے اور کبھی 'ی' آتی ہے۔یہاں 'ی' آ گئی وہ عالمین کا پروردگار ہے یہ دنیائیں کتنی ہیں؟ اس پر قدیم فلسفہ بھی غور کرتا رہا۔قدیم منطق نے بھی غور کیا۔جدید سائنس نے بھی بڑی کوشش کی۔عام مذہبی سادہ انسان، جس کا ذہن بالکل سادہ تھا، اسے یہ سمجھایا گیا کہ بھئی دو جہان ہیں۔ایک یہ جہان ہے، جہاں آپ رہ رہے ہیں۔ایک وہ جہان ہے، جہاں عاقبت میں جا کے آپ نے رہنا ہے۔وہ کہتا تھا دو دنیائیں ہیں۔جب آگے بات چلی تو

علمائے اسلام نے کہا دیکھیں بھائیو! اس سلسلے میں ہم محدثین اور مفسرین پر تابڑ توڑ اعتراض نہیں کر سکتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں ہمارے مذہبی رسالوں میں سائنسی اور علمی رسالوں میں اعتراضات ہوتے ہیں ایک بندہ سمجھتا ہے کہ پہلی صدی کا جو قرآن کا مفسر ہے وہ اس بات کو نہیں بیان کر رہا ہے۔ جو آج چل رہی ہے آپ یقین مانیں، آج سے پانچ صدیاں بعد جو انسان آرہا ہوگا۔ وہ آپ کے متعلق یہی بات کہے گا جو آپ پہلی صدی والے کے بارے میں کہہ رہے ہیں بھئی وہ تو اپنے آپ کو تہذیب کے حصہ کی مخلوق کہتے تھے۔ تو انہوں نے یہ باتیں کیوں نہیں کیں؟ اس لیے نہیں کی ہیں کہ ابھی ہمارے ذہنی Approch سے وہ پردے کے پیچھے ہیں جب ذہنی Approch وہاں تک ہوگی۔ پہلی صدی کا انسان جہاں تک فکری دنیا میں چل سکتا تھا۔ اس نے کمی نہیں چھوڑی۔ چوتھی صدی کے انسان نے کمی نہیں چھوڑی دسویں صدی کے انسان نے کمی نہیں چھوڑی۔ بلکہ جب میں موازنہ کرتا ہوں تو اپنے دور میں کمی پاتا ہوں۔ اس لیے کمی پاتا ہوں میں تھوڑا تجزیہ کرتا چلوں کہ پچھلے تین سو سالوں سے اسلام مسجدوں میں بند ہو کے رہ گیا ہے۔ وہاں سائنس کی تعلیم نہیں ہوتی۔ اور سائنسدان کالج اور یونیورسٹی میں بند ہو کے رہ گیا ہے۔ اس کے پاس اسلامی علوم کی تعلیم نہیں ہے۔ اس Gap کو ختم کرنے کیلئے میں نے بار بار گداگری کیلئے دامن پھیلایا ہے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے بھی اور قدیم کے ساتھ بھی۔ اور نہ جدید والا اپنے خول سے باہر نکلتا ہے۔ اور نہ قدیم والا اپنے خول سے باہر نکلتا ہے اب میری صف میں دونوں حضرات جدید اور قدیم کے نمائندے بیٹھے ہیں ان دونوں سے معذرت کے ساتھ کہ نہ قدیم والا اپنے خول سے باہر نکلتا ہے اور نہ جدید والا اپنے خول سے باہر نکلتا ہے اور جو عامی ہے وہ بے چارا چکی کے دو پڑوں کے درمیان پس رہا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ان قدیم اور جدید کو قریب لایا جائے لیکن ابھی مجھے اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ آپ سے دعا کی توقع ہے تاکہ کامیابی حاصل ہو سکے۔

پہلے دور کے محقق علماء نے کائنات پر نگاہ ڈالی۔ قرآن نے کائنات پر نگاہ ڈالنے کا بار بار درس دیا ہے۔ یہ بات تورات میں نہیں ہے۔ یہ انجیل میں نہیں ہے، یہ زبور میں نہیں ہے، یہ ویدوں میں نہیں ہے، یہ ایران کی قدیم کتابوں میں بالکل نہیں ہے۔ لہذا سب سے زیادہ زور قرآن نے دیا کہ عقل سے کام لو، تدبر سے کام لو، تفکر سے کام لو، آیات ربانی پر غور کرو، ان مناظر پر غور کرو جو آپ کے سامنے بکھرے پڑے ہیں تاکہ تم ان کے ذریعے اس تک پہنچ سکو، جو جسم نہیں رکھتا، اس تک پہنچ سکو جو اس کائنات کی اصل قوت ہے، اس تک پہنچ سکو جو تمہارا خالق ہے۔ اب ہم نے جب انہیں پڑھا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دور تک اٹھارہ ہزار دنیائیں دریافت ہو چکی ہیں۔ قدیم ساری تفسیریں اٹھا کے دیکھ لیں انہوں نے اٹھارہ ہزار دنیاؤں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے وہاں علمی اعتراضات ہیں۔ لیکن وہ آپ کی محفل کیلئے نہیں ہیں۔ آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ وہ اٹھارہ ہزار دنیائیں دریافت کر چکے تھے۔ لیکن اس دور میں ایک صاحب دل انسان تھا، یہ چھٹی صدی ہجری کی بات ہے اور چھٹی صدی کا بالکل اختتام تھا۔

Marfat.com

ساتوں صدی کا آغاز تھا۔ان کا نام حضرت احمد رفاعی ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اٹھارہ ہزار دنیائیں ہیں۔ میں نے تو اپنی نگاہوں سے 84 ہزار دنیائیں دیکھی ہیں۔اب اٹھارہ اور 84 میں تو بہت فرق تھا لیکن یہ تو پتہ چل گیا کہ دنیاؤں کی بے حد وسعتیں ہیں اب جو ہمارے سامنے اس وقت جدید سائنس آئی ہے ان کے پاس ذرائع زیادہ ہیں۔انہوں نے اپنے ذرائع سے جن دنیاؤں کی نشاندہی ہمارے سامنے کی ہے وہ چار لاکھ دنیاؤں سے آگے نکل گئیں ہیں

اب پلٹیں قرآن کے چھوٹے سے لفظ کی طرف جو دو لفظوں پر مشتمل ہے یعنی رب اور عالمین ،رب العالمین۔اور رب کو بھی بحث سے ایک طرف نکال دیں اس نے العلمین کا لفظ استعمال کیا ہے۔جدید سائنس چار لاکھ دنیاؤں سے آگے نکل گئی ہے۔ اس نے جو لفظ استعمال کیا وہ جمع کا تھا۔اور جمع کا بھی وہ جو عقل والوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اس پر الف لام استغراق کا لگا دیا ہے۔آپ میرے ساتھ تھوڑا سا چلنے کی کوشش فرمائیں کہ ال استغراق کا لگا کے تعداد معین نہیں فرمائی کہ وہ دنیائیں چار لاکھ ہیں، آٹھ لاکھ ہیں، اٹھارہ لاکھ ہیں۔ایک کروڑ ہیں۔اس نے کہہ دیا کہ ساری کی ساری دنیائیں جو آج دریافت ہیں جو آج دریافت نہیں ہیں۔یہاں تو عجیب بات ہے کہ قرآن اشارہ کر دیتا ہے اور فطرت انسانی کیونکہ تجسس کا شاہکار ہے۔میں کیا فقرہ کہہ رہا ہوں فطرت انسانی تجسس کا شاہکار ہے پھر وہ اس کے حوالے کر دیتا ہے۔کہ میری اس وسیع دنیا میں تیرا ذہن کہاں تک پہنچ سکتا ہے تو کہاں تک پہنچ سکتا ہے جہاں پہنچ گیا ہے اس کا اعلان کر دے۔اور جہاں نہیں پہنچا ہے آنے والے انسان کے حوالے کر دے۔جہاں تک تو ترقی کر چکا ہے۔وہ وہاں تک آسانی سے تیرے نقوش پا پر آ جائے گا۔اور جہاں تیرے نقوش پا نہیں ملیں گے۔وہ اس عظیم پیغمبر کا امتی ہے۔جو حیات کی راہوں میں سے گزرے ہیں تو کسی کے نقوش پا پر نہیں چلے۔ڈاکٹر صاحب! فقرے پر غور فرمائیں جو زندگی کی راہوں پر سے گزرتے ہوئے کسی کے نقوش پا پہ نہیں چلے اسی لیے قرآن نے انہیں اُمّی کہا ہے۔جو کسی سے نہ پڑھا ہو۔اس کائنات میں اخلاقی دنیا میں، تہذیبی دنیا میں، سیاسی دنیا میں، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے پیچھے نہیں چلے۔میں یہ محبت کی بنیاد پر بات نہیں کہہ رہا ہوں میں یہ تحقیق کی بنیاد پر بات کہہ رہا ہوں یہ سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے مطالعے کا نچوڑ ہے۔کہ وہ کسی کے پیچھے نہیں چلے۔اپنی چھوٹی سی دلیل پیش کروں گا۔وہ دلیل یہ ہے۔کہ نبی اگر غیر نبی کے پیچھے چلے تو غیر نبی، نبی سے افضل ہو جاتا ہے۔لہذا نبی، غیر نبی کے پیچھے کبھی نہیں چلتا۔اور جو سب اماموں کا امام ہو، جو سب نبیوں کا قائد ہو، جو سب کائنات کیلئے رحمت ہو، وہ کسی اور کے پیچھے، کسی اور کے نقوش پا پر چلے تو یہ اس کی عظمت رسالت اور ختم نبوت کے خلاف ہے۔لہذا وہ کسی کے پیچھے نہیں چلے۔اس دنیا میں Unseen راستوں پر جاتے ہیں۔ان راستوں پہ جاتے ہیں جہاں کسی کا نقش پا نہیں ہوتا لیکن یہ دنیا تو ایک جسم رکھتی ہے۔یہاں نقوش پا تو لگ سکتے ہیں وہ ان راستوں سے گزرتے ہیں۔جہاں نقوش پا بھی نہیں لگا کرتے اور جب ساری کائنات کو عبور کر کے لامکاں میں چلے جاتے ہیں تو وہاں نقوش

Marfat.com

پا لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔لیکن ہم ساری زندگی ان کے نقوش پا تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا کمال کیا ہے؟ کہ ان کے نقوش پا تلاش کرتے رہیں۔

اب سائنس نے کہہ دیا کہ ہم چار لاکھ دنیاؤں سے آگے نکل گئے ہیں۔قرآن نے کہہ دیا کہ تم چار کروڑ دنیاؤں سے آگے نکل جاؤ۔ ہم وہ لفظ استعمال کر دیں گے کہ دنیائیں چار کروڑ ثابت ہو جائیں تو وہ ساری کی ساری ایسی ہیں، جن کی تربیت رب کریم فرماتے ہیں۔اب آپ بتائیں کہ صرف تربیت اللہ کی کہاں تک پھیلی ہوئی ہے؟ انشاءاللہ! جب آپ سوچنے بیٹھیں گے تو دنیائیں چار لاکھ سے آگے نکل گئیں ہیں اور وہ بھی ہم مبادی میں جا رہے ہیں۔ سائنس ابتدائی مراحل میں ہے۔خدا جانے سائنس کے بالغ ہونے تک ان کی تعداد کتنی زیادہ ہو جائے گی اور سائنس کے بوڑھے ہونے تک اس کی تعداد کہاں تک جا پہنچے گی؟ صرف درخواست یہ ہوگی کہ جتنا بھی انسانی ذہن آگے بڑھتا جائے ان علوم کو مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ انہیں پتہ چلے جہاں سائنس آج کوششوں کے بعد پہنچی ہے۔قرآن وہاں صدیوں پہلے پہنچ گیا تھا۔لیکن یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم ان دنیاؤں کو تلاش کرتے۔ تلاش سب ہی نے کی ہے، تلاش کیمونسٹوں نے کی ہے۔اس میں ہمارے کمال کی شرکت نہیں ہے۔ یہ موضوع ہمارا تھا۔غیروں نے حل کیا۔اب آگے بڑھ کے ان سے ہمیں لے کر اسے اتنا آگے بڑھانا ہے تاکہ قرآنی حقائق ہماری زبان سے حل ہوں۔قرآن نے یہ بات کہہ دی تھی کہ فرعون مر گیا سمندر میں ڈوب گیا لیکن ہم اس کے جسم کو باقی رکھیں گے۔تاکہ آنے والوں کیلئے یادگار رہ جائے۔کیا فرعون کے جسم کو ہم نے تلاش کیا؟ جی نہیں ہم مشاہدہ کی دنیا سے کٹ گئے اور جب مغربی دنیا کے لوگ مصر کے کھنڈرات کو اکھاڑ رہے تھے۔تو اللہ کریم نے ان کے ہاتھ سے فرعون کی لاش نکلوا دی۔

قرآن کی گواہی کی تصدیق غیروں کے راستے سے ہم تک پہنچی۔اب دنیائیں ساری کی ساری آئیں گی۔لیکن صرف دنیا دریافت نہیں کرنی ہے۔ ہم نے اس مخلوق کو بھی دریافت کرنا ہے جس کیلئے قرآن نے عوالم کا لفظ چھوڑ کے عالمین کا لفظ استعمال کیا ہے وہ مخلوق کس کس انداز میں ہے۔اس کی آواز کو بھی ہم نے Catch کرنا ہے۔اس کے وجود اور حسیات کو بھی ہم نے معلوم کرنا ہے۔

مغربی سائنسدان ایک نکتے پر آج غور کر رہے ہیں وہ نکتہ یہ ہے کہ ماضی کی آواز Catch کرلیں۔اسے کیچ کرنے کی حد تک تو پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً ماضی کی آپ آج سے چودہ سو سال پہلے کی صدی کو لے لیتے ہیں اس صدی میں بے شمار آوازیں شروع ہو جاتی ہیں۔کائنات انسانوں سے بھری پڑی تھی۔کیا ان آوازوں کو الگ الگ پہچانا بھی جاسکتا ہے؟ مثلاً یہ حضرت موسیٰ کی آواز ہے، یہ سیدنا عیسیٰ کی آواز ہے۔میں سمجھتا ہوں اگر اس سلسلے میں سائنسدان کامیاب ہوتے ہیں۔اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ بات ممکنات کی زد میں آگئی ہے۔اور یہاں جو ممکنات کی زد میں آجاتی ہے علم کی وسعتیں اسے اپنے اندر سمیٹ لیا کرتی ہیں۔یہ بات ہوگی اور ایک طرف حضرت عیسیٰ ہمیں بولتے نظر آئیں۔دوسری طرف جناب موسیٰ بولتے نظر آئیں۔گوتم بدھ بولتے نظر

Marfat.com

آئیں، رام چندر بولتے نظر آئیں اور درمیان میں ایک وہ آواز گونجے جو آمنہ کے لال کی آواز ہے، تو آپ کا کیا خیال ہے کہ یہ آواز ساری آوازوں پر چھا جائیگی کہ نہیں؟ عالم مغرب بنائے گا اور کام آپ کے آئے گا۔ لیکن آپ کو ان سے پیچھے نہیں رہنا ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آپ اس فیلڈ میں ان سے آگے نکل جائیں۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن جب انسانی کوششیں کسی کام کے پیچھے پڑ جاتی ہیں تو وہ مشکل مشکل نہیں رہتی اور تحقیق کی دنیا میں تو وہ سائنسدان خواہ غیر مسلم تھے۔ جب ایک ذوق پیدا ہوا تو انہوں نے بیدار ہو کے راتیں گزرادیں تاکہ کسی نتیجے پہ پہنچا جائے۔ لیکن اقبالؒ تو کہتا تھا کہ نمی تو اس مٹی میں زیادہ ہے جو "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھتی ہے۔ اس نمی کے راستے کو روکنے کیلئے مغرب نے بے حد بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آگے چل کر کسی لیکچر میں یہ بات ہوگی کہ مغرب جب گھٹاٹوپ اندھیرے میں گھرا ہوا تھا تو آپ کے اسلامی دنیا کے مغربی حصے، جنہیں آپ اندلس کے نام سے جانتے تھے۔ مراکش کے نام سے آج بھی پہچانتے ہیں، الجزائر کے نام سے جانتے ہیں، مصر کے نام سے جانتے ہیں۔ ان حصوں سے دو باتیں مغرب میں پہنچی تھیں۔ ایک اس دور کی سائنس اور ایک اس دور کی ڈاکٹری۔ جدید یورپ کا علم طب (میڈیکل سائنسز) جو ہے ان سب کا مدار قانون شیخ پر ہے میں اسے آپ کے سامنے دلائل سے ثابت کروں گا۔ قانون شیخ بوعلی سینا۔ یہ سینا لفظ نہیں اردو دانوں کی غلطی ہے قرآن نے سینا استعمال کیا ہے۔ بوعلی سینا اس کا مصنف ہے جو اپنے دور کا وزیراعظم تھا۔ لیکن ہمارے وزراءاعظم کیطرح وہ صرف کبڈی نہیں کھیل رہے تھے۔ سیاست کے میدان میں وہ علمی کام کر رہے تھے۔ اور آج بھی یورپ کہتا ہے کہ بوعلی سینا جیسا وزیراعظم دنیائے انسانیت کو آج تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ ایک تو وزارت عظمیٰ چلا رہا ہے۔ دوسرے قانون شیخ جیسی کتاب لکھ رہا ہے۔ شرح اشارات جیسی فلسفہ کی مایہ ناز کتاب لکھ رہا ہے۔ اس کی کئی کتابیں ہیں۔ جو میرے مطالعہ سے گزری ہیں لیکن یہ دو کتابیں ہیں۔ جدید فلسفے کی بنیاد شرح اشارات ہے۔ جو بوعلی سینا نے لکھی ہے۔ تبھی تو اقبالؒ کو جب یہاں یہ کتابیں نہ ملیں اور یورپ میں ملیں تو انہوں نے کہا کہ

؎ مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا

یورپ مسلمان مفکروں کے سہارے ہی جدید یورپ اٹھا ہے۔ لیکن جب اٹھ ہی گیا بقول اکبر آلہ آبادیؒ

؎ ہمی نے فرق بتلایا تھا تمہیں گندم و جو میں

آج تم نخرے کرتے ہو، لیکن گندم اور جو کا فرق بتانے والے تو ہم لوگ تھے۔ ہم نے علم کو لٹایا اور جب اسی علم پر مغربی تہذیب کھڑی ہوگئی تو انہوں نے ہمیں غلام بنالیا۔ اقتصادیات کا غلام، سیاسیات کا غلام، تعلیم کا غلام، فوجی انداز کا غلام، وہ بنیادی چیزیں جو کسی قوم کو قوم بناتی ہیں مغرب نے مل کر خواہ وہ انگریز کی شکل میں تھے۔ خواہ جرمنی کی شکل میں تھے یا بعد میں ان کا تاج

Marfat.com

امریکہ کے سر پر، روس کے سر پر آ گیا۔ انہوں نے علم میں بھی بخل کیا اور اس بخل کی بدترین مثال یہ ہے کہ آج عالم اسلام کو ایٹمی قوت وہ نہیں بننے دیتے۔ کیا یہ علم نہیں ہے؟ کیا یہ سائنس نہیں ہے؟ اسے روکنے کے بعد یہ کہنا کہ ہم علم کے میدان میں ساری دنیا کے فاتح ہیں، یہ غلط بات ہوگی۔ ہمارے اسلاف نے تو غیر مسلموں کو عقیدہ توحید کی وسعتیں سکھائیں۔ سرکارؐ کی طرف انہیں منہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ یہاں سے اسلام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن توحید میں تو ہم شریک ہیں۔ معاشیات میں تو شریک ہیں، اقتصادیات میں تو شریک ہیں۔

"تعالوا الیٰ کلمة سواء بینا و بینکم ان لا نعبد الّا اللّٰہ"٥

ترجمہ: ''آؤ اس کلمے کی طرف اے اہل کتاب! جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے''۔

اس مشترک حد پر تو آؤ اور اس مشترک حد کے علوم کو ابن رشد نے کس طریقے سے عام کیا؟ ہمارے باقی فلاسفر نے عام کیا انہی کے نظریات یورپ نے لیے مگر جوابی طور پر ہمیں ہر میدان میں غلام بنائے بیٹھا ہے۔ اب اس غلامی کی لعنت کو کب تک ہم نے قبول کرنا ہے؟ آپ قرآن پاک کو **"الحمد"** سے لیکر **"الناس"** تک پڑھ جائیں آپ کو سب کچھ ملے گا، کہیں یہ نہیں ملے گا کہ مسلمان بھی کبھی غلام ہو جاتا ہے۔ نہیں ملے گا۔ جب قرآن ایک بھی بات مسلمان کو غلام ہونے کی نہیں بتاتا تو غلامی کا جواز یہاں کہاں سے پیدا ہوگا۔

میرے بھائیو اور میری بہنو! کیونکہ آپ اصحاب علم وفکر بیٹھے ہیں۔ میں شمع سے شمع جلانا چاہتا ہوں۔ ان باتوں کو جب آپ لے کر سوچیں گے تو مجھے یقین ہے کہ آپ نئی نئی باتیں پیدا کریں گے۔ اور انشاء اللہ قرآن کی عظمتوں کو پھیلانے میں میرے بہترین مددگار ثابت ہوں گے۔ اللہ کریم ہمیں خدمت قرآن کی وسعتوں میں سما جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس لیے کہ ابھی بے شمار دنیائیں ہیں، جو قرآن کے اندر چھپی پڑی ہیں۔ اور عالمین کے آج کے اس لفظ کی تحقیق کے بعد آپ یقینی طور پر محسوس کرتے ہوں گے۔ کہ ابھی ہم نے بے شمار دنیاؤں کو دریافت کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بات کی توفیق دے۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

عقیدہ توحید

عقیدہ توحید (نمبر 3)

﴿یا ایھا النّاس اعبدوا ربّکم﴾

خواتین وحضرات۔گذشتہ تقریب میں عقیدہ توحید کے متعلق میں وضاحت کرر ہا تھا۔اگر چہ یہ موضوع بے حد طویل ہے اوراس پر بیسیوں تقریریں کی جاسکتی ہیں۔لیکن آج میری خواہش یہ ہے کہ امت نے توحید کے عقیدے کو کن کن مدارج میں قبول کیا ہے۔اس موضوع پر بات کر کے توحید کے عقیدہ پر گفتگو کو ختم کیا جائے۔توحید کو امت کے قبول کرنے کے انداز کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔پہلی بات یہ ہے کہ توحید فی العبادت ہو۔اس کا لفظی معنیٰ ہے کہ عبادت کے اندر اللہ کو واحد لا شریک ماننا۔تو امت کا نظریہ یہ ہوا کہ جب تک عبادت کے اندر اللہ کو ایک نہ مانا جائے تو دوسری دنیا میں انسان جنت کی طرف نہیں جاسکتا۔لہذا توحید فی العبادت، مدار نجات ہے، یہی معنیٰ ہے جو انہوں نے لا الہ الا اللہ کا کیا ہے۔کہ کوئی معبود نہیں اللہ کریم کی ذات اقدس کے بغیر۔کیا توحید فی العبادت کے لئے قرآن میں آیات ہیں؟ ایک نہیں بلکہ بیسیوں آیات ہیں میں صرف مثال کے لیے ایک دو آیتیں پیش کروں گا۔ایک تو یہ ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔

"یا ایھا النّاس اعبدو ا ربکم"o

یہاں صرف مسلمان نہیں کہا، ملت اسلامیہ بھی نہیں کہا بلکہ الناس کا لفظ استعمال کیا ہے۔الف لام یہاں بھی استغراقی ہے اس کا مطلب یہ ہے ۔اے سارے لوگو جس بھی نسل سے متعلق ہو، جس بھی دور سے متعلق ہو، جس بھی قوم سے متعلق ہو، جس بھی وطن سے متعلق ہو۔

"اعبدو اربکم"o

تم سارے کے سارے اپنے پروردگار کی عبادت کرو۔یہ آیت بتاتی ہے کہ توحید فی العبادت ہونی چاہیے۔اس کے ساتھ ایک دوسری آیت کا جملہ لے لیں۔

"خالق کل شیئی فاعبدوہ"o

ترجمہ: ''وہی ہے جو ہر شے کا خالق ہے لہذا تم نے اسی کی عبادت کرنی ہے''۔

پہلا درجہ ضروری اور لازم ہے جس کے بغیر ہم احاطہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتے ،وہ توحید فی العبادت ہے یعنی عبادت کی دنیا میں اللہ کو واحد لاشریک ماننا۔ہم جب تاریخ اسلام پر نگاہ ڈالتے ہیں تو عجیب کیفیت نظر آتی ہے۔کہ صحابہ عالی مقام رات کو باہر ہیں، چوکیداری پر متعین ہیں،تو ساری رات بجائے اس کے کہ وہ ویسے ہی کھڑے ہوتے ،عبادت کے لیے ساری رات کھڑے رہتے تھے۔سرکارؐ اس کیفیت کو خود واضح فرما چکے تھے۔فرمایا بہترین انسان وہ ہے جو کسی کام کے لیے جاگ رہا ہے تو اس کی زبان ذاکر رہے اور اعضاء (جوارح) عبادت میں معروف رہیں۔تو صحابہ عالی مقام اس بات کو اپنا کے اسی انداز سے چلا کرتے تھے۔

اب توحید فی العبادت کی تکمیل دور حاضر میں ہمارے لیے مشکل بنتی جارہی ہے۔نمازیں قضاء ہو جاتی ہیں۔روزے رہ جاتے ہیں،اڑوس پڑوس کے حقوق سلب ہو جاتے ہیں۔یہ وہ باتیں ہیں جو ساری کی ساری توحید فی العبادت کا لازمہ ہیں اور معاشرتی جتنی بھی اصلاحات ہیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرنے کے بعد جب درستی کے ضمن میں آتی ہیں تو توحید فی العبادت کے ذیل میں چلی جاتی ہیں۔

اب اس کے بعد وہ لوگ ہیں،جو تقدس کی دنیا کو آباد کرنا چاہتے ہیں۔تو دوسرے درجے پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے۔توحید کا ایک مقام اوپر ہو جاتا ہے۔اسے توحید فی المحبت کہتے ہیں۔کہ محبت کی دنیا میں اللہ کو واحد لاشریک ماننا۔کیا اس کے لیے قرآن پاک نے کہیں وضاحت کی ہے۔یا اشاروں سے بات کی ہے؟ تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ قرآن نے بڑی وضاحت سے توحید فی المحبت کا ذکر کیا ہے وہاں ارشاد ہے۔

"والذین امنوا اشد حباً اللہ"o

وہ لوگ جو صاحب ایمان ہیں،ان لوگوں کی نسبت جو کافر ہیں اور ان کے اپنے معبودان باطلہ ہیں،جن کے ساتھ انہیں محبت ہے۔تو جو اہل اللہ ہیں ان کی محبت ذات ربانی کے ساتھ بہت ہی سخت ہے۔اس نکتے کو واضح کرتے ہوئے سرکارؐ نے بڑی نفیس بات ارشاد فرمائی! اصل بات یہ ہے کہ قرآن اپنی تشریح خود بھی کرتا ہے۔سرکارؐ کا ارشاد ہے۔

"القرآن یفسر بعضہ بعضاً"o

قرآن اپنے مختلف حصوں کی خود شرح کر دیتا ہے۔اور بے شمار مقامات ایسے ہیں۔کہ قرآن نے ایک جگہ ایک بات کو اختصار سے بیان کیا تو وہ سمجھ سے بالا تھی۔دوسرے مقام پر بڑی وضاحت کے ساتھ کھول کر بیان کر دیا ہے۔قرآن کی بے شمار آیات ہیں،جن کی تشریح سرکارؐ نے خود فرمائی ہے۔ایک مفسر جنہیں خازن کہتے ہیں۔انہوں نے قرآن کی تفسیر چار جلدوں میں لکھی ہے۔اور انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہر آیت کی تشریح حدیث سے کی جائے۔سب سے پہلے وہ حدیث کو نقل

Marfat.com

کرتے ہیں۔علامہ ابن کثیر بھی اس راستے پر چلے ہیں لیکن خازن بہت آگے ہیں۔سرکارؐ نے ارشادفرمایا کہ اس فقرے کی شرح ہوگی۔کہ ایمان والے اللہ سے محبت کرنے میں بہت آگے ہیں بہت سخت ہیں بہت قوی ہیں۔سرکارؐ نے فرمایا ایمان کی حلاوت ہوتی ہے۔جو سینے میں آجاتی ہے۔اور جب یہ مٹھاس دل میں اتر جاتی ہے تو پھر کسی سختی سے دل کے اندر سے اس مٹھاس کو نکالا نہیں جاسکتا۔اوراس کے لیے پھر آپ نے ارشادفرمایا۔کہ اس بندے کو جلا دو تو تب بھی وہ اس مقدس نظریے کو نہیں چھوڑے گا۔ اس بندے کو پانی میں ڈبو دو تو تب بھی وہ اس مقدس نظریے کو نہیں چھوڑے گا، یہ سرکارؐ کی زبان سے نکلی تھی۔ہم نے پھر عملاً دیکھا کہ صحابہؓ عالی مقام نے محبتِ خداوندی کا یہ جو معیار تھا۔اس کو صرف ایک تصور نہیں رہنے دیا اسے صرف ایک نظریہ نہیں رہنے دیا بلکہ مختلف مراحل پر عملاً ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دنیا کی بڑی سے بڑی جابر طاقتیں انہیں اس بات سے روک نہیں سکی ہیں۔میں صرف دوسفیروں کی بات آپکو بتاتا ہوں۔مصر میں سرکارؐ نے حضرت موسیٰ اشعریؓ کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ جب یہ وہاں بادشاہ کے سامنے پیش ہوئے، جسے فرعون مصر کہا جاتا تھا۔تو ان کا طرز کلام یوں تھا۔جو بخاری میں آج بھی موجود ہے۔کہ تاریخ اپنے آپ کو دھرا رہی ہے۔جہاں آپ بیٹھے ہیں یہاں کبھی فرعون بیٹھا تھا۔جہاں میں کھڑا ہوں وہاں موسیٰؑ کھڑے تھے۔تو میرا خیال ہے جو فرعون کا انجام ہوا تھا۔تم سے مخفی نہیں ہوگا۔لہذا یہ ضروری ہے کہ ذرا سنبھل کے بات کرنا کہیں وہی انجام نہ کروا بیٹھو۔جو اس کا انجام تھا۔یہ جملہ تھا جو اس کے دل میں اتر گیا تو اس نے سرکارؐ کے لیے ہدایا بھیجے،کوئی مخالفت والی بات نہیں تھی۔ایران کے حاکم کے سامنے حضرت دحیہ کلبیؓ تشریف لے گئے تو اس نے کہا جب تو میرے سامنے پیش ہوا تو جھک کے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ آپ کا جوابی ارشاد یہ تھا۔کہ ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اس کے مطابق ہم اللہ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں بندوں کو سجدہ کرنا ہم نے چھوڑ دیا ہے۔یہ ایک سجدہ بڑا گراں تو ہوتا ہے لیکن ہزار ہا سجدوں سے یہ نجات دے دیتا ہے۔ہم تو ایک خدا کو سجدہ کرتے ہیں کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے۔اس نے کہا کہ یہ بڑا منہ پھٹ ہے۔یہ فرفر باتیں کرتا ہے میرے سامنے مٹی اٹھا کر اس کے سر پر ڈال دو۔انہوں نے مٹی اٹھائی اور ان کے سر میں ڈال دی۔جب مٹی سر پر آئی ادھر ادھر سے بہہ پڑی۔تو آپ ہنسنے لگے۔بھائی ہمارا مقصد پورا ہوگیا۔ایران مٹی کا نام ہے، ملک مٹی کا بنا ہوا ہے۔تو آپ لوگوں نے اپنے ہاتھ سے یہ مٹی ہمیں دے دی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں آپ بیٹھے ہیں یہاں چند دنوں بعد غلامان مصطفیٰ ہونگے۔آپ ہمارا راستہ کسی صورت نہیں روک سکتے۔عرض یہ کر رہا تھا محبت ربانی آجاتی ہے اور توحید فی الحب ہو جاتی ہے۔تو پھر ساری محبتوں پر بھی غالب آجاتی ہے۔اور سارے خوفوں پر بھی غالب آجاتی ہے۔قرآن نے تو یہ کہا کہ اللہ والوں کو نہ خوف ہے نہ غم۔اقبالؒ نے بڑا نفیس ترجمہ اس کا کیا ہے۔

از بلاترسی حدیث مصطفیؐ است — مرد را روز بلا روز صفا است

آپ مصیبت سے ڈر رہے ہیں۔ سرکارؐ کا ارشاد ہے کہ اگر حق آگاہ ہے تو مصیبت کا دن اس کیلئے طہارت اور پاکیزگی کا دن ہوتا ہے۔ یہ تو صفائی کا دن ہے۔ قرآن پاک نے یہ بات کہی کہ توحید فی المحبت والے لوگ، محبت خداوندی میں اس حد تک آگے نکل جاتے ہیں کہ ہر محبت اس محبت کے مقابلے میں مغلوب ہو جاتی ہے۔ عملی شاہکار ہم نے سرکار صلی اللہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ کو دیکھا۔ کہ انہیں گھر چھوڑنا پڑا تو ایک لمحے کیلئے بھی نہیں سوچا پھر ایک عجیب انداز ملاحظہ فرمائیں گے۔ کہ جب وہ مکے کے فاتح ہو کے آئے اب اصولاً بات یہ چاہیے تھی۔ کہ وہ اس زمین کو واپس اپنے قبضے میں لے لیتے جوان کی زمین تھی، جوان کے مکانات تھے لیکن انہوں نے کہا کہ جس جس کے پاس جو ہے اسے اسی کے حوالے کیا جائے۔ ہم انہیں واپس لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اب ظاہری طور پر انہیں خسارہ تھا۔ لیکن اس ایثار کا نتیجہ یہ نکلا کہ شام سے پہلے مکہ مکرمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز سے گونجنے لگا، صحابہؓ کے اس عمل سے دلوں کی دنیا تبدیل ہوگئی۔ تو یہ ساری بات توحید فی العبادت کے بعد توحید فی المحبت سے پیدا ہوتی ہے۔

پہلی قسم توحید فی العبادت تھی۔ یہ دوسری قسم توحید فی المحبت ہے، تیسری قسم وہ ہے جسے ہم توحید فی الوجود کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں اسے انتہائی سہل الفاظ میں آپ کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے پیچھے بے حد علمی اصطلاحات ہیں۔ توحید فی الوجود یہ ہے کہ حقیقت میں صرف اللہ کی ذات موجود ہے اسے اولیاء امت نے وحدت الوجود کہا ہے۔ انہوں نے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں کی طرف بھی میں نہیں جاؤں گا۔ اس لیے کہ وہ بھی بڑی ادبی قسم کی ہیں۔ اولیاء نے ایک سادہ سی مثال پیش کی۔ وہ گوش گزار کر دیتا ہوں وہ کہتے ہیں کہ سمندر یا دریا میں پانی ہے اسکا اپنا ایک تشخص ہے، وجود ہے، وہ اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ لیکن جب ہوا اٹھتی ہے تو لہریں پانی کی اٹھنے لگ جاتی ہیں۔ کیا لہروں کا وجود پانی سے الگ ہے؟ اس کا جواب تو نفی میں ہے۔ کہ لہریں وہی پانی ہیں پانی وہی لہریں ہے۔ الگ نہیں ہے۔ تو انہوں نے کہا اسی طرح ذات ربانی کا وجود ہے۔ صرف مظاہر ہیں جو ہمارے سامنے آتے ہیں ان کی اصل حقیقت کوئی نہیں ہوتی ہے۔ یہاں ظاہر بین نگاہیں بھی بے حد الجھی ہیں اور علماء تصوف پر بے حد اور وحدت الوجود کے ماننے والوں پر بے حد سوال کیے گئے ہیں۔ لیکن ہم راستہ آسان کر دیں گے۔ آسان کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو یہاں بیٹھے ہیں ہم میں سے کوئی فرد بھی آج سے 80 سال پہلے موجود نہیں تھا۔ اور ہم میں سے کوئی بھی فرد آج سے 80 سال بعد سے موجود نہیں ہوگا۔ تو پھر ہمارا وجود حقیقت کہاں رکھتا ہے۔ یہ تو ایک واہمہ ہے۔ جس نے ایک روپ دھار لیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس واہمے کو حقیقت نہیں کہا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا وجود، ہماری اصلیت، ہماری پرسنالٹی، ہماری شخصیت سب کی سب ایک بنانے والے خالق پر موقوف ہے۔ ہم اس خالق کا مظہر تو نہیں ہیں لیکن حقیقی وجود رکھنے والے نہیں ہیں۔ کیا یہ وحدت وجود کہیں قرآن میں بھی ہے؟ یہ بھی بے حد بڑا اعتراض ہے

Marfat.com

بولنا اور اسے کیسٹ میں بھر لینا تو آسان بات تھی مگر کمپوزنگ بڑی مشکل تھی۔ اس مشکل کا بھی انہوں نے حل نکال لیا، اب چند ابتدائی لیکچر قارئین کے سامنے ہیں۔

یقیناً آپ ان میں کئی خامیاں پائیں گے، کیونکہ قلم اپنے ہاتھ میں ہو اور آپ تفسیر لکھنے بیٹھیں تو آپ جو انداز چاہیں اپنا سکتے ہیں اور تفسیر کا اصل انداز بھی یہی ہے، آپ اسے ادب کی چاشنی دے سکتے ہیں، علم کی لطافتیں دے سکتے ہیں، طرز استدلال کی عظمتیں دے سکتے ہیں، حسیں علمی باغ کھلا سکتے ہیں، مگر جب آپ بطور خطیب تفسیر بیان کر رہے ہوں اور پھر وہ کیسٹ کمپوز ہو رہی ہو تو اوپر والی باتیں نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے وہاں حاضرین کے ذہنوں کو متوجہ کرنا ہے، خطابت کا انداز اور ہے اور اسی انداز کو آپ نے اپنانا ہے۔ جتنی مشکلات سے اسے کمپوز کرتے ہوئے متعلقہ صاحب نے گزرنا ہے اسے وہی جانتے ہیں لہذا کئی مقامات پر عبارات میں کمی بیشی ہوگئی ہے، کئی مقامات ان کی گرفت میں نہیں آسکے، ان سب کوششوں کے بعد جس انداز سے یہ لیکچرز آپ کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں، غنیمت ہیں، فقیر نے کوشش کی ہے کہ قدیم و جدید علوم سے استفادہ کیا جائے۔

اللہ کریم کے کرم سے جب تفسیر سامنے آئے گی تو انشاء اللہ بہت سارے علمی حقائق قارئین کے سامنے آجائیں گے دعا یہ ہے کہ اللہ کریم فقیر کی کوشش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب اور عزیزہ ڈاکٹر صاحبہ کے خلوص کو مقبولیت کے شرف سے نوازیں اور ہمارے سارے سامعین کو ہمت عطا فرمائیں کہ وہ جس ذوق وشوق سے گزشتہ دو سال سے ہر لیکچر بڑی توجہ سے سن رہے ہیں، سنتے رہیں، آج تک جو جوش فراواں دن بدن بڑھ رہا ہے یہ عشق قرآن میں ڈھل جائے اور یہ سب حضرات قرآن کا جھنڈا لے کر میدان میں نکل آئیں۔

اس وقت احباب کے بیحد اصرار پر ہر ہفتہ وبعد نماز عصر لیکچر جاری ہیں، قریباً پہلے دو پارے ہو چکے ہیں، اور دو سال بیتنے والے ہیں، اہم موضوعات پر تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے، توقع ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں اللہ کریم کی توفیق سے تفسیر مکمل ہو جائے گی۔

صرف رمضانی تفسیر تو چند عقائد کیلئے مختلف جگہوں پر ہوتی ہے جس میں صرف اپنے اپنے مسلک کو سامنے رکھ کر تفسیر کی جاتی ہے۔ فقیر کی کوشش یہ ہے کہ جدید ذہن کیلئے قرآنی حقائق کو عام کیا جائے اور قرآن بطور **"آداب زندگی"** ہماری زندگیوں پر چھا جائے۔

جو عام طور پر کیا گیا۔ تو وحدت وجود کے دور حاضر میں، ماضی قریب میں، سب سے بڑے ماہر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی تھے۔ انہوں نے اس سلسلے میں بہت سارا کام کیا ہے۔ انہوں نے قرآن پاک کی ایک آیت اس سلسلے میں حوالے کے طور پر پیش کی وہ میں آپ کے سامنے حوالے کے طور پر پیش کر کے ایک اور آیت پیش کروں گا۔ جس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس آیت سے دوسری آیت زیادہ واضح ہے۔ حضرت سید صاحب کا ارشاد یہ ہے قرآن میں آتا ہے۔

"کل شئی ھالک الا وجھہ" O (ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے ذات ربانی کے)

اس کو استدلال کے طور پر پیش کرنے کے لیے انہوں نے ایک نکتہ پیدا کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہالک ایک مصدر ہلاک سے بننے والا لفظ ہے لہذا یہ حادث ہے۔ یہاں ایک اصطلاح فلسفے کی سمجھ لیں تو باقی بات سمجھ آجائے گی۔ قدیم وہ ہے جس کی ابتداء نہ ہو۔ حادث وہ ہے جس کی ابتداء ہو۔ تو جس کی ابتداء ہوتی ہے اس کی انتہا بھی ہو جاتی ہے۔ جو قدیم ہے اس کی ابتدا نہیں۔ لہذا اس کی انتہا بھی نہیں۔ میرے طرز کلام میں یہ الفاظ بار بار آئیں گے۔ لہذا ان کو ذہن میں بٹھا لیا جائے۔ قدیم جس کی ابتداء بھی نہ ہو انتہا بھی نہ ہو۔ اللہ کی ذات اور اس کی صفات پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ حادث ہر وہ چیز جو بنی ہے تو ہالک حادث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وجود کے ساتھ اس کی ہلاکت لگی ہوئی ہے۔ گویا وجود ہوتے ہوئے بھی وہ معدوم ہے جب یہ بات ہے تو پھر کسی کا وجود حقیقت نہیں رہے گا۔ یہ پیر صاحب کا استدلال ہے۔ اور اکثر مفسرین نے بھی اس آیت سے یہی مفہوم لیا ہے۔ میں ایک اور آیت آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس سے آپ انشاء اللہ زیادہ وضاحت سے سمجھ سکیں گے۔ اس آیت مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں کہ تمہاری زندگی تمہاری موت اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔

"الا کنفس واحدۃ" O (گویا ایک جان ہے جسے زندہ کرنا ہے، یا ایک جان ہے جسے مارنا ہے)

انسانیت کا آغاز کب سے ہوا ہے؟ اور یہ انسانیت کب تک رہے گی؟ اس ساری انسانیت کو اللہ نفس واحدہ کہتا ہے۔ زندگی کے حساب سے بھی اور موت کے حساب سے بھی میں نے ایک بات کہی تھی، آپ حضرات کے سامنے دہراتا ہوں کہ انسان کے لیے اسلام تین وحدتیں متعین کرتا ہے۔

۱۔ اللہ کریم کی ذات کی وحدت

۲۔ بنی نوع انسان کی وحدت

۳۔ واحد کتاب یعنی قرآن حکیم کی وحدت

ان تین وحدتوں کو لے کر کائنات میں آگے بڑھنا ہو گا۔ وحدت خداوندی، وحدت ملت انسانیہ جس کی قیادت سرکارؐ کے ہاتھ میں ہو گی۔ چونکہ سرکارؐ نے ہی ملت انسانیہ کو واحد قرار دیا ہے۔ کسی اور نے واحد قرار نہیں دیا۔ اور ہماری ذمہ داری یہ قرار دی

Marfat.com

ہے۔کہ تم میں ایک ایسی جماعت قائم رہنی چاہیے جو امت وسط ہو۔اور سینٹر میں کھڑا ہو کے افراط اور تفریط، زیادتی اور کمی سے بچ سکے۔انسانیت کو صراط مستقیم پر لے کر چلے۔یہ میدان صدیوں سے خالی پڑا ہے۔اس تصور والی انسانیت کی وحدت کو قائم رکھنا ہے۔اور ساری ملت انسانیہ کو لے کر آگے بڑھنا ہے۔یہ ملت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے،اس کے فرائض میں شامل ہے اب وہ ملت جو ساری انسانیت کو لے کر چلنے والی تھی۔خود گروہوں میں بٹ گئی ہے۔لہذا یہ میدان خالی ہو گیا اور اسے سنبھالنے والے لوگ نہیں رہے ہیں۔تو آپ ارشاد فرمایئے کہ اگر ساری جانیں ایک جان ہیں زندگی میں بھی موت میں بھی،تو یہ وحدت ہے ایک اکائی ہے۔اور اس اکائی کا تعلق ذات ربانی ہے۔اگر ادھر سے پھونک ملے تو زندہ ہیں اور اگر ادھر سے پھونک نہ ملے تو یہ مردہ ہیں۔تو پھر یہ کیفیت ہے تو ان کا حقیقی وجود کوئی نہیں رہ جائیگا۔اسی مقام پر پہنچ کے اسلام کی جن کے پاس روشنی نہیں تھی۔وہ فلسفی بہک گئے۔ان بہکنے والوں میں افلاطون سب سے آگے ہے۔اس نے کہا کہ مجھے پتہ ہی نہیں کہ انسانیت کی حقیقت کیا ہے۔اللہ کی حقیقت کیا ہے۔کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ میں اس بات کو نہیں مانتا اسی لیے اقبال نے ان پر بڑی شدت سے طنز کیا ہے؟

تو پوچھتا ہے افلاطون کون ہے

تو آ میں بتاتا ہوں کہ وہ کیا ہے۔

گوسفند از گوسفندان قدیم

پرانی بھیڑوں میں سے ایک بھیڑ کا نام افلاطون ہے۔ان کا مطلب یہ ہے کہ جو انسانیت کی گتھی کو سلجھا نہیں سکا،جو اس کی وحدت کو قائم نہیں رکھ سکا،جو اسے ایک پلیٹ فارم پر لا نہیں سکا،جو اس کے لیے راہ ہدایت متعین نہیں کر سکا تو پھر وہ ایک بھیڑ ہے جو انسانیت کا ہادی نہیں بن سکتا۔ہادی وہی ہے جو رب کی توحید کے ساتھ مل کے ملت کو بھی واحد بنادے۔اور ایک کتاب پر ان سب کو مجتمع کرے۔جب تک یہ بات نہیں ہوگی۔بات نہیں بنے گی۔لہذا ہمارے سامنے ملت اسلامیہ کی تین سٹیجز آ گئیں۔

۱۔ پہلی سٹیج پر انہوں نے عبادت کے اندر توحید پیدا کرنی ہے۔

۲۔ دوسری سٹیج پر انہیں محبت کے اندر توحید پیدا کرنی ہے۔

۳۔ تیسری سٹیج پر انہیں اس مقام پر پہنچنا ہے کہ انہیں خدا کے بغیر کائنات میں اور کچھ بھی نظر نہ آئے۔

اقبالؒ پہلی دونوں Stages کو خودی کہتا ہے۔اور تیسری Stage کو بے خودی کہتا ہے۔اس بات کو جو اقبال کا مطالعہ کرنے والے لوگ ہیں وہ سمجھ گئے ہونگے۔کہ پہلی دونوں Stages پر خودی ہے۔اور تیسری Stage پر بے خودی ہے۔بے خودی جب آتی ہے تو بندہ فنا فی الذات ہو جاتا ہے۔یہاں سوال یہ ہے کہ اس توحید کو ماننے کے لیے تصدیق کی نوعیت کیا ہو؟ اپنی بہنوں،بچیوں،بھائیوں اور عزیزوں سے یہ درخواست ہے کہ میں تھوڑا سا آسان ہو جاؤں گا۔کیونکہ ابھی توحید کا مسئلہ

Marfat.com

چل رہا ہے۔ اور اس توحید کے مسئلے میں ظاہر بینوں نے امت کو مشرک کہنے کے لیے خدا جانے کتنی بدعات پیدا کیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ اس مسئلے کا پوری تفصیل سے تجزیہ کر دیا جائے۔ توحید فی العبادت میں امت نے کتنے کامل لوگ پیدا کیے؟ توحید فی المحبت میں کتنے کامل لوگ پیدا کیے؟ اور یہ انتہا نہیں ہے کہ اور کچھ نظر ہی نہ آئے سوائے واحد وجود کے۔ اور باقی سارے وجودوں کا سرے سے انکار کر دیا جائے۔ یہ وہ رفیع مقام ہے جو بڑے کم لوگوں کے حصے میں آتا ہے۔ لیکن امت محمد یہ بڑی ہی وسیع ظرف امت ہے۔ جس نے ہزار ہا ایسے لوگ پیدا کیے جو توحید فی الوجود کے معیار کو صرف سمجھتے نہیں تھے۔ بلکہ بذات خود عامل تھے۔ مثلاً ہمیں اپنے پڑوس میں دیکھ لیں قدیم اولیاء کی مثال کو چھوڑ دیں۔ بابو جی پیر صاحب گولڑہ شریف کے پاس جاتے ہیں، وہ ان کے اپنے بیٹے ہیں، جا کے کہتے ہیں ابا جی میں آیا ہوں! تو آپ نے جواباً فرمایا کون سا ابا جی؟'' جی آپ جواب تھا'' کون سا آپ؟''۔ حضرت غلام محی الدین'' کون سا غلام محی الدین''؟ میں نہ آپ کو جانتا ہوں نہ تم کو جانتا ہوں اور نہ غلام محی الدین کو جانتا ہوں، میں صرف ھو کو جانتا ہوں! میں اس کے علاوہ کسی سے متعارف نہیں ہوں۔ تو یہ وہ عظیم مقام ہوتا ہے جہاں پہنچ کے وہ لوگ فنا فی الوجود ہو جاتے ہیں اور یہ توحید وجودی ہوتی ہے۔

اب جو بات میں عرض کرنے والا ہوں، اول تو توحید کی اقسام بھی شاید آپ نے نہ سنی ہوں لیکن آگے جو بات عرض کرنے والا ہوں وہ یقیناً آپ کے مطالعہ سے بھی نہیں گزری ہوگی اور اشارے کنائے بھی نہیں ہوں گے آپ ایک بات کا تصور کرتے ہیں اور اس کے تانے بانے نہیں ملتے اسے فلسفہ اور منطق کی زبان میں تصور کہا جاتا ہے اور جب دو چار خیالات مل جاتے ہیں اور آپ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں تو اسے تصدیق کہا جاتا ہے۔ اس تصدیق کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ جس کا تعلق ذات ربانی سے ہو، عقیدہ توحید پر یہ آخری بات پیش کرنی ہے پھر ہم نے ذات رسالت کی خدمت میں حاضری دینی ہے لیکن اس حاضری سے پہلے ایک یا دو لیکچر اس بات پر ہوں گے کہ شرک کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تا کہ ہم اس سے بچ جائیں، اس کے قریب نہ پھٹکیں۔

تصدیق کی چھ قسمیں ہیں اور سارے مفسرین اس بات پر متفق ہیں، لیکن عام تفسیروں میں بات نہیں ہوگی، اردو کی کسی تفسیر میں یہ بات نہیں ہے، تازہ ترین تفسیر ضیاء القرآن سمیت کسی تفسیر میں یہ بات آپ کو نہیں ملے گی لہٰذا اس بات پر غور کر کے دل کی گہرائیوں میں اسے اتار لیا جائے۔ اللہ کو مانتے ہوئے جب آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں تو شریعت میں کون سی تصدیق معتبر ہے۔ ان چھ قسموں میں سے پہلی بات جو ہے وہ تصدیق بذاتہ ہے۔ اللہ کو بحیثیت ذات مان لینا۔ یہاں آپ ایک بات دیکھتے ہیں اس کے لیے آپ کہتے ہیں کہ نہ مجھے دلیل کی ضرورت ہے نہ کسی صفت کی ضرورت ہے۔ وہ ذات ہے میں اس ذات کو مانتا ہوں پہلی بات تصدیق کی یہ ہے۔

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی ذات کی کوئی صفت ہے، اس صفت کو آپ نے دیکھا تو آپ نے کہا اس صفت کے موصوف کو میں مانتا ہوں مثلاً قرآن پاک میں آتا ہے۔

"ولئن سئلتهم من خلق السّمٰوٰت والارض ليقولن اللّٰه" ۝

اگر ان کافروں سے آپ پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا فرمایا ہے تو یہ جواباً کہیں گے کہ یارسول اللہ انہیں اللہ نے بنایا ہے، اب یہاں وہ اللہ کو مان رہے ہیں، تخلیقی صفت کی وجہ سے، یعنی پیدا کرنے کی صفت کی وجہ سے ذات ربانی کو انہوں نے مانا ہے تو یہ ماننا ایک صفت کی وجہ سے ہوگا۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس کو عربی میں کہتے ہیں۔

"التّصديق بنعت ربّه" ۝

یہاں ایک لفظ بڑھ گیا **التّصديق بنعت ربّه** ہے۔

اب تیسری بات جو تصدیق بحالہ آپ پر ایک حال طاری ہو گیا ہے اس حال کی بنیاد پر آپ نے رب کو مان لیا ہے۔ مثلاً آپ کسی نیک بندے کے پاس گئے۔ اس سے کہا کہ میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کوئی ایسی بات بتائیں کہ اللہ مجھے اس مصیبت سے نکال دے۔ مثلاً اس نے کہا یا اللہ یا رحمان یا رحیم پڑھا کریں۔ اب اللہ کے لفظ کے ساتھ اس نے رحمان اور رحیم کے الفاظ کہہ دیے۔ یہ اللہ کے رحم کی صفت ہے۔ آپ کے وجود پر یہ صفت طاری ہوگئی۔ اور نتیجۃً وہ مشکل جو آپ کے سامنے تھی وہ حل ہوگئی جب وہ حل ہوگئی تو آپ نے اس صفت کو بے حد اہمیت دی۔ اس اپنے حال کی وجہ سے جو آپ پر طاری ہو گیا تھا۔ اس لیے یہ ہے تصدیق بحالہ۔

چوتھی تصدیق ہے **"التّصديق بربّه"** اللہ کریم نے تربیت کی۔ اور اس تربیت کو آپ نے عام انداز سے دیکھا۔ کہ رب میری بھی تربیت کر رہا ہے۔ خالد کی بھی کر رہا ہے۔ حمید اور مجید کی بھی کر رہا ہے۔ انسانوں کے ساتھ جانوروں کی بھی کر رہا ہے۔ اس صفت ربوبیت پر جب نگاہ ڈالی تو آپ نے رب ہونے کے حساب سے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کر دی۔ یہ وہ ہے جسے کہا جاتا ہے کہ **"تصديق بربّه"**۔

پانچویں ہے۔ تصدیق **بنعت ربّه** اور آپ نے کسی اور کو نہیں دیکھا اللہ کریم نے آپ کو کسی چیز سے بے حد عطا فرما دیا، علم عطا فرما دیا، نیک اولاد عطا فرما دی، اچھے مکان عطا فرما دیئے، وہ آپ پر ذاتی انعام تھا۔ اس ذاتی انعام کی وجہ سے آپ نے اللہ کی تصدیق کر دی۔ یہ پانچویں تصدیق تھی۔

چھٹی تصدیق ہے **"تصديق بامر ربّه"** میں بھی اس لیے اللہ کی تصدیق کرتا ہوں کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ لہذا میں اسے مانتا ہوں۔ شریعت مطہرہ میں یہ چھٹی قسم کی تصدیق معتبر ہے۔ اوپر والی پانچوں تعریفیں ایمان کے انداز سے معتبر نہیں ہیں۔ اس کی

Marfat.com

وجہ کیا ہے؟ آپ جب ان پر غور کریں گے۔ تو آپ کو پتہ چلے گا۔ کہ آپ اپنے اختیار سے نہیں مان رہے ہیں۔ بلکہ مجبور ہو کے مان رہے ہیں۔ کس طرح مجبوری ہے۔ کہ اس کی صفت ربوبیت دیکھی ہے تو راستہ کوئی نہیں اس کے انکار کا۔ آپ مان گئے۔ آپ پر ایک خاص قسم کی عطا تھی۔ اسے دیکھا ہے تو آپ مجبور ہو گئے اور مجبور ہو کر مانا۔ ایمان وہ مقبول نہیں جو جبر کے ساتھ ہو۔ ایمان وہ مقبول ہے جو آپ کے اختیار کے ساتھ ہو اور آپ کو اختیار کب آئے گا جب اللہ کریم حکم دے اور آپ کہیں میں تیرا بندہ ہونے کے اختیار سے تیرا حکم مان رہا ہوں۔ لہذا تصدیق جو ذات ربانی کی کرنی ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھ لیں جب بھی آپ کریں گے اوپر والی تصدیقات پر غور فرمائیں۔ ان میں بے شمار غور کا سامان ہے۔ آپ اگر تربیت پر ہی غور کرنے لگیں گے۔ تو زندگی گزر جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ کی تربیت کا انداز ختم نہیں ہوگا۔ لیکن کیا آپ اس تربیت میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ کیا آپ کا کوئی اختیار بھی ہے؟ جی نہیں ہے۔ نہیں ہے تو وہ پھر ایمان جبریہ ہے۔ اور جبری ایمان مقبول نہیں ہے۔ مگر یہ خیال رکھا جائے کہ افراد نے باقی نہیں رہنا ہے یہ سب عدم ہو جائیں گے۔

قائم ملت نے ہی رہنا ہے۔ ایک فرقہ تھا جسے معتزلہ کہتے تھے۔ وہ معتزلہ فرقہ ہمارے علم کلام کی کتابوں میں اب بھی بھرا پڑا ہے۔ علماء اب بھی ان کی جان نہیں چھوڑتے۔ جدید جتنا بھی فلسفہ ہے اس کے انداز کو سامنے نہیں رکھتے۔ تو معتزلہ یہ بات کہتے تھے۔ کہ انسان مختار مطلق ہے ایک اور فرقہ تھا۔ انہیں جبریہ کہتے تھے۔ کہ انسان بالکل مجبور ہے اور اسے ذرا بھی اختیار نہیں۔ کیا وسعت علم ہے سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی؟ کہ اس دور میں نہ جبری تھے، نہ قدری فلسفہ میں ان اختیار والوں کو قدری کہا جاتا ہے۔ فلسفہ میں جبری قدری موجود نہیں تھے۔ تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ایک قاعدہ بتایا تھا۔ کہ ایمان جبر اور قدر کے درمیان ہے۔ نہ تم بالکل مجبور ہو اور نہ بالکل ہی مختار۔ ایک صاحب کمال بیٹھے تھے۔ ایک بندہ گیا اس نے بار بار کہا کہ میں تو مختار مطلق ہوں۔ آپ نے فرمایا بیٹا ذرا مجھے کھڑے ہو کے دکھائیں۔ وہ کھڑا ہو گیا فرمایا ایک پاؤں اٹھالو۔ پاؤں اٹھالیا۔ فرمایا دوسرا پاؤں بھی اٹھالو کہنے لگا جی میں دوسرا پاؤں تو نہیں اٹھا سکتا۔ فرمایا وہ تیرا اختیار کدھر گیا ہے؟ اب پتا چلا کہ تو ایک حد تک تو مختار تھا۔ لیکن جب اس حد سے آگے نکلے گا تو مختار نہیں ہوگا۔ تو ایک نکتے کی بات عرض کر رہا ہوں۔ عقیدہ یہی ہے کہ ایمان جبر اور اختیار کے درمیان ہے۔ میر تقی کے سامنے جب یہ بات آئی تو اس نے ایک اور انداز سے بات کو سوچا، وہ کہتا ہے۔ کہ جو اختیار مجھے ملا ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ بھی تو دینے والا خدا ہے۔ لہذا پھر درمیان میں ایک اور جبر پیدا ہو جائیگا۔ اور اس کا انجام جبر ہوگا۔ ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے۔ مختار کی۔ لیکن یہ بات نہیں ہے۔ ہم میر تقی کو نہیں مانیں گے۔ مانیں گے وہی جو شریعت اسلامیہ کہے گی۔ وہ کہتے ہیں۔ جہاں تک آپ کا اختیار ہے۔ وہاں تک آپ اسے استعمال کریں۔ اس کی مثال سرکارؐ نے ایک اور انداز سے فرمائی۔ باہر سے ایک صحابی آیا۔ آپ نے پوچھا تو کس شے پر سوار ہو کے آیا تھا۔ عرض کیا حضورؐ میں

Marfat.com

اونٹ پر سوار ہو کر آیا ہوں۔ اونٹ کو کدھر چھوڑا ہے؟ اللہ کے بھروسے پر مسجد کے سامنے والی گلی میں چھوڑ دیا ہے۔ آپ نے فرمایا پہلے اس کا گھٹنا باندھ اس کے بعد اللہ پر توکل کر۔ یعنی جو تیرے بس میں ہے۔ اسے تو کر پھر نتائج اللہ کے حوالے کر دے۔ اسے رومی نے ترجمہ کر کے کہہ دیا۔

بر توکل زانوئے شتر ببند

توکل یہ ہے کہ پہلے اسکا گھٹنا باندھ دے اس کے بعد توکل کی بات کر۔ توکل خدا پر ہے۔ لیکن جدوجہد اس کے راستے کا ایک حصہ ہے۔ جو اختیار کے ساتھ آتی ہے۔ اور اس جدوجہد کو استعمال کرنے کے لیے اسلام نے، قرآن نے، سنتِ رسولؐ نے کس حد تک زور دیا ہے۔ آپ ملاحظہ تو فرمائیں کہ سرکارؐ کی مدنی زندگی پورے 10 سالوں پر بھی مشتمل نہیں ہے۔

آج ان دس سالوں میں Direct or Indirect 88 جنگیں ہیں۔ جن میں سرکارؐ کو شمولیت کرنی پڑی ہے۔ آج اگر ایک جنگ لڑنی پڑے تو اقتصادیات خدا جانے کتنا عرصہ اپنی پٹڑی پر نہیں چڑھتیں۔ یہ سب کچھ ہو گیا ہے۔ یہ کس نبی کی بات ہے جس نے امت کو جدوجہد کا درس دیا ہے۔ لہذا جو اختیارات آپ کو اللہ کریم نے دیئے ہیں۔ ان اختیارات کو بھر پور انداز سے استعمال کیا جائے تاکہ امت وسطیٰ ساری قوموں پر چھا کے وحدت ملت انسانیہ کی بنیاد رکھ سکے۔ جب تک یہ بات نہیں بنتی بات نہیں بنتی۔ تبھی سرکارؐ نے فرمایا کہ اس دور میں آغاز تھا۔ بالکل ہی محدود کیفیت تھی۔ سرکارؐ تشریف لے گئے تو خطہ عرب سے باہر اسلام نہیں نکلا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کوششوں سے عراق اور شام دائرہ اسلام میں آیا۔ فاروق اعظمؓ نے تو دنیا کی بڑی طاقتوں کی گردن توڑ کے رکھ دی اور نتیجہ یہ نکلا کہ جب ۲۳ھ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ تو کم از کم 45-46 لاکھ مربع میل پر اسلام کی حکومت قائم تھی۔ یہ وہ عظمت ہے جو اسلام کو پہلے دور میں ملی۔ سرکارؐ کے سامنے یہ باتیں تھیں۔ ایک صحابی نے سوال کیا حضورؐ امت کا پہلا حصہ افضل ہے یا پچھلا حصہ۔ تو آپ نے بڑی نفیس بات کہی۔ ارشاد یہ ہوا کہ بارش برس رہی ہوتی ہے تو آپ اندازہ لگا نہیں سکتے کہ اس کا پہلا حصہ زیادہ اچھا ہے یا پچھلا حصہ اچھا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ہم وحدت انسانیت کے لیے آئے ہیں پہلے دور میں شاید وحدت انسانیت میسر نہ ہو سکے امت راستے پر چلتی جائے اور آخری دور میں یہ کیفیت ہو کہ امت ملت واحدہ کو قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے اس انداز سے بات کو سوچتا ہوں تو میں عرض کرتا ہوں۔

الہ العالمین ہم اپنے مقصد سے کتنے دور کھڑے ہیں۔ ملت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ یہ دیوبندی ہے، یہ بریلوی ہے، یہ اہل حدیث ہے، یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے۔ میں اگلے دن لاہور ایک جلسے میں کہہ رہا تھا۔ وہاں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اتفاقاً میرے سامنے آ گئے (جو اکثر ٹی۔ وی پر آتے ہیں) میں نے کہا کہ ملک صاحب سامنے بیٹھے ہیں، یہ پہلے دیوبندی ہیں، پھر مسلمان ہیں۔ یہ علامہ تقی صاحب بیٹھے ہیں (جو ساجد نقوی کے بھائی ہیں) میں نے کہا یہ پہلے شیعہ ہیں پھر مسلمان ہیں۔

Marfat.com

جب تک یہ طرز فکر نہیں بدلے گی۔آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔اس طرز فکر کو بدلنا ہوگا۔بعد میں مجھے ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کہنے لگے۔کہ شاہ جی مجھے زندگی میں اتنی شدید چوٹ کسی نے نہیں ماری جو آپ نے پورے جلسے میں مجھ پہ شدید طنز کیے ہیں۔کہ پہلے دیو بندی ہیں بعد میں مسلمان۔میں نے کہا یار گولی کڑوی ہے لیکن اسے نگلو گے۔اور اس کے بعد اس کے نتائج دیکھ کے شاید آپ کو مڑنے کی توفیق مل جائے۔

سارا خلاصہ پھر دہرا دیتا ہوں۔کہ عقیدہ توحید میں ہم نے تین مراحل طے کیے ہیں۔توحید فی العبادت جو مدار نجات ہے۔توحید فی المحبت، جو عظمتوں کی علامت ہے۔توحید فی الوجود، جس سے بڑھ کے آج تک توحید کا تصور کائنات کے کسی فرد نے اسلام کے بغیر پیش نہیں کیا۔پھر میں نے آپ کے سامنے یہ بات رکھی۔کہ جب ہم نے توحید و رسالت اور قرآن کی تصدیق کرنی ہے۔تو وہاں ہمارے سامنے چھ تصدیقیں آتی ہیں۔لیکن ہم نے جو بات کرنی ہے وہ تصدیق بہ امر ربی ہے۔یعنی اللہ کریم کے حکم سے ہم اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں۔جب تک ادھر سے حکم نہ ہو تو ہم اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے۔صحابہ عالی مقام نے اس انداز کو کلی انداز سے اپنایا ہے۔جب بھی ہم نے نمونہ کے لیے کچھ لوگ پیش کرنے ہیں جن کی تربیت براہ راست حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔انہیں قرآن نے دو گروہوں میں بانٹا ہے۔انصار اور مہاجرین۔مہاجر وہ ہیں جو مکہ سے ساتھ گئے۔ہم نے ان مہاجرین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ہم تقسیم کے بہت زیادہ قائل ہیں کہ مہاجرین میں کچھ وہ لوگ ہیں جو رشتہ دار نہیں ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو آپ کے خاندان کے ہیں۔خاندان کو ہم نے اہل بیت کہہ دیا اور باقی کو صحابہ کہہ دیا۔یہ سارا تقسیم در تقسیم کا مسئلہ ہے جو چل رہا ہے۔لیکن جامع ترین الفاظ جو قرآن نے استعمال کیے۔وہ یہ تھے، ایک طرف مہاجرین ہیں اور دوسری طرف انصار ہیں اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو تیار کیا ہے۔اس تیاری کا انداز کیا تھا۔کہ توحید فی العبادت نگاہ مصطفیٰ ﷺ سے ہی پیدا ہو جاتی تھی۔اور جب چند نشستیں ہوتی تھیں تو پھر محبت خداوندی ٹھاٹھیں مارنے لگ جاتی تھی۔صحابہ کہتے تھے یا رسول اللہ کیفیت یہ ہو گئی ہے کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ادھر سے غافل ہو جائیں تو معلوم ہوتا ہے ہم زندہ نہیں مردہ ہیں۔یہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی محفل میں حاضر ہونا ہے، نماز کیلئے آنا ہے تین اوقات نماز کے لیے رہ گئے ہیں صحابی گھر سے نہیں نکلا۔صحابہ گھر چلے جاتے تھے کہ وہ زندہ تو ہے؟ جو محفل نور و سرور میں نہیں آیا وہ کدھر گیا ہے۔کیا وہ زندہ ہے یا مردوں میں شامل ہو گیا ہے؟ یہ محبت کا انداز تھا۔جو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدا کیا۔آخری جو توحید تھی، توحید فی الوجود صحابی سامنے آ کے بیٹھا ہے دل میں ایک خیال آیا یہ خیال کیا تھا؟ وہ ایک تفصیلی واقعہ ہے میں پھر کسی وقت عرض کروں گا۔اسے ادھار رہنے دیا جائے۔اللہ کرے کہ میں ادھار ساتھ ادا بھی کرتا جاؤں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ادھار رہ ہی جائے۔سرکار ﷺ کے سامنے بیٹھے ہوئے ان صحابی کے دل میں ایک خیال آیا۔خیال آتے ہی سرکار ﷺ نے دل پر ہاتھ رکھا ہاتھ رکھنے کی دیر تھی کہ صحابی نے یہ محسوس کیا

Marfat.com

کہ حضورؐ نے مجھے کائنات سے اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے۔ اور میں اس مقام پر جا پہنچا ہوں۔

"کانّی انظر الی اللّٰہ تعالیٰ" ٥

کہ میں اللہ کے سامنے بیٹھا ہوں اور اللہ کریم کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ ہے جو توحید فی الوجود ہے کہ وجود ہی اپنا ختم ہو جائے اور وہ وجود بن جائے کہ جس وجود کو حقیقی وجود کہا جا سکے۔ اس حقیقی وجود کی طرف ساری کائنات کا رجوع ہو۔ اب کائنات پلٹتی ہے، اس طرف کس کس انداز سے پلٹتی ہے۔ کبھی صدیقؓ بن کر پلٹتی ہے۔ کبھی فاروقؓ بن کر پلٹتی ہے۔ کبھی حیاوالا عثمانؓ بن کر پلٹتی ہے۔ کبھی حیدرؓ بن کر پلٹتی ہے۔ کبھی نیزے کے اوپر سر رکھوا کے حسین ابن حیدرؓ بن کے پلٹتی ہے۔ کبھی رات کی تنہائیوں میں تڑپ تڑپ کے غوث اعظمؒ بن کے وہاں پہنچتی ہے۔ کبھی یہ کیفیت ہوتی ہے استغراقی علمی کیفیت یہ ہے ہم آج علمی علوم پڑھتے ہیں ہمارے علوم پڑھنے اور ان کے علوم پڑھنے میں بے حد فرق تھا۔ جو یہ محبت والے لوگ تھے۔ لیکن ہم کیسے پڑھتے ہیں جس دن امتحان ختم ہوا علم بھی ختم ہو گیا۔ کتابیں رکھ دیں، نکلے باہر تو بالکل خالی جو یاد تھا وہ سارے کا سارا بھول گیا۔ کہ اب میں گریجویٹ تو ہو گیا ہوں۔ پوسٹ گریجویٹ ہو گیا ہوں۔ ایم اے کر لیا ہے۔ وہ اس انداز سے نہیں پڑھتے تھے۔ امام محمدؒ جو امام اعظمؒ کے شاگرد تھے۔ ان کا ایک فقرہ ہے امام مسلم نے مسلم شریف میں نقل کیا ہے۔ گھریلو بچیوں کے لیے خاص طور پر یہ بات کہہ رہا ہوں انہوں نے ارشاد فرمایا!

"العلم لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک" ٥

ترجمہ: "علم تجھے اپنا ایک حصہ بھی نہیں دے گا جب تک تو اپنی ساری ذات علم کے حوالے نہیں کر دیتا"۔

اب جنہوں نے اپنی ذات علم کے حوالے کی انہیں محمد کی بات ہے۔ کہ یہ سوئے ہوئے مر گئے۔ انہیں نہلانے کے لیے رکھ دیا گیا۔ کوئی صاحب حال بہن پوچھ رہیں تھیں کیا قبر والوں سے بات ہو سکتی ہے یہ اسلام کا ہی کمال ہے جو قبر والوں سے بات کرا دیتا ہے۔ اس لیے کہ روح فانی نہیں ہے۔ تو جو باقی ہے اس سے بات ہو سکتی ہے۔ صرف وہ ذریعہ اختیار کرنا ہوگا۔ جس ذریعے سے بات ہو سکے۔ مثلاً آپ ٹی وی آن کریں۔ اس اسٹیشن پر اسے نہ لگائیں تو پھر بات بنے گی؟ ریڈیو آن کریں اپنے اسٹیشن پر ہوگا ذرا آگے پیچھے ہو جائے تو بات نہیں بنے گی۔ یہاں بھی اسٹیشن ہیں۔ ان سٹیشنوں کے ذریعے بات بن جاتی ہے۔ عجیب وغریب کیفیت ان لوگوں کی ہے جو اس راستے سے گزرے ہیں۔ اور مرنے والے لوگوں سے انہوں نے بات کی ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے یہ بات ہمیں سکھائی تو امام محمدؒ کی قبر پر ایک ایسا آدمی جا کر بیٹھا۔ اس نے کہا حضرت بات کیا تھی۔ آپ کو کیسے موت آئی؟! ابھی ہمیں آپ کی بے حد ضرورت تھی۔ آپ اس امت کے بڑے فاضل آدمی تھے۔ انہوں نے فرمایا مجھے خود پتا نہیں میں کس وقت مر گیا وہ ہوائی موت نہیں تھی۔ مجھے پتہ نہیں ہے میں کس وقت مر گیا تھا۔ اصل بات یہ کہ شافعی پاس نفل

Marfat.com

پڑھ رہے تھے۔اور میں ایک مسئلہ سوچ رہا تھا۔اس مسئلے کے دوران کہیں ملک الموت آئے۔وہ میری روح کو لے گئے تو وہ روح مسئلہ سوچتی رہی۔مجھے تصور بھی نہ ہوسکا۔کہ میں ملک الموت کی گرفت میں ہوں۔میں چلا گیا مجھے تو اس وقت پتہ لگا

جب وہ رکھ کے مجھے نہلانے لگے تو پھر مجھے یاد آیا شاید میں مرگیا ہوں جو مجھے نہلانے لگے ہیں۔یہ ہے وہ استغراقِ علمی جب طاری ہوتا ہے۔تو انسانی کیفیت مراحل سے گزر جاتی ہے۔اب جدید حالات کے مطابق آپ حضرات مجھے کہتے رہتے ہیں کہ ایک نیا علم کلام آجانا چاہیے۔یہ میں علم کلام کی باتیں کررہا ہوں۔وہ علم کلام جسے ہم نے نئے انداز سے مرتب کرنا ہے۔اللہ کریم کرے ہمارے پڑھے لکھے لوگوں کو یہ توفیق ہو کہ عملی میدان میں فوراً نہ سہی ہم فکری میدان میں ہی اسلام کو باقی سارے افکار پر غالب کردیں۔تو میں سمجھتا ہوں کہ ہماری صدی کا یہ بہت بڑا کام ہوگا۔

(وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین)

Marfat.com

شرک کیا ہے؟

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی ٥

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ٥

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

"انّ اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افتری اثما عظیما" ٥

خواتین وحضرات! اس سے پہلے کہ میں اس آیت مقدسہ پر گفتگو شروع کروں، رابطے کے لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ ابتداء ہم نے اس بات سے کی تھی۔ کہ قرآن خود کیا ہے؟ پھر ہم نے یہ بات کہی کہ قرآن بحیثیت کتاب توحید، پھر ایک لیکچر اسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے رب العالمین کے لفظ پر آیا۔ میں نے گزشتہ لیکچر میں یہ بات عرض کی تھی کہ اب ایک خطاب شرک کے موضوع پر ہوگا۔ کہ شرک کی اصلیت کیا ہے؟

شرک کسے کہتے ہیں؟ شرک کے موضوع کی تکمیل کے بعد مقام محمدیؐ زیر بحث آئیگا۔ اس پر چار چھ خطابات لازماً ہونگے۔ پھر ہم قرآن پاک کے ترجمے کی طرف پلٹیں گے۔ اور وہ لفظی ترجمہ نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز جدید اور قدیم علوم کو قرآنی آیات کے سامنے لائن میں کھڑا کردیا جائیگا۔ قرآن حکیم کس کس اندازؑ میں اپنے موضوعات اپنے مفہومات اور اپنے نظریات کو انسانی ذہنوں میں پہنچانا چاہتا ہے؟ اگر آپ نے اپنے ذہنوں میں ان گزشتہ تقاریر کو جگہ دی ہے، جو قرآن بحیثیت کتاب توحید کے موضوع پر تین تقریریں میں نے کی ہیں۔ تو آپ کے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہوگی کہ اسلام کا مزاج ہی شرک کی ضد ہے۔ اور مسلمان ذہن شرک کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہر بات تو شرک نہیں ہوتی شرک کو قرآن سے سمجھنا ہوگا شرک کیا ہے؟ قرآن کس شے کو شرک کہتا ہے؟

قرآن پاک کے گہرے مطالعے کے بعد اور لغت کی عظیم کتابیں پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن نے لغت سے ہٹ کر شرک کو دو معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لغت میں شرک کا لفظی معنی ہوتا ہے شراکت، شریک ہونا کسی کے ساتھ کسی کام میں ساجھی ہونا کسی انسان سے۔ یہ لغوی معنی ہے شرک کا۔ قرآن کی اصطلاح میں شرک دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا پہلا معنی کفر ہے۔ یہ جو آیت میں نے پڑھی ہے اگر چہ اسے بڑے طمطراق کے ساتھ، شرک کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لیکن یہاں لفظ شرک کے معنی میں استعمال نہیں ہوا بلکہ یہاں کفر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس بات کی دلیل کہ شرک کفر کے معنی

Marfat.com

اس سلسلے میں قدیم و جدید تفاسیر سے بھی رہنمائی حاصل کی گئی ہے اور جدید علوم کو بھی قرآن پاک کے پیچھے چلانے کی کوشش کی گئی ہے اگر یہ جہد مقل ہے اور کوشش ناتمام ہے تو مستقبل کا مفسر اس بنیاد پر شاندار عمارت تعمیر کر دے گا، اور فقیر کی روح پکار رہی ہوگی۔

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئین گلستان میں
ہمیں بھی یاد کرلینا چمن میں جب بہار آئے

اللّٰھمّ تقبّل منّا انّک انت السّمیع العلیم وتب علینا انّک انت التّواب الرّحیم ٥

بوسیلة سیّد الاولین و الآخرین و آله واصحابه اجمعین برحمتک یاارحم الرّحمین ٥

جمعہ 6 محرم 1417ھ

24 مئی 1996ء

فقیر سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی
جامعۃ الزھراء اہل سنت (رجسٹرڈ)
عثمان غنیؓ کالونی مصریال روڈ
صدر راولپنڈی کینٹ

Marfat.com

میں استعمال ہوتا ہے، یہ ہے کہ جہاں قرآن حکیم نے نکاحوں کی حرمت کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کہا ہے کہ ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے۔ وہاں مشرک کا معنی کافر ہے۔ کوئی اور معنی ہو ہی نہیں سکتا۔ اصل میں منطق کی زبان میں نوعیت کچھ اور ہے۔ لیکن میں سادہ لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کہ ہر شرک کفر ہوتا ہے۔ لیکن ہر کفر شرک نہیں ہے۔ شرک تب ہوگا جب شرک کے معنی کا وہاں اطلاق ہوگا جبکہ کفر، تو سرکارؐ کی ذات پاک کا انکار کفر ہے۔ قرآن کا انکار کفر ہے۔ ذات ربانی کا انکار کفر ہے۔ لیکن یہ شرک نہیں ہے۔ ہر شرک تو کفر ہوتا ہے۔ لیکن ہر کفر شرک نہیں ہوتا۔ اس بنیادی بات کو آپ اپنے ذہن میں رکھ لیں۔ منطق کی زبان میں اسے کچھ اور کہا جاتا ہے۔ لیکن جب میں منطق کی اصطلاح استعمال کروں گا۔ تو صرف مولانا کو تو فائدہ ہوگا۔ لیکن آپ کے لیے مجھے لمبی تقریر کرنی پڑے گی۔ لہذا آپ کے لیے بات اتنی ہے کہ ہر شرک کفر ہے۔ اور ہر کفر شرک نہیں ہوتا۔ یہ آپس میں ان کی نسبت ہے اب قرآن پاک سے یہ بات پوچھنی ہے کہ آپ نے کفر اور شرک کو کس کس معنی میں استعمال کیا ہے۔ تاکہ بات کی وضاحت ہو سکے۔ تو پہلا معنی وہی تھا۔ جسے آپ ساجھی یا شریک کار کہتے ہیں اس سلسلے میں قرآن کی اس آیت کو آپ ملاحظہ فرمائیں!

"ام لھم شرک فی السمٰوٰت والارض" O

ترجمہ: ''کیا جنہیں یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں ان کا کوئی سانجھ بنا ہے اللہ کریم کے ساتھ آسمانوں اور زمین میں''۔

یا ان کے اشتراک سے یہ زمین و آسمان بنے ہوں؟ یہ بات نہیں ہے۔ تو اب یہاں شرک کا مطلب کیا ہوا ساجھی، شریک کار۔ تو قرآن نے لغوی معنوں میں یہاں شرک کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اب جو آپ کا ساجھی ہے شریک کار ہے۔ اس میں اور آپ میں مساوات کا ہونا ضروری ہے۔ کاروبار کے حساب سے بھی، باقی معاملات کے حساب سے مساوات نہ ہو، تو شراکت نہیں ہوتی۔ اس نکتے کو ذہن میں رکھیے تاکہ اگلی آیات آسانی سے سمجھ آسکیں۔ سانجھی یا شراکت دار کے ساتھ مساوات ضروری ہے۔ جہاں مساوات ختم ہو جاتی ہے وہاں شرک نہیں ہوتا۔ اس نکتے پر جتنا گہرا غور ہوگا اتنی ہی قرآن کی آیات واضح ہوتی چلی جائیں گی۔ جہاں بھی شراکت اور سانجھی کا کھاتا ہوگا وہ شرک ہے۔ جہاں یہ بات نہیں ہوگی۔ وہاں شرک نہیں ہوگا۔ اس نکتے کو سامنے رکھ کر اب ہم قرآن سے پوچھتے ہیں کہ تو اللہ کی کتاب ہے اس بات کی وضاحت ہونی چاہیے کہ سانجھی یا شریک کار کے معنوں میں تو نے استعمال کیا ہے میں نے قرآن کی آیت آیت، ورق ورق، صفحہ صفحہ، جملہ جملہ، اور لفظ لفظ کر کے پڑھا تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ قرآن نے ہمارے سامنے شرک کی پانچ صورتیں بیان کی ہیں اور ان ہی پانچ صورتوں میں مساوات پیدا ہو سکتی ہے۔ برابری پیدا ہو سکتی ہے۔ جہاں وہ پانچ صورتیں پیدا نہیں ہوتیں وہاں برابری پیدا نہیں ہوتی، لہذا وہاں شرک نہیں ہوگا۔

پہلا معنی جو قرآن نے شرک کیلئے کیا ہے وہ ہے ہم جنس ہونا۔ اس شرک کی قرآن نے جگہ جگہ تردید کی ہے۔ ہم جنس

Marfat.com

ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو باپ مان لیا جائے، اسکی کوئی اولاد ہو جائے، تو جو جنس باپ کی ہے وہی جنس اولاد کی ہوگی۔ قرآن پاک نے ہم جنس ہونے کے نظریے کو سرے سے رد کیا ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ یہ بات کسی صورت میں بھی ممکن نہیں ہے لوگوں نے کیا کہا؟

"وقالوا اتخذ الرّحمٰن ولداً" ہ (یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان نے ایک بیٹا بنا لیا ہے)

یہ دعویٰ تھا اس دعوے کی تردید قرآن نے کی۔

"سبحانہ" ہ (اللہ ان باتوں سے پاک ہے)

اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، قرآن پاک نے اسکی تردید کرتے ہوئے ان لوگوں کو بھی لیا، جو لوگ کسی آسمانی مذہب کے ماننے والے تھے۔ اور ان لوگوں کو بھی لیا جو آسمانی مذہب کو ماننے والے نہیں تھے۔ لیکن فکر انسانی کی کجی نے انہیں اس راستے پر ڈال دیا تھا۔ مثلاً حضرت عزیر کو یہود نے ابن اللہ کہا۔ حضرت مسیح عیسیٰ کو عیسائیوں نے ابن اللہ کہا۔ قرآن نے دونوں کی تردید کی اور تردید کرتے ہوئے بڑی ہی نفیس حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا۔

"بل عباد مکرمون" ہ (وہ تو اللہ کے بندے ہیں جو بڑے قابل تکریم ہیں)

دیکھا یہ قرآن کا تردیدی پہلو ہے۔ یہ نہیں کہا کہ ان کی حیثیت کیا ہے کہ انہیں خدا بنا لیا گیا ہے ارشاد فرمایا کہ وہ رب کے بڑے مقرب بندے ہیں، عزت والے بندے ہیں، محترم بندے ہیں۔ لیکن وہ ابن اللہ نہیں ہیں۔ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں۔ لہذا پہلا دعویٰ شراکت کا اولاد کی شکل میں، ہم جنس کی شکل میں ہو سکتا تھا۔ قرآن پاک نے اس کی تردید کی۔ اب اس تردید پر جتنی قرآن میں آیات آتی ہیں ان سب کا میں ذکر کروں تو اس ایک موضوع کو بیان کرنے کے لیے مجھے چار پانچ خطابات کرنے ہوں گے۔ لہذا اشارتاً بات کر کے آگے اس لیے بڑھ رہا ہوں کہ اصل بات ایک مسئلے کو آپ کے ذہن میں پہنچانا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ شرک تب ہوتا ہے جب دونوں کی جنس ایک جیسی قرار دے دی جائے۔ جس طرح باپ اور بیٹے کی جنس ایک ہے۔ یعنی خدا بھی اس سطح پر آجائے۔ جس سطح پر انسان ہوتا ہے۔ یا انسان کو اٹھا کر اس سطح پر لے جائیں جس سطح پر خدا ہوتا ہے۔ یہ وہ صورت بنتی ہے۔ جسے قرآن شرک کہتا ہے۔ اور اسے جنسیت کا شرک قرار دیا جاتا ہے۔ کہ یہاں عابد و معبود کی آپ نے جنس ایک قرار دے دی ہے، لہذا یہ شرک ہے۔

دوسری صورت کیا ہے؟ کہ اس طرح ہم جنس تو قرار نہیں دیا، لیکن کسی اور کو بھی اللہ کی طرح خالق مان لیا ہے۔ صفت تخلیق میں اللہ کا شریک قرار دے دیا ہے۔ اس کی بھی قرآن پاک نے جگہ جگہ تردید کی ہے۔ لیکن ہمارے سامنے ایک تصور آتا ہے ایک تو وہ بتوں والی بات ہے۔ وہ تو واضح بات ہے اس ضمن میں اس لیے نہیں آتی کہ ایسی چیز جسے آپ نے اپنے ہاتھوں

Marfat.com

سے گھڑ لیا ہے۔ وہ مقام معبودیت تک پہنچ جائے۔ یہ تو انسانیت کی توہین ہے۔ ادھر انسان کو جانا ہی نہیں چاہیے۔ اب صفت تخلیق میں شریک کیا لیکن یہاں ایک خاص نکتہ ہے جس کی وضاحت میں کرنا چاہوں گا۔ قرآن نے اسے صرف اشاروں میں بیان فرمایا ہے۔ اور اسکی تفصیلات سرکارؐ کے حوالے کر دیں۔ ایک دور ایسا گزرا ہے کہ انسان کی سوچیں محدود تھیں۔ اس محدود سوچ میں انسان نے یہ بات کہی کہ اللہ تو بھلائی کا نام ہے۔ نیکی کا نام ہے۔ تقدس کا نام ہے۔ لہذا جو بھی اس دنیا میں اعمال شر ہوتے ہیں۔ ان کا خالق اللہ نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو ذہن میں بٹھا لیجئے کہ خالق خیر تو خدا ہے لیکن خالق شر خدا نہیں ہے۔ لہذا بنیادی طور پر دو خالق چاہئیں اور اس نظریے کو سب سے زیادہ زرتشت نے پھیلایا۔ آپ اگر زرتشت کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں جن کا میں پہلے ایک لیکچر میں اشارہ بھی کر چکا ہوں، وہ حکمت سے بھری کتابیں ہیں۔ لیکن یہ بنیادی نکتہ ہے جہاں زرتشت کو ٹھوکر لگ گئی ہے۔ اور اتنی بری طرح لگی ہے کہ وہ پھر سنبھل نہیں سکا۔ اس نے یہ نہیں سوچا کہ دو خدا ماننے سے آگے عقیدہ توحید پر زد کیا پڑتی ہے؟ اس بات کو نہیں سمجھ سکا اور نتیجتاً اس نے دو خدا بنا کر بٹھا دیئے۔ ایک شر کا خالق ہے اور ایک خیر کا خالق ہے۔ قرآن پاک نے بڑے بھرپور انداز سے اس بات کی تردید کی۔ جو جامع آیت اس بات کی تردید کے لیے پیش کی ہے۔ صرف ایک خالق ہونے کی صورت میں نہیں، متعدد خالق ہونے کی صورت میں، کئی خدا ہونے کی صورت میں، ارشاد فرمایا!

"لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسد تا"O

ترجمہ: ''اگر اس کائنات میں ایک خدا نہیں کئی معبود ہوتے تو اس زمین و آسمان میں فساد مچ جاتا''۔

ان کی آپس میں جنگیں ہوتیں، ان کی مرضیاں مسلط ہو جاتیں ایک دوسرے پر۔ یہ بات نہیں ہے۔ قرآن نے اس بات کو بتانے کے لیے کہ شر اور خیر کی تخلیق دو خداؤں کی طرف سے نہیں ہے، ایک آقا کی طرف سے ہے ارشاد فرمایا!

"واللہ خلقکم وما تعملون"O

ترجمہ: ''اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے، تمہارے اعمال کا خالق بھی وہی ہے''۔

یہاں ایک چھوٹی سی بات آپ کے ذہن میں اس لیے ڈالنا چاہتا ہوں کہ زرتشتی انداز کی تردید ہو سکے کہ کسی کام کا برا ہونا یا اچھا ہونا وہ انسان کی نسبت سے ہے۔ اللہ کریم کی نسبت سے نہیں۔ وہاں تو صرف تقدس ہی تقدس ہے۔ لہذا یہ ہماری نسبتیں ہیں یہاں خیر ہے اور یہاں شر ہے۔ اللہ کریم نے اسی بنیاد پر اس کی نفی کر دی۔ نہ خیر کا نام لیا ہے نہ شر کا نام لیا ہے یہ قرآن کی جامعیت ہے جب قرآن کا ذائقہ چکھتے ہوئے آپ آگے بڑھیں گے تو پھر پتہ چلے گا کہ قرآن کتنی بڑی باتیں، بالکل کتنے چھوٹے لفظوں میں کہہ جاتا ہے۔ اب اسی فقرے پر غور کریں کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو وہ بھی اللہ کی تخلیق ہے۔ اس کے لیے زرتشت کی دستگیری کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی اہرمن اور یزداں کا نظریہ تخلیق کرنے کی ضرورت

Marfat.com

ہے۔اگر ایک خالق کے ساتھ ایک اور آپ خالق بنا دیں اور اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرلیں۔ یہ بات نہیں ہوگی کہ آپ ایک خالق کے حصے میں ہیں کچھ انسان دوسرے خالق کے حصے میں آ جائیں، اس نظریے کو ماننے کے بعد ایک انسان دو خانوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ کہ یا تو خیر کا حصہ ہے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر شر کا حصہ ہے تو وہ اہرمن کی طرف سے ہے۔ ایک انسان کی شخصیت دو خانوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔اور انسان کی ذات کے اندر، ایک ذات کی طرف رجوع کرنے کی بجائے دو متضاد قوتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ایک وہ قوت ہے جو خالق خیر ہے دوسری وہ قوت ہے جو خالق شر ہے۔اگر آپ اس انداز کو اپنائیں گے تو اپنی زندگی کو صراط مستقیم پر نہیں لے جاسکیں گے۔لہذا یہ ضروری ہے کہ آپ کی ذات بھی اور آپ کے اعمال بھی ان کا خالق ایک ہی ہو۔اب دو باتیں آپ کے سامنے آگئیں کہ جنس ہو کر کسی کا شرک اللہ کے ساتھ ہو۔تو قرآن اسے شرک کہتا ہے۔اگر تخلیق میں کسی اور کو آپ شریک کرلیں اور اپنی زندگی کو دو حصوں میں بانٹ کر یہ کہیں کہ خالق خیر تو ایک ہے۔خالق شر کوئی دوسرا ہے، تو یہ وہ کیفیت ہے جسے تخلیقی صفت کے انداز سے قرآن شرک قرار دیتا ہے۔اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ کائنات کا خالق ایک ہے۔تو اعمال کا خالق کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔اسی طریقے سے اس اکائی کو جو وحدت کائنات ہے اسے آپ تقسیم نہیں کر سکتے لہذا یہ شرک ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے۔ کہ جسے قدیم دور سے بھی کہا جاتا رہا اور جدید میں بھی اسے ایک اور انداز سے کہا گیا اور کہا جاتا رہا ہے۔ کہ بذات خود زمانہ مؤثر ہے۔اسکا دوسرا معنی یہ ہوا کہ آپ نے اللہ کا انکار کر دیا ہے اور اللہ کی صفات زمانے کو عطا کر دیں۔تو زمانہ خود مؤثر ہے۔اس کے لیے قرآن کی کوئی آیت کہ یہ عقیدہ مسلم رہا ہوا نسانوں کے اندر دیکھیے قرآن کہتا ہے۔

"و قالو اما هی الا حیا تنا الدنیا نموت و نحییٰ وما یهلکنا الاالدهر"٥

یہ قرآن ہے۔

ترجمہ: ارشاد فرمایا کہ" یہ لوگ کہتے ہیں بس صرف یہ دنیاوی زندگی ہی زندگی ہے ہم یہاں مرتے ہیں، اسی دنیا میں زندہ رہتے ہیں اور ہماری ہلاکت کا سبب خود زمانہ ہوتا ہے"۔

مطلب کیا ہوا اس چھوٹے سے فقرے کا کہ ہم نے یہاں آنکھیں کھولیں، تدریجی طور پر ارتقاء پایا، ایک مرحلے پر پہنچ کر ہماری قوتیں انتہا سے نیچے اترنا شروع ہوگئیں۔اور نیچے اتر کر اس مقام پر پہنچیں کہ وہ قوتیں ختم ہوگئیں اور ہم قبر کی آغوش میں پہنچ گئے۔تو یہ سارا کچھ گردش دوراں کی وجہ سے ہے۔اب کسی دور میں تو اسے گردش دوراں کہا گیا، کسی دور میں اسے فطرت کہا گیا، کسی دور میں اس کا کوئی اور نام رکھا گیا لیکن یہ ساری کی ساری باتیں کیوں ہوئیں، جب بھی میں گہرے انداز سے قرآن کا مطالعہ کرتا ہوں، تو میرے سامنے یہ حقیقت واشگاف ہو جاتی ہے کہ یہ ساری بات محدود ذہن نے پیدا کی ہے۔چونکہ انسان اس

وسیع دنیا کا ایک چھوٹا سا پرزہ تھا، تو بجائے اس کے کہ اپنے ذہن کی عظمتوں کی وجہ سے وہ اس کائنات سے باہر نکل کر جھانکتا، وہ اس کائنات میں کھو گیا اس نے کہا!

"ومایھلکنا الاالدھر"o

یہ تو زمانے کی کارستانی ہے کہ ہم اس میں زندہ رہتے ہیں اور ہم اس میں مرتے ہیں، لیکن یہاں جب ہم سرکارؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ایک بڑا ہی لطیف نکتہ اور ہمارے ذہن میں آتا ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ زمانہ ایک سبب ہے ان تصرفات کا۔ جو سبب تک رہ گیا وہ شرک کی وادی میں گر گیا۔ اور جو اس سبب سے آگے نکل گیا وہ مقام توحید پا گیا۔ یہ تو علمی بات تھی۔ لیکن جب زمانہ سبب ہے تو اس کی اہمیت کیا ہے؟ آج تک فلاسفر زمانے کی تعریف کرتے رہے ہیں اور آپ لوگوں نے فلاسفر کی وہ تعریفیں پڑھی ہوں گی۔ کہ زمانہ کیا ہے؟ ایک جدید ترین مثال جو اس ضمن میں ہمارے سامنے دی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آپ کسی وقت پانی کے کنارے پر کھڑے ہو جائیں۔ جو طویل دریا یا نہر بہہ رہی ہے۔ آپ سمجھیں گے وہی پانی آپ کے سامنے موجود ہے۔ لیکن پانی تو بہتا جا رہا ہے۔ اب اسکی ابتداء بھی ہے انتہا بھی ہے ہم زمانے کی ابتداء کب سے قرار دیں۔ واضح بات ہے کہ اس کی ابتداء رات اور دن کی شکل میں سورج کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو ہم ایک نکتے کو سمجھنے کے لیے یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ زمانے کا آغاز سورج کے ساتھ ہے۔ اور سورج ختم ہو جائے تو زمانے کی رفتار ہمیں معلوم نہیں ہو سکے گی۔ پھر وہ غیر مختتم قسم کا زمانہ پیدا ہو جائیگا۔ اللہ کرے بات سمجھ آ جائے جب سورج نہیں تھا تو اللہ کریم تو موجود تھے۔ اسکا مطلب ہے کوئی انداز تھا اسکی حد بندی نہیں تھی رات اور دن کی شکل میں، اسکی حد بندی نہیں تھی مہینے کی شکل میں اسکی حد بندی نہیں تھی۔ سال کی شکل میں اسکی حد بندی نہیں تھی۔ صدی کی شکل میں، یہ باتیں نہیں تھیں لیکن زمانہ موجود تھا۔ جب یہ نہیں ہوگا تو آپ سورج کے ذریعے جو حد بندی کر رہے ہیں وہ تو نہیں ہوگی۔ لیکن وہ روانی اور وہ بہاؤ تو اپنے مقام پر باقی ہوگا۔ لہذا زمانہ بذات خود اپنی ابتداء کے باوجود اپنی انتہا نہیں رکھتا۔ اس نکتے کو آپ سمجھ لیں کہ وہ ابتداء کے باوجود انتہا نہیں رکھتا۔ اور اس زمانے کو جب آپ سامنے رکھتے ہیں تو اس کی عظمتیں اور وسعتیں آپ کے محدود سے ذہن میں سماتی ہیں۔ آپ اسے طویل بہتے پانی سے تشبیہ دے کر تسکین تو حاصل کر لیں گے۔ لیکن یہ وہ تعریف نہیں جسے میں جامع تعریف کہہ سکوں۔ لہذا جب برگساں کے سامنے علامہ اقبالؒ نے یہ بات کہی کہ ہمارے محبوبؐ نے فرمایا ہے کہ زمانہ کو برا نہ کہو زمانہ تو میں ہی ہوں۔ تو وہ اٹھ کر ناچنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ آج تک زمانے کی تعریف مجھ سے نہیں بن پڑی تھی۔ تمہارے نبی برحق سچ مچ اللہ کے سچے رسول تھے۔ جس نے زمانے کی اتنی حسین تعریف کی ہے تو مطلب یہ تھا سرکارؐ کا کہ اس کائنات کو چلانے کے لیے ایک سبب ہے، جسے ہم زمانہ کہتے ہیں اور اگر اس کی گردش ہماری زندگی پر چھا جائے تو پھر ہم زمانے کے تابع ہو جاتے ہیں پھر یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ

"مایھلکنا الاالدھر"ہ (یہ محدودیت ہے)

اس نکتے کو آپ سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ یہ محدودیت ہے اور زمانے کی وسعتیں ابتداء ہوتے ہوئے ان حد بندیوں کے ہوتے ہوئے آگے نکل جاتی ہیں۔اب جو اس زمانے کی گرفت کے اندر رہ جاتا ہے۔اس میں وسعت نہیں ہوتی۔وہ مظاہر فطرت کو خدا سمجھنے لگ جاتا ہے اور مظاہر فطرت میں سب سے بڑا مظہر خود زمانہ ہے۔اللہ کرے یہ بات ذہن میں بیٹھ جائے۔ اب جو اس مظہر فطرت،مظہر قدرت سے آگے نکل جاتا ہے اس کے لیے ہمارا قلندر کہتا ہے کہ قلندر وہ نہیں ہوتا جو زمانے کا مرکب ہو قلندر تو وہ ہوتا ہے جو زمانے کا راکب ہو وہ زمانے کی سواری نہیں ہوتا وہ زمانے کا سوار ہوتا ہے۔اسی کا رومی نے ایک انداز سے بیان کیا۔ان کا انداز یہ تھا۔کہ مخلوق دو قسم کی ہے ایک ابن الوقت،وہ جو ہماری زبان میں استعمال ہوتا ہے اس معنی میں نہیں، زمانے کا بیٹا جو زمانے سے آگے دیکھ نہیں سکتا۔اور کہتا ہے کہ

"مایھلکنا الاالدھر"ہ (ہمیں تو زمانہ ہی مارتا ہے)

ایک وہ ہے جو ابن الوقت نہیں ابوالوقت ہے۔وقت اس کے تابع ہوتا ہے،وقت جس کے تابع ہو وہ اگر اشارہ کرے تو ڈوبا ہوا سورج واپس آجائے۔اور امید ہے نکتہ ذہن میں بیٹھ گیا ہوگا۔اب کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اشارہ کرے تو چاند کے دو ٹکڑے بن جاتے ہیں اس کو سوچنے والوں نے دو اندازوں سے سوچا۔ایک نظریہ یہ تھا کہ اگر زمانہ تیرے مطابق نہیں تو تو زمانے کے مطابق ہو جا۔یہ بھی ایک نظریہ تھا جسے بڑی دیر تک ایران میں بڑی قبولیت ملی۔اور حضرت سعدی شیرازیؒ بھی کسی انداز سے اس نظریے کو فرما گئے۔ایک یہ نظریہ ہے کہ اگر زمانہ تیرے تابع نہیں تو تو زمانے سے جنگ کر۔یہ اقبالؒ کا نظریہ ہے

؎ گر زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز

اگر زمانہ تیرے مطابق نہیں چلتا تو زمانے سے اعلان جنگ کر دے۔اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بات بھی کہی۔

؎ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ زمانے کی حدوں کے اندر رہ جانے والا اسے خدا بنا لیتا ہے۔اور زمانے کا جو راکب ہوتا ہے وہ اس سے آگے نکل جاتا ہے۔حضرت شیخ الاسلام سیالوی وضو فرما رہے تھے کسی نے کہا کہ حضرت جلدی وضو کیجیے سورج ڈوب رہا ہے۔ آپ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور پلٹ کر کہا کہ کب سے تجھے پتہ چلا ہے کہ میں ابن الوقت ہوں۔اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ سورج رک بھی سکتا ہے ایسی کوئی بات نہیں۔تو یہ ایک اور نوعیت تھی۔کہ زمانہ بذات خود مؤثر ہے اس کو موجودہ ہماری صدی کے ابتدائی عرصے میں آپ میں سے جن لوگوں کو انگریزی ادب پر گہرا مطالعہ ہے انہیں پتہ ہے کہ Nature کو کتنی اہمیت دی گئی تھی مغربی دنیا اور Wordsworth نے اس پر کتنی طویل نظمیں لکھی تھیں۔ہمارے برصغیر میں سرسید احمد خان علی

Marfat.com

گڑھ والوں نے اس مسئلے کو کس حد تک بیان کرنے کی سعی بلیغ یا سعی نابلیغ فرمائی تھی۔ تو بہر کیف وہ ایک طوفان تھا جو آیا اور گزر گیا فطرت اپنے پر سمیٹ کر چلی گئی مؤثر حقیقی ثابت نہ ہو سکی۔ نہ Wordsworth کے کہنے سے بن سکی بات نہ سید صاحب کے کہنے سے بات بن سکی۔ بات وہیں رہی کہ یہ مؤثر ہیں۔ لیکن ان میں اثر پیدا کرنے والی قوت کوئی اور ہے۔ اور جو اور قوت ہے اسی کو خدا کہتے ہیں۔ اسی کو اللہ کہتے ہیں، جو اس سارے نظام کو گھماتا ہے چلاتا ہے۔ اب تیسری بات یہ تھی۔ کہ زمانہ بذات خود مؤثر اور خالق بن جائے قرآن نے اس کی شدت سے تردید کی۔ یہ بات بیان کر کے ایک ہی جملے میں ساری بات کو کاٹ کر رکھ دیا۔ فرمایا!

"ومالھم بذلک من علم"o (جو لوگ یہ بات کہہ رہے ہیں انہیں کسی قسم کا اس موضوع پر علم حاصل نہیں ہے)

آپ خواتین وحضرات سوچیں گے کہ کسی قسم کا علم میں کس لفظ کا معنی کر رہا ہوں۔ قرآن نے یہاں علم کا لفظ جو ہے اسے Common Noun کے طور پر استعمال کیا ہے۔ Proper Noun کے طور پر استعمال نہیں کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو اس سلسلے میں حقیقی بات ہے کہ اثر اور ہے اثر پیدا کرنے والا اور ہے۔ اس بات کی حقیقت کو اس لیے نہیں پا سکے کہ جو زمانے کی گردش میں پھنس گیا ہے وہ بیچارہ ذات خدا اور صفات خدا کو کیا سمجھ سکے گا۔ لہذا فرمایا انہیں کسی قسم کا علم نہیں ہے۔ اور توجہ کس بات کی طرف دلائی کہ اے اصحاب علم تم نے اس گتھی کو سلجھانا ہے قرآن بے شمار باتیں کر کے، راستہ دکھا کر ہمیں کہہ دیتا ہے۔ کہ اجتہادی انداز سے آگے بڑھو، اس گتھی کو سلجھانا تمہیں ان علوم کے ذریعے ممکن ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول نے تمہیں عطا فرما دیئے ہیں۔ تو ارشاد ہوا کہ انہیں بالکل ذرا بھی اس سلسلے میں علم نہیں ہے۔ یہ تیسری بات تھی۔ میں اعادہ کر رہا ہوں کہ نکتے آپ کے ذہن میں بیٹھ سکیں۔ اللہ جیسا ہم جنس ہو تو شرک ہوتا ہے۔ اللہ کی طرح کوئی اور خالق ہو جائے تو خالق ہم اسے مان کر زندگی کو تقسیم کر دیں اور زمانے کو مؤثر مان کر اسے خدا کہہ دیں تو یہ شرک ہے۔ جسے قرآن نے رد کر دیا ہے۔ ایک بات اور وہ کہتے تھے۔ جس کی قرآن نے تردید کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ خالق تو خدا ہی ہے لیکن بے شمار مخلوق کی تخلیق فرمانے کے بعد تھک گیا ہے۔ لہذا اب اس کے بس کی یہ بات نہیں رہی کہ اس کا انتظام بھی کر سکے۔ اب یہ بات نہیں ہے قرآن پاک نے اس نظریے کی بھی شدت سے تردید کی ہے۔ ایک دو جگہ پر نہیں لاتعداد جگہوں پر۔ میں ہر موضوع پر ایک یا دو آیتیں پیش کرتا جا رہا ہوں ارشاد ربانی ہے۔

"ولقد خلقنا السمٰوٰت والارض وما بینھما فی ستۃ ایام"o

ترجمہ: ''ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا''۔

(یہاں نکتے کی بات یہ ہے کہ آسمان کے لیے جمع کا لفظ آیا ہے اور زمین کے لیے واحد کا لفظ آیا ہے۔ آگے جب Translation قرآن کی شروع ہو گی تو اس ایک فقرے پر ہمیں شاید دو دو، تین تین تقریریں کرنی پڑیں، ابھی چونکہ اختصار

Marfat.com

Marfat.com